

# تفسیر مظہری

جلد ہفتم

سورہ اسرائیل سے سورہ انبیاء تک  
پارہ ۱۵ تا پارہ ۱۷ کا نصف رکوع ۷ تک

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد شہار الدین عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبد الدائم الجلالی

رفیق نذوقہ المصنفین

ناشر

دارالاشاعت

اندو بازار کراچی ۱ — فون ۲۱۳۷۶۸

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر  
اس ترجمہ و کمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں حق دار الاشاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دار الاشاعت کراچی  
طباعت : ۱۹۹۹ء کلیل پریس کراچی۔  
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

﴿..... ملنے کے پتے .....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی  
ادارۃ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور  
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور  
مکتبہ امدادیہ فی ملی ہسپتال روڈ ملتان  
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

بیت القرآن اردو بازار کراچی  
بیت العلوم 26-27 روڈ لاہور  
کشمیر بک ڈپو۔ صوبہ شہباز فیصل آباد  
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار رولپنڈی  
یونیورسٹی بک اینجینی خیر بازار پشاور

# فہرست مضامین تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۸	بچے دوزخ میں جائیں گے۔ حقوق والدین	۹	سورہ بنی اسرائیل
۴۰	اہل قرابت کی مالی امداد	۱۱	حدیث: معراج مسجد حرام سے ہوئی یا حضرت ام ہانیؓ کے مکان سے
۴۱	مال کو فضول برباد کرنا، کنجوسی، حد سے زیادہ خرچ کرنا، احادیث	۱۲	کیا معراج ایک خواب تھا۔ حدیث
۴۳	قتل اولاد کی ممانعت، زنا کی ممانعت	۱۳	معراج کے واقعہ سے قریش نے انکار کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کی تصدیق فرمائی
۴	ناحق قتل کرنیکی ممانعت کی آیت اور احادیث، قصاص کاجواز	۱۴	پھر حضور ﷺ کا مسجد اقصیٰ کی تفصیلات بیان کرنا۔
۴۴	فصل: سب سے پہلے خون ناحق کے فیصلے ہوں گے وقاعد کی ہدایت۔ صحیح ناپ تول کا حکم	۱۵	بنی اسرائیل کے فسادی الارض اور حضرت شعیبؑ و ذکر یاقین علیہم السلام کے قتل اور حضرت عیسیٰؑ کے اروہ قتل کا ذکر
۴۵	جس ناپ کا قطعی علم نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جانے کی ممانعت	۱۶	خدو لوند کریم کا بنی اسرائیل پر بطور سزا کے بخت نصر وغیرہ کو مسلط فرماتا
۴۶	ظنی دلائل پر عمل کرنے نہ کرنے کی تحقیق ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۲۸	حدیث: زیریں عرش عظیم سے اعمال نامے داہنے اور بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔
۴۷	تواضع کا حکم، تکبر غرور اور اکڑ کر چلنے کی ممانعت	۲۹	مسئلہ: کیا نبی کے مبعوث ہونے سے قبل احکام شرعیہ عقلاً واجب ہوتے ہیں؟ بعض علماء نے اصلاً انکار فرمایا اور بعض نے صرف توحید کا اقرار واجب قرار دیا۔
۴۹	تشیخ جمادات کی صراحت	۳۰	ہر ہزار میں ۹۹۹ دوزخ کا حصہ ہیں۔ حدیث
۵۳	مومنوں کا قبر سے اللہ کی حمد کرتے ہوئے اٹھنا اور کافروں کی زبانوں سے قبروں سے اٹھنے کے وقت حسرت و افسوس کے کلمات نکلنا۔ احادیث	۳۱	زمانہ فطرت کے لوگ اور وہ لوگ جن کو پیغمبروں کی دعوت نہیں پہنچی قیامت کے دن جب پیغمبروں کی دعوت پر مطلع نہ ہونے کا عذر پیش کریں گے تو اس روز ان کی آزمائش کے بعد بطور امتحان دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ احادیث
۵۶	سب سے لول اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ حدیث	۳۲	فصل: اطفال مشرکین کا قیامت کے دن کیا حال رہے گا، علماء کے اقوال اور اس کے متعلق متعدد احادیث، مومنوں کے بچوں کے جنتی ہونے پر اجماع ہے، بحث کی تحقیق۔
۶۴	انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ تشبیح بحث	۳۳	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
۶۶	اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟ ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۳	بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے
۶۷	وَلٰنْ كَادُوْا لِيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْ كَاثَمَانَ زَوَّل		
۶۸	یہودیوں یا مشرکوں کے ایک اعتراض کے باعث آپ کا مدینہ یا مکہ سے شام تشریف لے جانے کے ارواہ کا ذکر نمازوں کی فرضیت اور اوقات کا بیان		
۷۰	جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے پچیس گنا افضل ہے اور فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	بلان کو کھینا جائے گا۔	۷۱	رمضان وغیرہ میں سونے سے پہلے نوافل پڑھنے کی احادیث
۹۶	کفار قبروں سے اندھے، بہرے، گونگے اٹھائے جائیں گے پاس کے خلاف ہوگا، دونوں قسم کی احادیث اور ان میں تطبیق۔	۷۲	آخری رات میں تہجد کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے
۹۸	حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات جن کو آیات بیات کہا گیا ہے	۷۳	مسئلہ: رسول اللہ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی یا آپ کے لئے بھی نفل تھی؟ مؤخر الذکر قول قابل ترجیح ہے۔
۱۰۱	مسئلہ: اللہ کے خوف سے رونالور اللہ کی راہ نش بیدار رہنے والی اور اللہ کے خوف سے رونے والی آنکھ کا بیان۔ احادیث	۷۴	مسئلہ: تہجد سنت موکدہ ہے۔
۱۰۳	رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فریارات کی نماز میں تم اپنی آواز ذرا اونچی رکھا کرو اور حضرت عمرؓ سے فریارات کی نماز میں اپنی آواز ذرا پست رکھا کرو۔	۷۵	مسئلہ: تہجد سنت موکدہ ہے۔
۷	فصل: رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت	۷۶	رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت
۱۰۴	الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا الْخ آیت عزت ہے حدیث	۷۷	مقام محمود کونسا مقام ہے صحیح یہ ہے کہ مقام شفاعت کا نام مقام محمود ہے۔
۸	تحمید، تلیل، تسبیح اور تکبیر بڑھنا احادیث	۷۸	شفاعت کبریٰ کا بیان، موقف کی شدائد دور کرنے کے لئے شفاعت۔ احادیث
۹	خاندان عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ بولنے کے قابل ہوتا تو آپ اس کو سب سے پہلے آیت الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا پڑھنا سکھاتے تھے۔	۷۹	فائدہ
۱۰	سورہ کف	۸۰	رسول اللہ ﷺ کو تین شفاعتوں کا حق دیا گیا
۱۰۵	حدیث: رسول اللہ سے علماء یہود کے تین سوالات سورہ کف کا نزول	۸۱	مسئلہ: معززلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اترا کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
۱۰۶	خطا اجتہادی کے سلسلہ میں ایک شبہ ازالہ شبہ	۸۲	فصل: دوسرے انبیاء بھی شفاعت کریں گے
۱۰۷	آیت اِنَّا جَعَلْنَا عَلَى الْاَرْضِ الْخ ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۸۳	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
۱۰۸	حدیث: قصہ اصحاب الریم	۸۴	حضرت مجد الف ثانیؓ نے فرمایا، مقام شفاعت میں تہجد کی نماز کو بڑا دخل ہے۔
۱۰۹	قصہ اصحاب کف	۸۵	استعداد فطری کیا ہے؟
۱۱۰	حضرت معاویہؓ کا اصحاب کف کے غار پر جانا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے منع کرنے کے باوجود انھیں حال کرنا۔	۸۶	آیت: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ الْخ یہود کا سوال اور حضور ﷺ کا جواب
۱۱۲	مسئلہ: صوفی باہمہ بے ہمہ ہوتا ہے۔	۸۷	آیت: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ الْخ کے ضمن میں ایک شبہ
		۸۸	شبہ کا ازالہ، فائدہ
		۸۹	قیامت سے پہلے قرآن کا غدوں سے اور دلوں سے اٹھایا جائے گا۔ احادیث
		۹۰	علم کے اٹھ جانے کے معنی ہیں علماء کا اٹھ جانا علم کے موافق عمل کرنے کی توفیق نہ ملنا
		۹۱	قیامت کے روز کفار منہ کے بل چلیں گے یا منہ کے
		۹۵	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	اس کو روکا جاسکتا ہے مگر ولی اللہ کے کامل ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس پر جرح و قدح کی جائے کہ شاید اس میں کوئی شرعی مصلحت ہو اور ہماری نظر کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔	۱۲۳	مسئلہ: لولیاء اللہ کے مقابر کے نزدیک مسجد بنانا جائز ہے
۱۵۱	ایک شبہ اور اس کا جواب	۴	حدیث: قبروں کے پکابنانے کی ممانعت اور قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت
۱۵۲	جہاں تک ممکن ہو لولیاء اللہ کے غیر شرعی اقوال کی کوئی شرعی تاویل کی جائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو ان کی مراد نہ سمجھنے کا اعتراف کیا جائے۔	۱۲۴	انشاء اللہ کے بغیر یوں نہ کہنا چاہئے کہ کل یہ کام کرونگا
۱۵۷	ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۲۵	اگر شروع میں انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو بات کہنے کے بعد انشاء اللہ کہہ لینا چاہئے
۱۵۸	ایک جدید شبہ اور اس کا جواب	۶	دوزخ کے پردوں کا ذکر
۱	مسئلہ: تمام اشیاء ممکنہ کے وجود ان حقائق امکانہ کا پر تو ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور جو مرتبہ علم الہی میں ہیں ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا۔	۱۳۰	سائو کالمہیل کا ذکر
۱۶۲	کیا حضرت خضر زندہ ہیں؟ یا وفات پاگئے ہیں۔ تفتیح یا جوج ماجوج کون ہیں ان کی کتنی قسمیں ہوں گی۔	۱۳۱	حدیث: اہل جنت کے زیور اور لباس کے بدلے میں
۱۶۶	احادیث: یا جوج ماجوج کا خروج کب اور کیسے ہوگا۔	۶	حدیث: نبی کریم کو بزرگ بہت ہی پسند تھا۔
۱۷۶	خروج جلال کی احادیث مرویہ	۱۳۴	مسمری نشین اہل جنت کا لباس
۱۸۰	دانش مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطہر رکھا اور اخروی زندگی کی تیاری کی اور بے وقوف وہ ہے جو ناجائز خواہشات کے پیچھے پڑا ہے۔	۱۳۵	اگر کوئی چیز دیکھنے سے اچھی معلوم ہو اور ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہہ دے تو نظر نہیں لگے گی۔ حدیث
۱۸۳	قیامت کے دن کفار اور ان کے اعمال کا وزن اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال	۱۳۷	باقیات صالحات کیا ہیں۔ حدیث
۱۸۷	جنت الفردوس کا ذکر۔ حدیث	۱۳۸	حقیر گناہوں کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ حدیث
۱۸۸	ایک شبہ	۶	قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی
۱۸۹	ازالہ شبہ	۶	تیسری پیشی میں اعمال نامے اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔
۱۹۰	شرک اصغر یعنی ریاکاری کا ذکر۔ حدیث	۶	تمام اعمال نامے زیریں عرش ہوں گے۔ حدیث
۱۹۱	اہل تصوف کے نزدیک آیت فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا الخ کی تشریح۔ ایک شبہ	۱۴۱	ابلیس کی لولاد
۱۹۲	فصل: سورہ کف کے فضائل، حدیث کی روشنی میں	۱۴۲	وضو اور نماز میں برکانے والے شیطانوں کے نام
۱۹۳	سورہ مریم	۱۴۳	رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ اور حضرت علی سے فرمایا کہ تم تہجد کی نماز نہیں پڑھتے۔ اس حدیث
۱۹۴	مسئلہ: انبیاء کے ترکہ کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔	۱۴۴	حضرت موسیٰ کا حضرت کی تلاش میں جانا، آیت و حدیث
۱۹۵	ایک شبہ، جواب شبہ	۱۵۰	مفسول کو کبھی فاضل پر جزئی فضیلت ہوتی ہے فاضل کو چاہئے کہ وہ مفسول سے بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور کسی قسم کی اس میں عادت محسوس کرے۔
۱۹۸	ایک شبہ، ازالہ شبہ	۶	حکمت و دانش کی بات مومن کی گمشدہ ہے جہاں ملے حاصل کرے۔ حدیث
		۱۵۱	مسئلہ: مسلک کا اتھاوا، اطاعت کامل اور مرشد پر اعتراض نہ کرنا استفادہ کی بنیادی شرط ہے۔
		۶	مسئلہ: اگر کسی ولی اللہ سے غیر شرعی فعل سرزد ہو تو

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۳۳	اصالت طینت (سرسختی) اور اصالت کبرئی کا ذکر حضرت مجدد نے کس بات کا دعویٰ کیا۔	۱۹۵	صدیق کا مرتبہ
۲۳۹	ایک شبہ، ازالہ شبہ	۲۰۱	حضرت اور یس کے جنت میں داخل ہونے کا بیان۔
۲۴۰	جنت میں اونچے درجہ والوں کے متعلق احادیث	۲	حضرت اور یس کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ۔
۲۵۲	ایک شبہ، جواب شبہ	۲۰۳	حدیث: قرآن کی عبادت کر لو اور یہ کرو اور نہ آئے تو روئے بن جاؤ
۲۵۳	یہ خیال کہ نبوت سے ولایت افضل ہے، صحیح نہیں	۲۰۴	غنی جنم کے کسی دریاہ کوئی کا نام ہے۔
۲۵۴	خروج و نزول کی تحقیق	۲۰۵	سب لوگ دوزخ پر ضرور اتریں گے مگر تقویٰ والوں کو رہا کر دیا جائے گا۔
۲۵۸	قیامت میں کافر کا برا عمل اس پر سولہ ہو جائے گا۔	۲۰۸	ایک شبہ اور اس کا ازالہ، ایک سوال اور اس کا جواب۔
۲۵۹	جو شخص ناجائز طور پر دنیا کی کوئی چیز لے گا قیامت کے دن اس کا بدار اپنے کاندھے پر اٹھائے گا۔	۲۰۹	احادیث: دوزخ میں وارد ہونے کی تشریح۔
۲۵۹	احادیث: قدر ضرورت سے زائد جو شخص عبادت بنائے گا قیامت کے دن اس کا بدار اپنے لو پر اٹھائے گا۔	۲۱۶	اہلسنت کے مسلک کی تشریح اور مرجعہ کے شبہات کا ازالہ۔
۲۶۲	ایک نکتہ، آیت لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ۔ اَوْ يَحْذَرُوا لَكُمْ ذِكْرًا کے ضمن میں سورہ کا بیان۔	۲۲۰	ایک شبہ اور ازالہ شبہ
۲۶۳	حضرت آدم کا قصہ	۲۲۰	احادیث: متقی قیامت کے دن سوار یوں پر ہونگے اور کافر نہ کے بل پیدل چلیں گے۔
۲۶۴	حدیث: جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو انکی پشت پر اپنا تھم پھیرا۔	۲۲۰	حدیث: جس کا میں مولا ہوں، علیؑ بھی اس کا مولا ہیں۔
۲۶۴	آدم کو نسیان ہو گیا اسی لئے اس کی اولاد بھی بھولتی ہے، آدم سے خطا ہو گئی اسی لئے ان کی نسل بھی خطا میں کرتی ہے۔	۲۲۰	حدیث: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیلؑ سے فرماتا ہے کہ تو بھی اس سے محبت کر۔
۲۶۵	حدیث: حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کا مباحثہ۔	۲۲۲	سورہ طہ
۲۶۶	ایک شبہ، جواب شبہ	۲۲۲	”زمین مچھلی کی پشت پر ہے“ کی پوری تفصیل ایک حدیث
۲۶۶	حدیث: میری امت سے بھول چکا تھا انکی گئی ہے یعنی صف کر دی گئی ہے۔	۲۲۲	لفظ ستر اور اٹھلی کی تحقیق
۲۶۷	کافر کی تنگ زندگی کا بیان	۲۲۶	حدیث: اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ حجاب کھول دے تو اس کی تجلیات سب کو جلا ڈالیں۔
۲۶۸	حدیث: سب سے زیادہ حاج انبیاء کی ہوتی ہے	۲۲۶	سوی نے اللہ کا کلام ہر طرف سے اور اپنے ہر عضو سے سنا تھا۔
۲۷۰	مسئلہ: نماز میں سورہ فاتحہ کی قرات	۲۲۷	نماز کی فضیلت اور اہمیت
۲۷۰	حدیث: سورہ فاتحہ کے پڑھے بغیر نماز نہیں۔	۲۲۷	اللہ کے فرمان ”انا عند ظن عبیدی بی“ کی تشریح۔ حدیث
۲۷۱	حدیث: تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو جیسے چاند دیکھتے ہو۔	۲۲۷	حدیث: جو نماز پڑھتی بھول جائے یا سوتلہ جائے۔
۲۷۲	مسئلہ: اللہ کو ماننا اور واحد جاننا ہر عقل والے پر واجب ہے اور انکار مستحق عذاب بتلا ہے۔	۲۲۷	مسئلہ: اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کی عبادت کرنا بجائے خود اصلی مقصود ہے اگر جنت کی رغبت اور دوزخ کا زور نہ بھی ہو تب بھی ایمان و عبادت کو اصل مقصد قرار دیا جاسکتا ہے۔
۲۷۶	سورۃ الانبیاء	۲۲۷	ایک شبہ، جواب شبہ
۲۸۲	ذکر الہی کے استغراق میں بندے کا نفل اللہ کا نفل ہوتا ہے۔	۲۳۳	کیا حضرت موسیٰ کی زبان کی گرہ بالکل کھل گئی تھی۔
۲۸۲	ایک شبہ، ازالہ شبہ	۲۳۳	فائدہ دہی اور نبوت تشریحی انبیاء کیلئے مخصوص ہے اور اس نبوت کا خاتمہ خاتم النبیین پر ہو گیا، کمالات نبوت اولیا علیہ السلام حاصل ہو سکتے ہیں۔
۲۸۲	آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اِیٰٓ حَتّٰی اِیٰٓ حَتّٰی اِیٰٓ حَتّٰی	۲۳۶	تخلیل اللہ اور حبیب اللہ کی تعین کے مبادی کون سے اوصاف ہیں۔
۲۸۶	جواب شبہ		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۱۹	ایوبؑ نے بے مبری کا اظہار فرمایا۔ ازالہ شبہ (احادیث)	۲۸۹	ایک شبہ: کہ عجلت پسندی اللہ کی صفت ہے تو اچھی ہوگی، لیکن آیت بتاتی ہے کہ یہ صفت مذموم ہے۔
۳۲۰	کیا مرے ہوئے بچے زندہ کئے یا دوسری لولاد عطا کی گئی	۲۹۲	انزالہ شبہ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ فِي الْمِيزَانِ سے کیا مر لو ہے؟
۳۲۱	ذوالکفلؑ پیغمبر تھے یا نہیں؟ علماء کا اختلاف ہے	۲۹۸	حضرت ابراہیمؑ نے تین بار کے علاوہ (صورۃ) بھی جھوٹ نہیں بولا۔ احادیث
۳۲۳	حضرت یونسؑ کا ذکر	۲۹۹	حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالنے کا واقعہ۔
۳۲۴	آیت: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کے ذیل میں احادیث کا ذکر	۳۰۰	گرگن کو مار ڈالنے کے بارے میں احادیث۔
۳۲۵	حضرت یونسؑ کو کب پیغمبر بتایا گیا۔	۳۰۱	حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت شام کی طرف۔
۳۲۷	یاجوج ماجوج کا ذکر	۳۰۲	شام کی فضیلت و برکات کا بیان
۳۲۷	تخلیق انسانی کی بحث	۳۰۲	ارض شام روئے زمین پر اللہ کا خزانہ ہے۔
۳۳۲	ایک سوال: کیا مومن گناہ گار جنت میں داخل نہیں ہوں گے	۳۰۲	سر زمین شام میں رہنے کی ہدایت (احادیث)
۴	جواب:	۳۰۲	حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ
۳۳۳	حدیث: روئے زمین پر کوئی گھریا جھونپڑا نہیں ہوگا جس میں اسلام نہ پہنچ گیا ہو۔	۳۰۵	مسئلہ: فیصلہ کرنے کے بعد، حاکم کی رائے حکم ستانے سے قبل بدل جائے تو فیصلہ منسوخ کرنا جائز ہے۔
۴	میں ہادی و رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں عذاب بنا کر نہیں (حدیث)	۳۰۷	مسئلہ: گھوڑے والا سولہ ہوا یا گام پکڑے جا رہا ہو ایسی صورت میں گھوڑا لات مار دے تو کیا تاوان دینا ہوگا۔
۳۳۴	ایک شبہ اور اس کا ازالہ، فرقہ باطنیہ اور شیعہ کے قول تفسیر کی تردید	۳۰۷	اس میں علماء کا اختلاف ہے۔
		۳۰۷	قاعدہ: سلیمانؑ کا فیصلہ صلح اور داؤدؑ کا فیصلہ حکم محمد صلح حکم سے بہتر ہے۔
		۳۰۸	محمدؐ کے لئے دو ہر اجر ہے (حدیث)
		۳۰۸	حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا حکم دو عورتوں کے بارے میں جن میں سے ایک کا بچہ بھیڑا اٹھالے گیا تھا۔
		۳۰۸	حدیث
		۳۰۸	حضرت داؤدؑ کے تسبیح کرنے میں پہاڑوں اور پرندوں کو بھی مان کے تابع کر دینے کا بیان۔
		۳۱۰	حضرت سلیمانؑ کا قصہ (احادیث) حضرت ایوبؑ کا قصہ
		۳۱۱	حضرت ایوبؑ نے اپنی مسکینی الضرو انت آرحم
		۳۱۵	الرحمن کہہ کر کن حالات میں دعا مانگی۔
		۳۱۶	حضرت ایوبؑ کتنی مدت دکھ میں رہے کب دعا کی اور کیوں کی
		۳۱۹	ایک شبہ: اللہ نے حضرت ایوبؑ کو صابر کہا اور حضرت

## پندرہواں پارہ شروع

## ..... سورۃ بنی اسرائیل ..... ❁

اس سورۃ میں ایک سو گیارہ آیات ہیں۔ آیت **وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ** سے آٹھ آیات تک مدنی ہیں، باقی پوری سورۃ مکی ہے۔

## ❁ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ❁

## سُبْحٰنَ

پاک ہے یا میں اللہ کی پاکی کا اقرار کرتا ہوں یا اللہ کے پاک ہونے کا تم اقرار کرو۔  
سُبْحٰنَ اصل میں اسم مصدر ہے بمعنی تسبیح کے، تسبیح کا معنی ہے پاک جاننا اور پاکی کا اقرار کرنا۔ کبھی اللہ کے نام کے طور پر بھی مستعمل ہوتا ہے، یعنی اللہ سبحان (پاک) ہے۔ سُبْحٰنَ اگرچہ اسم مصدر ہے۔ لیکن بجائے فعل کے استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کا فعل ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ کلام کے آغاز میں لانے سے اس بات پر تنبیہ کرنی ہے کہ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ کبھی سبحان کو بطور تعجب کے بھی بولا جاتا ہے (جیسے کہتے ہیں سبحان اللہ) وہ جو رات کو لے گیا اپنے خاص بندے (یعنی محمد ﷺ) کو۔

## الذی اسْتَرٰی بَعْبُدًا

رات کو۔ اسراء کا معنی ہی رات کو لے جانا ہے اس کے بعد لَيْلًا کو بصورت نکرہ ذکر کرنے سے وقت کی کمی کی طرف اشارہ ہے (یعنی رات کے قلیل ترین وقت میں)۔

قِيْنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
حرمت والی مسجد (یعنی کعبہ) سے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی وساطت سے حضرت مالک بن مہدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں مسجد حرام کے اندر نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا (نہ سو رہا تھا نہ جاگ رہا تھا) کہ جبرئیل میرے پاس براق لے کر آئے۔ دوسری روایت میں ہے میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا (یعنی نیند کی حالت میں تھا) کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ سورۃ والنجم کی تفسیر میں ہم نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے وہیں سے معراج ہوئی تھی اس روایت پر مسجد حرام سے مراد (کعبہ یا حطیم نہ ہو گا بلکہ) حرم ہو گا۔ حرم کو مسجد حرام اس لئے فرمایا کہ سارا حرم مسجد ہے یا یہ وجہ ہے کہ مسجد حرام حرم میں واقع ہے حرم مسجد حرام کو محیط ہے۔ معراج کو جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کا کعبہ میں ہونا حضرت انسؓ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے جو صحیحین میں مذکور ہے اور حضرت انسؓ نے حضرت ابو ذرؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں مکہ میں تھا کہ (کعبہ کی چمت میں) میرے لئے شکاف کر دیا گیا، یہ حدیث بھی ہم نے سورۃ والنجم کی تفسیر میں ذکر کر دی ہے



ابو یعلیٰ نے مسند اور طبرانی نے الکبیر میں بیان کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج ہوئی اس رات کو آپ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے اور اسی رات میں فوراً آپ واپس آئے تھے اور ام ہانی سے معراج کی کیفیت بیان فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ پیغمبروں کو \_\_\_\_\_ مشکل (یعنی جسم) کر کے میرے سامنے لایا گیا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی پھر صبح کو حضور ﷺ مسجد میں آئے اور قریش کو اطلاع دی۔ لوگوں نے ناممکن سمجھ کر تعجب کیا اور بعض مسلمان بھی مرتد ہو گئے۔ کچھ لوگ دوڑے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، اگر انہوں نے ایسا فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا، کیا ان کی ایسی باتوں کو بھی آپ سچ جانتے ہیں۔ فرمایا، میں تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتوں کی ان کے متعلق تصدیق کرتا ہوں (جبرئیل کا آنا اور اللہ کی طرف سے قرآن لانا اور وقتاً فوقتاً نازل ہو کر وحی لانا تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتیں ہیں اور میں ان تمام باتوں میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ایمان لایا ہوں) حضرت ابو بکرؓ کو اسی تصدیق کی وجہ سے صدیق کا لقب مل گیا، کچھ لوگ بیت المقدس جا چکے تھے اور وہاں کے حالات سے واقف تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیت المقدس کے متعلق دریافت کیا، فوراً حضور ﷺ کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور آپ بیت المقدس کو سامنے دیکھ کر حالات بیان کرنے لگے، لوگوں نے کہا، کیفیت تو آپ نے ٹھیک بیان کی اب آپ ہمارے قافلہ کے متعلق بتائیے (کہ وہ کہاں ہے) آپ ﷺ نے ان کو لونٹوں کی تعداد اور لونٹوں پر جو مال تھا اس کی کیفیت بتادی اور فرمایا، فلاں دن طلوع آفتاب کے وقت قافلہ آپہنچے گا اور آگے آگے خاکستری رنگ کا لونٹ ہوگا، لوگ دوڑتے ہوئے پہاڑ کے درے میں پہنچے قافلہ آتا ہوا مل گیا اور دیکھا ہی ملا جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا پھر بھی ایمان نہ لائے اور بولے یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے۔

میں کہتا ہوں معراج کا واقعہ دوسرے ہوا ایک بار حطیم سے اور دوسری بار حضرت ام ہانی کے مکان سے۔ دونوں حدیثیں اپنی جگہ صحیح ہیں دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے کماشب معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں ایک بار رجب کے مہینے میں معراج ہوئی اور دوسری بار ماہ رمضان میں۔

إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا  
مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک۔ اقصیٰ (انتہائی) آخری۔ پرے کے کنارے کی) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس سے پرے بھی کوئی مسجد نہ تھی۔ رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا، مسجد اقصیٰ بہت دور تھی ان کی نظر میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے رات ہی میں واپس آ جانا ناممکن تھا۔ بیضاوی نے لکھا ہے بیت المقدس تک آن کی آن میں رسول اللہ ﷺ کا پہنچ جانا ناممکن تھا۔ آفتاب کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت زمین کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت سے کچھ لو پر ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے اور ایک سینکڑ میں آفتاب کا نچلا کنارہ بالائی کنارے کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور یہ امر علم کلام میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام اجسام میں اعراض کو قبول کرنے کی صلاحیت ایک جیسی ہے پھر کیا محال ہے کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے بدن یا بدنی قوتوں میں آفتاب جیسی یا اس سے بھی زیادہ تیز حرکت پیدا کر دی ہو، جب سرعت حرکت ممکن بلکہ بعض اجسام میں واقع ہے تو اللہ کے لئے ناممکن نہیں کہ جو کچھ اور جیسا کچھ چاہے پیدا کر دے۔ رہا تعجب تو وہ معجزات پر ہوا ہی کرتا ہے وہ معجزہ ہی کیا جس پر تعجب نہ ہو۔

الذی بَلَغْنَا حَوْلَهُ  
وہ جس کے ماحول کو ہم نے برکت والا بنا دیا ہے، یعنی بکثرت دریا، نہریں درخت اور پھل پیدا کر دیئے ہیں۔ مجاہد نے بیان کیا مہلک ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس سر زمین کو اللہ نے انبیاء کی قرار گاہ اور منزل وحی بنا لیا تھا اور قیامت کے دن لوگوں کا حشر وہیں سے ہوگا۔

لِنُرِيَهُمْ مِنْ آيَاتِنَا  
تاکہ ہم اس بندہ کو اپنی قدرت کی کچھ عجیب نشانیاں دکھادیں۔ چالیس دن کی مسافت کو رات کے قلیل ترین وقت میں طے کرانا پھر بیت المقدس سے آسمانوں تک لے جانا انبیاء کو جسم بنا کر دکھانا پھر ان کی لامنت کرنا اور ان کے علاوہ دوسرے عجائبات قدرت کی سیر کرنا یہ سب کچھ اللہ کی وہ آیات تھیں جن کا مشاہدہ کرنا مقصود تھا۔

إِنَّهَا هِيَ الشَّمِيمَةُ الْبَصِيرَةُ ①

بے شک (نبی کی دعا اور کلام کو) خوب سننے والا اور آپ کے احوال و افعال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور تہ کی شب میں آپ کی حفاظت کرنے والا ہے۔

نبوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ شب معراج میں کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک غائب نہیں ہوا بلکہ روح مبارک کو لے جایا گیا تھا، یعنی معراج خواب میں ہوئی اس کی تائید حضرت انس بن مالک کے اس بیان سے ہوتی ہے جو بخاری نے نقل کیا ہے جس رات کہ رسول اللہ ﷺ (سجد کعبہ) سے معراج کے لئے لے جایا گیا (اس کی صورت یہ ہوئی کہ) حضور ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے اور یہ واقعہ وحی آنے سے پہلے کا ہے کہ تین شخص آئے لول شخص نے کہا وہ کونسا ہے۔ درمیان والا بولا وہ سب سے بہتر ہے۔ تیسرے نے کہا، تو جو سب سے افضل ہے اسی کو لے لو۔ یہ رات یونہی گزر گئی (کوئی اور واقعہ نہیں ہوا) دوسری رات ہوئی تو آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں دل نہیں سو رہا تھا انبیاء کی حالت ہی یہ ہوتی ہے کہ آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار ہوتا ہے وہی تینوں شخص آئے بات کچھ نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کو اٹھا کر لے گئے اور لے جا کر زمزم کے پاس رکھ دیا۔ جبریل نے آپ ﷺ کا سینہ ہنسی کے گڑھے سے ناف تک چاک کیا اور اندرون صدر کو زمزم کے پانی سے دھویا (اور پھر اس میں ایمان و علم بھر دیا اور آسمان دنیا میں پہنچے تو وہاں سے دو دریا نکلتے دیکھے جبرئیل نے کہا یہ نل و فرات دونوں کا سرچشمہ یہاں ہے۔ پھر جبریل آپ ﷺ کو آسمان میں لے چلے وہاں ایک اور دریا دیکھا جس پر موتی اور زبرجد کا محل بنا ہوا تھا، دریا میں ہاتھ مارا تو وہ یکدم خالص مشک بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا جبرئیل یہ کیا ہے۔ جبرئیل نے کہا یہ کوثر ہے، جو اللہ نے آپ کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ حضرت انس نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا، پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان تک لے جایا گیا۔ موسیٰ نے کہا اے رب میرا تو گمان بھی نہ تھا کہ کسی کو مجھ پر بلندی حاصل ہوگی۔ پھر آپ کو لوہے پر لے جایا گیا، جس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں، یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور اللہ جبار رب العزت کا قرب حاصل ہو گیا۔ رب العزت کچھ نیچے آیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے فاصلے کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا اور ہر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کئے جانے کی کیفیت بتائی اور موسیٰ نے کہا آپ کی امت سے اس کی ادائیگی نہ ہو سکے گی غرض موسیٰ بار بار لوٹا کر آپ کو رب العزت کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں لیکن موسیٰ نے پھر بھی رک کر کہا محمد ﷺ! میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس سے کم کا بہت تجربہ کیا ہے لیکن وہ اس سے بھی عاجز رہے اور ادائیگی کو چھوڑ بیٹھے اور آپ کی امت تو بنی اسرائیل کے مقابلے میں جسم و دل اور گوش و چشم کے اعتبار سے بہت کمزور ہے آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائے (اور تخفیف کی درخواست کیجئے) تاکہ وہ تخفیف کر دے۔ حضرت موسیٰ نے جتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو درخواست تخفیف کی تلقین کی ہر بار آپ جبرئیل کی طرف مشورہ طلب نظر سے دیکھتے تھے اور جبرئیل اس کو نامناسب نہیں خیال کرتے تھے آخر پانچویں مرتبہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے دعا تخفیف کی اور عرض کیا اے رب میری امت کے بدن بھی کمزور ہیں اور دل بھی اور گوش و نظر بھی تو ہمارے لئے اپنے حکم میں تخفیف فرمادے تو اللہ نے فرمایا، میرے ہاں حکم نہیں بدلا جاتا جیسے میں نے لوح محفوظ میں فرض کر دیا ہے وہی قائم رہے گا ہر نیکی کا ثواب دس گونہ مقرر ہے پس لوح محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں مگر تمہارے لئے پانچ ہیں۔ حضرت موسیٰ نے پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ پھر اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے بار بار اتنی مرتبہ آمد و رفت کی کہ اب مجھے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرتے شرم آتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں ہی تھے۔

مسلم کی روایت میں جو فَاَسْتَبْقِظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے الفاظ آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا معراجی واقعہ خواب کا تھا۔ لیکن صحیح متواتر احادیث سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع بھی ہے کہ آیت سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا میں شب معراج مراد ہے اور معراج بیداری کی حالت میں ہوئی تھی اور جسمانی ہوئی تھی یعنی مع جسم کے رسول اللہ ﷺ کو لے جایا گیا تھا اگر خواب میں ہوتی تو قریش کو تعجب اور انکار ہی کیوں ہوتا خواب میں سیر آسانی ہوتا یا مسجد اقصیٰ تک جانا

قابلِ تعجب چیز نہیں۔

ہمارے شیخ امام نے بیان کیا کہ بعض علماء حدیث کا قول ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سوائے حدیث مذکور کے اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس سے منامی معراج کا ثبوت ملتا ہو صرف یہی ایک حدیث ہے جس سے خواب کے اندر معراج ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس روایت کا مدار شریک بن عبد اللہ پر ہے اور شریک منکر الحدیث ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جس معراج کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ تو وحی آنے سے پہلے واقع ہوئی تھی اور جس معراج کا آیت میں ذکر ہے (اور جو جسمانی طور پر بیداری میں ہوئی تھی) کوہ آغاز وحی سے بارہ سال کے بعد یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی تھی، حقیقت میں آغاز وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے خواب میں معراج کا واقعہ دیکھا تھا پھر اس کو محقق کرنے کے لئے ہجرت سے ایک سال پہلے اللہ نے بیداری کی حالت میں آپ کو معراج کرا دی جس طرح حدیبیہ کے سال یعنی ۶ھ میں آپ کو فتح مکہ دکھائی گئی تھی پھر ۸ھ میں عالم ظاہر میں مکہ کی فتح عنایت کر دی گئی۔

بنغوی نے لکھا ہے جب معراج سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ مقام ذی طوی میں پہنچے تو فرمایا جبرئیل! میری قوم والے اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا ابو بکرؓ آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ بڑے سچے ہیں۔

بنغوی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس رات کو مجھے (معراج میں) لے جایا گیا اس کی صبح کو میں مکہ میں بیٹھا اپنے متعلق سوچ رہا تھا اور سمجھا ہوا تھا کہ میری قوم والے مجھے جھوٹا قرار دیں گے، ایک گوشہ میں الگ تھلگ غمگین بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس طرف سے ابو جہل کا گذر ہوا اور مذاق کے لہجے میں اس نے کہا (کیسے بیٹھے ہو) کیا کوئی نئی چیز حاصل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا تھا ابو جہل نے کہا، کہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیت المقدس کو۔ ابو جہل بولا پھر صبح ہوئی تو تم ہمارے سامنے موجود ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ابو جہل انکار نہ کر سکا اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بات اسی پر نہ پڑے۔ کہنے لگا تم نے جو بات میرے سامنے بیان کی ہے کیا اپنی قوم والوں کے سامنے بھی بیان کر دو گے، حضور نے فرمایا، ہاں ابو جہل نے پکار کر کہا اے گروہ کعب بن لوی یہاں آؤ، آواز پر لوگ ٹوٹ پڑے اور رسول اللہ ﷺ اور ابو جہل کے پاس آئے، ابو جہل بولا اب تم نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا تھا اپنی قوم سے بھی بیان کرو۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا، لوگوں نے پوچھا کہاں فرمایا بیت المقدس کو۔ لوگوں نے کہا پھر صبح کو تم ہمارے سامنے بھی ہو۔ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی کچھ لوگ مذاق سے تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے تعجب سے اپنا سر پکڑ لیا اور کچھ لوگ جو ایمان لائے تھے اور حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر چکے تھے، اسلام سے پھر گئے اور ایک مشرک دوڑا دوڑا حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اب آپ کا اپنے ساتھی کے متعلق کیا خیال ہے، وہ تو کہہ رہا ہے کہ رات مجھے بیت المقدس کو لے جایا گیا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، کہ انہوں نے ایسا کہا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیت المقدس کو چلے بھی گئے اور صبح سے پہلے آ بھی گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، میں تو ان کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں ان کے پاس جو صبح شام آسمان سے خبریں آتی ہیں میں تو ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کو صدیق اسی لئے کہا جانے لگا (کہ آپ نے بے تامل معراج کی تصدیق کر دی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بھی آپ نے بے تامل مان لیا تھا) لوی کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں بعض لوگ ایسے تھے جو بیت المقدس جا چکے تھے انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے سامنے بیت المقدس کا بیان کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنی شروع کی اور برابر بیان کرتا رہا یہاں تک کہ بعض حالات کا مجھ پر اشتباہ ہو گیا تو فوراً ان نظروں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور بیت المقدس میری نظروں کے سامنے آ گیا اور عقیل کے گھر سے بھی دورے لاکر اس کو دکھایا اور میں مسجد کو اپنی نظر سے دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا، وہ لوگ کہنے لگے بے شک بیت المقدس کی جو حالت تم نے بیان کی ہے وہ سچ ہے۔ پھر بولے محمد ﷺ! ہمارے قافلے

کی کچھ خبر بھی بیان کرو۔ ہمارے لئے وہ بہت ہی اہم ہے، تم نے اس کو کہیں دیکھا تھا، فرمایا ہاں فلاں قافلے کی صورت مقام روحاء میں میری نظر کے سامنے آئی تھی۔ اس کا ایک لونٹ گم ہو گیا تھا، لوگ اس کی تلاش میں تھے، ان کے پڑاؤ (فردگاہ) پر ایک پیالہ میں پانی رکھا تھا۔ مجھے یہاں لگی تھی، میں نے وہ پانی پی لیا اور پیالہ کو اس کی سابق جگہ پر رکھ دیا، تم اس قافلے والوں سے دریافت کرنا کہ جب وہ اپنے پڑاؤ پر واپس آئے تھے تو ان کو پیالہ میں پانی ملا تھا۔ لوگوں نے کہا یہ ایک نشانی ہے جو فیصلہ کن ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا فلاں قبیلہ والوں کے قافلے کی طرف سے گزرا تھا، فلاں فلاں دو آدمی ایک لونٹ پر سوار تھے۔ یہ واقعہ مقام ذی مرکا ہے، مجھے دیکھ کر لونٹ ان دونوں سواروں سمیت بدکا تھا ان دونوں شخصوں سے دریافت کر لیتا لوگوں نے کہا یہ بھی صداقت کو جانچنے کی ایک نشانی ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ اچھا ہمارے لونٹوں کی تفصیل اور ان کی حالت کے متعلق کچھ بتاؤ فرمایا مقام حشم میں میں لونٹوں کی طرف سے گزرا تھا لوگوں نے کہا ان کی گنتی کیا تھی، سامان جو ان پر لدا ہوا تھا وہ کیا تھا ان کی ہیبت کیا تھی۔ فرمایا اس وقت تو مجھے ان باتوں کی طرف توجہ نہ تھی پھر مقام حرورہ میں وہ مکمل شکل کے ساتھ اپنے سامان اور ہیبت اور سواروں کے ساتھ میرے سامنے آکھڑے ہوئے ان کی ہیبت ایسی ایسی تھی اور فلاں فلاں لوگ ان کے ساتھ تھے اور ایک خاکستری رنگ کا لونٹ ان کے آگے آگے تھا جس پر دو بوریاں سلی ہوئی لدی ہوئی تھیں۔ طلوع آفتاب کے وقت وہ قافلہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ لوگوں نے کہا یہ بھی سچائی جانچنے کی ایک نشانی ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ لوگ فوراً دوڑتے ہوئے کھائی پر پہنچے اور کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ نے واقعہ تو واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اس کے بعد کداء (کہ کے باہر ایک پتھر ملی زمین یا پہاڑی تھی) پر پہنچے اور وہیں بیٹھ کر طلوع آفتاب کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگر قافلہ نہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا قرار دے سکیں۔ انتظار ہی میں تھے کہ کسی نے اچانک کہا یہ آفتاب نکل آیا اور فوراً دوسرا آدمی بولا، لوریہ لونٹ بھی سامنے آگئے جن کے آگے آگے خاکستری رنگ کا لونٹ ہے اور فلاں فلاں لوگ قافلے میں موجود ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور کہنے لگے یہ بلاشبہ کھلا ہوا جادو ہے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں حجر اسود کے پاس موجود تھا اور قریش میرے رات کے جانے کے متعلق دریاقت کر رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق بھی مجھ سے پوچھا تھا جو مجھے یاد نہ تھا اور اس کی وجہ سے مجھے ایسی بے چینی ہوئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن اس وقت اللہ بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے لے آیا (یعنی درمیانی پردے ہٹ گئے اور بیت المقدس مجھے سامنے نظر آنے لگا) اب جو سوال بھی مجھ سے کرتے تھے، میں دیکھ کر اس کو بتا دیتا تھا۔ میں نے انبیاء کی جماعت کے ساتھ بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا میں نے دیکھا کہ موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ چہریرے بدن کے گھونگر یا لے بالوں والے شخص تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبیلہ شنورہ کا کوئی آدمی ہو ان کی مشابہت عروہ بن مسعود ثقفیؓ میں سب سے زیادہ ہے، میں نے ابراہیم کو بھی کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا تمہارا ساتھی ہے (یعنی میں....) پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے انبیاء کی امامت کی نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا، محمد ﷺ! یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے مالک کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو انہوں نے ہی مجھے پہلے سلام کیا۔

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات کو مجھے معراج میں لے جایا گیا، میری ملاقات موسیٰ سے ہوئی وہ چہریرے بدن کے گھونگر یا لے بالوں والے آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ شنورہ کے کوئی آدمی ہیں۔ عیسیٰ سے بھی میری ملاقات ہوئی وہ درمیانی قد کے کھٹے بدن کے سرخ رنگ والے آدمی تھے معلوم ہوتا کہ ابھی حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ میں نے ابراہیم کو بھی دیکھا ابراہیم کی نسل میں سب سے زیادہ ان سے مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔ میرے سامنے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب۔ پھر مجھ سے کہا گیا ان دونوں میں جو نسا چاہو لے لو۔ میں نے دودھ لے لیا۔ اس شخص نے (یعنی جس شخص نے انتخاب کا اختیار دیا تھا) کہا تم کو فطرت کی راہ پر ڈال دیا گیا یہ کہا کہ تم نے فطرت کو

پالیا اگر شراب کو لے لیتے تو تمہاری امت گمراہ ہو جاتی۔

ہم نے سورہ وانجم میں ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کا واقعہ مفصل لکھ دیا ہے (تفصیل وہاں دیکھی جائے)۔  
**وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا تَنْخِذُوا مِنْ دُونِي وَكَيْلًا ①**

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات عطا کی اور اس کو یعنی موسیٰ کو کیا تورت کو  
 بنی اسرائیل کے لئے راہنما بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کار ساز نہ قرار دینا، وکیل نہ بنانا یعنی میرے سوا کسی دوسرے کو رب نہ قرار  
 دینا جس پر تم بھروسہ کر لو اور تمام امور کو اس کے سپرد کر دو (مراویہ کہ کسی کو میرے سوا اپنا کار ساز مالک و مختار نہ ماننا)  
**ذُرِّيَّةً مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُورٍ ②**  
 میں) ہم نے سوار کیا تھا۔  
 اس فقرہ میں وہ احسان و انعام یاد دلایا ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کے اسلاف و اجداد پر کیا تھا کہ حضرت نوح کی معیت میں

کشتی میں ان کو سوار کرا کے ڈوبنے سے محفوظ رکھا تھا۔

نوح بلاشبہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ ابن مردویہ نے ابو فاطمہ کی روایت سے  
**إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ③**  
 بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوح جو بھی چھوٹا بڑا کام کرتے تھے بسم اللہ والحمد للہ کہہ لیا کرتے تھے۔ اسی لئے اللہ نے ان  
 کو عبد شکور فرمایا جب آپ کچھ کھاتے یا پیتے یا کوئی کپڑا پہنتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے۔ یہ مؤخر الذکر اثر حضرت سعد بن مسعود ثقفی کا  
 ہے جو ابن جریر اور طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اللہ نے اس جملہ میں اداء شکر کی ترغیب دی ہے کہ تم نوح کے ساتھیوں کی نسل سے  
 ہو اور نوح بڑا شکر گزار بندہ تھا کہ اللہ نے اس کے ساتھ والوں کو بھی اس کی معیت میں محفوظ رکھا تھا (اگر وہ محفوظ نہ رکھے جاتے  
 تو تم کہاں سے آتے ان کو محفوظ رکھنا اور حقیقت تم پر اللہ کا احسان ہے جس کا شکر کرنا تم پر لازم ہے)

**وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ④**

اور صاف کہہ دیا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب تورت میں کہ تم ملک میں دوبارہ ضرور خرابی کرو

گے اور چڑھ جاؤ گے بری طرح چڑھنا۔

الْكِتَابِ سے مراد تورت اور الْأَرْضِ سے مراد ملک شام ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا اَللّٰہِ بِمَعْنَى عَلٰی  
 ہے اور الْكِتَابِ سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات لوح محفوظ میں لکھ دی تھی، قطع فیصلہ کر دیا  
 تھا کہ تم دو مرتبہ فساد برپا کرو گے۔ پہلا بگاڑ اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل نے تورت کے احکام چھوڑ دیئے، ممنوعات کو اختیار کیا  
 اور حضرت شعیا بن مہصیا کو شہید کر دیا اور دوسرا فساد اس وقت کیا جب انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت حمیٰ کو شہید کر دیا اور  
 حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بعض علماء نے کہا پہلا فساد حضرت زکریا کا قتل تھا اور دوسرا فساد تھا حضرت حمیٰ کا قتل اور  
 حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ۔ علو سے مراد ہے اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا۔ یعنی اللہ کی اطاعت  
 سے بہت بڑھ چڑھ کر سرکشی کرو گے اور لوگوں پر بڑے ظلم کرو گے۔

پس جب پہلے فساد کی سزا مقرر ہو عدہ آگیا یعنی پہلے فساد کی سزا کا وقت  
**فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا ⑤**  
 آگیا۔

**بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ⑥**

تو ہم نے اپنے کچھ بندوں کو تم پر مسلط کر دیا جو لڑائی میں بڑے طاقتور تھے اور وہ تمہاری بستیوں کے اندر تمہاری جستجو میں

گھس پڑے۔

عِبَادًا لَّنَا سے مراد ہیں نبیوں کے رہنے والے (سخاریب اور اس کے ساتھی) سعید بن جبیر کا یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا  
 جالوت اور اس کا لشکر مراد ہے۔ یہ جالوت وہی تھا جس کو حضرت داؤد نے قتل کیا۔ ابن اسحاق کے نزدیک بخت نصر بابل مراد



کرتا تھا، ان پیغمبروں پر کوئی جدید کتاب نازل نہیں ہوتی تھی، بلکہ توریت کے احکام پر چلنے کی ہدایت ہر پیغمبر کرتا تھا۔ صدیقہ بادشاہ ہوا تو اس کی راہنمائی کے لئے اللہ نے شعیان بن امیہ کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا، شعیان کی بعثت حضرت زکریا وحی سے پہلے تھی شعیان نے ہی حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی بشارت دی تھی اور کہا تھا، اے یروہم تم مجھے بشارت ہو اب تیرے پاس ایک گدھے پر سوار ہونے والا اور دوسرا سوار آئے گا۔

غرض مدت تک صدیقہ بیت المقدس اور بنی اسرائیل کا بادشاہ رہا جب اس کا دور حکومت ختم ہونے کا وقت آگیا تو اللہ نے سخاریب شاہ بابل کو (عراق سے) بھیج دیا سخاریب کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے، سخاریب چلتا چلتا بیت المقدس کے اطراف تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں صدیقہ کی پنڈلی میں پھوڑا تھا، شعیان نبی نے صدیقہ سے کہا، اے شاہ اسرائیل سخاریب شاہ بابل چھ لاکھ پھریرے اڑاتا آپ بچا لوگ ڈر کے مارے بھاگ گئے تو ہوشیار ہو جا، صدیقہ کو یہ بات سن کر بڑی فکر ہوئی، کہنے لگا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے پاس اللہ کی طرف سے اس واقعہ کے متعلق کوئی وحی آئی ہے کہ ہمارا اور سخاریب کا فیصلہ کیا ہوگا، حضرت شعیان نے فرمایا، وحی تو کوئی نہیں آئی، یہ کہہ ہی رہے تھے کہ شعیان کے پاس وحی آگئی اور حکم ملا کہ شاہ اسرائیل کے پاس جا کر اس کو حکم دے دو کہ تیرا وقت آگیا ہے اب تو اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے وصیت کر دے اور اپنا جان نیشن بنا دے، حضرت شعیان نے صدیقہ سے جا کر کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے میرے پاس وحی آئی ہے جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تجھ سے کہہ دوں کہ تیرے مرنے کا وقت آگیا ہے اب تو جو کچھ وصیت کرنا ہو کر دے اور اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے اپنی جگہ بادشاہ بنا دے۔ صدیقہ یہ پیام سن کر قبلہ رو ہو کر نماز کو کھڑا ہو گیا دعا کی اور اللہ کے سامنے رونا اور زاری کی اور خلوص قلب کے ساتھ گڑگڑا کر عرض کیا۔

اے اللہ! رب الارباب، اے تمام معبودوں کے معبود، اے وہ ذات جو تمام عیوب سے پاک اور تمام نقائص سے مبرا ہے، اے رحمان، اے مہربانی کرنے والے جس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اے اللہ میں نے جو کام کئے جو عمل مجھ سے ہوئے اور بنی اسرائیل پر انصاف کے ساتھ میں نے جو حکومت کی وہ سب کچھ تیری توفیق سے ہوا تو مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہے میرا ظاہر و باطن تیرے سامنے ہے مجھ پر رحم فرما، صدیقہ اللہ کانیک بندہ تھا اللہ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور شعیان کے پاس وحی بھیجی کہ جا کر صدیقہ سے کہہ دو اللہ نے تیری دعا قبول کر لی تجھ پر رحم فرمایا، تجھے تیرے دشمن سخاریب سے نجات دے دی اور تیری میعاد زندگی پندرہ سال بڑھا دی، شعیان نے آکر صدیقہ کو یہ پیام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی صدیقہ کے دل سے دشمن کا خوف جاتا رہا، رنج و فکر دور ہو گیا اور سجدے میں گر کر اس نے دعا کی، اے میرے اور میرے باپ دادا کے معبود میں تجھے ہی سجدہ کرتا ہوں، تیری پابکی کا اقرار کرتا ہوں، تجھے بڑا جانتا ہوں تیری تعظیم کرتا ہوں تو ہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے تو ظاہر و باطن کو جانتا ہے تو ہی اول تو ہی آخر تو ہی ظاہر اور تو ہی پوشیدہ ہے تو ہی رحم کر تارو بے قراروں کی دعا قبول کرتا ہے تو نے ہی میری دعا قبول فرمائی اور میری زاری پر رحم کیا جب سر اٹھلایا تو اللہ نے شعیان نبی کے پاس وحی بھیجی بادشاہ صدیقہ سے کہہ دو کہ اپنے خادموں میں کسی کو حکم دے کر انجیر کا پانی منگو کر اپنے پھوڑے پر لگائے، اللہ صبح تک شفا دے دے گا۔ صدیقہ نے حکم کی تعمیل کی اور اللہ نے اس کو تندرست کر دیا۔

بادشاہ نے حضرت شعیان سے عرض کیا اپنے رب سے یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ ہم کو بتادے ہمارے اس دشمن کا کیا ہوگا اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔

اللہ نے شعیان سے فرمایا بادشاہ سے کہہ دو کہ میں نے تمہارے دشمن کو تم سے روک دیا اور تم کو اس سے بچالیا، صبح تک سب مر جائیں گے صرف سخاریب اور اس کے پانچ اہل کار بچیں گے تم ان کو پکڑ لینا صبح ہوئی تو کسی پکڑنے والے نے صبح کر شہر کے دروازے پر کہا اے بنی اسرائیل کے بادشاہ اللہ نے تیرا کام پورا کر دیا تیرے دشمن کو جاہ کر دیا، باہر نکل کر دکھ لے، سخاریب اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا، بادشاہ باہر نکلا، مردوں میں سخاریب کو تلاش کر لیا گیا مگر اس کی لاش نہیں ملی، بادشاہ نے اس کی

طلب میں آدمی دوڑائے آخر اس دوش نے ایک غار میں سخاریب کو اس کے پانچ اہلکاروں کو جا پکڑا ان میں بخت نصر بھی تھا سب کو زنجیروں میں باندھ کر صدیقہ کے پاس لے آئے فوراً بادشاہ سجدہ میں گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد سے عصر تک سجدہ میں پڑا رہا پھر سخاریب سے کہا، تم نے دیکھا ہمارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا تم بے خبر تھے اور اس نے اپنی طاقت سے تم کو قتل کر دیا، سخاریب نے کہا مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا اور تم پر رحمت نازل فرمائے گا۔ اپنے ملک سے نکلنے سے پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع مل چکی تھی مگر میں نے سچ رہنا کہا کہنا نہیں مانا میری تم عقلی نے مجھے اس بد بختی میں مبتلا کر دیا اگر میں راہنما کی بات سن لیتا یا سمجھ سے کام لے لیتا تو تم سے جنگ ہی نہیں کرتا۔ (تم پر چڑھائی نہ کرتا) صدیقہ نے کہا اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے جس سے چاہا تم کو چاہ کر دیا (اب جو تم اور تمہارے پانچ ساتھی بچ گئے ہیں تو یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی عزت ہے کہ اس نے تم کو باقی رکھا) اس نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو صرف اس لئے باقی رکھا ہے کہ دنیا میں تمہاری بد نصیبی اور آخرت میں تمہارا عذاب بڑھ جائے اور ہمارے رب نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع ان لوگوں کو بھی جا کر دے دو جو تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئے اور اپنے پیچھے والوں کو بھی ہمارے رب کے عذاب سے ڈرا دو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تم سب کو قتل کر دیتا تیر اور تیرے ساتھیوں کا خون اللہ کے نزدیک چھڑی کے خون سے بھی حقیر ہے اگر میں قتل کر دیتا تو میرے رب کو پرواہ بھی نہ ہوتی پھر کو تو ال نے شاہ اسرائیل کے حکم سے ان لوگوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر ستر روز تک بیت المقدس اور ایلیا کے گردا گرد پھرایا..... ان میں سے ہر شخص کو روزانہ جو کی دو روٹیاں کھانے کو دی جاتی تھیں، سخاریب نے شاہ اسرائیل سے کہا تم جو سلوک ہمارے ساتھ کر رہے ہو اس سے تو قتل ہو جانا ہی بہتر ہے شاہ اسرائیل نے ان کو قتل خانہ کو بھجوادیا اس کے بعد اللہ نے حضرت شعیبا کے پاس وحی بھیجی کہ بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ سخاریب کو اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دے تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ان سے پرے ہیں جا کر ڈرائیں، بادشاہ کو چاہیے کہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کی عزت کرے اور عزت کے ساتھ سوار کر کے ان کے ملک کو بھیج دے۔ شعیبانے بادشاہ کو اللہ کا یہ حکم پہنچادیا اور بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ سخاریب ساتھیوں سمیت ہاتھ بچ گیا اور لوگوں کو جمع کر کے اپنے لشکر کی حالت بتائی، کانہوں اور نوجویوں نے کہا بادشاہ سلامت ہم تو آپ کو پہلے بنی اسرائیل کے خدا کی خبر اور ان کے نبی کی کیفیت اور نبی کے پاس جو ان کے خدا کی طرف سے وحی آنے والی تھی، اس کی اطلاع دے چکے تھے مگر آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا بنی اسرائیل ایسی امت ہے کہ ان کا رب ان کے ساتھ ہے اور ان کے رب کی موجودگی میں کوئی ان سے لڑ نہیں سکتا۔ سخاریب کا واقعہ اس کی قوم کو ڈرانے کے لئے ہوا تھا، اللہ نے اس واقعہ سے ان کو کافی نصیحت کر دی، اس کے بعد سخاریب سات برس زندہ رہا پھر مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے اپنا جانشین اپنے پوتے بخت نصر کو بنا دیا بخت نصر اپنے دادا کے راستہ پر چلا اور وہی کام کئے جو اس کے دادا نے کئے تھے اور سترہ سال حکومت کی۔ صدیقہ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت بگڑ گئی قوم میں گڑبڑ ہو گئی باہم حکومت کے لئے دوڑ شروع ہو گئی اور آپس میں خوب کشت و خون ہوا شعیبا موجود تھے مگر ان کی نصیحت کوئی نہیں مانا تھا جب قوم کی ابتری یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ نے شعیبا کے پاس وحی بھیجی تم اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دو میں تمہاری زبان پر اپنی وحی جاری کر دوں گا (جو کچھ میں کہوں چاہوں گا وہ تمہاری زبان پر آجائے گا) شعیبا قوم کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے اور اللہ نے ان کی زبان پر یہ الفاظ وحی جاری کر دیئے۔ اے آسمان سن لے اور اے زمین تو بھی کان ادھر لگا اللہ بنی اسرائیل کی حالت بیان کرنا چاہتا ہے ان کو اللہ نے اپنی نعمتیں دے کر پرورش کیا اپنے لئے ان کو منتخب کر لیا اپنی طرف سے خصوصی عزت عطا کی اور سب لوگوں پر ان کو برتری عنایت فرمائی یہ لوگ بھٹکی ہوئی بکریوں کی طرح تھے جن کا کوئی نگرہاں نہ تھا اللہ نے ان منتشر بکریوں کو یکجا کیا۔ بھٹکی ہوئی بکریوں کو جمع کیا اور شکستہ کو جوڑا، بیمار کو تندرست کر دیا، لاغر کو فریبی عطا کی اور فریبہ کی فریبی کی حفاظت کی اللہ نے جب ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تو یہ مغرور ہو گئے اور آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کے سینگ مارنے لگے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا صحیح الحال شخص نہ رہا کہ کوئی شکستہ اعضاء والا اس کی پناہ میں آجاتا ہلاکت کو اس خطا کا رامت



کے لئے جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آ رہی ہے مقدر کر دیا (یعنی یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کی قومی موت کے اسباب کیا ہیں) لوٹ کو اپنا وطن یاد آتا ہے تو وہ وطن کو لوٹ آتا ہے۔ گدھے کو اپنی خریدیاد آتی ہے جس سے وہ پیٹ بھرا کرتا تھا تو وہ خرید کی طرف لوٹ آتا ہے۔ بیل کو جب سبزہ زرا یاد آتا ہے جس کو کھا کر وہ موٹا ہوا تھا تو وہ سبزہ زرا کی طرف آجاتا ہے لیکن یہ قوم جو عقل و دانش والے ہیں، بیل نہیں ہیں گدھے نہیں ہیں اس کے باوجود ان کو معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آ رہی ہے۔ میں ان کی ایک مثال بیان کرتا ہوں تم ان سے کہہ دو کہ ایک دیر ان زمین تھی جو مدت تک دیر ان پڑی رہی۔ بے آب و گیاہ تھی اس میں کوئی عمارت نہ تھی لیکن اس کا مالک ایک صاحب قدرت اور حکمت والا شخص تھا، مالک نے اس زمین کو آباد کرنے کی طرف توجہ کی اس نے پسند نہیں کیا کہ لوگ کہیں کہ اس زمین کا مالک قوت رکھتا ہے پھر بھی اس نے زمین کو دیر ان رکھ چھوڑا ہے یا یہ کہیں کہ اس کا مالک حکمت و دانش رکھتا ہے اس کے باوجود زمین کو اس نے برباد کر دیا ہے یہ خیال کر کے اس نے زمین کی چار دیواری بنائی اندر ایک مضبوط محل تیار کیا، نہریں جاری کیں، زیتون، انار، کھجور اور رنگ برنگ کے پھلوں کے درخت بوئے اور ایک عقلمند باہمت طاقتور امانت دار محافظ کی نگرانی میں اس زمین کو دے دیا جب درختوں میں شگوفے نکلے تو ناکارہ شگوفے نکلے لوگ کہنے لگے یہ زمین خراب ہے مناسب یہ ہے کہ اس کی دیواریں گر لوی جائیں محل کو ڈھا دیا جائے، نہریں پاٹ دی جائیں، نہروں کے دہانے بند کر دیئے جائیں درختوں کو جلا دیا جائے اور جیسے پہلے زمین بجز دیر ان تھی ویسی ہی کر دی جائے۔ تم ان سے کہہ دو کہ (ہر چہار سمت کی) دیواریں میرا دین ہے، محل میری شریعت ہے، نہر میری کتاب ہے، نگر ان زمین میرا پیغمبر ہے اور درخت تم لوگ ہو اور ناکارہ شگوفے جو درختوں سے برآمد ہو رہے ہیں وہ تمہارے ناپاک اعمال ہیں جو فیصلہ تم نے اپنے لئے کیا ہے وہی فیصلہ میں نے تمہارے لئے جاری کر دیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے ان کے حالات کو سمجھانے کے لئے بیان کی ہے۔ یہ گائے بکریاں ذبح کر کے میری قربت چاہتے ہیں حالانکہ یہ گوشت نہ مجھے پہنچتا ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں، ان کو اس بات کی دعوت دی جا رہی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں اور جس کو قتل کرنا میں نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل کرنے سے باز رہیں اور اس طرح میرا تقرب حاصل کریں مگر ان کے ہاتھ خون ناحق سے رنگین ہیں اور کپڑے ناجائز خون ریزی سے آلودہ ہیں۔ یہ لوگ میرے لئے مکان یعنی مسجدیں پختہ بناتے ہیں ان کے اندرونی حصوں کو پاک بھی رکھتے ہیں مگر اپنے دلوں کو ناپاک اور جسموں کو گندہ اور میلار رکھتے ہیں مسجدوں میں پردے لگاتے اور ان کو آراستہ کرتے ہیں مگر اپنی عقلوں کو دیر ان اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں مجھے ان مسجدوں کے پختہ کرنے کی کیا حاجت ہے میں تو ان میں رہتا نہیں اور ان میں پردے لگانے کی مجھے کیا ضرورت ہے، میں تو ان کے اندر آتا نہیں، میں نے مسجدیں بلند کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ وہاں میری یاد کی جائے اور میری پاکی بیان کی جائے۔

یہ لوگ کہتے ہیں ہم روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارے روزے لو پر نہیں اٹھائے جاتے، ہم نمازیں پڑھتے ہیں یہ ہماری نمازیں نور نہیں پیدا کرتیں، ہم خیرات کرتے ہیں مگر ہمارے صدقات ہم کو پاک نہیں کرتے، ہم گدھوں کی آوازوں کی طرح چیخ چیخ کر دعا کرتے ہیں اور بھیڑیوں کی آوازوں کی طرح دہاڑیں مار کر روتے ہیں مگر ہماری کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی۔

تم ان سے دریافت کرو۔ دعا قبول کرنے سے مجھے کون سی چیز روکتی ہے کیا میں سب سے زیادہ سننے والا سب سے بڑھ کر دیکھنے والا اور قریب ترین جواب دینے والا اور ارحم الراحمین نہیں ہوں، میں ان کے روزوں کو کس طرح لو پر اٹھاؤں جب کہ روزوں میں یہ جھوٹ بولتے ہیں اور لقمہ حرام کھاتے ہیں۔ میں ان کی نمازوں میں نور کیسے پیدا کروں جب کہ ان کے دل میرے دشمنوں اور میرے مخالفوں اور میری قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے والوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ان کے صدقات میرے ہاں کیسے بار آور ہوں وہ تو پر لیا مال صدقہ میں دیتے ہیں، میں تو خیرات کا اجر ان لوگوں کو دیتا ہوں جو معصوم اہل خیر ہوں۔ میں ان کی دعائیں کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ ان کی دعا تو صرف قول بے عمل ہوتی ہے (کہتے ہیں عمل کچھ نہیں کرتے) ان کا عمل قول سے بہت دور ہوتا ہے میں تو دعا اس کی قبول کرتا ہوں جو صاحب اطمینان اور نرم دل ہو اور میں اس کی بات سنتا ہوں جو سوال سے

بچنے والا مسکین ہو، میری رضامندی کی نشانی مسکینوں کی رضامندی ہے۔

جب یہ لوگ میرا کلام سنتے ہیں اور میرا پیام تم ان کو پہنچاتے ہو تو کہتے ہیں یہ بتائی ہوئی باتیں اور وہی پارینہ قصبے ہیں جو باپ دلواسے ہم سنتے چلے آئے ہیں اور جلوہ گرد کاہن جیسے الفاظ کا جوڑ لگاتے ہیں ویسا ہی یہ بھی جوڑا ہوا کلام ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ شیطان ہمارے پاس بھی وحی لاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو شیطانوں کی وحی کی وجہ سے ہم بھی غیب سے واقف ہو جائیں۔ سنو۔

میں نے جس روز آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا اسی روز ایک فیصلہ قیامت ہونے کا کر دیا تھا اور اپنے لو پر اس فیصلہ کو لازمی طور قطعی کر لیا تھا اور اس سے پہلے دنیوی زندگی کی ایک مقرر میعاد بتلائی تھی، وہ فیصلہ ضرور واقع ہو گا اگر یہ لوگ غیب دانی کے دعویٰ میں سچے ہیں تو تم کو بتادیں کہ اس فیصلہ کو میں کب جاری کروں گا یا وہ کس زمانہ میں ظاہر ہو گا۔ اور اگر ان میں اس امر کی قدرت ہے کہ جو کچھ چاہیں پیش کر سکتے ہیں تو ایسی قدرت کا مظاہرہ کریں، جس سے میں اس فیصلے (قیامت) کو نافذ کروں گا۔ میں بہر حال اس فیصلہ کو تمام مذاہب پر غالب کروں گا خواہ شرک کرنے والوں کو پسند نہ ہو اور اگر وہ جیسا چاہیں جوڑ سکتے ہیں تو ایسی حکمت کے ساتھ تالیف کریں جس حکمت سے میں امر قضاء (کو نافذ کرنے) کی تدبیر کرتا ہوں۔ اور میں نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے کے دن ہی یہ طے کر دیا تھا کہ نبوت جاری کروں گا اور حکومت نیکلے طبقہ کے عوام کو دوں گا اور بے عزتوں کو عزت، کمزوروں کو قوت، محتاجوں کو دولت، جاہلوں کو علم اور بے پڑھے لکھوں کو حکمت عطا کروں گا۔ تم ان سے دریافت کر دو کہ اگر وہ جانتے ہوں۔ تو بتائیں ایسا کب ہو گا اور کون یہ کام کرے گا اور کون لوگ ان چیزوں کے کار گزار اور مددگار ہوں گے، یہ یقیناً امر ہے کہ میں ان کاموں کے لئے ایک نبی امی کو بھیجوں گا جو اکثر نہ ہو گا، درشت مزاج نہ ہو گا، بازاروں میں چختانہ پھرے گا، نحش بات زبان پر نہ لائے گا اور بے حیائی کی باتیں نہ کرے گا۔ میں اس کو سیدھا چلاؤں گا تمام عمدہ اخلاق عطا کروں گا اور قار کو اس کا لباس بناؤں گا۔ نیکی اور بھلائی کو اس کا شعاہ، اندرونی لباس تقویٰ کو اس کا ضمیر، حکمت کو اس کا علم، سچائی اور وفاء عمدہ کو اس کا خیر، غنود خیر کو اس کی عادت، انصاف کو اس کی سیرت، حق کو اس کی شریعت، ہدایت کو اس کا لام اور اسلام کو اس کا مذہب بناؤں گا۔ اس کا نام احمد ہو گا میں اس کے ذریعہ سے گمراہوں کو ہدایت، جاہلوں کو علم، گنہگاروں کو بلندی ذکر اور غیر معروف لوگوں کو شہرت عطا کروں گا۔ میں اس کے ذریعے سے قلیل کو کثیر، ناداروں کو زردار بناؤں گا، پرانہ لوگوں کو جمعیت، منتشر دلوں میں ملاپ، متفرق خواہشات دکنے والوں میں باہم الفت اور متفرق جماعتوں میں اتحاد عنایت کروں گا، میں اس کی امت کو خیر الامم بناؤں گا جو لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کی جائے گی، بھلائی کا حکم دے گی، برائی سے روکے گی، وہ مجھے واحد مانے گی مجھ پر ایمان لائے گی اور میرے لئے اپنے افکار و اعمال کو خالص کرے گی وہ نمازیں پڑھے گی، نماز میں قیام کرے گی قعود کو ع اور سجود کرے گی، وہ میری راہ میں صف در صف (یعنی صف بستہ ہو کر) لڑے گی اور دشمنوں پر ہجوم کرے گی وہ اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر میری رضا مندی کی طلب میں نکلے گی۔ میں ان کے دلوں میں ڈال دوں گا، تکبیر، توحید، تسبیح، تحمید، مدح، تجید (یعنی اپنی بزرگی، یکتائی مپاکی، حمد و ثناء اور بزرگی) کا اعتراف و اقرار اور اظہار، سفر میں بھی، ان کی مجلسوں میں بھی، خواب گاہوں میں بھی، آمد و رفت کے راستوں میں بھی اور قیام گاہوں میں بھی، وہ تکبیریں کہیں گے، تمہا میری الوہیت کا اظہار کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے نیلوں کی بلند یوں پر چڑھ کر چروں اور ہاتھوں پاؤں کو میرے لئے پاک کریں گے اور کمر پر کپڑے باندھیں گے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گے ان کے سینے ان کی انجیلیں (یعنی وہ قرآنی آیات کے مخزن) ہوں گے وہ راتوں میں راہب اللہ سے ڈرنے والے شب زندہ دلوں اور دن میں (دشمنوں کے مقابلے میں) شیر ہوں گے اور یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ اور میں بڑے فضل والا ہوں۔ جب حضرت شعیا اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ کو قتل کرنے کے لئے بنی اسرائیل نے آپ کے لو پر حملہ کر دیا آپ بھاگ پڑے راستہ میں ایک درخت ملا درخت سے آواز آئی اے اللہ کے نبی میرے اندر آجائے اور وہ درخت پھٹ گیا، حضرت شعیا اس کی اندر داخل ہو گئے مگر شیطان نے پیچھے سے آپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا

آپ کے اندر داخل ہو جانے کے بعد درخت جڑ کر ہموار ہو گیا مگر کپڑے کا کونہ باہر رہ گیا شیطان نے لوگوں کو وہ کونہ دکھا دیا اور کہا شیعا اس کے اندر ہیں ثبوت یہ ہے کہ ان کے لباس کا یہ کونہ باہر رہ گیا ہے لوگوں نے آڑے سے درخت کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حضرت شعیا کو بھی چیر ڈالا۔

اس کے بعد اللہ نے ایک شخص کو جس کا نام ناشیہ بن آموص تھا، بنی اسرائیل کا بادشاہ بتلایا اور اس کی رفاقت و ہدایت کے لئے حضرت ہارون بن عمران کی اولاد میں سے ارمیا بن حلقیا کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ یہ ہی خضر تھے جن کا نام ارمیا تھا اور خضر لقب کیونکہ آپ ایک بار خشک گھاس پر بیٹھے تھے اور اٹھے تو وہ سر سبز ہو کر لہلہانے لگی تھی، اللہ نے حضرت ارمیا کو بادشاہ کی ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے مامور فرمایا۔

کچھ مدت کے بعد بنی اسرائیل میں بڑی بڑی بدعتیں پیدا ہو گئیں معاصی کی کثرت ہو گئی اور ممنوعات کو انہوں نے حلال قرار دے لیا۔ اللہ نے حضرت ارمیا کو حکم دیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس جاؤ۔ میں تم کو جو حکم دے رہا ہوں وہ ان سے بیان کرو میرے احسانات یاد دلاؤ اور جو بدعتیں ان کے اندر پیدا ہو گئی ہیں، وہ بتاؤ۔ ارمیا نے عرض کیا اے میرے رب اگر تیری طرف سے مجھے قوت عطا نہ ہو تو میں بچائے خود گمزور ہوں اگر تو مجھے (مقصد تک پہنچانے تو میں عاجز ہوں اور اگر تو میری مدد نہ کرے تو میری مدد کہیں سے نہ ہوگی) میں بے یار و مددگار ہوں اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ تمام امور میری مشیت سے ہوتے ہیں تمام دل اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں ان کو موڑ دیتا ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں اور میری موجودگی میں کوئی دکھ تم کو نہیں پہنچ سکتا۔ الغرض ارمیا بنی اسرائیل کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے لیکن ان کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا کہنا ہے اور کیا کہیں فوراً اللہ نے ان کے دل میں ایک بلیغ خطبہ القاء کر دیا، آپ نے لوگوں کو طاعت کا ثواب اور نافرمانی کا عذاب کھول کر بتلایا اور آخر میں (استغراقی حالت میں) اللہ کی زبان سے کہا، میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ان بنی اسرائیل پر ایک بڑا فتنہ مسلط کروں گا جس کے اندر دانش مند بھی حیران ہو جائے گا کوئی خلاصی کا راستہ سمجھ میں نہیں آئے گا اور ایک ظالم سنگ دل کو ان پر غالب کر دوں گا جس کو میں ہیبت کا لباس پہنا دوں گا (یعنی بڑا ہولناک ظالم ہوگا) اور اس کے سینے سے رحم کو نکال لوں گا اس کے ساتھ ایک لشکر ہوگا، تاریک رات کی سیاہی کی طرح ہر طرف ہر چیز پر چھا جانے والا۔ اس کے بعد اللہ نے ارمیا کو وحی بھیجی کہ میں یاقت سے بنی اسرائیل کو تباہ کروں گا۔ یاقت باشندگان بابل تھے (شاید لیل بابل یاقت بن نوح کی نسل میں سے ہوں) چنانچہ اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر بابل کو مسلط کر دیا، بخت نصر چھ لاکھ فوج لے کر نکلا اور مع لشکر بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ شام کو ردند ڈالا بنی اسرائیل کو اتنا قتل کیا کہ فنا کر دیا، بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور ہر فوجی کو حکم دیا کہ اپنی ڈھال بھر کر مٹی بیت المقدس پر ڈال دے، اس طرح بیت المقدس کو سپاہیوں نے خاک سے پاٹ دیا۔ پھر بخت نصر نے حکم دیا کہ بلاد بیت المقدس کے تمام باشندوں کو یکجا جمع کر لیا جائے چنانچہ سب لوگوں کو فوج والے پکڑ کر لے گئے۔ بنی اسرائیل کے سب بچے بڑے بخت نصر کے سامنے یکجا جمع کر دیئے گئے بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار بچے چھانٹ لئے (یعنی اپنی غلامی اور خدمت گاری کے لئے منتخب کر لئے) اور مال غنیمت فوج کو تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا سواریوں نے کمال غنیمت توکل آپ کا ہے آپ شاہی خزانہ میں داخل کرادیتے بنی اسرائیل کے یہ بچے جو آپ نے منتخب کئے ہیں یہ فوج کو تقسیم کر دیجئے، بخت نصر نے یہ بات مان لی، اور بچوں کو بطور غلام سردار ان فوج کو تقسیم کر دیا ہر شخص کے حصے میں چار غلام آئے پھر باقی لوگوں کی تین جماعتیں کر دیں بنی اسرائیل کی ایک تہائی جماعت کو تو شام میں ہی قائم رکھا گیا، ایک تہائی کو قیدی بنالیا گیا اور تہائی کو قتل کر دیا گیا۔ ناشیہ کو پور ستر ہزار بچوں کو بخت نصر بابل لے گیا۔ بنی اسرائیل کی یہ پہلی تباہی تھی جو خود انہی کی بد اعمالی کی وجہ سے ان پر آئی۔ آیت فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اَوْلَاٰ هُمَْا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولٰٓئِیْنَ بَاۡسٍ شَدِیْدٍ۔ میں یہ ہی تباہی مراد ہے اور عباد سے بخت نصر اور اس کے ساتھی ہیں۔

ایک مدت کے بعد بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ کوئی چیز خواب میں دیکھی تھی لیکن اس کو یاد نہیں رہا کہ کیا

دیکھا تھا۔ دانیال، حنانیا، عزاریا اور یشتاکیل قیدیوں میں موجود ہی تھے، یہ سب انبیاء کی نسل سے تھے، بخت نصر نے ان لوگوں کو بلویا اور خواب دریافت کیا۔ ان بزرگوں نے کہا آپ خواب بیان کیجئے تو ہم اس کی تعبیر دیں۔ بخت نصر نے کہا مجھے تو خواب یاد نہیں رہا، تم ہی میرا خواب بتاؤ اور تم ہی اس کی تعبیر بیان کرو اگر ایسا نہ کرو گے تو میں شانوں سے تمہارے ہاتھ اکھڑا لوں گا۔ یہ بے چارے یہ ظالمانہ حکم سن کر ہر بار سے باہر آئے اور اللہ کے سامنے بہت گریہ و زاری کی، اللہ نے ان کو بادشاہ کے سوال کا جواب بتا دیا جو اب کا علم ہونے کے بعد یہ حضرات بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہا آپ نے ایک مورت دیکھی تھی جس کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں پختہ مٹی کی تھیں اور زانو اور رانیں تانبے کی اور پیٹ چاندی کا اور سینہ سونے کا اور سر و گردن لوہے کے۔ بادشاہ نے کہا تم نے سچ کہا ان حضرات نے کہا آپ یہ دیکھ ہی رہے تھے اور آپ کو تعجب ہو رہا تھا کہ اللہ نے آسمان سے ایک پتھر اتارا پتھر نے مورتی کو زہرہ زہرہ کر دیا یہ نیا وہ چیز ہے جو آپ بھول گئے تھے۔ بخت نصر نے کہا تم نے سچ کہا اب اس کی تعبیر دو۔ انہوں نے جواب دیا آپ کو چند بادشاہوں کی حکومت دکھائی گئی ہے کسی کی حکومت تو نرم کمزور ہے اور کسی کی اس سے سخت اور کسی کلمت ہی حسین اور کسی کی سب سے زیادہ سخت پختہ مٹی (ٹھیکرے) سب سے کمزور حکومت ہے پھر اس کے اوپر تانبا پہلی حکومت سے زیادہ سخت حکومت ہے پھر تانبے سے خوبصورت اور اعلیٰ چاندی ہے اور سونا چاندی سے زیادہ حسین اور برتر ہے سب کے اوپر لوہا آپ کی حکومت ہے جو پہلی حکومتوں سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے اور وہ پتھر جو آسمان سے اترتا ہوا آپ نے دیکھا وہ اللہ کا نبی حکم ہے جو اللہ کی طرف سے آکر اس ساری مورتی کو چکنا چور کر دے گا اور حکومت صرف اللہ کی رہ جائے گی۔

بنی اسرائیل کو اہل بابل کی خدمت میں رہتے رہتے جب مدت ہو گئی تو ایک روز بابل والوں نے بخت نصر سے کہا یہ غلام جو ہماری درخواست پر آپ نے ہم کو عنایت کئے تھے جب سے ہمارے ساتھ رہے ہیں ہم اپنی عورتوں کو کچھ بدلا ہوا پاتے ہیں، عورتوں کے رخ ہماری طرف سے پھر کر ان کی طرف ہو گئے ہیں، آپ ان کو یہاں سے نکال دیجئے یا قتل کر دیجئے۔ بخت نصر نے کہا، تم کو اختیار ہے، چاہو ان کو قتل کر دو، چاہو نکال دو۔ جب لوگوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اللہ سے گریہ و زاری کی اور عرض کیا ہاں اللہ ہم پر یہ مصیبت دوسروں کے گناہوں کی پاداش میں پڑی ہے (تو ہم پر رحم فرما) اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تم کو زندہ رکھوں گا۔ آخر کچھ لوگ تو مارے گئے اور بخت نصر نے جن کو جیتا چھوڑ دیا وہ گئے انہی میں سے دانیال، حنانیا، عزاریا اور یشتاکیل بھی تھے۔

بلا آخر جب اللہ نے بخت نصر کو ہلاک اور عارت کر دینے کا ارادہ کیا تو وہ خود ہی اپنی تباہی کا سبب بن گیا۔ جو بنی اسرائیل اس کے قبضے میں تھے ان سے ایک روز کہنے لگا۔ بتاؤ جو مکان میں نے تباہ کر دیا وہ مکان کیسا تھا۔ اور جن لوگوں کو میں نے وہاں قتل کیا وہ کون تھے۔ بنی اسرائیل نے جواب دیا وہ اللہ کا گھر تھا اور وہ مقتول اس گھر کو آباد کرنے والے تھے، یہ لوگ نسل انبیاء سے تھے لیکن جب انہوں نے مظالم اور زیادتیاں کیں تو اللہ نے ان کی خطا کاریوں کی سزا میں آپ کو ان پر مسلط کر دیا، ان کے رب نے جو سارے جہان کا رب ہے ان کو عزت عطا فرمائی تھی اور معزز بنایا تھا لیکن جب انہوں نے وہ کام کئے جو نہایت برے تھے (یعنی مظالم اور نافرمانیاں) تو اللہ نے ان کو عارت کر دیا اور دوسروں کو ان پر مسلط کر دیا، لیکن غالب آنے والا مغرور ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنے بل بوتہ پر کیا۔ بخت نصر نے کہا اچھا تو تم لوگ مجھے ایسی تدبیر بتاؤ کہ میں اونچے آسمان پر چڑھ جاؤں اور جو بھی وہاں ہو اس کو قتل کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کر لوں زمین کی حکومت سے تو میں اب فارغ ہو گیا ہوں، بنی اسرائیل نے کہا کوئی مخلوق بھی ایسا نہیں کر سکتی، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ تم کو ایسا کرنا تو ہو گا آسمان پر چڑھنے اور اس کو فتح کرنے کی تدبیر بتانی ہوگی، ورنہ میں تم سب کو قتل کر دوں گا، یہ بات سن کر سب لوگ اللہ کے سامنے روئے اور گڑ گڑائے اور عاجزی کے ساتھ دعا کی، اللہ نے ان کی مدد کی اور اپنی قدرت سے ایک مچھر بھیج دیا جو بخت نصر کی ناک کے سوراخ میں کھس کر دماغ تک پہنچ گیا اور دماغ کی جھلی پر اس نے ڈنک مارا۔ بخت نصر بیتاب ہو گیا اس کو قرار ہی نہیں آتا تھا، جب تک سر پر ضربیں نہ لگتی تھیں، آخر اسی حالت میں مر گیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے سر چیر کر دیکھا تو ایک مچھر دماغ کی

جنگل پر ڈنک مارنا نظر آیا جو بنی اسرائیل اس کے قبضہ میں باقی تھے اللہ نے ان کو نجات دی اور وہ شام کو چلے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے عمارتیں بنائیں ان کی تعداد بھی بہت ہو گئی اور جو حالت ان کی پہلے تھی اس سے بھی بہتر حالت ہو گئی لوگ کہتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے تھے اللہ نے ان کو بھی زندہ کر دیا اور وہ بھی ان میں آکر شامل ہو گئے۔

جب بنی اسرائیل ملک شام میں آئے تو ان کے پاس اللہ کی کتاب باقی نہیں تھی، توریت جلادی گئی تھی، حضرت عزیرؑ بھی بابل کے قیدیوں میں تھے اور چھوٹ کر شام کو آئے تھے آپ تمام لوگوں سے الگ کہیں جنگل میں جا کر دن رات (توریت کے غم میں) روتے رہتے تھے۔ ایک روز کسی شخص نے ان سے پوچھا آپ اتنا روتے کیوں ہیں فرمایا اللہ کی کتاب کو روتا ہوں، اللہ کا وہ احکام نامہ جو ہمارے پاس تھا (جلادیا گیا) نہ رہا اس کے بغیر نہ ہماری دنیا درست ہو سکتی ہے نہ آخرت۔ اس شخص نے کہا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ توریت آپ کو دوبارہ مل جائے تو روزے رکھیے نفس کو پاک کیجئے اور کپڑے بھی پاک رکھیے اور کل کو اسی جگہ میں آپ سے ملوں گا۔ حضرت عزیرؑ نے روزہ بھی رکھا جسم اور کپڑوں کو بھی پاک کیا اور اسی مقررہ مقام پر اس شخص کا انتظار کرنے لگے، حسب وعدہ وہ شخص پانی سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر آیا یہ شخص فرشتہ تھا، اللہ نے اس کو بھیجا تھا۔ حضرت عزیرؑ کو اس نے کچھ پانی پلایا، پانی پیتے ہی توریت آپ کے سینے میں منتقل ہو گئی۔ جب بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے اور توریت پیش کی تو بنی اسرائیل کو آپ سے اتنی محبت ہو گئی کہ کسی چیز سے ایسی محبت نہیں ہوئی تھی آپ محبوب قوم بن گئے پھر کچھ مدت کے بعد اللہ نے آپ کو بلا لیا اور بنی اسرائیل طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ بھی ان کو سزا دیتا رہا اور پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجتا رہا بنی اسرائیل کسی پیغمبر کی تو صرف تکذیب کرتے تھے اور کسی کو قتل کر دیتے تھے تصدیق نہیں کرتے تھے۔ سب کے آخر میں اللہ نے حضرت زکریا، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کو بھیجا یہ تینوں حضرات داؤدؑ کی نسل سے تھے۔ حضرت زکریاؑ اپنی موت سے مر گئے۔ بعض نے کہا آپ کو شہید کر دیا گیا۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰؑ کو شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو اٹھایا گیا تو بابل کے ایک بادشاہ کو جس کو خردوش کہا جاتا تھا بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا خردوش نے بابل کا لشکر لے کر شام پر چڑھائی کی ملک میں داخل ہو کر تمام بنی اسرائیل پر مسلط ہو گیا۔ جب کامل تسلط پایا تو اپنے ایک فوجی سردار سے جس کا نام یورزلوان تھا کہا، میں نے اپنے معبود کی قسم کھائی تھی کہ بیت المقدس والوں پر جب مجھے فتح حاصل ہوگی تو ان کو اتنا قتل کروں گا کہ ان کا خون بہ بہ کر میرے لشکر کے وسطی حصہ تک آجائے، ہاں اگر قتل کرنے کے لئے کوئی شخص باقی ہی نہ رہے تو مجبوری ہے.... تم میری اس قسم کو پورا کرو۔ یورزلوان اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہو گیا اور بیت المقدس میں داخل ہو کر قربان گاہ تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کچھ خون زمین سے ابل رہا ہے، پوچھا یہ کیا بات ہے، یہ خون کیسا ابل رہا ہے بنی اسرائیل نے کہا اس جگہ ہم نے ایک قربانی ذبح کی تھی، قربانی قبول نہیں ہوئی اور اس وقت سے برابر یہ خون ابل رہا ہے۔ دیے آٹھ سو برس سے ہم قربانیاں کرتے چلے آئے ہیں اور سب کی سب قبول ہوتی رہیں ہیں صرف یہ ہی قربانی قبول نہیں ہوئی یورزلوان نے کہا تم نے مجھے سچ نہیں بتلایا کہنے لگے اگر پہلے جیسا وقت ہوتا تو ضرور یہ قربانی بھی قبول ہو جاتی مگر اب تو نہ ہماری حکومت رہی نہ سلسلہ وحی و نبوت۔ اسی لئے یہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اسی مقام پر یورزلوان نے بنی اسرائیل کے سرداروں کے سات سو ستر جوڑے ذبح کر ڈالے مگر خون جب بھی نہیں تھا۔ یورزلوان نے بنی اسرائیل کے سات سو لاکھ اور قتل کر دیئے پھر بھی خون ٹھنڈا نہ ہوا یورزلوان نے جب دیکھا کہ خون تھمتا ہی نہیں ہے تو بنی اسرائیل سے کہا کہ کم بختوں مجھے سچ بتا دو اور اپنے رب کے حکم پر صبر کرو، ایک طویل مدت تک اس زمین پر تمہاری حکومت رہی ہے، تم جو چاہتے تھے کرتے تھے، میں تم میں سے کسی آگ پھونکنے والے مرد کو چھوڑوں گا نہ عورت کو، سبھی کو قتل کر دوں گا۔ یہ وقت آنے سے پہلے مجھے سچ بتا دو۔ جب بنی اسرائیل نے قتل کی یہ شدت اور ناقابل برداشت مصیبت دیکھی تو سچی بات کہہ دی، کہنے لگے حقیقت میں یہ ایک پیغمبر کا خون ہے وہ ہم کو بہت سی باتوں سے منع کرتے تھے اور اللہ کے غضب سے ڈراتے تھے، اگر ہم ان کا کہا مان لیتے تو یقیناً وہ راستہ ہمارے لئے بہت سیدھا راستہ تھا۔ انہوں



گیا بخت نصر لکڑ ہارا تھا اس شخص نے دیکھا کہ وہ سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آیا کٹھے کو سر سے ڈالنے کے بعد بیٹھ گیا اس آدمی نے بخت نصر سے کچھ باتیں کیں پھر اس کو تین درہم دیئے اور کہا جا کر اس کی کچھ کھانے پینے کی چیز لے آؤ بخت نصر نے جا کر ایک درہم کا گوشت ایک درہم کی روٹی اور ایک درہم کی شراب خرید لی اور لے آیا سب نے مل کر کھانا کھلایا اور شراب پی اس آدمی نے دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی کیا (روزانہ تین درہم کی کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں اور سب نے کھلایا) پھر بخت نصر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی دن تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے لئے پروانہ لمان ابھی سے لکھ دو تاکہ تمہاری حکومت کے وقت میرے کام آئے بخت نصر نے کہا، کیا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے اس شخص نے کہا میں مذاق نہیں کرتا، تمہارا کیا حرج ہے کہ پروانہ لمان لکھ کر مجھے منت کش بنا دو۔ بخت نصر نے پروانہ امن لکھ دیا۔ اس شخص نے کہا جب تمہارے گرد آگرد لوگ جمع ہوں اور میں اس وقت سینچوں تو تمہارے پاس تک میری رسائی کیسے ہوگی۔ بخت نصر نے کہا کسی بانس میں اس تحریر کو باندھ کر بلند کرنا میں پہچان لوں گا۔ غرض بخت نصر نے تحریر لکھ کر اس شخص کو دے دی۔

قتادہ نے کہا بنی اسرائیل کا بادشاہ حضرت یحییٰ بن زکریا کہ بڑی عزت کرتا تھا آپ کو اس نے اپنا مقرب بنا رکھا تھا (تفاتیق) بادشاہ کو اپنی بیوی کی بیٹی اور بقول حضرت ابن عباسؓ اپنی بھانجی سے گہری محبت ہو گئی، حضرت یحییٰؑ سے اس نے مسئلہ پوچھا آپ نے نکاح کی اجازت نہ دی، بیوی کی بیٹی یا بھانجی سے نکاح شریعت یہود میں بھی حرام تھا، اس لڑکی کی ماں کو حضرت یحییٰؑ کے فتویٰ کی خبر پہنچی تو اس کے دل میں حضرت کی طرف سے کینہ پیدا ہو گیا، ایک روز جب بادشاہ نے محفل شراب منعقد کی تو اس عورت نے اپنی بیٹی کو باریک سرخ رنگ کے کپڑے پہنائے خوشبو سے مہکایا، زیور سے آراستہ کیا اور بنا سجا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور یہ کہہ دیا کہ تو بادشاہ کو شراب پلانا اور جب وہ تیری طرف کو مائل ہو تو تولو تو اس سے شرط کرالینا کہ میرا ایک سوال آپ کو پورا کرنا ہوگا، جب وہ زبان دے دے تو اس سے کہنا مجھے سحی بن زکریا کا سر طشت میں رکھا ہو اور کار ہے، پھر وہ جو کچھ تجھ سے چاہے اس کی تعمیل کرنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا، بادشاہ جب اس کی طرف مائل ہوا تو اس نے حضرت سحی کے سر کی شرط پیش کی۔ بادشاہ نے کہا کم بخت کچھ اور سوال کر لے۔ میں تیرا سوال پورا کر دوں گا سحی کے سر کی طلب گار نہ ہو، لڑکی نے اصرار کیا، آخر سحی کا سر بادشاہ نے منگوا دیا۔ سر لا کر رکھ دیا گیا تو سر سے آواز آرہی تھی یہ عورت تیرے لئے حلال نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی تب بھی سر سے خون ابلتا رہا، بادشاہ نے اس پر مٹی ڈالنے کا حکم دیا تب بھی خون نہ تھا، اور مٹی ڈالوائی تب بھی خون ابلتا ہی رہا، یہاں تک کہ شہر کی فصیل تک اس طشت کو لے جایا گیا اور خون جوش مارتا رہا، اسی دوران میں بابل کے بادشاہ صحابین نے بخت نصر کی زیر قیادت بنی اسرائیل پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر بھیج دیا جب یہ فوج حدود بیت المقدس میں پہنچی تو لوگ قلعہ بند ہو گئے، انہوں نے بستیوں کے دروازے بند کر لئے، بخت نصر محاصرہ کئے پڑا رہا، آخر طول محاصرہ سے تنگ آکر اس نے ناکام واپسی کا ارادہ کر لیا۔ بنی اسرائیل کی نسل کی ایک بڑھیا نکل کر آئی اور اس نے بخت نصر سے کہا آپ شہر فتح کئے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں۔ بخت نصر نے کہا ہاں، میرا یہاں قیام طویل ہو گیا اور ساتھ والوں کو کچھ کھانے کو مل نہیں رہا ہے۔ کہنے لگی تدبیر میں بتائی ہوں مگر ایک بات میری آپ کو ماننی ہوگی، جس کو قتل کرنے کا میں آپ کو مشورہ دوں اس کو آپ قتل کر دیں اور جب قتل کرنے سے روک دوں آپ رگ جائیں۔ بخت نصر نے کہا اچھا، بڑھیا نے کہا صبح کو آپ اپنے لشکر کے چار حصے کر دیں، ہر گوشہ پر لشکر کا ایک حصہ مقرر کر دیں۔ پھر سب مل کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہیں سحی بن زکریا کے خون کے عوض ہم تجھ سے فتح کے طلب گار ہیں، امید ہے کہ دعا مانگتے ہی (شہر کی) دیواریں گر پڑیں گی بخت نصر اور اس کے لشکر نے ایسا ہی کیا، دیواریں فوراً گر پڑیں اور تمام اطراف سے فوج اندر داخل ہو گئی۔ بڑھیا نے بخت نصر سے کہا اب اپنا ہاتھ روک لو، پھر بخت نصر کو لے کر سحی بن زکریا کے خون کے پاس پہنچی اور کہا لوگوں کو گر قتل کر کے اس خون پر قتل عام اس وقت تک کر دو کہ اس کا ابلنا بند ہو جائے، بخت نصر نے وہاں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا، آخر وہ خون ٹھم گیا۔ خون رگ گیا تو بڑھیا نے کہا اب قتل موقوف کرو۔ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اللہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک قاتلوں کو لور قتل پر رضامند ہونے والوں کو قتل نہ کر دیا جائے

اتنے میں پرولہ امن والا پرولہ امن لے کر آگیا، بخت نصر نے اس کو اور اس کے گھروالوں کو امن دے دی اور بیت المقدس کھنڈر کر دیا اور اس میں مردار جانور ڈالوائے..... بیت المقدس کی بربادی میں رومیوں نے بھی بخت نصر کی مدد کی کیونکہ بنی اسرائیل نے حمی کو قتل کیا تھا اور حمی نے حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دی تھی بخت نصر اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے کچھ سرداروں کو لے گیا، جن میں حضرت دانیال اور دوسرے انبیاء زادے تھے اور جالوت کے سر کو بھی ساتھ لے گیا۔

بابل میں پہنچا تو چونکہ صحابین مرچکا تھا، لوگوں نے صحابین کی جگہ اسی کو بادشاہ بنا دیا بخت نصر حضرت دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا تھا، مجوسیوں کو اس بات سے جلن ہوئی اور انہوں نے بخت نصر سے دانیال کی چغلیاں کھائیں اور کہا دانیال اور ان کے ساتھی آپ کے معبود کو نہیں مانتے اور آپ کے ہاتھ کا ذبیحہ (یعنی آپ کا عقیدہ رکھنے والے مشرکوں کا ذبیحہ) بھی نہیں کھاتے، بخت نصر نے دانیال اور ان کے ساتھیوں سے یہ بات دریافت کی، انہوں نے جواب دیا ہاں ہمارا ایک رب ہے اور ہم آپ لوگوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، بخت نصر نے ایک خندق کھدوائی اور ان سب کو جن کی تعداد چھ تھی اس میں ڈلوا دیا، اور ایک شکاری شیر کو بھی خندق میں چھوڑ دیا تاکہ شیر ان لوگوں کو پھاڑ کھائے، لیکن دن گزرنے کے بعد شام کو جا کر دیکھا تو سب کو (صحیح سالم) بیٹھا ہوا پایا، شیر بھی پاؤں پھیلانے ان کے پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اس نے کسی کے خراش بھی نہیں لگائی تھی، اس کے علاوہ ایک ساتواں آدمی اور بھی ان کے ساتھ موجود تھا، حقیقت میں وہ ایک بادشاہ تھا جس کی سات سال تک اللہ برابر ہر سال صورت مسح کرتا رہا، وہب نے اس کی یوں تفصیل کی ہے کہ بخت نصر کو اللہ نے ایک سال بشکل گدھ رکھا، پھر ایک برس تک بیل کی شکل پر کر دیا، پھر شیر کی صورت پر کر دیا۔ اسی طرح سات سال تک صورت بگڑتی اور بدلتی رہی لیکن دل ہر صورت میں انسان ہی کارہا، آخر میں پھر اس کی حکومت اس کو عطا فرمادی اور وہ مومن ہو گیا۔ وہب سے دریافت کیا گیا، کیا بخت نصر مومن تھا۔ وہب نے جواب دیا، اس کے بارے میں میں نے اہل کتاب کے اقوال مختلف پائے، کوئی تو قائل ہے کہ اس کی موت ایمان پر ہوئی اور کوئی کہتا ہے اس نے بیت المقدس کو جلایا جو خانہ خدا تھا، اللہ کی کتابوں کو سوختہ کیا اور انبیاء کو قتل کیا اس پر اللہ کا غضب پڑا اور توبہ قبول نہیں ہوئی۔

سدی کا بیان ہے کہ مسخ شکل کے بعد اللہ نے جب بخت نصر کو اس کی اصلی شکل پر کر دیا اور حکومت بھی اس کو دوبارہ عطا فرمادی تو دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی اس نے بڑی عزت و تعظیم کی۔ مجوسیوں کو اس بات پر حسد ہوا انہوں نے بخت نصر سے کہا دانیال شراب پی لیتا ہے تو پیشاب ضرور کرتا ہے، یہ بات ان لوگوں کی سوسائٹی میں بہت بری مانی جاتی تھی۔ اس پر بخت نصر نے حضرت دانیال اور ان کے ساتھیوں کو کھانا اور شراب بھیجی اور دربانوں سے کہہ دیا، دیکھو جو شخص پیشاب کے لئے سب سے پہلے نکل کر جائے اس کو تیر سے مارنا خواہ وہ یہ بھی کہے کہ میں بخت نصر ہوں تب بھی تم یقین نہ کرنا اور ضرور مارنا اور کہہ دینا کہ تو بخت نصر نہیں جھوٹا ہے۔ بخت نصر نے تو ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ جو شخص باہر نکلے اس کو مارنا۔ اتفاق کی بات کہ سب سے پہلے پیشاب کے لئے بخت نصر ہی گیا اور دربان نے اس پر حملہ کر دیا بخت نصر نے ہر چند کہا میں بخت نصر ہوں مگر دربان نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور مارتے مارتے مار ہی ڈالا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ تاریخ کے نزدیک حضرت یحییٰؑ کے قتل کے بعد بخت نصر کا بنی اسرائیل پر چڑھائی کرنا ثابت نہیں بلکہ اہل تاریخ اس امر پر متفق ہیں کہ بنی اسرائیل نے جب حضرت شعیا کو قتل کر دیا تو اس کے بعد بخت نصر نے حضرت ارمیا کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو قتل و غارت کیا حضرت ارمیا اور ولادت حمی بن زکریا کے درمیان چار سو اکٹھ برس کا فصل ہے۔ بہمن بن اسفندیار (شاہ ایران) کی طرف سے کیرش بن اشورش بن اصینہد بابل کا نواب تھا، اس کے زمانے میں ہی دوبارہ بیت المقدس کی تعمیر ہوئی یہ وہ وقت تھا جب بخت نصر کے ہاتھوں سے بیت المقدس کو برباد ہوئے ستر سال گزر چکے تھے۔ پھر تعمیر بیت المقدس سے اٹھاسی سال بعد سکندر نے بیت المقدس پر تسلط کیا اور عہد سکندر سے تین سو تریسٹھ سال بعد حضرت حمیؑ کی پیدائش ہوئی اس حساب سے تو بخت نصر کے ہاتھوں سے جو تخریب ہوئی اس سے ۵۲۱ برس بعد حضرت حمیؑ کی ولادت



ہوئی، ۶۱ کی میزان مذکور تفصیل کے لحاظ سے غلط ہے۔ مترجم (بغوی نے لکھا ہے صحیح وہی ہے جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔  
عَسَلِي رَبُّكُمْ أَنْ تَبْرَحَكُمْ  
تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ گے اور قرآن کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کر لو گے تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔  
وَأِنْ عُدْتُمْ عَدَاؤَنَا  
اور اگر تم (اللہ کی نافرمانی اور رسول کی مخالفت کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (سزا اور انتقام کی طرف) لوٹیں گے۔

وَقَوْلَانِهِ

پس عبد اللہ بن سلام، شاہ نجاشی، کعب احبار اور ان جیسے دوسرے اہل کتاب جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تو اللہ نے ان پر رحمت نازل فرمادی، ان کی شاکی اور فرمایا میں اہل الکتاب ائمة قائمۃ یتلون آیت اللہ اناء اللیل وہم یتسجدون الخ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا، وَإِذْ أَسْمِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا الرَّسُولُ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ الْخِ اور بنی قریظہ، بنی نضیر اور ان کی طرح دوسرے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ کو شہید کر دینا چاہا، آپ ﷺ پر جادو کیا، آپ ﷺ کے کھانے میں زہر ملا دیا، اور آپ ﷺ سے جنگ کی تو اللہ بھی ان کو سزا دینے کی طرف لوٹا، ان سے انتقام لیا، بنی قریظہ کو قتل کر لیا، بنی نضیر کو جلا وطن کر لیا، ان پر جزیہ مقرر کیا اور ان کو ذلیل کیا۔  
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۸  
اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا دیا ہے جس سے وہ کبھی نکل نہ سکیں گے، بعض علماء کے نزدیک حیسر کا ترجمہ بساط (فرش چٹائی وغیرہ) ہے۔ یعنی کافروں کے لئے ہم جہنم کا پھونکا کر دیں گے۔

بے شک یہ قرآن وہ بات یادہ راہ بتاتا ہے جو تمام باتوں اور تمام راہوں سے زیادہ درست اور سیدھی ہے یادہ کلمہ بتاتا ہے جو تمام کلمات سے زیادہ صحیح ہے، اس وقت کلمہ سے مراد ہوگی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت۔

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۹

اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر یعنی جنت ہے۔ اجر کبیر سے مراد جنت ہے۔  
وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۱۰  
اور مومنوں کو بشارت اس بات کی بھی دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ہم نے ان کے لئے دکھ والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ قرآن مومنوں کو دہری بشارت دیتا ہے، جنت ان کے لئے ہوگی اور ان کے دشمنوں کے لئے سخت دکھ پہنچانے والا عذاب ہوگا۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانَ بِالشُّرُوعِ عَاكِفًا بِالْأَخْيَرِ  
اور (بعض) آدمی برائی (یعنی عذاب) کی ایسی درخواست کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست۔ شرکی دعا کرنے سے مراد یہ ہے کہ غصہ میں اپنے لئے اپنے اہل و عیال اور مال کے لئے بد دعا کرتا ہے یا یہ مراد ہے کہ بعض چیزوں کو اپنے لئے اچھا سمجھتے ہوئے ان کو حاصل کرنے کی اللہ سے دعا کرتا ہے، حالانکہ وہ چیزیں اس کے لئے بری ہوتی ہیں۔

خیر کی دعا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا اور دین کی بھلائی کے لئے اور عذاب آخرت سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کرتا ہے۔ پس اسی طرح وہ شر کا بھی طلب گار ہوتا ہے۔ اگر اللہ اس کی بد دعا قبول فرمائے تو یقیناً وہ تباہ ہو جائے مگر اللہ اپنی مہربانی سے اس کی یہ بد دعا قبول نہیں فرماتا اور اس کے سوال کے مطابق تباہ نہیں کرتا)

وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۱۱  
اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ یعنی جو خیال دل میں آتا ہے چاہتا ہے کہ فوراً پورا ہو جائے، انجام پر غور نہیں کرتا، لوریہ نہیں سوچتا کہ اگر اس کا خیال پورا کر دیا جائے تو ایسا نتیجہ سامنے آجائے گا جو اس کو پسند نہ ہوگا، ناگوار ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صبر نہیں کرتا، نہ اس کو دکھ پر قرار ہوتا ہے نہ سکھ پر ہر چیز سے اکتا جاتا ہے اور تنگ دل ہو کر دعا کرتا ہے۔

بعض علماء نے کہلا انسان سے مراد حضرت آدمؑ ہیں، جب روح آپ کے بدن میں ڈالی گئی تو ناف تک ہی پہنچی تھی کہ اٹھنے لگے، مگر گر پڑے اٹھ نہ سکے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔

واقدی نے مغازی میں حضرت عائشہؓ کے کسی آزاد کردہ غلام کی وساطت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قیدی کو ساتھ لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اس کی بڑی نگرانی رکھنا (ہمیں بھاگ نہ جائے) حضرت عائشہؓ کسی عورت سے باتیں کرنے میں قیدی کی طرف سے غافل ہو گئیں، قیدی بھاگ گیا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قیدی کے متعلق دریافت فرمایا، حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں گیا میں ذرا اس کی طرف سے غافل ہوئی کہ وہ نکل گیا، حضور والا نے ناراض اور غضب ناک ہو کر فرمایا اللہ تیرا ہاتھ کاٹ دے، یہ فرما کر باہر تشریف لے گئے اور ملزم کے پیچھے آدمیوں کو دوڑایا لوگ اس کو پکڑ لائے پھر آپ اندر تشریف لائے حضرت عائشہؓ بستر پر (بیٹھی) اپنے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر رہی تھیں، فرمایا، کیوں کیا بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا میں آپ کی بددعا (کا اثر ظاہر ہونے) کا انتظار کر رہی ہوں، حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ میں ایک انسان ہوں دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی رنج ہوتا ہے اور غصہ آگیا ہے، میں جس مومن مرد یا مومن عورت کے لئے کوئی بددعا کروں تو میری بددعا کو اس کے لئے گناہوں سے پاکی اور طہارت کا سبب بنا دے۔ واللہ اعلم۔

کلام کی رفتار بتا رہی ہے کہ انسان سے مراد کافر انسان ہے اور دعا شر سے مراد عذاب کے فوراً آجانے کی دعا ہے کافر بطور استہزاء جلد عذاب آنے کی درخواست کرتے تھے۔ نصر بن حارث نے کہا تھا اے اللہ! دونوں گروہوں میں جو فریق بہتر ہو اس کو فتح یاب کر اے اللہ اگر تیری طرف سے یہ اسلام و قرآن ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، چنانچہ بدر کے دن نصر بن حارث کی گردن مادی گئی۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ لِّمَنْ حَسِبَ  
لِئَلَّا يَكْفُرَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالسَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالنَّجْمِ  
الَّذِينَ يَذُكَّرُونَ بِهِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ

اور ہم نے رات اور دن دو نشانیاں بنائی ہیں۔ شب و روز کا تعاقب اور ترتیب کے ساتھ آنا جانا قادر و حکیم کی ذات پر دلالت کر رہا ہے۔ (یہ نشانیاں ہیں قادر کی قدرت اور حکیم کی حکمت کی)۔

دھندلا بنایا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے۔ یعنی ہم نے رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا، بعض علماء کا قول ہے کہ دو نشانیوں سے مراد ہیں چاند اور سورج، یعنی رات اور دن کو ہم نے دو نشانیوں والا بنایا۔ یارات اور دن کے درمیان دو نشانیاں بنادیں پھر رات کی نشانی یعنی چاند کو ہم نے گھٹاتے گھٹاتے مٹا دیا اور دن کی نشانی یعنی سورج کو چمکایا، دمکایا کہ دنیا کی چیزیں اس کی روشنی میں نظر آنے لگیں۔ کسانے نے کہا عرب أَبْصَرَ النَّهَارُ اس وقت بولتے ہیں جب دن کی روشنی میں چیزیں نظر آنے لگیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے سورج کی چمک کے مترجمے بنائے اور چاند کی روشنی کے بھی اتنے ہی اجزاء قائم کئے پھر چاند کی روشنی کے ۶۹ حصے سورج کی روشنی کے ساتھ شامل کر دیئے یہاں تک کہ جبرئیل نے بحکم خدا اپنا چاند کے چہرہ پر تین بار پھیر دیا تو اس کی چمک دمک جاتی رہی صرف روشنی رہ گئی۔ ابن الکوا نے حضرت علیؓ سے اس داغ کے متعلق دریافت کیا جو چاند کے اندر ہے، فرمایا یہ روشنی کو مٹانے کا نشان ہے۔

یہی نے دلائل میں سعید مقبری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سیاہی کے متعلق دریافت کیا جو چاند میں موجود ہے۔ فرمایا دونوں چمکدار تھے۔ پھر بقول باری تعالیٰ فَمَحْوَنَ آيَةَ اللَّيْلِ (ایک کی چمک مٹا دی گئی) پس یہ سیاہی جو تم کو نظر آرہی ہے۔ محو کی نشانی ہے۔

تاکہ تم اپنے رب کا فضل طلب کرو۔ یعنی رات میں عبادت کے لئے

لَتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ

راحت و فراغت اور دن میں روزی کمانے کے اسباب۔

وَلِتَعْلَمُوا عَدَّةَ الْيَمِينِ وَالْحِسَابَ

اور (رات دن کے آنے جانے اور چاند سورج کی

رفتار سے) سالوں کی کتنی اور (اپنے معاملات کا عموماً) حساب جان لو۔

وَكُلَّ شَيْءٍ فَضَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝۱۱

اور تمہاری دنیا و دین کی ضرورت کی ہر چیز کو ہم نے کھول کر

بیان کر دیا ہے یعنی اس طرح بیان کر دیا ہے کہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور شرک و گمراہی کی کوئی دلیل تمہارے لئے باقی نہ رہے۔

وَكُلَّ إِنشَاءٍ أَلزَمْنَاهُ طَائِرًا فِي عُنُقِهِ

اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہڈ

کر کے رکھا ہے۔

یعنی انسان کا عمل اور مقدر انسان کے ساتھ رہتا ہے انسان جہاں کہیں ہو امر مقدر اس سے جدا نہیں ہو سکتا (حضرت ابن عباسؓ) کلبی اور مقاتل نے کہا نیکی ہو یا بدی اچھائی ہو یا برائی انسان کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ اس سے ہر خیر و شر کی حساب فہمی ہوگی۔ حسن نے کہا طائر سے مراد ہے برکت و نحوست۔ اہل حقیقت کہتے ہیں طائر وہ امر تقدیری ہے جس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ آدمی وہ ضرور کرے گا اور اس کا نتیجہ ضرور حاصل کرے گا، خواہ خوش نصیبی ہو یا بد بختی۔

جانور پرندہ ہو یا چرندہ عرب اس کے نکلنے سے اچھا برا شگون لیتے تھے، اگر شکاری کے بائیں ہاتھ کی طرف سے شکار نکل کر دائیں ہاتھ کی طرف آئے تو اس کو اچھا سمجھتے تھے کیوں کہ بغیر مڑنے اور گھومنے کے شکاری اس کو شکار کر سکتا تھا اور اگر دائیں ہاتھ کی طرف سے بائیں ہاتھ کی جانب شکار آجائے تو اس کو برا سمجھتے کیونکہ اس صورت میں بغیر گھومے شکاری تیر نہیں مار سکتا تھا۔ نہایت۔ (یہ اچھائی برائی تو شکار اور شکاری سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کے بعد عرب اس سے عام شگون لینے لگے بائیں جانب سے جانور نکل کر جائے تو نیک فال سمجھتے تھے اور دائیں جانب سے نکلے تو برا شگون جانتے تھے۔ مترجم) ابو عبیدہ اور قبیلہ نے کہا طائر سے اس جگہ نصیب مراد ہے اچھا ہو یا برا۔ عرب بولتے ہیں طَائِرٌ سَتَهُمْ فَلَانَ بِكَذَا۔ اسی محاورہ سے لفظ طائر بمعنی نصیب ماخوذ ہے۔

تمام اعضاء میں گلا ایسا عضو ہے کہ اس میں بڑے ہوئے ہڈیا طوق سے آدمی کی زینت یا بد نمائی کا خصوصی تعلق ہے عرب اسی وجہ سے جدا نہ ہونے والی چیزوں کے متعلق کہتے ہیں یہ چیز فلاں شخص کے گلے میں پڑ گئی یعنی لازم ہو گئی اس سے جدا نہیں ہوتی۔

مجاہد نے کہا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے گلے میں ایک پرچہ پڑا ہوتا ہے جس میں سعید یا شقی لکھا ہوتا ہے۔

اور اس کے لئے ہم قیامت کے دن ایک صحیفہ نکالیں گے۔ کتاب سے

وَنُخْرِجُ لَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا

مراد ہے۔ اعمال نامہ۔

جو اس کو کھلا ہوا ملے گا۔ بنوئی نے لکھا ہے۔ آثار (یعنی اقوال صحابہ) میں آیا ہے کہ

يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝۱۲

جب آدمی کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو اللہ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس آدمی کا اعمال نامہ روز قیامت سے پہلے نہیں کھولا جائے گا۔

(اس سے کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھ یا یہ مطلب ہے کہ اس اعمال نامہ (کے شروع) میں لکھا

إِقْرَأْ كِتَابَكَ

ہوگا، اپنا اعمال نامہ پڑھ۔

آج تیرا نفس خود ہی تجھ سے حساب فہمی کے لئے کافی

كفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝۱۳

ہے۔ حساب کرنے والا۔ یا حسیب کا معنی ہے کافی۔ یعنی تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ بیہمی

نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہوگا (یعنی قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک میدان میں حساب فہمی کے لئے کھڑا کیا جائے گا) تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا اور ہوا اڑا کر

اعمال ناموں کو دائیں اور بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔

حسن نے کہا جس نے تیری ذات کو خود ہی تجھ پر محاسب بنا دیا اس نے یقیناً تیرے لئے انصاف کیا۔ بغوی، ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے جو شخص دنیا میں بڑھا ہوا نہ ہو گا اس روز وہ بھی بڑھ لے گا۔

ابن مبارک نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے گلے میں ایک قلابہ لٹکا دیا گیا ہے جس کے اندر اس کے اعمال لکھ دیئے جاتے ہیں پھر لپیٹ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر (قیامت کے دن) جب اس کو اٹھایا جائے گا تو اس اعمال نامہ کو اس کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔ اصہبانی نے حضرت ابوالمامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی کے سامنے اس کا اعمال نامہ کھلا ہوا لایا جائے گا تو وہ بڑھ کر کہے گا، میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں اس میں وہ درج نہیں ہیں اللہ فرمائے گا چونکہ تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا اس لئے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹا دیں۔

جو شخص دنیا میں سیدھے راستے پر چلتا ہے وہ اپنے نفع کے  
مِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ  
لئے چلتا ہے۔

یعنی جو کوئی ہدایت یاب ہو گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ملے گا کسی کا ہدایت یافتہ ہونا دوسروں کو عذاب سے نہیں بچائے گا۔ اور جو راستہ بھٹکتا ہے سو وہ اپنے نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے۔ یعنی جو

کمرہ ہو گا اسی کو اپنی گمراہی کا وبال اٹھانا پڑے گا اور اس کی گمراہی دوسروں کی ہلاکت کا باعث نہ ہو گی۔ ابن عبدالبر نے ایک کمزور سند کے ساتھ حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے ان بچوں کا جو بلوغ سے پہلے مر گئے ہوں حکم دریافت کیا، حضور نے فرمایا وہ اپنے باپوں سے پیدا ہوئے ہیں لہذا انہی کے حکم میں داخل ہیں کچھ مدت کے بعد حضرت خدیجہؓ نے یہی سوال کیا تو فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اگر بڑے ہو جاتے تو کیا کرتے اس کے بعد جب اسلام معکم ہو گیا اور حضرت خدیجہؓ نے یہی سوال کیا تو آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ  
کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بار اپنے لوپر نہیں اٹھائے گا۔

بلکہ صرف اپنے گناہ کا بار اپنے لوپر اٹھائے گا۔ وزر سے مراد بے بار گناہ۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝  
نہیں۔ یعنی زندگی کے قوانین شرعیہ پیش کرنے اور آخری حجت ختم کرنے والے پیغمبروں کو بھیجے بغیر ہم کسی کو عذاب دینے والے نہیں۔ امام شافعی نے کہا یہ آیت بتا رہی ہے کہ جس شخص کو دعوت پیغمبر کی اطلاع نہ پہنچی ہو فقط عقل و ہوش ملنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتقادی یا عملی حکم واجب نہیں ہوتا، پس پیغمبر کی دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے اگر کوئی شرک یا عملی معصیت کا مرتکب ہو تو اس کو عذاب نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حاکم اللہ ہی سے لیکن انسانی عقل بجائے خود اللہ کو ایک سمجھنے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک جاننے اور معجزات کی روشنی میں نبوت کا اقرار کرنے کی مکلف ہے، اقرار توحید و رسالت کا مدار عقل پر ہے، حکم خداوندی اور ہدایت رسول پر نہیں جس کو بعثت نبی کی اطلاع نہ پہنچی ہو یا انبیاء کو اللہ مبعوث ہی نہ کرے تب بھی توحید و تنزیہ کا اعتراف عقل کا فریضہ ہے تمام شرائع اور احکام کا مدار توحید و نبوت کے اقرار پر ہے، اگر توحید و نبوت کے اقرار کا مدار بھی حکم شریعت پر ہو گا تو دور پیدا ہو جائے گا اور اس چکر کے نتیجے میں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یوں سمجھو احکام شرعیہ نبوت و توحید کے اقرار پر مبنی ہیں، اور نبوت و توحید کا اقرار حکم شرع پر مبنی ہے، تو احکام شرعیہ خود ہی اپنی ذات پر موقوف ہوں گے پس انبیاء کے مبعوث نہ ہونے یا بعثت کی اطلاع نہ پانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص شرک کرے گا تو مجرم اور مستحق عذاب ہوگا۔ اس قول کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ حضرت آدمؑ سے فرمائے

گا۔ آدم! حضرت آدم جو اب دیں گے لیک۔ حاضر۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ فرمائے گا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ نکالو۔ آدم عرض کریں گے، دوزخ کا حصہ کیا۔ اللہ فرمائے گا، نو سو ننانوے فی ہزار۔ یہ فرمان ایسا ہو گا کہ (جس کی ہیبت سے) بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کو اسقاط ہو جائے گا اور لوگ نشہ والوں کی طرح بے قابو اور مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشہ آور چیز پیئے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہو گا۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک (فجاعت یا فتنہ) ہم میں سے کون ہو گا۔ فرمایا تم کو بشارت ہو کہ تم میں سے ایک جہنمی ہو گا اور یا جوج ماجوج میں سے ہزار۔ الیٰ آخر الحدیث۔ امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عقل پانے کے بعد ہر شخص توحید کے اقرار کا مکلف ہے، دیکھو یا جوج ماجوج کی قومیں سد کے پار ہوں گی ان میں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہو گا پھر بھی ان پر عذاب ہو گا۔

دو پیغمبروں کی درمیانی مدت میں جب کہ سلسلہ رسالت عارضی طور پر منقطع ہو گیا ہو جو لوگ پیدا ہوئے ہوں گے، قیامت کے دن ان کی جانچ کی جائے گی۔ بزاز نے حضرت ثوبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اہل جاہلیت (دور اسلامی سے پہلے کے لوگ جو حضرت عیسیٰ کے صحیح دین پر نہ تھے) اپنے بار اپنی اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے آئیں گے اللہ ان سے باز پرس کرے گا، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا تھا نہ ہم کو تیرا حکم پہنچا اگر تو کوئی رسول ہمارے پاس بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرماں بردار بندے ہوتے۔ اللہ فرمائے گا اچھا اگر میں تم کو اب کوئی حکم دوں تو مانو گے اہل جاہلیت جو اب دیں گے، بے شک ہم مانیں گے اللہ ان سے پختہ عہد و پیمان لے کر حکم دے گا، جاؤ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، حسب الحکم وہ لوگ دوزخ کی طرف چلیں گے، جب قریب پہنچ کر اس کو دیکھیں گے تو ڈر کر واپس لوٹ پڑیں گے اور عرض کریں گے، اے ہمارے رب ہم کو تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے اللہ فرمائے گا، ذلیل ہو کر اس میں داخل ہو (یعنی اس وقت تم نے نافرمانی کی اب ذلت کے ساتھ تم کو دوزخ میں جانا پڑے گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر وہ پہلی ہی مرتبہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔

امام احمد اور ابن راہویہ نے اپنی اپنی مسندوں میں اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں حضرت اسود بن سریع کی روایت سے بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن چار آدمی ایسے ہوں گے جو (اپنے گمراہ ہونے کی) حجت پیش کریں گے، بہر لہٹ، احمق، پیر فرقت جو دوسواں کی حد تک پہنچ چکا ہو گا اور وہ شخص جو دور جاہلیت میں مرا ہو گا۔ بہر اکہے گا، میرے رب اسلام آیا تو میں نے دعوت اسلامی نہیں سنی مجھے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا تھا۔ احمق کہے گا جب اسلام آیا (تو میری یہ حالت تھی کہ) بچے میرے میٹھنیاں مارتے تھے میں تو پاگل تھا۔ پیر فرقت کے گا اسلام جس وقت آیا تو میں سمجھ سے قاصر تھا کچھ سمجھتا ہی نہ تھا اور دور جاہلیت میں جو شخص مر گیا ہو گا وہ کہے گا اے میرے رب میرے پاس تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا (اللہ فرمائے گا کیا اب اگر تم کو کوئی حکم دیا جائے تو تعمیل کرو گے وہ لوگ تعمیل کا وعدہ کریں گے) اللہ ان سے تعمیل حکم کا مضبوط وعدہ لے کر حکم دے گا کہ دوزخ میں چلے جاؤ (وہ داخل نہ ہوں گے اور ڈر کر لوٹ آئیں گے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کعبان ہے اگر وہ دوزخ میں حکم ملتے ہی داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔ تنبیوں نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ ان میں سے جو کوئی تعمیل حکم میں دوزخ کے اندر گھس جائے گا آگ ان کے لئے خشکی بخش اور سلامتی کا باعث ہو جائے گی اور جو اپنی خوشی سے داخل نہ ہو گا، اس کو کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

ابن مبارک نے کہا مجھ سے مسلم بن یسار نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک اندھے بہرے گونگے بندے کو اٹھایا جائے گا، جس نے نہ کبھی کچھ سنا ہو گا نہ دیکھا ہو گا نہ کوئی بات کی ہو گی اللہ اس سے فرمائے گا جو حکم میں نے تجھے دیا تھا اور جو کچھ

عطا کیا تھا تو نے اس پر کیا عمل کیا وہ عرض کرے گا، اے میرے رب خدا کی قسم نہ تو تو نے مجھے آنکھیں دیں جن سے میں لوگوں کو دیکھتا نہ کان دیئے کہ تیرے لو امر و نواہی کو سنتا نہ مجھے زباں دی کہ میں اچھی بری بات کہتا میں تو بس ایک لکڑی کی طرح تھا اللہ فرمائے گا اب اگر میں تجھے کچھ حکم دوں تو تعمیل کرے گا وہ شخص جو اب دے گا جی ہاں اللہ فرمائے گا تو آگ میں گر پڑیہ حکم سن کر وہ انکار کرے گا تو دھکے دے کر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

میں حنفیہ کے قول کے موافق کہتا ہوں کہ مشرک اگر باہوش ہے تو اس کو خواہ پیغمبر کی دعوت نہ پہنچی ہو، پھر بھی شرک کرنے کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ اللَّهُ شَرِكٌ كُفْرٌ لَا يَهْدِي اللَّهُ لِسُلُوكِهِ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ۔ بطور عموم وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو دور اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں شرک پر مر گئے ہیں، ممکن ہے وہ اللہ کے سامنے اپنی نواقیت کا عذر پیش کریں اور اللہ قیامت کے دن ان کا امتحان لے کر آخر جہنم میں بھیج دے۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرک کا انکار کریں گے اور ثبوت و شہادت طلب کریں گے تو ان کے اعضاء خود ان کے خلاف شہادت دیں گے اور اللہ کی طرف سے ثبوت کھل ہو جائے گا اور شرک کا عذاب اللہ جس کو چاہے گا دے گا اور یہ تقاضا عدل کے خلاف بھی نہ ہوگا (کیونکہ شرک سے روکنے والی اور توحید کی طرف رہنمائی کرنے والی عقل اللہ نے ان کو عطا کر دی تھی، اس کے لئے کسی مزید پیام بھیجنے کی ضرورت نہ تھی) البتہ دوسرے صحیح ضوابط زندگی سمجھنے کے لئے چونکہ عقل انسانی کافی نہیں ہے اس لئے بغیر رسالت و بعثت کے کوئی شخص ان کا مکلف نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ۔ اللہ ایسا تو نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد گمراہ کر دے تا وقتیکہ ان باتوں کو کھول کر نہ بیان کر دے جن سے ان کو بچنا ضروری ہے۔

صاحب مدارک نے حنفیہ کے مسلک کی بناء پر آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ پیغمبر کو بھیجے بغیر ہماری طرف سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ دنیا میں کسی کو بیخ بن سے اکھاڑ پھینکنے کا عذاب دیں، گویا آیت میں لفظ مُعَذِّبِينَ سے مفسر مدارک کے نزدیک دنیوی عذاب اس طرح دینا مراد ہے کہ جڑ بنیاد سے کسی قوم کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ میں کہتا ہوں یہ تفسیر بہت ہی دور از فہم ہے کیونکہ مُعَذِّبِينَ کا لفظ عام ہے دنیوی اور اخروی ہر طرح کے عذاب کو شامل ہے نکرہ منفی کی نفی عام ہوتی ہے کوئی وجہ نہیں کہ اس لفظ سے صرف عذاب دنیا اور عذاب دنیوی میں سے بھی خاص طور پر عذاب استیصال مراد لیا جائے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ جب بغیر اتمام حجت کے عذاب دینا ممکن نہیں تو عذاب آخرت کیسے ہو سکے گا (نفی تو دونوں کو شامل ہے)

اس لئے قتل بعثت عذاب نہ دینے سے مراد ہے معاصی اور بد اعمالیوں پر عذاب نہ دینا۔ عذاب شرک کی نفی مراد نہیں ہے (نہ عذاب استیصال کی نفی)

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ رسولاً عقل کو بھی شامل ہے لفظ رسول کے اندر پیغمبر بھی داخل ہیں اور ہر انسان کی تندرست عقل بھی۔ عقل بھی اللہ کی طرف سے ایک رسول سے جو خیر و شرک کا فرق بتاتی ہے اور اچھائی برائی کی اس کے ذریعہ سے تمیز ہوتی ہے۔ پس عقل انسانی جن فرائض و حقوق کا لوراک کر سکتی ہے ان کے ترک پر انسان کو عذاب دیا جائے گا (خواہ شرک ہو یا بدیہی واضح امور خیر و شر)

## فصل

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مشرکوں کے بچوں اور دیوانے انسانوں کو عذاب نہ ہوگا۔ (نہ عذاب شرک نہ عذاب معاصی) کیونکہ ان کو نہ کسی پیغمبر کی دعوت پہنچی نہ عقل کی (ماں باپ کا شرک ان پر اثر انداز نہ ہوگا) فقار آیت اسی مطلب پر روشنی ڈال رہی ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ سے یہی مستفاد ہو رہا ہے، بعض احادیث میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا

ہے، امام احمد نے حنساء بن معاویہ کے چچا کی روایت سے بیان کیا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ جنت میں کون لوگ جائیں گے فرمایا نبی جنتی ہیں، شہید جنتی ہیں، اور نوزائیدہ بچے جنتی ہیں اور زندہ درگور کئے ہوئے بچے جنتی ہیں (یعنی یہ لوگ بے حساب جنت میں جائیں گے ان کا جنت میں داخلہ بغیر عذاب کے قطعی ہے)

بخاری نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے ایک طویل حدیث خواب بیان کی ہے جس کے اندر یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پیر مرد ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گرد اگر دیکھ لیں بچے بھی تھے رسول اللہ ﷺ کا گزر اور ہر سے ہو اور آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں اور یہ بچے مسلمانوں کے اور مشرکوں کے ہیں، صحابہ نے یہ بات سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مشرکوں کے بچے بھی۔ اسی وجہ سے بعض علماء کا قول ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے (یعنی جنت میں تو رہیں گے لیکن مومنوں کے خدمت گزار بن کر) کیونکہ ابو داؤد طیالسی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا نہ تو ان کی برائیاں تھیں کہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں نہ ان کی بھلائیاں تھیں کہ اہل جنت میں ان کا شمار ہو جائے اور ان کو نیکیوں کا ثواب دیا جائے پس وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

ابن جریر نے حضرت سمرہ کا بیان نقل کیا ہے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ یہ ہی حدیث حضرت ابن مسعود سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

### ..... ایک شبہ .....

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مشرکوں کے بچوں کا کوئی قطعی فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں۔ حضور ﷺ نے یقینی طور پر نہیں فرمایا کہ مشرکوں کے بچے جنتی ہوں گے یا دوزخی۔ چنانچہ صحیحین میں بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے ایسی ہی ایک حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی آئی ہے۔

### ..... ازالہ .....

مشرکوں کے بچوں کی غیر یقینی حالت والی مذکورہ دونوں حدیثیں منسوخ ہیں آیت الفتح ان کی ناخ ہے جو لوگ کسی کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے قول کی تردید فرمادیتے تھے، کیونکہ اللہ نے فرمادیا تھا وَمَا أُذْرِي مَا يُفْعَلُ بِكُمْ (مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور میرے ساتھ کیا کیا جائے گا.....) اسی بناء پر حضرت عثمان بن مظعون کے جنتی ہونے کے قول کی بھی آپ نے تردید فرمادی تھی، لیکن آیت فتح کے نزول سے آپ کو بڑی خوشی ہوئی اور اس کے بعد ایک جماعت کے لئے نام بنام آپ نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔

مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری کے بچے کے جنازہ میں شرکت کے لئے رسول اللہ ﷺ کو بلا یا گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کے لئے تو خوشی ہی خوشی ہے وہ تو جنت کی چڑیا تھی کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ گناہ کرنے کی عمر پائی۔ یا اس کے خلاف کچھ ہوگا، فرمایا (سنو) عائشہ اس نے جنت کو پیدا کیا تو اس کے لئے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے اور دوزخ کو پیدا کیا تو اس کے لئے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے معاملے میں کوئی یقینی علم نہیں ہے، توقف ہی رکھنا چاہئے۔ باوجود یہ کہ ان کے جنتی ہونے پر اجماع سلف ہے۔ امام احمد اور ابن ابی زید اور ابو یعلیٰ وغیرہ نے قرار دیا ہے کہ حوالے سے اجماع ہونا نقل کیا ہے اس

کے علاوہ قرآن و احادیث کی صریح عبارتیں بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کذا قال النووی والسیوطی۔ (لیکن یہ سب لاعلمی کا اظہار مسلمانوں کے بچوں کے سلسلہ میں بھی آیت فتح کے نزول سے پہلے تھا۔)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں لور بزاز نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ امت جب تک تقدیر کی بابت کوئی جھگڑا اور بچوں کے جنتی و دوزخی ہونے کے سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ کرے گی اس کا معاملہ ٹھیک رہے گا کوئی فساد نہ ہوگا ابن حبان کے نزدیک جن بچوں کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے ان سے مراد مشرکوں کے بچے ہیں۔ یہ حدیث بھی آیت فتح سے منسوخ ہے لور یہ امر شاذ اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کے بچوں کے نتیجہ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

﴿بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کے بچے دوزخ میں جائیں گے﴾

ابویعلیٰ نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے پھر مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تب بھی حضور ﷺ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے۔

ابوداؤد نے حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے، ام المومنین نے فرمایا، میں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ! مومنوں کی لولاد کا کیا ہوگا، فرمایا وہ اپنے باپوں سے ہیں (یعنی انہیں کے ساتھ ہوں گے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا بغیر عمل کے، فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ زندہ رہتے اور جو ان ہوتے تو کیا کرتے، میں نے عرض کیا مشرکوں کی لولاد کا کیا حکم ہے فرمایا وہ اپنے باپوں سے ہیں (یعنی دوزخی ہوں گی) میں نے عرض کیا بغیر عمل کے فرمایا، اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے۔

احمد نے بہت زیادہ ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق مذکورہ کیا، فرمایا اگر تم چاہو تو دوزخ کے اندر میں تم کو ان کی جگہ بتا دوں۔

عبداللہ بن احمد نے زوائد السنہ میں ایک مجہول منقطع سند کے ساتھ لور ابن ابی حاتم نے السنہ میں حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دونوں بچوں کے متعلق دریافت کیا جو دور اسلامی سے پہلے مر چکے تھے فرمایا دونوں دوزخ میں ہیں، یہ بات سن کر حضرت خدیجہؓ کے چہرے پر کچھ افسردگی کے آثار پیدا ہو گئے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرہ پر آثار کراہت دیکھ کر فرمایا، اگر تم کو ان کا مقام نظر آجائے تو خود ان سے نفرت کرنے لگو گی، حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا لور جو آپ سے میری لولاد ہو اس کا کیا حکم ہے فرمایا، مومن اور ان کے بچے جنت میں ہوں گے لور مشرک اور ان کے بچے دوزخ میں ہوں گے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ ابوداؤد نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اچھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لور کی لولاد زندہ دوزخ میں ہوں گی۔

ابوداؤد نے ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت سلمہ بن قیسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سلمہ نے فرمایا میں لور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لور ہم نے عرض کیا ہمارے ماں جاہلیت کے زمانے میں مر گئی، وہ ہمیں نوازی اور کنبہ پروری کرتی تھی، مگر اس کی ایک بہن تھی جو سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھی، ہمارے ماں نے اپنی اس بہن کو زندہ زمین میں دفن کر دیا، فرمایا زندہ دفن کرنے والی لور زندہ درگور کی ہوئی (دونوں) دوزخی ہوں گی، ہاں اگر زندہ دفن کرنے والی نے اسلام پالیا لور مسلمان ہو گئی تو جنتی ہو جائے گی۔

ان تمام احادیث کا جواب یہ ہے کہ الواندہ سے (حدیث میں) کوئی مراد ہے اور موؤدہ سے مراد ہے زندہ درگور کی جانے



والی لڑکی کی ماں یعنی جس کی لڑکی زندہ درگور کی گئی ہو اور وہ اس پر راضی ہو۔ احادیث کا باہم تعارض دور کرنے کے لئے یہ تاویل ضروری ہے۔ رہا وہ احادیث جو مشرکوں کے بچوں کے دوزخی ہونے کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی اتنی قوی نہیں ہے جس کی وہ احادیث قوی ہیں جن میں اولاد مشرکین کا جنت میں ہونا ظاہر کیا گیا ہے، پھر قرآن مجید کی آیات سے بھی ان کا ٹکراؤ ہو رہا ہے، اس لئے ناقابل قبول ہیں۔ اور چونکہ یہ احادیث خبری شکل میں ہیں، یعنی ان میں اولاد مشرکین کے دوزخی ہونے کی اطلاع دی گئی ہے اور نسخ احکام میں ہوتا ہے خبروں میں جاری نہیں ہوتا، اس لئے ہم ان کو منسوخ نہیں کہتے بلکہ انتہائی ضعیف کہتے ہیں بایں معنی ان کو منسوخ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے عذاب ووزخ تو مقرر کر دیا ہے لیکن رسول اللہ کی شفاعت سے اس کو دور کر دے گا، ابن ابی شیبہ کی حدیث اس مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد انسانی میں سے جو لوگ لای (کھینٹنے والے یا غافل) ہو گئے ہوں ان کے متعلق میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے، اللہ نے میرا سوال پورا کر دیا۔ ابن عبد البر نے کہا اس حدیث میں لای ہی سے مراد بچے ہیں ان کے اعمال (قابل گرفت نہیں) محض لہو و لعب ہیں نہ عقل کے ساتھ ہوتے ہیں نہ عزم کے ساتھ۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ سلف سے اب تک مشرکوں کے بچوں کے جنتی دوزخی ہونے کے سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف رہے ہیں۔

کچھ علماء احادیث مندرجہ بالا کی روشنی میں اطفال مشرکین کے دوزخی ہونے کے قائل ہیں، لیکن ہم لکھ چکے ہیں کہ احادیث مذکورہ ضعیف ہیں، استدلال میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ کچھ علماء ان کو جنتی اور کچھ اہل جنت کے خادم قرار دیتے ہیں، میرے نزدیک ان دونوں قولوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ اہل جنت کے خادم بھی جنت میں ہی ہوں گے۔

محتاج ترین قول یہ ہے کہ اطفال مشرکین کا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، نہ ان کے جنتی ہونے کا قول قول فیصل ہے نہ دوزخی ہونے کا۔ اس قول کی نسبت حماد، ابن مبارک، ابن راہویہ اور شافعی کی طرف کی گئی ہے اور نسلی نے امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن جس طرح رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے لوگوں کی جانچ کی جائے گی، اسی طرح اطفال مشرکین کا بھی امتحان لیا جائے گا۔ ابو یعلیٰ اور بزاز نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن چار قسم کے لوگوں کو پیشی میں لایا جائے گا۔ (۱) بچہ جو پیدا ہونے کے بعد جو ان ہونے سے پہلے مر گیا (۲) دیوانہ (۳) زمانہ فترت والے یعنی حضرت عیسیٰ کے بعد جب صحیح عیسائیت ختم ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت ابھی نہیں ہوئی اس درمیانی مدت کے لوگ (۴) شیخ فانی یعنی پیر فرقت ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا عذر پیش کرے گا، اللہ آگ کے بالائی حصے سے فرمائے گا باہر نکل آ، پھر فرمائے گا میں دنیا میں اپنے بندوں کے پاس انہیں میں سے کچھ لوگوں کو پیغمبر بنا کر بھیجتا رہا ہوں اور آج میں خود اپنی طرف سے تم کو پیغام دے رہا ہوں اس آگ میں داخل ہو جاؤ اس کے جواب میں وہ لوگ جن کے لئے اللہ کی طرف سے بد بختی لکھ دی گئی ہوگی کہیں گے اے رب کیا ہم اس آگ میں گھس جائیں، اسی سے تو ہم بھاگ رہے ہیں اور جو اذلی خوش نصیب ہوں گے وہ فوراً جا کر آگ میں گھس پڑیں گے، اللہ نافرمانوں سے فرمائے گا جب تم نے آج میرا حکم نہیں مانا تو (دنیا میں) تم میرے پیغمبروں کی بہت زیادہ تکذیب اور نافرمانی کرتے آخر آگ میں داخل ہونے والوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور انکار کرنے والوں کو آگ میں بھیج دیا جائے گا۔

بزاز اور محمد بن حنفی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ اپنا عذر پیش کریں گے فترت کے زمانہ میں جو شخص کفر پر مراء ہو گا وہ عذر پیش کرے گا اور بچہ جو بچپن میں مر گیا ہو گا وہ عذر پیش کرے گا یہ سب ہلاک ہونے والے اپنی اپنی معذرت کریں گے۔ لیام فترت میں ہلاک ہونے والا کہے گا، اے میرے رب میرے پاس کوئی کتاب ہی نہیں بچی، دیوانہ کہے گا تو نے مجھے سمجھ ہی نہیں دی کہ میں بھلائی سمجھتا، بچہ کہے گا میں نے عقل کی

عمر یعنی سن بلوغ کو ہی نہیں پایا ان کی معذرتوں کے بعد ایک آگ کا حصہ یعنی دوزخ کا ابتدائی حصہ سامنے آجائے گا اور اللہ فرمائے گا اس میں داخل ہو جاؤ فوراً وہ لوگ جن کے متعلق اللہ کو معلوم تھا کہ اگر یہ عمل کا زمانہ پاتے تو سعید ہو جاتے اس آگ میں گھس جائیں گے اور جن لوگوں کے متعلق اللہ کو معلوم تھا کہ اگر یہ عمل کے زمانے کو پا بھی لیتے تب بھی بد نصیب رہتے آگ میں داخل ہونے سے رک جائیں گے اللہ فرمائے گا آج جب تم نے میری نافرمانی کی تو میرے پیغمبر دنیا میں اگر تمہارے پاس پہنچ جاتے تو کس طرح نافرمانی نہ کرتے۔

طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن دیوانہ کو اور فترت کے زمانے میں کفر پر مرنے والے کو اور بچپن کی عمر میں ہلاک ہونے والے کو پیشی میں لایا جائے گا، دیوانہ کہے گا میرے رب اگر تو صبح سمجھ دیتا تو یہ دوسرے عقلمند مجھ سے زیادہ خوش نصیب نہ ہوتے اور دوسرے دونوں بھی ایسی ہی بات کہیں گے۔ اللہ فرمائے گا اچھا اب میں اگر تم کو کوئی حکم دوں تو مانو گے سب کہیں گے جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ دوزخ میں گھس جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ آگ میں گھس جاتے تو آگ سے کوئی دکھ ان کو نہ پہنچتا پھر اللہ دوزخ کے کچھ حصے ان کے سامنے لے آئے گا وہ خیال کریں گے یہ تو ہر چیز سے زیادہ ہلاکت انگیز ہے اس لئے فوراً ہی واپس لوٹ پڑیں گے، اللہ دوبارہ حکم دے گا پھر بھی وہ لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم کو پیدا کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم تھا کہ تم اگر عمل پر قادر ہوتے تو کیا کرتے۔

مندرجہ بالا احادیث کی بنا پر جن لوگوں نے اطفال مشرکین کے متعلق توقف کا مسلک اختیار کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان کا فیصلہ کرے گا اور امتحان کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دے گا یہ دین کی مکمل ہوئی صراحتوں کے خلاف ہے، امام احمد اور ابو داؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ اور حضرت علیؓ اور عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھایا گیا ہے یعنی وہ شرعی احکام کے مکلف ہی نہیں ہیں دیوانہ جب تک اچھا نہ ہو جائے، سوتا ہوا آدمی جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک بڑا یعنی بالغ نہ ہو جائے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے گناہ کا لہوہ کیا تو اس وقت تک اس سے مواخذہ نہ ہو گا جب تک کہ وہ گناہ عملی شکل میں کرنے لے، جب یہ بات ہے تو جس نے گناہ کا لہوہ ہی نہ کیا بلکہ گناہ کو سمجھنے کی اس میں صلاحیت ہی نہ ہو اس کو کیسے پکڑا جاسکتا ہے، لَا يَكْتَلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ - وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى - تمام امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ عقل و بلوغ پر تمام اوامر و نواہی کی بناء ہے۔

احادیث مذکورہ میں جو مولود و مجنون کے الفاظ بھی آئے ہیں، شاید یہ راویوں کے وہم کا نتیجہ ہے یا یوں کہا جائے کہ بچہ اور دیوانہ تو قیامت کے دن اللہ کے حکم کی تعمیل میں آگ کے اندر گھس جائیں گے۔ زمانہ فترت کے مشرکوں کی حالت اس کے خلاف ہوگی وہ قیامت کے دن بھی اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کریں گے۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ اطفال مشرکین کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ان کو رکھا جائے گا وہ نہ دوزخی ہوں گے نہ جنتی۔ بعض نے کہا ان کو خاک کر دیا جائے گا۔ مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ لولادِ مسلمین کے متعلق اجماع امت ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے ان کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں۔

وَ إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَوْمًا أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا  
اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ مترفین یعنی صاحبان عیش و راحت اور جابر لوگ۔ مجاہد کی قرأت میں اَمَرْنَا آیا ہے یعنی ہم مسلط کر دیتے ہیں اور ان کو حاکم بنا دیتے ہیں۔ حسن اور قتادہ اور یعقوب نے اَمَرْنَا پڑھا ہے یعنی راحت و نعمت میں پڑے ہوئے لوگوں کو پیغمبر کی زبانی ہم طاعت و فرمان برداری کا حکم دیتے ہیں۔ اَمَرْنَا کے بعد بِالطَّاعَةِ کا لفظ مخدوف ہے، قرینہ یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا ہم پیغمبر کو بھیجے بغیر عذاب نہیں دیا کرتے اور اس آیت کے بعد فرمایا ہے۔



قوم میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے سب مر جائیں۔

میں کہتا ہوں قرن صحابہ کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا صحبت یافتہ کوئی شخص باقی ہو اگر کوئی صحابی باقی نہ رہے تو قرن صحابہ ختم ہو گیا اور قرن تابعین کا یہ معنی ہے کہ صحابہ کی صحبت میں رہنے والا کوئی آدمی باقی ہو اگر صحابہ کو دیکھنے والا اور صحابہ کا زمانہ پانے والا کوئی شخص باقی نہ رہے تو تابعین کا قرن ختم ہو گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں قرن زمانہ کی ایک محدود مدت کو کہتے ہیں۔ یہ مدت کتنی ہو اس میں اقوال مختلف ہیں دس سال کی مدت یا بیس سال کی یا تیس سال کی یا چالیس سال کی یا پچاس سال یا ساٹھ سال کی یا ستر سال یا اسی یا سو سال کی یا ایک سو بیس برس کی۔ یہ تمام اقوال صاحب قاموس نے ذکر کئے ہیں۔

منفقہ الخیر کے انتظار کی مدت حنفیہ کے نزدیک نوے سال ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں محمد بن قاسم نے عبد اللہ بن سمر مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک میرے سر پر رکھ کر فرمایا یہ لڑکا ایک قرن جیے گا۔ محمد بن قاسم کا بیان ہے ہم عبد اللہ کی عمر کا حساب برابر لگاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کی عمر کے سو سال پورے ہو گئے تو ان کا انتقال ہو گا۔

و کفٰی یدریک بدّ ثوب عبادہ خبیثاً بصیراً ۱۰  
گناہوں کو جاننے والا دیکھنے والا کانی ہے۔ یعنی لوگ چاہے کتنا ہی چھپائیں اللہ کو بندوں کے گناہوں کی خبر ہوتی ہے اور کتنے ہی پرورے ڈالیں مگر اللہ دیکھتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ  
ہم دنیا کے اندر جس کو مناسب سمجھتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں فوراً (یعنی دنیا ہی میں) دے دیتے ہیں۔ مَا نَشَاءُ جتنا ہم چاہتے ہیں اس کا پورا مطلوب یا کچھ مطلوب دے دیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر تمنا پوری پوری دے دی جائے۔ لِمَنْ نُرِيدُ جس کو چاہتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ ہر شخص کا سوال اور تمنا تو پوری نہیں کی جاتی۔

ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مِنْ مَوْقِعِ صَوْرَةٍ ۱۰  
لے جنم مقرر کر دیا ہے جس کی آگ میں وہ داخل ہوگا، ایسی حالت میں کہ اس کو برا کہا جائے گا اور پھٹکار پڑے گی اور اللہ کی رحمت سے دور پھینک دیا گیا ہوگا۔ یعنی دھتکارا ہو اللہ کی رحمت سے دور پھینکا ہوا۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
ایمان دار ہونے کی حالت میں آخرت کے لئے اس کے مناسب کوشش کرے گا۔ آخرت کے لئے مناسب کوشش کرنے سے مراد پورے لو امر و نواہی کی پابندی۔ صرف تمنا کرنا یا خود اپنے دماغ کے تراشیدہ ذرائع کو موجب تقرب خیال کر کے حصول تقرب کی کوشش کرنا کافی نہیں ہے (بلکہ آخرت کے لئے جیسی کوشش ہونی چاہئے ویسی کوشش اگر کوئی مومن کرے گا اور آخرت کا طلب گار ہوگا) ایمان سے مراد بھی خالص ایمان ہے جس میں نہ کسی قسم کی تکذیب کی آمیزش ہو نہ شرک کا شائبہ۔

فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۱۰  
ہونے سے مراد ہے اللہ کے نزدیک مقبول ہو جانا اور ثواب پانا۔ اللہ کی طرف سے شکر کا معنی ہے طاعت کا ثواب عطا کرنا۔ آپ کے رب کی یعنی اپنی عطا سے ہم ہر فریق کی مدد کرتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی۔ یعنی مذکورہ بالا دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو اس فریق کو بھی اور اس فریق کو بھی ہم آپ کے رب کی عطا سے ہم مدد دیتے ہیں۔

وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۱۰  
اور آپ کے رب کی دین (دنیا میں کسی مومن یا کافر سے) روکی نہیں گئی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جو آپ کا رب ہے وہی سب کا رب ہے کافر کا بھی مومن کا بھی، کوئی فریق اس کی دین سے

محروم نہیں ہے۔ مترجم) هُوَ لَاءٌ وَهُوَ لَاءٌ كَلًّا سے بدل ہے اور کَلًّا میں تین مضاف الیہ کے عوض لائی گئی ہے۔ اور عَطَاً (مصدر) بمعنی عطیہ ہے۔

دیکھو ہم نے دنیا میں بعض کو بعض پر رزق و حسن و

أَنْظُرُ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ صحت وغیرہ کے لحاظ سے کس طرح نوقت عطا کی ہے۔

اور البتہ آخرت مراتب کے اعتبار سے بہت

وَاللَّذِئْبَةُ الْكَبْرُ دَرَجَاتٍ وَالْكَبْرُ تَفْضِيلًا ⑩

بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے یعنی آخرت میں فرق مراتب دنیوی تفاوت سے بہت بڑا ہے جنت و دوزخ کے درمیان فرق عظیم ہے۔

اللہ کے ساتھ کوئی

لَا تَجْعَلُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا ⑪

اور معبود مت تجویز کر دو ورنہ بد حال، بے مددگار ہو کو بیٹھ رہو گے۔ خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو ہے مگر مراد خطاب امت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق تو احتمال شرک کیا ہی نہیں جاسکتا تھا یا ہر شخص مخاطب ہے یعنی اے انسان تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کر۔

فَتَقْعُدَ یعنی تو ہو جائے گا، قعود کا معنی اس جگہ ہو جانا ہے ایک محاورہ ہے شَحَذَ الشَّفْرَةَ حَتَّى قَعَدَتْ كَأَنَّهَا حَرْبَةٌ اس نے دھار کو تیز کیا یہاں تک کہ وہ چھوٹے برچھے کی طرح ہو گئی۔ یا فَتَقْعُدَ سے مراد ہے عاجز ہو جاؤ گے (عاجز ہو کر بیٹھ رہو گے) قَعَدَ عَنِ الشَّيْءِ۔ وہ اس شے سے عاجز ہو گیا۔

مَذْمُومًا یعنی فرشتوں اور مومن آدمیوں کی طرف سے مذمت کر دو۔ مَخْذُولًا بے مدد۔ امداد سے محروم۔

اور تیرے رب نے

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ⑫

قطع حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کر دو اور ماں باپ کے ساتھ خوب اچھا سلوک کرو۔ قضاء یعنی قطعی حکم۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، حسن اور ربیع بن انس نے اس جگہ یہی ترجمہ کیا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اس لئے حکم دیا کہ ظاہری اسباب کے تحت ماں باپ ہی اولاد کے وجود اور زندگی کی علت ہیں۔

إِنَّمَا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيَاتٍ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ⑬

اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں

بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ہوں بھی نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکی دینا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔

عِنْدَكَ یعنی تیری زیر کفالت حیرتی نگہداشت میں۔ اُن سے مراد یا وہ لفظ ہے جو کراہت اور تنگ دلی پر دلالت کرتا ہے یا اُن اسم فعل ہے یعنی تنگ دل ہو جانا۔ ابو عبیدہ نے کہا اصل لغت کے اعتبار سے اُن اور تَف اس میل کو کہتے ہیں جو انگلیوں پر جم جاتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے اُن کا معنی لغوی ہے ناخن کا تراشہ یعنی ناخن کا وہ حصہ جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ یا ناخن کا میل یا کان کا میل اور وہ ذرا سی لکڑی یا کھپاچ کا ٹکڑا جو تم زمین سے اٹھاؤ۔

یا اُن سے مراد ہے قلت یعنی ایسی ادنی بات بھی نہ کہو جو تمہاری طرف سے نفرت یا کراہت کا اظہار کر رہی ہو۔ جب ادنی ایذا رساں بات بصراحت نص حرام کر دی گئی تو اس سے بڑا ایذا رساں سلوک تو بدرجہ اولیٰ حرام ہو گیا، نص اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ لَا تَنْهَرْهُمَا یعنی ماں باپ کو جھڑکی نہ دو، اپنی ناپسندیدہ بات پر ان کو نہ جھڑکو۔

قَوْلًا كَرِيمًا اچھی نرم بات۔ ابن میثب نے یہی ترجمہ کیا ہے جیسے کوئی قصور دار اپنے بد خو آقا سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہے (ایسا ہی تم ماں باپ سے کلام کرو) مجاہد نے کہا جب ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے گھن نہ کرو اور جس طرح تمہارے بہت چھوٹے ہونے کے زمانے میں تمہارا بول و براز وہ صاف کرتے تھے اسی طرح ان کا ایام پیری میں بول و براز صاف کرنے سے تم نفرت نہ کرو اور ان کو اُف بھی نہ کہو۔

وَإِخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ  
اور دونوں کے لئے اپنی عاجزی کے بازو بچھا دو۔ یعنی ان کے سامنے  
عاجزی اور تواضع کا اظہار کرو، حضرت عروہ بن زبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ ان سے نرمی کرو۔ جس چیز کو وہ چاہتے ہوں اس سے  
ممانعت نہ کرو۔

مِنَ الرَّحْمَةِ  
انتہائی رحم کی وجہ سے یعنی یہ خیال کرو کہ تم کل ان کے انتہائی محتاج تھے آج وہ تمہارے محتاج  
ہو گئے اس بات کا خیال کرو اور ان پر ترس کھاؤ۔  
وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْنَاهُمَا كَمَا رَكَّبْتَنِي صَغِيرًا  
میرے رب ان پر رحمت فرما جیسے انہوں نے مجھ کو میرے بچپن میں پالا پرورش کیا تھا، یعنی ان پر اپنی لازوال رحمت نازل فرما  
صرف اس دنیوی فانی نعمت پر ہی اتقنا نہ کرو۔

بخوی نے لکھا ہے والدین کے لئے دعا رحمت کرنے کا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ مسلمان ہوں۔ حضرت ابن  
عباس کے نزدیک یہ آیت، آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ سے منسوخ ہے۔ بیضاوی نے  
کہا دعا رحمت کرنے کا حکم عام ہے ماں باپ کا فرہوں یا مسلمان سب کے لئے دعا کا حکم ہے کیونکہ کافر ماں باپ کے لئے دعا رحمت  
کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو اسلام کی توفیق دے اسلام کی توفیق دینا بھی رحمت ہے۔

حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، باپ جنت (کے اندر داخل ہونے) کا دراصلی دروازہ ہے اگر  
تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرو یا (چاہو) کھو دو۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم بسند صحیح۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو کی روایت  
ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی نارا نسکی باپ کی نارا نسکی میں رواہ الترمذی  
والحاکم و صحیح۔ بزرگ نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص  
کی ناک خاک آلود ہو جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو گئے اور ان کی خدمت نہ کرنے کی وجہ  
سے وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔ دوسری روایت میں ہے بوڑھے ماں باپ اس کو جنت میں نہ لے جاسکے۔ رواہ البخوی والترمذی و  
الحاکم و صحیح۔ حضرت ابولہامہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے، فرمایا وہ  
دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں، رواہ ابن ماجہ۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کے معاملہ میں صبح کو اللہ کا فرماں  
بردار ہو تا ہے اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور جو شخص والدین میں سے کسی ایک کے معاملے میں صبح کو اللہ کا  
فرماں بردار ہو تا ہے تو اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور جو شام کو اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ کا فرمان  
ہو جاتا ہے، اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک کے معاملہ میں نافرمان ہوتا ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ  
اس کے لئے کھل جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خواہ ماں باپ نے اس کی حق تلفی کی ہو، فرمایا خواہ انہوں نے  
اس کی حق تلفی کی ہو خواہ اس پر ظلم کیا ہو، خواہ اس کا حق مارا ہو، یہ بھی حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا جو ماں باپ کا فرماں بردار اپنے والدین کی طرف رحم و شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ ہر بار نظر کرنے کے عوض اس کے  
لئے ایک حج مقبول کا ثواب ضرور لکھ دیتا ہے، صحابہ نے عرض کیا خواہ ہر روز سو بار دیکھے، فرمایا، ہاں اللہ اس سے بھی بڑا اور پاک  
ہے۔ حضرت ابو بکر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے اللہ جو گناہ چاہے گا معاف فرما دے گا سوائے  
ماں باپ کی نافرمانی کے۔ کیوں کہ زندگی میں مرنے سے پہلے ہی ماں باپ کی نافرمانی کی سزا اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے۔ یہ تینوں  
حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں اور اول الذکر حدیث ابن عساکر نے بھی ذکر کی ہے۔ طبرانی نے ضعیف سند  
سے اور حاکم نے حضرت ابو بکر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے جس گناہ کو اللہ چاہتا ہے  
قیامت پر (اس کے عذاب یا مغفرت کو) نال دیتا ہے سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے، ماں باپ کی نافرمانی کی سزا تو مرنے سے پہلے

اسی زندگی میں فوراً دیتا ہے۔

رَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہوتا ہے، تمہارا رب اس کو خوب جانتا ہے

ہے یعنی ماں باپ کی فرماں برداری کی نیت اور تعظیم کے اندرونی خیال سے اللہ خوب واقف ہے یہ اس بات پر تشبیہ ہے کہ دلوں میں بھی ماں باپ سے نفرت اور بوجھ کا خیال نہ آنا چاہیے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ والدین کی فرماں برداری کے معاملے میں تمہاری نیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے اگر ثواب کی امید پر پورا اللہ کے حکم کی تعمیل میں فرماں برداری کرو گے تو اللہ اس کا اجر دے گا اور اگر کسی دنیوی لالچ کی وجہ سے فرماں برداری کرو گے تو اس کا نتیجہ نیت کے موافق ہوگا۔

اگر تم سعادت مند

إِنْ تَكُونُوا صَادِقِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْآقَابِ بَيْنَ عَقُومًا ۝۱۵

ہو تو اللہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کرنے والا ہے (تمہاری خطا معاف کر دے گا) سعید بن جبیر نے کہا اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جن سے بے سوچ بلا ارادہ اجانک ماں باپ سے کوئی بے لوبی بد سلوکی ہو گئی ہو اور نیت ان کی نیک ہی ہو تو اس کی پکڑ نہ ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا حکم عام ہو۔ جو بھی ماں باپ کا نافرمان اپنے والدین کے ساتھ کوئی بد سلوکی کر گزرے اور پھر توبہ کر لے وہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔

سعید بن مسیب نے کہا اؤ اب وہ شخص ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لے، پھر گناہ کرے، پھر گناہ کرے اور توبہ کر لے، پھر گناہ کرے اور توبہ کر لے۔ سعید بن جبیر نے کہا خیر کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اؤ اب ہے۔ حضرت امین عباس نے فرمایا اؤ اب وہ شخص ہے جو ہر مصیبت اور حادثہ کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرے۔ سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول اس طرح آیا ہے کہ اؤ ابین سے مراد ہیں اللہ کی پاکی بیان کرنے والے کیونکہ اللہ نے پہاڑوں سے فرمایا تھا کیا جبال اؤ ابین۔ قتادہ نے کہا نمازی مراد ہیں، عوف عقیلی کے نزدیک چاشت کی نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ بغوی نے حضرت زید بن ارم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبوالے چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے برآمد ہو کر ملاحظہ فرمایا اور فرمایا یہ لو ابین کی نماز ہے۔ رواہ احمد و مسلم و رواہ عبد بن حمید و سیبویہ عن عبد اللہ بن ابی لونی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو لوگ مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں ان کو موت کے فرشتے گھیر لیتے ہیں، یہ ہی لو ابین کی نماز ہے۔

اور اپنے قرابت داروں کو ان کا حق دو۔ کنبہ پروری، حسن معاشرت، اچھا

وَأْتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ

سلوک اور بھلائی ان کے ساتھ کرو۔ اکثر اہل تفسیر نے یہی مطلب یہاں لیا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا مال دار پر لازم ہے اس قرابت دار محرم کا خرچ جو نادر پچھ ہو یا نادر بالغ عورت ہو یا لالچ یا ناپیدا نادر مرد ہو اس سے حفظ جان وابستہ ہے اور حفظ حیات ہی اصل پر اور صلہ رحمی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ کی تفسیر میں ہم نے اس مسئلہ کی تفسیح کر دی ہے۔

بغوی نے حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) کا قول نقل کیا ہے کہ قرظی سے مراد رسول اللہ ﷺ کی قرابت ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو) ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ طبرانی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت وَأْتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو طلب فرما کر فدک عطا فرمادیا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی جانب بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے اس روایت کو صحیح ماننا مشکل ہے کیونکہ اس روایت پر کہنا پڑے گا کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ مشہور اس کے خلاف ہے (یعنی آیت کا مکی ہونا مشہور ہے) میں کہتا ہوں مشہور قابل اعتماد یہ روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضور ﷺ سے خود فدک طلب کیا تھا مگر آپ نے نہیں دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے اگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو فدک عطا فرمادیا ہوتا تو خلفاء راشدین خصوصاً علی پھر ہرگز اس کو نہ روکتے اور اس کے

خلاف نہ کرتے۔ واللہ اعلم  
وَالسَّيِّئِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ  
وَلَا تُبَدِّرْ تَبَدُّيرًا ۝

اور مسکین و مسافر کو دو۔ اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں کر دی گئی ہے۔  
اور مال کو گناہ کے راستے میں برباد نہ کرو۔ یعنی اپنے مال کو گناہ کے راستے میں خرچ نہ کرو۔ مجاہد نے فرمایا، اگر کوئی شخص اپنا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو اس کو تزییر (مال کو بکھیرنا برباد کرنا) نہیں کہا جائے گا اور اگر ایک سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تزییر کہا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود نے تزییر کی تشریح فرمائی مال کو خرچ کرنا حق (کے راستے) کے علاوہ (باطل راستے میں)۔

شعبہ کا بیان ہے میں ابواسحاق کے ساتھ کوفہ کے راستے میں جا رہا تھا، سر راہ ایک دیوار چونے اور پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی ملی، ابواسحاق نے کہا، حضرت عبد اللہ (ابن مسعود) کے قول پر یہ تزییر ہے حق کے راستے کے علاوہ (باطل کے راستے میں) مال کا خرچ کرنا ہے۔

إِنَّ السُّبُلَ رَيْنَ كَانُوا لِأَخْوَانَ الشَّيْطَانِ  
بھائی ہیں، یعنی شرارت میں شیطانوں کی طرح ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کے طریقہ کا پابند ہو جائے تو وہ اس قوم کا بھائی ہے۔

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝  
اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یعنی منکر نعمت ہے کفر اور ناشکری میں بہت بڑھ چڑھ کر ہے اس کی پیروی درست نہیں۔

اہل تحقیق کا قول ہے کہ کسی متعم کی عطا کردہ نعمت کو اس کی رضامندی کے زیر اثر صرف کرنا شکر ہے اور ناشکرانی کے راستے میں صرف کرنا تزییر ہے، گویا تزییر شکر کی ضد ہے۔ لامحالہ تزییر کرنے والا ناشکر ہوگا۔

سعید بن منصور نے عطاخراسانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ حزینہ کے کچھ لوگ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کے لئے کچھ سواریوں کے طلب گار ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری موجود نہیں کہ تم کو دے سکوں، جہاد سے محروم رہنے کا جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا تو رنج کی وجہ سے روتے ہوئے لوٹ گئے ان کو خیال ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض ہیں اس لئے ہم کو سواریاں نہیں عطا فرمائیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

فَمَا تَعْرِضُونَ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝

اور اگر اپنے رب کی طرف سے جس رزق کے آنے کی تم کو امید ہو اس کے انتظار میں تم کو ان کی طرف سے رخ پھیرنا پڑے تو ان سے نرمی کے ساتھ بات کہہ دو۔ (یعنی نرمی کے ساتھ ان سے معذرت کر دو) تم ان پر رحم کرو گے اور نرمی سے کلام کرو گے تو اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ مَيْسُورٌ، يَسْرُ الْأَمْرَ سے ماخوذ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے نرم بات کہنے سے یہ مراد ہے کہ ان سے نرمی کے ساتھ وعدہ کر لو۔ بعض کے نزدیک دعاء یسر کرنا مراد ہے یعنی ان کے لئے دعا کرو کہ اللہ تمہاری مشکل آسان کر دے، ہم کو اور تم کو اللہ رزق عطا فرمائے۔ سعید بن منصور نے حضرت سیار بن ابی الحکم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ کپڑا پیش کیا گیا، حضور بڑے سخی اور بخشش کرنے والے تھے آپ نے فوراً لوگوں کو وہ کپڑا تقسیم کر دیا، تقسیم کے بعد کچھ لوگ بچے تو ان کو کچھ نہ ملا، حضور ﷺ تقسیم سے فارغ ہو چکے تھے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعَدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لو کہ بالکل سنجوس ہو جاؤ اور نہ بالکل کھول ہی دو کہ سب مال فنا کر دو ورنہ الزام خوردہ تمہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے، حضرت عبد اللہ نے فرمایا ایک لڑکار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں





ہے اور فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ

اور اپنی اولاد کو یعنی لڑکیوں کو محنتی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق عطا کریں گے اور تم کو بھی۔ سب کو رزق دینے کی ہماری ذمہ داری ہے۔

إِنْ قَتَلْتَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ⑥

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا سب سے بڑا کونسا گناہ ہے، فرمایا (سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) اللہ کے مثل دوسروں کو قتل کر دے یا جو دیکھ لیا کہ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا یہ بے شک بڑا گناہ ہے اس کے بعد کونسا گناہ ہے فرمایا اپنی اولاد کو خود قتل کرنا اس اندیشے سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا اس کی بعد کونسا گناہ ہے فرمایا، اپنے مسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ متفق علیہ۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ إِتْنَهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ⑦

اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بلاشبہ زنا بہت زیادہ اور مکمل ہوئی برائی کا کام ہے اور برابر استہ ہے۔ کہ اس سے قطع نسب ہوتا ہے اور فتنے پھاہوتے ہیں۔ حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور (دوزخ کے اندر) انہوں کی شرمگاہیں اپنی سڑی ہوئی بوسے دوزخیوں کو (بھی) لذیث پہنچائیں گی، رواہ الخریطی۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی زنا کرتا ہے تو زنا کرتے وقت ایمان اس کے اندر سے نکل کر ساتوں کی طرح اس کے اوپر مٹل ہو جاتا ہے جب وہ باز آجاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و البیہقی و المالک۔

یحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زنی جب زنا کرتا ہے تو ایمان دلہ ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا اور چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان دلہ ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا، اور شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو ایمان دلہ ہونے کی حالت میں شراب نہیں پیتا (یعنی ان افعال میں مشغول ہونے کی حالت میں اس کے اندر ایمان نہیں رہتا)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر۔

نفس سے مراد ہے مسلمان یا ذمی کا فر۔ إِلَّا بِالْحَقِّ سے مراد ہے قصاص یا زنا یا بغاوت یا صحابہ کو گالیاں دینا وغیرہ (یعنی قصاص یا زنا یا بغاوت وغیرہ میں قتل کر دینا حق قتل نہیں ہے) مرتد کا قتل نفس محرم کے قتل میں داخل نہیں ہے (یعنی مرتد کو قتل کر دینا صحیح الاصل ہے) اللہ نے فرمایا ہے۔ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا (باغیوں کے قتل کے متعلق فرمایا) قَاتِلُوا الَّتِي تَبَغَى (قصاص کے متعلق فرمایا) إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود لوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون جائز نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا کسی کے قتل میں اس کو قتل کیا جائے یا دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا ہو۔ رواہ الشیخان و ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔ دین کو چھوڑنے سے مرتد ہو جانا مراد نہیں ہے کیونکہ ایسا آدمی تو مسلمان ہی نہیں رہتا وہ لالہ الا اللہ کی شہادت پر قائم ہی نہیں رہتا بلکہ اس سے مراد بدعتی فرقے ہیں جو اپنی خواہشات اور رائے کے پرستار ہوتے ہیں اور جماعت (اہل سنت) کو ترک کر دیتے ہیں جیسے رافضی، خارجی وغیرہ (یہ حضرت مفسر کی رائے ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مؤلف کے نزدیک معتزلہ اور مدافض و خوارج وغیرہم کا قتل جائز ہے مگر جمہور اہل سنت کا یہ مسلک نہیں ہے، مختلف اہل ہوئی کا قتل اس لئے نہیں ہوا کہ وہ

بدعتی ہو گئے تھے بلکہ ان سے قتال اس لئے کیا گیا کہ انہوں نے بغاوتیں کی تھیں اور باغی سے قتال کا جواز قَاتِلُوا الَّتِي تَبَغَيْنَ سے ثابت ہے، رہا مولف کا یہ اعتراض کہ مرتد مسلمان ہی نہیں ہو تا اور آیت میں مسلم کو قتل کرنے کی وجوہ کا بیان ہے تو یہ اعتراض ہی غلط ہے مرتد ارتداد سے پہلے مسلمان ہی ہوتا ہے گزشتہ حالت کے اعتبار سے اس کو مسلم کہا گیا (ماضی اور مستقبل کے اعتبار سے مجازی استعمال عام ہے)

## فصل

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کے فیصلے کئے جائیں گے۔ متفق علیہ۔

حضرت براء بن عازب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نظر میں مومن کے ناحق قتل کے مقابلہ میں ساری دنیا کا فنا ہو جانا حقیر ہے۔ رواہ ابن ماجہ بسند حسن، بیہقی نے اتنا زائد نقل کیا ہے کہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ یقیناً سب کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔

نسائی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک ساری دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے قتل سے حقیر ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی نے مومن کے قتل میں آدمی بات کہہ کر بھی اعانت کی تو اللہ کے سامنے جب وہ جائے گا، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا، اللہ کی رحمت سے ناامید۔ اصمہانی نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ ابن عیینہ نے آدمی بات کی تشریح میں کہا کہ اُقْتُلْ کا پورا لفظ نہ کہا ہو، بلکہ صرف اُقْتُلْ کہا ہو۔ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے۔

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گناہ کی امید ہو سکتی ہے کہ اللہ معاف فرمادے، سوائے اس شخص کے جو کافر مراد ہو یا کسی کو قصد اس نے قتل کیا ہو۔ رواہ النسائی حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، ابوداؤد نے حضرت ابودرداءؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صبح ہوتی ہے تو ایلیس اپنے لشکر پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے آج جو کسی مسلمان کو بے راہ کر دے گا میں اس کو تاج پسنادوں گا پھر (شام کو با کسی وقت) ایک واپس آکر کہتا ہے آج میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، ایلیس کہتا ہے ہو سکتا ہے وہ (دوسرا) نکاح کر لے، دوسرا آکر کہتا ہے میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے باپ اور ماں کی نافرمانی کی ایلیس کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ پھر فرماں بردار ہو جائے، تیسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ وہ مشرک ہو گیا، ایلیس کہتا ہے تو تو ہی ہے (یعنی یہ تیسرا کام بہت اچھا ہے) چوتھا آکر کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے مومن کو قتل کر دیا، ایلیس کہتا ہے تو نے (ایسا کام کیا) پھر اس کو تاج پسنادیتا ہے۔ رواہ ابن حبان فی صحیح۔

وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ لِئِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝

اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے

میں حد شرع سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص بلاشبہ طرف داری کے قابل ہے۔

دربی یعنی وارث جو مقتول کے امور کا اس کے مرنے کے بعد ذمہ دار ہوتا ہے۔ سلطانا قوت اور قصاص لینے کا اختیار۔ لَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ کا مطلب دو طرح سے بیان کیا ہے۔ (۱) تا تل زیادتی نہ کرے، یعنی جس کو قتل کرنے کا اس کو حق نہیں ہے اس کو قتل نہ کرے، عقلمند وہ کام نہیں کرتا جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی جاہی کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہو۔ (۲) حضرت

ابن عباس اور اکثر لائل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ مقتول کا ولی قصاص میں زیادتی نہ کرے یعنی قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل نہ کرے، جاہلیت کے دور میں صرف قاتل کے قتل پر بس نہ کرتے تھے بلکہ قاتل کے علاوہ اس سے لونچے درجہ والے کو بھی قتل کرتے تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا قاتل اگر ایک ہو تو اسی کو قتل کیا جاسکتا ہے ایک قتل کے عوض بے قصور اور شریک قتل نہ ہونے والی جماعت کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ بعد جاہلیت کا طریقہ تھا کہ مقتول اگر کوئی بڑا آدمی ہو تا تو قصاص میں تنہا اس کے قاتل کو ہی نہیں قتل کرتے تھے بلکہ قاتل کے ساتھ اس کے قرابتداروں کی ایک جماعت کو بھی قتل کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا لا یُسْرِفُ رَفِیْعُ الْقَتْلِ کَا یَہِ مَطْلَبُ ہِے کہ قاتل سے قصاص تولے لیا جائے اس کو مثلہ نہ کیا جائے (یعنی اس کے ناک کان اور آلات رجولیت نہ کاٹے جائیں) جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا۔ کَانَ مَنصُورًا یعنی جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے اس کی مدد و نصرت دنیا میں بھی کی جاتی ہے کہ قاتل کو قصاص میں (حسب قانون شریعت) قتل کرنا ضروری ہے اور آخرت میں بھی مقتول منصور ہو گا اللہ اس کے گناہ ساقط کر دے گا اور اس کے قاتل کے لئے دوزخ لازم کر دے گا۔ مجاہد، قتادہ نے کہا کَانَ کی ضمیر مقتول کے ولی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی مقتول کے وارث کو قاتل کے خلاف نصرت دی جاتی ہے، قاتل سے قصاص لینے کا اس کو حق دیا گیا ہے، حکام پر لازم ہے کہ اس کی مدد کریں۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک قاتل کی طرف ضمیر راجع ہے جس کو مقتول کا ولی قصاص میں قتل کرتا ہے اگر قصاص میں اسراف سے کام لے گا تو بارگناہ اس پر پڑے گا اور قانون شریعت میں قاتل کی حمایت کی جائے کیونکہ ولیاء مقتول کو صرف قصاص لینے کا حق ہے، قاتل پر زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ  
اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو بہتر ہو۔ یعنی یتیم کے مال میں تصرف نہ کرو، ہاں ایسے طریقے سے تصرف کر سکتے ہو جو یتیم کے لئے بہتر ہو، اس کے مال کی حفاظت ہو، اور تجھ کوئی افزودنی ہو۔

حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ  
یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے، یعنی اس حد کو پہنچ جائے، جو صحیح تصرفات کے لئے ضروری ہے۔ اِشْتَاءَ (إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) اسی مفہوم پر دلالت کر رہا ہے۔  
وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ  
اور عہد کو پورا کرو۔ یعنی اللہ نے اپنے احکام پر عمل کرانے کا تم سے وعدہ لیا ہے اس کو پورا کرو اور لوگوں سے جو تم جائز معاملات کا وعدہ کرو، اس کو بھی پورا کرو۔

إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا  
بے شک (ایسے) عہد کی باز پرس ہونے والی ہے، یعنی عہد کرنے والے سے عہد کا ایفاء مطلوب ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر عہد کے متعلق عہد کو توڑنے والے سے باز پرس کی جائے گی اور وعدہ شکنی پر اس کو سزا دی جائے گی، یا عہد پوچھا جائے گا، یعنی عہد توڑنے والے کو قیامت کے دن سرزنش کرنے کیلئے عہد یاد دلایا جائے گا، جیسے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ يَأْتِي ذَنْبٌ قَتَلْتَ يَہِ مَطْلَبُ ہِے کہ اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہو یعنی صاحب عہد سے عہد پوچھا جائے گا۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَيْ الْمُسْتَقِيمِ  
اور ناپ کر دیتے وقت ناپ کا پیمانہ پورا کر دیا کرو اور تولتے وقت صحیح ترازو سے تولو کرو (یعنی ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرو) مجاہد نے کہا قِسْطَاس (ترازو) کوئی لفظ ہے، عربی میں استعمال کر لیا گیا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کے عربی ہونے میں کوئی خرابی نہیں آتی، کیونکہ جو غیر عربی لفظ عربی میں شامل کر لیا اور عربی الفاظ کے احکام اس پر جاری کر دیئے گئے اعراب اور معرفہ و نکرہ کی خصوصیات عربی الفاظ کی طرح اس میں پیدا کر دی گئیں وہ عربی بن گیا غیر عربی نہیں رہا (اگرچہ اصلاً وہ عجمی ہو) اکثر علماء کے نزدیک قِسْطَاس عربی لفظ ہے قسط سے بنا ہے قسط کا معنی ہے، عدل (برابری، انصاف) الْمُسْتَقِيمِ ٹھیک، صحیح۔

یہ (فعل) بہت اچھا اور نتیجہ کے اعتبار سے بہت بہتر ہی ہے،

ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ كَأَوْلًا ۝۳۵

تاویل (تفصیل) انجام، نتیجہ۔ اَلْ کا معنی ہے لوٹ گیا۔

اور جس چیز کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ چلو۔ قَفَا يَفْقُو

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

کسی کے نشان قدم پر چلنا اتباع کرنا، قافیہ اسی سے بنا ہی۔ علم نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس بات کا تم کو کسی علم بھی نہ ہو اور کوئی نقلی حکم بھی نہ ہو اور نہ کوئی عقلی قطعی دلیل ہو، ایسی چیز کی پیروی نہ کرو۔

### ..... ایک شبہ .....

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظنی دلیل کی روشنی میں عمل کرنا جائز نہیں (یعنی خبر آحاد اور قیاس سے چونکہ یقینی علم حاصل نہیں ہوتا صرف گمان غالب اور راجح خیال پیدا ہو جاتا ہے اس لئے نہ قیاسی احکام پر چلنا جائز ہے نہ ان لوازم و لواہی پر جو احادیث غیر متواترہ سے مستفاد ہو رہے ہوں)۔

### ..... ازالہ .....

آیت میں علم سے مراد ہے غالب راجح اعتقاد اور حکم خواہ اس کی سند قطعی اور یقینی ہو یا ظنی، لفظ علم کا اس معنی میں استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ آیت میں عدم اتباع کا حکم صرف عقائد کے متعلق ہے (یعنی ظنی، وہی، شکی دلائل پر عقیدہ کی بنیاد نہ رکھو) بعض اہل علم نے کہا پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے اور جھوٹی شہادت دینے کی ممانعت اس آیت میں مراد ہے یعنی محصنات پر زنا کی تہمت تراشی اور شہادت زور کی ممانعت کے ساتھ آیت کی خصوصیت ہے عام عدم اتباع ظن مراد نہیں ہے۔

مجاہد نے کہا آیت کی مراد یہ ہے کہ جس چیز کا تم کو قطعی علم نہ ہو اس سے کسی کو متہم نہ کرو۔ کسی پر مت باندھو وہ بات جس کا یقینی ذرائع سے تم کو علم نہ ہو۔ قتادہ نے کہا مطلب یہ ہے کہ ان دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی اور ان سنی کو سنی ہوئی اور غیر معلوم کو معلوم نہ قرار دو۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں، ان احادیث آحاد سے جن کے اندر روایت کی تمام شرائط موجود ہوں اور صحیح قیاس سے اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے جو حکم ثابت ہو جائے اس پر عمل کرنا قطعی نصوص اور اجماع کی رو سے واجب ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ لَوْلَا تَفَرَّقَ مِنْ كُلِّ بَرَقَةٍ وَرَبَّهُمْ طَائِفَةٌ لِيَسْفَهُوا۔ دوسری آیت ہے فَأَعْتَبْ زُؤَانِيَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ تیسری آیت ہے وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ الْخ (۱) مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے اور جماعت میں سے دین کو سمجھنے کے لئے ایک ایک گروہ کیوں وطن سے باہر نکل کر (مدینہ) نہیں جاتا (۲) اے اہل نظر عبرت اور سبق حاصل کرو (اشاہ و نظائر کو سمجھو اور ان کو امثال پر قیاس کرو) (۳) اے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو۔

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف افراد صحابہ کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجتے تھے، پس اخبار آحاد یا قیاس اگرچہ ظنی ہوتے ہیں لیکن ان سے مستفاد احکام یقینی العمل ہوتے ہیں کیونکہ ان سے حاصل شدہ علم پر عمل کرنا نصوص قطعیہ سے واجب ہے۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عِنْدَهُ مُسْتَوْلاً ۝۳۶

کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) باز پھر لہوگی۔ یعنی مذکورہ تینوں اعضاء میں سے ہر ایک سے اتباع مذکور کے متعلق باز پرس کی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ اعضاء مذکورہ سے دریافت کیا جائے گا کہ جس شخص کے یہ اعضاء تھے اس نے کیا کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص سننے، دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے اعضاء سے اس کی تصدیق طلب



ہے، بعض کے ارتکاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ سَتِيئَةٌ یعنی امور مذکورہ میں سے جو برے ہیں اور ان کے ارتکاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ مَکْرُوہ ناپسندیدہ، قابل نفرت۔

ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمِ  
یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں جو خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس بھیجی ہیں۔

صاحب قاموس نے حکمت کے متعدد معانی لکھے ہیں، عدل، علم، تحمل، دانائی، نبوت، قرآن، انجیل۔ میرے نزدیک اس جگہ علم نافع مراد ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ  
اور (اے انسان) اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ قرار دے۔ ممانعت شرک کا دوبارہ حکم دینے سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ توحید ہی بنیاد ہے، اسی پر تمام اعمال کی صحت کا مدار ہے، یہی ہر عمل کا انتہائی مقصد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی غرض سے کوئی کام کیا جائے یا ترک کیا جائے تو کوئی کوشش نتیجہ خیز نہ ہوگی، توحید ہر حکمت کا سرچشمہ اور مدار ہے۔ علم توحید بالذات اور اصلی مقصد ہے، باقی علوم سے مقصود عمل ہے خودنی تصور وہ مقصود نہیں ہے شرک کا نتیجہ دنیا میں بھی برائے اور آخرت میں بھی۔

فَتَلَقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا قَدْحُورًا  
ورنہ تو الزام خوردہ اور ماندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ مَلُومًا یعنی تو خود اپنی جان کو برا کہے گا اور اللہ بھی اور ساری مخلوق بھی تجھے ملامت کرے گی۔ مَذْحُورًا اللہ کی رحمت سے دھتکارا ہوا۔

أَفَأَصْفَبَكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا لِّتَقُولُنَّ قَوْلًا عَظِيمًا

کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے تو لڑکے مخصوص کر دیئے ہیں اور اپنے لئے لڑکیاں اختیار کر لی ہیں، بلاشبہ تم (اللہ کی شان میں) بڑی (گستاخی کی) بات کہتے ہو۔ یعنی بہت بری بات کہتے ہو، اللہ کی طرف صاحب اولاد ہونے کی نسبت کر رہے ہو باوجود یہ کہ سلسلہ تاسلی ان اجسام کی خصوصیت ہے جو زوال پذیر اور فانی ہیں، پھر اولاد میں سے بھی اس اولاد کا والد اللہ کو قرار دیتے ہو۔ جو صنف کے لحاظ سے کمزور ہے (اور اپنے لئے قوی صنف کو پسند کرتے ہو) اور اس پر طرفہ یہ کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو۔ ملائکہ تو ساری مخلوق میں لطیف ترین نوع ہیں ان کو بیٹیاں کہنا (یعنی ضعیف ترین صنف انسان قرار دینا) انتہائی حماقت ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَسَّكَتُوكُمْ وَأَلْزَمُوهُم مَّا يَكْفُرُونَ إِلَّا نُفُورًا

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیں اور ان کو نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ یعنی اس قرآن میں ہم نے متعدد مقامات پر جو عبرتیں، حکمتیں، احکام، امثال، دلائل اور نصیحتیں بیان کی ہیں وہ اسی لئے بیان کی ہیں کہ لوگ نصیحت پذیر اور سبق اندوز ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ مذکورہ بالا مطلب کو ہم نے بار بار مختلف طریقوں سے اس قرآن میں نصیحت پذیری کے لئے ثابت کیا ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہَذَا الْقُرْآن سے مراد ہے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے کا ابطالی قول، یعنی فرشتوں کے بنات اللہ نہ ہونے کا قول ہم نے بار بار بکثرت بیان کیا ہے۔ (اس مطلب پر قرآن بمعنی قرأت ہو گا یعنی قول) صَرَّفْنَا (باب تفعیل) کثرت پر دلالت کر رہا ہے، یعنی ہم نے بکثرت بیان کیا۔ لِيَسَّكَتُوكُمْ تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور جو چیز اللہ کے لئے سزاوار نہیں ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف نہ کریں اور اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔ وَمَا يَزِيدُهُمْ یعنی ہمارا بار بار بیان کرنا اور نصیحت کرنا ان کے لئے سود مند نہیں ہوتا اس سے ان لوگوں کو حق سے مزید نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔

قُلْ كُونُوا مَعَ اللَّهِ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا الْأَبْتَعُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ مَبِيلاً

آپ کہہ دیجئے اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے

تک انہوں نے راسخ ڈھونڈ لیا ہوتا یعنی اگر ان کے قول کے مطابق اللہ کے ساتھ دوسرے خدا ہوتے تو بادشاہوں کے دستور کے موافق وہ عرش والے خدا سے لڑ پڑتے اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔ اگر دو خدا ہوں گے تو ان کا باہم ٹکراؤ ممکن ہو گا اور امکان تصادم سے ایک کا مغلوب اور دوسرے کا غالب آنا دونوں کا مغلوب نہ ہونا ضروری ہے اس طرح ایک غالب ہو گا یا دونوں عاجز ہوں گے اور عاجز ہونا شان الوہیت کے خلاف ہے اسی طرح مغلوب بھی خدا نہیں ہو سکتا۔

جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اللہ ان عیوب

سُبْحٰنَكَ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ عَلَوًا كَبِيرًا ﴿۱۰﴾

سے پاک ہے اور بہت زیادہ برتر ہے۔

یعنی اللہ عاجز ہونے اور تصادم سے پاک ہے۔ عجز و تصادم شان الوہیت کے منافی ہے اور شرکوں کے شرکانہ قول سے وہ بہت دور ہے جس طرح اللہ کی ذات ہر ذاتی شئی سے اعلیٰ اور بالا ہے اسی طرح اس کا وجود بھی تمام مراتب وجود سے اونچا ہے اور محتاج لولاد ہونا تو ادنیٰ ترین وجود کی خصوصیت ہے، فنا پذیر موجودات کو اولاد کی ضرورت ہوتی ہے شرکت ملکیت کاملہ کے منافی ہے اور ناقص ملکیت کی علامت ہے۔

نَسْتَبِيحُكُمْ لَكُمْ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا لَيْسَ بِكُمْ بِحَمِيدٍ ﴿۱۱﴾

تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ یعنی ہر چیز لوازم امکان، خصوصیات حدوث اور ان تمام امور سے اللہ کی ذات کے پاک ہونے کا اعتراف کرتی ہے جو شان الوہیت کے خلاف ہیں اور اللہ کے جمال ذات، کمال صفات اور انعامات متواترہ کا اپنی اس نوعی زبان سے اقرار کرتی ہے جو اللہ نے خاص طور پر اس کو عطا فرمائی ہے اور اس کو سننا اور سمجھنا بھی وہی ہے جس کے دل کو اللہ نے اس زبان و قول کو سننے اور سمجھنے کی قابلیت دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ہم آیات (معجزات) کو برکت جانتے تھے اور تم لوگ ان کو خوف انگیزی کا سبب خیال کرتے ہو، ہم رسول اللہ ﷺ کے ہر کاب ایک سفر میں تھے پانی کی کمی پڑ گئی، حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ بچا کھچا ہو پانی ہو وہ میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ نے ایک برتن لا کر حاضر کر دیا جس میں قدرے پانی تھا آپ نے دست مبارک اس میں ڈال دیا اور فرمایا برکت والے پاک (پانی) کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا اور کھانا کھلیا جاتا تو کھانے کے اندر سے ہم سُبْحَانَ اللّٰهِ کی آواز سنا کرتے تھے (یعنی کھانا سُبْحَانَ اللّٰهِ کہتا تھا) رواہ البخاری۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ کہتی ہے۔

ابراہیم غنمی نے کہا ہر چیز خواہ جاندار ہو یا جماد (بے جان) حمد کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یہاں تک کہ دروازے کی چرچہ لہٹ اور چھت کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز بھی تسبیح و تحمید کا اظہار کرتی ہے۔ بعض علماء نے کہا شیخی سے مراد ہے، ہر زندہ چیز یعنی زندہ چیزیں سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جن وانس، ملائکہ اور تمام جانور تسبیح خواں ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ قنادہ نے کہا تمام حیوانات اور نباتات تسبیح کا اقرار کرتے ہیں (یعنی ہر نمونہ پذیر چیز سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھتی ہے، جمادات مراد نہیں ہیں)۔

عکرمہ نے کہا درخت تسبیح پڑھتا ہے اور (اسی درخت کی لکڑی سے بنا ہوا) ستون تسبیح نہیں پڑھتا۔ میرے نزدیک یہ تخصیص غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب خطبہ کے وقت ستون سے ٹیک لگائی چھوڑ دی اور منبر پر خطبہ دینے لگے تو آپ کی جدائی کی وجہ سے اس ستون کا بچوں کی طرح روننا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

آیت میں آیا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا يَا جِبَالُ اُدْبِنِ سَعَةَ وَالطَّيْرَ۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پکار کر



دریافت کرتے ہیں کیا تیرے اوپر سے کوئی آدمی اللہ کا ذکر کرتا گزرا ہے، جب وہ پہلا ہاں کہہ دیتا ہے تو پوچھنے والا پہلا خوش ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز بزبان حال تو تسبیح میں مشغول رہتی ہی ہے۔ ہر چیز ممکن ہے، حادث ہے اور ہر ممکن و حادث ایک ایسے صالح کا محتاج ہے جو واجب الوجود ہو، قدیم بالذات ہو، ہر نقص عیب، خال و زوال سے پاک ہو، صفات کمالیہ سے متصف ہو۔ لہذا تسبیح سے صرف تسبیح حالی مراد لینا غلطی ہے، ہر چیز تسبیح حالی اور تسبیح مقالی میں مشغول ہے۔

وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۗ  
لیکن (اے لوگو! یعنی اے اکثر انسانو! تم ان کی تسبیح خوانی کو نہیں سمجھتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح مقالی کو نہیں سمجھتے) تسبیح حالی کو تو تمام عقلمند انسان سمجھتے ہیں کون دانشور مصنوع کو بغیر صالح کے اور مخلوق کو بغیر خالق کے اور اثر کو بغیر موثر کے کہہ سکتا ہے۔

ہاں مشرک چونکہ کور بصیرت اور دماغی نابینا ہوتے ہیں (وہ تسبیح حالی کو بھی نہیں سمجھتے)۔  
اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۱۰﴾  
بلاشبہ اللہ علم والا اور بخشنے والا ہے۔ گناہ کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور جو توبہ کرتا ہے اس کو بخش دیتا ہے۔

ابن منذر نے ابن شہاب زہری کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کے مشرکوں کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا اور اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی تو انہوں نے مذاق بتاتے ہوئے کہا قُلُوْبُنَا فَنِي اَكِنَّتِهٖ يَسْمَانْدُ غُوْنَا اَلْبِيْدِ وَفَنِي اَذَا كِنَا وَفَرُوْمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿۱۰﴾

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے، ایک ایسا پردہ حائل کر دیتے ہیں جو قرآن کو سمجھنے سے آڑ بن جاتا ہے۔ قنادہ نے کہا حجاب سے مراد آکنتہ ہے (یعنی وہی غلاف اور پردہ مراد ہے جو مشرکوں نے قُلُوْبُنَا فَنِي اَكِنَّتِهٖ میں کہا تھا) حجاب یعنی ایسا پردہ جو دلوں کو قرآن نبی سے روک دے اور قاندہ نہ اٹھانے دے۔

مَسْتُورًا یعنی وہ پردہ حسی نہیں ہوتا، خواہ اس سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ وہ پردہ دوسرے پردوں کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے (یعنی پردے کے اوپر ایک اور پردہ ہوتا ہے)۔  
بعض علماء نے کہا اس جگہ مَسْتُور اسم مفعول سَاوَر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی چھپانے والا۔ جیسے آیت کَانَ وَعَدُوْهُ مَانِيًا مِّن مَّانِيًا سے مراد ہے آنے والا۔

بعض نے کہا حجاب سے مراد ہے ایسا پردہ جو رسول اللہ ﷺ کی رسولی شخصیت کو ظاہری آنکھوں سے چھپا دینے والا تھا، بغوی نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب نَبِيْتُ يَكَا اَبِيْ لَهَبٍ نَّازِلٌ هُوْنِي تَوَابُوْا لَسْبِ كِي يُوِي اِيْكَ پتھر لے کر (رسول اللہ ﷺ کو مارنے کے لئے) آئی، آپ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے لیکن عورت کو رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آئے، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ تو شعر نہیں پڑھتے، نہ شعر کہتے ہیں پھر ہجو کس طرح کی۔ عورت یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی، میں تو اس پتھر سے اس کا سر پھاڑنے آئی تھی اگر مل جاتا تو سر پھاڑ دیتی۔ حضرت ابو بکرؓ نے عورت کے جانے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کو نہیں دیکھ پائی، فرمایا ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آگئے رہا۔  
میں کہتا ہوں سعید بن جبیرؓ کی روایت کے بموجب آیت کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے قرار پائے گا، ایسا ہمیشہ

حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا جانوروں کے منہ پر نہ ملا کرو۔ ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔ میمون بن مهران کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں ایک کوا پیش کیا گیا جس کے بازو سٹھے ہوئے تھے، آپ نے اس کے بازوؤں کو پھیلایا اور فرمایا کسی شکار کو بھی نہیں شکار کیا جاتا اور کسی درخت کو بھی نہیں کاٹا جاتا مگر اسی وقت جب کہ وہ تسبیح خوانی کھو چکا ہو۔ زہری کی روایت سے اسی طرح منقول ہے۔ (ازالہ الخفاء)

نہیں ہوتا تھا کہ آپ قرآن پڑھتے ہوں اور کافر آپ کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمُ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ  
وَرَفِيَ أَذَانَهُمْ وَقِرَاءً  
اور ان کے دلوں پر قرآن فہمی سے روکنے  
والے پردے ڈال دیتے ہیں یعنی ایسے پردے جو دلوں کو چھپالیتے ہیں اور حق کو سمجھنے اور قبول کرنے سے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔  
اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں تاکہ گوش قبول سے نہ سن سکیں (معنی کا  
فہم دل سے ہوتا ہے اور الفاظ کانوں سے سنے جاتے ہیں) اور قرآن اپنی معنویت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے اور لفظی ساخت کے  
اعتبار سے بھی اس لئے مشرکوں کے دلوں پر بھی اللہ نے پردہ ڈال دیا کہ معنوی اعجاز کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بھی گرانی پیدا کر  
دی کہ لفظی اعجاز کو سن نہ سکیں۔

وَإِذْ أَدَّكَرْتَ رَبَّنَا فِي الْقُرْآنِ وَحَدَاكَ وَلَوْ عَلَيَّ آدُبَارِهِمْ نُفُورًا ۝۱۰  
آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔  
یعنی اگر اللہ کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر نہ ہو تو وہ محض توحید کا ذکر سن کر بدکتے اور بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔  
نُفُورًا، بھاگنا، بدکنا، نفرت کرنا۔ یہ لفظ مفعول لہ ہے یا مفعول مطلق یا نافر کی جمع، جیسے عقائد کی جمع عُقُود ہے۔  
عَنْ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ  
طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں۔ یعنی جس سبب سے اور جس استہزائیہ طریقے سے وہ  
قرآن سنتے ہیں اور آپ کا اور قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔

وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَكْفِيُونَ ۝۱۱  
اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا  
ساتھ دے رہے ہو جو جلاؤزدہ ہے۔

نَجْوَىٰ مصدر بمعنى فاعل ہے یا نَجْوَىٰ کی جمع ہے، یعنی جب آپ کی طرف کان لگا کر قرآن سنتے ہیں تو ہم ان کی  
اس غرض کو جو وہ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں خوب جانتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جب وہ باہم کانپھوسی اور سرگوشیاں کرتے ہیں  
تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا باتیں کہہ رہے ہیں۔ الظَّالِمُونَ سے مراد ہے ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی۔ رسول اللہ ﷺ کو  
سحر زدہ قرار دینا آپ پر ظلم تھا اور ولید بن مغیرہ وغیرہ اس ظلم کے مرتکب تھے۔ مَسْحُورٌ سحر زدہ کا جادو کی وجہ سے اس کی عقل  
ٹھکانے سے نہ رہی ہو۔ مجاہد نے مَسْحُورٌ کا ترجمہ کیا ہے فریب خوردہ۔ بعض علماء نے کہا یہ لفظ مَسْحُورٌ سے ماخوذ ہے،  
مَسْحُورٌ کا معنی ہے تجھے کس چیز نے پھیر دیا، اس وقت مَسْحُورٌ کا ترجمہ ہو گا حق سے برگشتہ۔ ابو عبیدہ نے مَسْحُورٌ کا  
ترجمہ کیا سحر والا اور سحر کا معنی ہے پھینچنا۔ مراد یہ ہے کہ یہ شخص تو تم جیسا پھینچوں والا آدمی ہے کھاتا ہے پیتا ہے سانس لیتا ہے۔  
أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا  
دیکھو ان لوگوں نے آپ کے لئے کسے کیسے القاب  
تجویز کئے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ کسی نے شاعر کہا، کسی نے جلاؤگر، کسی نے سحر زدہ اور مسحور، کسی نے کاہن، کسی نے جن  
رہیدہ دیولہ۔ یہ باتیں کہنے کی وجہ سے یہ حق سے بھٹک گئے کیونکہ ان باتوں میں سے کسی میں سچائی تو ہے نہیں، کوئی بات حق  
نہیں ہے۔

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝۱۲  
یعنی حق و ہدایت کے راستے پر چل نہیں سکتے، کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ  
حسب مرلو کسی مدلل، مناسب طعن کا ان کو راستہ نہیں ملتا کبھی کبھی کہتے ہیں کبھی کبھی کہتے ہیں، بے دلیل، اندھا دھند ہاتھ مارتے  
ہیں۔ جیسے حیران پر آگندہ بدحواس آدمی ہوتا ہے۔ بدحواسی کی وجہ سے اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ کیا کرے۔  
وَقَالُوا عَزَّازَاتُ الْأَعْرَابِ مَأْوَاهُمْ ۝۱۳  
اب راستہ ہی نہیں پاسکتے۔

اور مشرکوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور بوسیدہ ریزے ہو گئے تو کیا ہم کو پھر بھی از سر نو تخلیق کر کے اٹھایا جائے گا۔  
رُفَات فرسودہ، بوسیدہ، ریزے ریزے۔ فَنَات اور حَطَام کا بھی یہی معنی ہے۔ قاموس میں ہے رَفَتَ يَرْفُتُ (نَصْرُ  
يَنْصُرُ) توڑ دیا، ٹوٹ گیا، ریزہ ریزہ ہو گیا اور ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ لفظ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ رُفَات بروزنِ عَرَاب، فرسودہ  
بوسیدہ، ریزہ ریزہ۔ مجاہد نے رُفَات کا ترجمہ کیا ہے، خاک، مٹی۔ زندہ آدمی کے بدن میں تروتازگی اور شادابی ہوتی ہے اور بوسیدہ  
ہڈیاں خشک ہوتی ہیں، دونوں حالتوں میں تضاد ہے اس لئے مشرکوں کو بوسیدہ ہڈیوں کے از سر نو تروتازہ ہو کر زندہ ہو جانے کا  
انکار تھا۔

قُلْ كُونُوا حِبَارَةً أَوْ حِدَايِدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْفُرُونَ صِدَادٌ رُكُوه

آپ کہہ دیجئے تم لوگ پتھر یا لوہا کوئی ایسی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو۔ یعنی پتھر بن جاؤ یا لوہا  
بن جاؤ یا کوئی اور اس سے بھی بڑھ کر ایسی چیز بن جاؤ۔ جو تمہارے خیال میں قبول حیات سے بہت دور ہو، مثلاً آسمان، زمین، پہاڑ  
وغیرہ کچھ بھی ہو جاؤ، مرنے کے بعد کچھ بھی بن جانا فرض کر لو۔ تم کو ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اعراض (یعنی مختلف احوال)  
کو قبول کرنے میں تمام اجسام برابر ہیں (ہر جسم عرض یعنی مختلف کیفیت وغیرہ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے) بوسیدہ  
ہڈیاں ہو جانے کے بعد از سر نو زندہ ہو جانا تو زیادہ دشوار نہیں ہے۔ ہڈیاں تو پہلے زندہ ہی تھیں۔ تروتازگی کے بعد ان میں خشکی  
آتی ہے۔ جس میں ایک بار تازگی ہو چکی ہے اس کا دوبارہ تازگی کو قبول کرنا آسان ہے۔

كُونُوا حِبَارَةً الخ سے مراد امر تکلیفی نہیں ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ تم کو پتھر یا لوہا بن جانا لازم ہے یا اس کا تم کو  
اختیار ہے بلکہ مراد امر تقدیری ہے، یعنی فرض کر لو کہ تم پتھر ہو جاؤ گے یا لوہا بن جاؤ گے یا کسی اور اس سے بھی زیادہ چیز میں تبدیل  
ہو جاؤ گے۔ اور جمادیت میں اتنے آگے بڑھ جاؤ گے جو تمہارے خیال میں زندگی سے بہت ہی زیادہ دور ہے۔

سَو (یہ بات سن کر) وہ کہیں  
فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۝  
گے کہ (مرنے کے بعد) دوبارہ ہم کو زندہ کرے گا کون (یعنی مان لیا کہ ہر جسم قبول حیات کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر جسم میں ہر  
عرض کے توار کی قابلیت ہے لیکن ہر جسم پر ہر عرض آتا تو نہیں ہے جب تک کوئی موثر نہ ہو محض صلاحیت و استعداد تو اس  
کے لئے کافی نہیں ہے کسی زبردست موثر اور فاعل کی ضرورت ہے اور ایسا کرنے والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا) آپ کہہ دیجئے  
کہ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا (اس کی قدرت تم کو معلوم ہو چکی ہے) وہی دوبارہ بھی تخلیق کر دے گا (پہلے تو تم مٹی تھے زندگی کو  
قبول کرنے سے بہت دور اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے میں تو فقط پہلی حالت کو لوٹا کر لانا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم محض  
سے وجود میں لانا معدوم کر کے موجود کر دینے سے زیادہ دشوار ہے)۔

یہ سن کر وہ تمہارے سامنے  
فَسَيَقُولُونَ الْبَيْتُ رُءُوسُهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ  
(تعبیر یا استہزاء کے طور پر) سر منکاکر کہیں گے اچھا تو ایسا ہو گا کب یعنی اگر ہم مان لیں کہ دوبارہ زندہ ہو جانا ممکن نہیں ہے اور  
یہ بھی مان لیں کہ جس نے اول بار پیدا کیا ہے وہی دوبارہ پیدا کر سکتا ہے) تو یہ بتاؤ کہ دوسری زندگی کب ہوگی (اس میں تاخیر  
کیوں ہے، کروڑوں مر گئے اور آج تک کوئی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے)۔

قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۝  
آپ کہہ دیجئے کہ امید ہے (ہو سکتا ہے) کہ دوسری زندگی قریب ہی ہو  
(آخر دوسری زندگی ہوگی ضرور اور جو چیز آئندہ ضرور ہونے والی ہے وہ قریب ہی ہے) یہ مطلب ہے کہ قریب اور قلیل وقت  
میں ہی ایسا ہو جائے گا یہ مطلب ہے کہ ابتداء تخلیق عالم سے دوسری زندگی زیادہ دور نہیں ہے۔

یہ اس روز ہو گا جس روز اللہ تم کو پکارے گا اور تم (بلا  
يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ  
اختیار) اس کی حمد کرتے ہوئے علم کی تعمیل کرو گے۔  
یعنی اسرائیل کی زبانی جب اللہ تم کو قبروں سے میدان قیامت کی طرف حساب نہیں کے لئے طلب فرمائے گا تو تم (تعمیل

حکم اور عمل سے) دعوت کو قبول کرو گے۔ یا (دعوت اور استجابیت سے مراد ہے قبروں سے اٹھایا جانا اور اٹھنا اس صورت میں) یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو قبروں سے اٹھائے گا اور تم اٹھو گے یعنی فوراً حساب فہمی کے لئے اٹھ کر میدان قیامت میں آ جاؤ گے۔ بِحَمْدِهِ كَايَہ مطلب ہے کہ قبروں سے اٹھتے وقت تم اللہ کی حمد کرو گے اس وقت اقرار کرو گے کہ اللہ ہی تمہارا خالق ہے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے یا بِحَمْدِهِ كَايَہ مطلب ہے کہ جس طرح حمد کرنے والے اطاعت کرتے ہیں تم بھی قبروں سے اٹھنے کے وقت ایسی ہی اطاعت کرو گے۔ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب مومنوں کو ہے قبروں سے اٹھتے وقت مومن اللہ کی ثناء کریں گے، کافر حمد نہیں کریں گے وہ تو قبروں سے اٹھتے وقت ہائے وائے کریں گے اور کہیں گے يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ يَا حَسْرَتِي عَلِي مَا فَرَّطْتُ رَفِي جَنِبِ اللّٰهِ ہائے ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے اٹھا دیا۔ یہ وہی ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ ہائے افسوس، ہم نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کی۔

قتلی نے الدیباچ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے جبرئیل نے اطلاع دی ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مومنوں کے لئے مرنے کے وقت اور قبروں میں قبروں سے نکلنے کے وقت انس ہوگا (یعنی یہ کلمہ وحشت دور کرنے اور سکون بخشنے کا ذریعہ ہوگا) اے محمدؐ اگر آپ دیکھیں گے تو تعجب ہوگا کہ یہ مومن تو قبروں سے سر جھارتے اٹھ کھڑے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے چہرے گورے ہوں گے اور یہ کافر پکاریں گے ہائے افسوس میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اس وقت ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

طبرانی ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا اله الا الله کا اقرار کرنے والوں کو نہ مرتے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں کے اندر نہ قبروں سے نکلنے وقت، گویا میرے سامنے ہے وہ منظر کہ حج یعنی صورت کی آواز ہوتے ہی مومن سردوں سے مٹی جھارتے ہوئے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ کہہ رہے ہیں۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

وَتَنْظُنُونَ اِنْ كَيْدُنَا اَلَا قَلِيلًا ﴿۱۰﴾  
 اور تم خیال کرو گے کہ (دنیا میں یا قبروں میں) تم بہت ہی کم رہے۔  
 قادہ نے کیا قیامت کے مقابلہ میں وہ دنیا کی مدت کو حقیر سمجھیں گے۔

کلبی کا بیان ہے کہ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو زیادہ دکھ پہنچانے شروع کئے تو مسلمانوں نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ اَحْسَنُ ﴿۱۱﴾  
 اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہے۔ یعنی اسلام کی دعوت اور کلمہ توحید کی تبلیغ نرمی کے ساتھ مدلل طور پر خیر خواہی کا اظہار کرتے ہوئے، مشرکوں کی جمالت سے ٹکراؤ نہ کریں۔ حسن نے کہا مثلاً مشرکوں سے یوں کہیں اللہ آپ کو سیدھا راستہ دکھا دے۔ اس آیت کا حکم قتال کی اجازت سے پہلے تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر بن خطابؓ کے متعلق ہوا تھا آپ کو کسی کافر نے گالی دے دی تھی اس پر آپ کو اللہ نے درگزر کرنے کا حکم اس آیت میں دے دیا۔ بعض علماء نے کہا احسن الکلمہ کلمہ اخلاص یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک آیت کا حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے اللہ نے سب کو حکم دیا ہے کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو اور وہ خصلت اختیار کریں جو سب سے افضل ہو۔

اِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْزَعُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱۲﴾

بے شک شیطان لوگوں میں فساد ڈلوادیتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

یعنی شیطان آدمیوں میں شراٹھاتا ہے، بگاڑ پیدا کرتا ہے وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے کافروں کو تو بہکا کر جنم میں لے جاتا ہے اور مسلمانوں میں باہم فساد اور شراٹھاتا رہتا ہے، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کہیں جس سے شیطان کو شرا اور بگاڑ پیدا کرنے کا موقع مل جائے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنَّكَ لَبِئْسَ بِرَحْمَتِكَ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُونَ

تمہارا رب تمہارے احوال سے خوب واقف ہے وہ اگر چاہے گا تو (ایمان کی توفیق دے کر) تم پر رحم کرنے کا یا اگر چاہے گا تو (حالت کفر پر تمہارا خاتمہ کر کے) تم کو عذاب دے گا۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت اللہ تعالیٰ ہی احسن کی تشریح ہے (یعنی کلمہ احسن مَرَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ الخ ہے) اور میانی کلام بطور جملہ معترضہ کے ہے، مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تم یہ بات کہو کہ تمہارا رب تمہارے احوال سے بخوبی واقف ہے الخ، تم ان سے گالی گلوج نہ کرو اور جاہلانہ جواب نہ دو۔ اور صراحتہ ان کو دوزخی نہ کہو۔ اس سے شر بڑھے گا، پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ جو اس وقت کافر ہیں ان کا خاتمہ کس حالت پر ہو گا ممکن ہے وہ ایمان لے آئیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ خاتمہ کا علم تو صرف اللہ کو ہے۔ کبھی نے کہا یہ خطاب اللہ کی طرف سے مومنوں کو ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے گا تو مکہ والوں کے بچے سے تم کو بچالے گا، اور چاہے گا تو ان کے ہاتھوں سے تم کو دکھ پہنچوائے گا، اور ان کو تم پر قابو دے دے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ﴿۱۰﴾ اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ ان کے معاملات آپ کے ہاتھ میں نہیں دے دیئے کہ آپ زبردستی ان کو مومن بنا دیں اور ان کے کافر رہنے کی آپ کے لئے کوئی اہمیت ہو، آپ کو تو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس لئے ان سے نرمی کیجئے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیجئے کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی آذیتوں کو برداشت کریں۔

وَسَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہیں ان کے احوال سے آپ کا رب ہی خوب واقف ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون نبوت اور ولایت کے قابل ہے کس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اور کون پیدا کئی شقی ہے۔

قریش اعتراض کرتے تھے کہ ابو طالب کا یتیم نبی کیسے ہو سکتا ہے اور بلال و صہیب جیسے محتاج لوگ اللہ کے ولی اور جنتی کس طرح ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے شرفاء مکہ دوزخی کیسے بن سکتے ہیں، اس آیت میں ان بیہودہ خیالات کی تردید کر دی گئی (کہ اہلیت اور صلاحیت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں، دولت اور ظاہری عزت معیار قابلیت نہیں، فطری جوہر قابل کس کو دیا گیا اور کون اس سے محروم ہے اس سے اللہ ہی واقف ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلَىٰ بَعْضٍ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر برتری عطا کی۔ یعنی اخلاقی اور نفسانی فضائل سے نواز اور جسمانی اور مادی آلودگیوں سے پاک صاف کیا اور اسی کو معیار فضیلت بنا لیا، مال و اولاد وغیرہ کی کثرت و قلت کو انبیاء کی فضیلت کا ذریعہ نہیں قرار دیا، اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں قتادہ نے کہا اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، موسیٰ سے کلام کیا، عیسیٰ کی پیدائش (بغیر باپ کے) صرف لفظ کن سے کی۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں جب عیسیٰؑ گوارے کے اندر شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس وقت ان سے کلام کیا اور ان سے فصیح زبان میں بات کروائی اور ان کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور توریت و انجیل کا علم مرحمت فرمایا اور روح القدس کو ہر وقت ان کی امداد پر مامور فرمایا (قتادہ نے کہا) اور سلیمان کو ایسی حکومت عنایت کی جو آپ کے بعد کسی کو ملنا مناسب نہیں یعنی جن و انس کو ان کا تابع حکم بنا دیا اور شیطانوں کو سلیمان کے حکم سے زنجیروں میں مقید کر دیا۔ اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

وَإِنَّا لَنَرَاهُ فِي صَدْرِكُمْ ﴿۱۱﴾ اور داؤد کو ہم نے زبور دی یعنی وحی کے ذریعے سے ان کے پاس کتاب بھیج کر فضیلت و بزرگی سے نوازا، حکومت (بھی دی مگر حکومت) کو جوہر برتری نہیں قرار دیا۔

مکہ کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار اس وجہ سے کیا کہ اگر کسی کو نبی بنایا جاتا ہے تو ایسے آدمی کو کیوں بتلایا گیا جس کو کوئی وجہ برتری حاصل نہیں۔ نہ مال و دولت اس کے پاس ہے نہ دنیوی وجاہت و اقتدار۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے اس کی تردید کر دی اور فرمایا کہ بعض انبیاء کو بعض پر ہم نے برتری عطا کی تھی، یعنی اخلاقی بلندی، نفسانی بزرگی، جسمانی آلودگیوں سے پاک، وہی علوم، عمومی ہدایت اور مراتب قرب کے لحاظ سے ایک کو دوسرے سے لوناچا کیا تھا، مال و ولولاد کی کثرت وجہ برتری نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء سے برگزیدہ بتلایا، آپ پر نبوت کو ختم کر دیا، آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا، کیونکہ زبور میں صراحت فرمادی تھی کہ میری زمین کے وارث اصحاب صلاح ہوں گے اور امت محمدیہ کو زمین کا وارث بتلایا، معلوم ہوا کہ یہ امت سب امتوں سے برتری رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید عطا کیا جو حجم میں اگرچہ کم ہے مگر علم و افادیت و اعجاز میں سب سے زائد ہے، رسول اللہ ﷺ کو آخری درجہ قرب پر پہنچایا اور اس قرب کو آیت دُنِّی فِتْدَلِّی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں ظاہر فرمایا۔

بخاری نے لکھا ہے کہ زبور اللہ کی کتاب ضرور تھی جو حضرت داؤد کو دی گئی تھی اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں اور سب سورتیں دعا اور حمد و ثناء سے بھری ہوئی تھیں۔ نہ ان میں حرام و حلال کا بیان تھا نہ فرائض و حدود کا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کرتے تھے جب وہ جن مسلمان ہو گئے، تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چٹے رہے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ اِدْعُوا الذِّیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِیْ فَلَا یَمْلِكُوْنَ کَشْفِ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۶۱﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جن جنات کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارا دکھ دور کرنے یا منتقل کرنے یعنی تمہارے لوہے سے ٹال کر دوسروں کو اس دکھ میں مبتلا کرنے پر قابو نہیں رکھتے۔ یعنی جن جنات کو تم معبود قرار دیتے ہو وہ تمہارے افلاس اور قحط سالی وغیرہ کو دور نہیں کر سکتے۔

اُولَئِکَ الذِّیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلَی رَبِّہُمْ التَّوَسُّلَۃَ  
ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

وہ خود اللہ کا قرب ایمان اور اطاعت کے ذریعہ سے چاہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسیلہ خاص ہے اور وسیلہ عام۔ وسیلہ کا معنی ہے کسی چیز سے اتصال اور وسیلہ کا معنی ہے رغبت کے ساتھ کسی چیز تک پہنچنا۔ وسیلہ الی اللہ سے مراد ہے علم اور عمل کے لحاظ سے اللہ کی قائم کی ہوئی راہ کی نگہداشت اور مکارم شریعت کے حصول کا راہ اور کوشش۔ گویا وسیلہ الی اللہ کامرادی معنی ہے اقرب خد لوندی۔ قاموس میں ہے، وسیلہ اور واسلہ بادشاہ کے دربار میں خاص مرتبہ، درجہ، قربت۔ وَسَّلَّ اِلَی اللّٰہِ تَوَسُّلًا کا معنی ہے ایسا عمل کیا کہ جس سے اللہ کے قرب میں پہنچ گیا۔

اِنَّہُمْ اَقْرَبُ  
ان کا جو ان میں سب سے زیادہ قرب (خد لوندی) رکھتے ہوں۔

یعنی ان میں جو سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ خود بھی وسیلہ کے طلب گار ہیں، قربت نہ رکھنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ (زجاج) بعض اہل تفسیر نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو طلب کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اس کا وسیلہ پکڑتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرب الی اللہ ہونے کی بڑی شدت سے خواہش رکھتے ہیں، یعنی کثرت طاعت کے سبب اللہ کے مقرب ترین بندے ہو جانا چاہتے ہیں۔

وَبِیْرَجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ  
اس کے عذاب سے۔ یعنی جب وہ معبود خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو کس بنیاد پر مشرک ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ كَانَ مَخْذُوْرًا ﴿۶۲﴾  
آپ کے رب کا عذاب حقیقت میں ہے ہی ڈرنے کی چیز۔

یعنی ایسا خوفناک ہے کہ اس سے فرشتوں اور پیغمبروں کو بھی ڈرنا چاہیے۔

بیضادی نے کہا مطلب یہ ہے کہ جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے اور مسیح اور عزیران میں سے کوئی بھی تمہارا دکھ دور نہیں کر سکتا، یہ تو خود اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کے لئے وسیلہ کے خواست گار ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ نے کہا، عیسیٰ، ان کی والدہ، عزیر، ملائکہ، چاند، سورج اور ستارے سب اپنے رب کی جانب وسیلہ کے طلب گار ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (پھر ان کو کار ساز معبود کس طرح بناتے ہو) بغوی نے لکھا ہے ایک بار مشرک سخت کال میں مبتلا ہوئے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مردار تک کھا گئے، مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ سے دعا کرنے کی درخواست کی اس پر آیت قُلْ لِلْمُشْرِكِينَ اَدْعُوْا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنْهِيَ الْاِلٰهَةُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاَلَا يَعْطٰوْنَ كَشَفَ الضَّرِيْعَةِ عَنْكُمْ نازل ہوئی۔ آپ شرکوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا تم جن کو معبود خیال کرتے ہو انہیں سے دعا کرو، وہ تمہارا دکھ دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

وَلَنْ مِّنْ قَرِيْبَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مَعَلَّوْهَا عَدَا اَبَاشِدًا يٰۤاٰ

اور (کفار کی) ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا (قیامت کے دن) اس کو سخت عذاب نہ دیں۔ یعنی جو بستی کفر و معصیت کرنے والی ہے ہم اس کو یا تو قیامت سے پہلے ہلاک اور تباہ کر دیں گے یا سخت عذاب دیں گے۔ مقاتل وغیرہ نے کہا، ہلاک کرنے سے مراد ہے مار ڈالنا، موت کو مسلط کر دینا، یعنی بستی والے اگر مومن ہوں تو ہم ان پر موت کو مسلط کر دیں گے، زندگی ختم کر دیں گے اور کافر ہوں تو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، جب کسی بستی میں زنا اور سود بچھیل جاتا ہے (یا علی الاعلان لوگ زنا کرتے اور سود کھاتے ہیں) تو اللہ اس بستی کو تباہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۶﴾  
کتاب میں یہی لکھا ہوا ہے۔ الْكِتٰب سے مراد ہے لوح محفوظ۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے لول اللہ نے جس کو پیدا کیا وہ قلم تھا پھر اس سے فرمایا لکھ، قلم نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر کو لکھ، حسب الحکم قلم نے ہر اس چیز کو لکھا جو ہو چکی ہے یا بد تک ہونے والی ہے۔ رواہ الترمذی، ترمذی نے اس حدیث کی سند کو غریب کہا ہے۔

طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت ابن زبیرؓ کے حوالہ سے ایک حدیث ذرا تفصیل کے ساتھ اسی طرح نقل کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی آپ کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ (میدانی زمین نکل آئے اور) ہم اس میں کھیتی کریں، اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی درخواست پوری کرنے میں ڈھیل کر دوں (نال دوں) اور آپ چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں، لیکن سوال پورا کرنے کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں ان کو اسی طرح تباہ کر دوں گا جس طرح ان سے پہلے والوں کو تباہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا، نہیں، تو ان کو ڈھیل دے (درخواست پوری نہ کر) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔

وَمَا مَنَعْنَا اَنْ تُرْسِلَ بِالْاٰلِيْتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵۷﴾  
اور ہم کو (مطلوبہ) نشانیاں بھیجنے سے صرف یہ امر مانع ہے کہ (ایسے مطلوبہ معجزات ہم نے گزشتہ قوموں کے لئے ظاہر کئے تھے پھر ان) پہلے لوگوں نے ان آیات کی تکذیب کی (اور ہم نے ان کو تباہ کر دیا) یعنی مکہ کے کافر بھی طبیعت اور خود خصلت میں گزشتہ کافروں کی طرح ہیں۔ انہوں نے بھی اسی طرح کی نشانیاں طلب کیں، ہم نے ان کی مطلوبہ نشانیاں ظاہر کر دیں تو انہوں نے نہ مانا اور ہم نے ان کو غارت کر دیا۔ یہ کافر بھی انہیں کی طرح ہیں، اگر ان کے مطلوبہ معجزات ظاہر کر دیئے جائیں گے اور یہ نہ مانیں گے

تو ان کو چاہ کر دیا جائے گا اور ہم اس امر کو تباہ کرنا چاہتے نہیں مہلت دینا چاہتے ہیں۔

وَأَتَيْنَا الْقَوْمَ التَّافِينَ مُبْصِرًا فَظَلَمُوا بِهَا  
 پر) اونٹنی (پتھر کے اندر سے نکال کر دی گئی جو کھلی ہوئی نشانی تھی، پھر انہوں نے اس پر ظلم کیا، یعنی کفر کیا یا اس کو قتل کر کے خود اپنے اور ظلم کیا۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَحْوِيلًا  
 کرتے ہیں۔ یعنی سخت دہن سے اکھاڑ پھینکنے والے عذاب دینا ہے۔ ڈرانے کے لئے جب خوف دلانا ان پر اثر انداز نہ ہو تو دنیا میں ہی عذاب آپہنچا، یا یہ مطلب ہے کہ (غیر مطلوبہ) معجزات جو ہم ظاہر کرتے یا قرآنی آیات بیان کرتے ہیں وہ صرف عذاب آخرت سے ڈرانے کے لئے۔

فَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ  
 اور (یاد کرو) جب ہم نے آپ سے کہا تھا (آپ کے پاس وہی سمجھی تھی) کہ آپ کا رب سب لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے یعنی اللہ کی ذات علم قدرت سب کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے لہذا تم کسی کی پروا نہ کرو اور جو پیام آپ کو دے کر بھیجا گیا وہ پتہ چاؤ یا (الناس سے مراد قریش ہیں) مطلب یہ ہے کہ اللہ قریش کو گھیرے ہوئے ہے یعنی ان کو ہلاک کر دے گا (احاطہ بہتم ان کو ہلاک کر دیا) اس مطلب پر یہ آیت واقعہ بدر کی بشارت ہوگی اور چونکہ آئندہ واقعہ بدر کا تصور پذیر ہونا یقینی تھا اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دی گئی (گویا ایسا ہو چکا) ابو یعلیٰ نے حضرت ام ہانی کی روایت سے اور ابن المنذر نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات کو

معراج ہوئی تو اس کی صبح کو قریش کے چند آدمیوں کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، قریش آپ کی ہنسی اڑانے لگے، اور حضور ﷺ سے سیر معراج کی کوئی نشانی دریافت کی (بیت المقدس کا نقشہ اور اپنے قافلہ کی خبر دریافت کی) آپ نے بیت المقدس کی حالت اور نقشہ بیان کر دیا اور قافلہ کی کیفیت بھی ظاہر کر دی، اس پر ولید بن مغیرہ بولایہ شخص جادو گر ہے اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل کی۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ الْآفِتْنَةَ إِلَّا لِنَنظُرَ  
 اور جو تماشا ہم نے آپ کو (شب معراج میں) دکھایا تھا اس کو بس ہم نے لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا، لوگوں کے لئے معراج کا واقعہ ایک جانچ کی حیثیت رکھتا تھا کافروں نے تو انکار کر ہی دیا، لیکن بعض کمزور ایمان والے بھی ایمان سے پھر گئے۔ اس آیت میں سیر معراج کو رؤیا (خواب) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی آیت سے تائید ہوتی ہے، حضرت عائشہ کے اس قول کی کہ معراج روحانی تھی جسمانی نہ تھی (رواہ البخاری) حضرت ابن عباس نے فرمایا رؤیا سے مراد ہے رؤیت یعنی آنکھوں سے دیکھنا۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج اور اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ عرب کہتے ہیں، رَأَيْتُ بَعْشِي رُؤْيَا وَرُؤْيَا مِّنْ نَّعْمِي آتَمَكْ سِ دِيكْهُ رُؤْيَا مَعْنَى هِي بَعْضُ عِلْمَاءِ كَاخِيَالْ هِي كَحُضُورِ كُودِ مَرْتَبِ مَعْرَاجِ هُوَ كِي كَمِي كَا كُوهُؤْنَ سَبَبِ دِرِيَا فِت كَرْنِي پَر فَرْمَا، مِي نِي دِيكْهُ كَا مِي رِي اس منبر پر گویا نبی امیہ باری باری سے آرے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ فکر مند نہ ہوں یہ دنیا ہے جو ان کو مل جائے گی۔ اس پر آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ الْآفِتْنَةَ إِلَّا لِنَنظُرَ نازل

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے حکم بن عاص کی اولاد کو مسجد میں لے کر (اچھلتے ہوئے) دیکھا اور اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ الْآفِتْنَةَ إِلَّا لِنَنظُرَ وَالرُّؤْيَا كَالرُّؤْيَا مَعْنَى هِي بَعْضُ عِلْمَاءِ كَاخِيَالْ هِي كَحُضُورِ كُودِ مَرْتَبِ مَعْرَاجِ هُوَ كِي كَمِي كَا كُوهُؤْنَ سَبَبِ دِرِيَا فِت كَرْنِي پَر فَرْمَا، مِي نِي دِيكْهُ كَا مِي رِي اس منبر پر گویا نبی امیہ باری باری سے آرے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ فکر مند نہ ہوں یہ دنیا ہے جو ان کو مل جائے گی۔ اس پر آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ الْآفِتْنَةَ إِلَّا لِنَنظُرَ نازل



ہوئی۔ اس روایت کے بموجب لفظ فتنہ سے مراد ہو گا بنی امیہ کے دور اقتدار میں بدعات اور فسق و فجور کا پھیل جانا۔ یہ حدیث صحیح ابن جریر نے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت سے بھی بیان کی ہے اس روایت کے بموجب حدیث کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ نے بنی فلاں (یعنی بنی امیہ) کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کے منبر پر بندروں کی طرح کود رہے ہیں (کبھی ایک آتا ہے کبھی دوسرا) حضور ﷺ کو اس خواب سے دکھ ہوا اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عمرو بن عاص اور حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت سے نیز ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں سعید بن مسیب سے مرسل نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں بنی امیہ کو منبر پر دیکھا جس سے آپ کو دکھ ہوا اللہ نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ ان کو تو یہ دیا گیا ہے (یعنی اللہ کا یہی فیصلہ ہے) اس سے آپ کو سکون ہو گیا۔ مذکورہ بالا تمام احادیث ضعیف ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ الرُّءُیَا سے مراد وہ خواب ہے جو حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے دیکھا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مکہ میں داخل ہو گئے ہیں، آپ مقررہ معاہدے سے پہلے مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، جب مشرکوں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ کو روک دیا تو آپ لوٹ آئے پہلے تو آپ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور پھر اسی سال حدیبیہ سے واپس لوٹنا پڑا اس سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے اور بعض لوگوں میں شک پیدا ہو گیا، پھر جب دوسرے سال مکہ میں (صلح کے ساتھ حسب معاہدہ) داخل ہو گئے تو آیت لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءُیَا بِالْحَقِّ نازل ہوئی، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وہ خواب سچ کر دکھایا۔ بیضاوی نے اس روایت پر یہ شبہ وارد کیا ہے کہ آیت کی ہے (اور حدیبیہ کا واقعہ تو ہجرت کے بعد کا ہے) ہاں اگر مکہ میں خواب دیکھا ہو اور اقامت مدینہ کے زمانہ میں اس کو بیان کیا ہو تو شبہ کا جواز ہو سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، شاید اس خواب کا تعلق واقعہ بدر سے ہو۔ جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَنَايِكٍ قَلِيلًا۔ روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ بدر کے پانی پر اترے تو فرمایا، میں لوگوں (یعنی مشرکوں) کی قتل گاہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے، یہ فلاں کی قتل گاہ۔ قریش نے یہ بات سنی تو اس کا مذاق اڑایا۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ

اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے (اس کو بھی

موجب گمراہی کر دیا) شجرہ ملعونہ سے مراد ہے زقوم (تھوہر) کا درخت یعنی اللہ نے اس درخت کو بھی لوگوں کے لئے جانچ کی چیز بنا دیا۔ درخت زقوم کا فتنہ ہونا دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) ابو جہل نے کہا ابن ابوبکیر (محمد بن عبد اللہ) تم کو ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو بھی جلا دے گی لیکن خود ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں ایک درخت اُگے گا (جس کو آگ نہیں جلائے گی) تم لوگ جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا ہی دیتی ہے، اس لئے وقوف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ جو سمندل کی پشت کی کھال کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھتا ہے اور جس نے شتر مرغ کے شکاری اعضاء کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ لوہے کے پتے دیکتے ٹکڑے نکل لیتا ہے اور اس کی آنتیں نہیں جلتیں، نہ حلق میں سوزش ہوتی ہے کیا وہ درخت میں ایسا درخت نہیں پیدا کر سکتا جو آگ سے نہ جلے۔ مفسر مدارک نے لکھا ہے کہ سمندل ترکستان میں ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے جس کی کھال کے رومال بنائے جاتے ہیں، جب رومال میلے ہو جاتے ہیں تو ان کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے، آگ سے ان کا میل جل کر صاف ہو جاتا ہے اور کھال پر آج بھی نہیں آتی، صاحب قاموس نے لکھا ہے سمندل ہندوستان میں ایک پرندہ ہوتا ہے جو آگ میں نہیں جلتا (مشہور یہ ہے کہ سمندل جس کو سمندر کہا جاتا ہے ایک ایسا جاندار ہوتا ہے جو آگ میں ہی پیدا ہوتا ہے اور آگ میں ہی جیتا اور زندگی گزارتا ہے، آگ سے باہر نکالا جائے تو مر جاتا ہے۔ مترجم)

(۲) ابن الزہری نے کہا تھا محمدؐ ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہم تو زقوم کا معنی کھن لور چھوڑے ہی جانتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ہم کو معلوم نہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے لوٹدی کو آواز دے کر کہا يَا جَارِيَةَ تَعَالَى زَقِيمِنَا جَارِيَةَ ہمارے

لئے زقوم لا، باندی فور اکھن اور چھوڑے لے آئی، ابو جہل بولا، لو گوز قوم کھاؤ، محمد تم کو اسی سے ڈراتے ہیں۔ زقوم کا ذکر اللہ نے سورت الصافات میں کیا ہے

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے البعث میں حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زقوم کا ذکر کیا اور قریش کو زقوم سے ڈرایا تو ابو جہل نے قریش سے کہا جس زقوم سے محمد تم کو ڈراتے ہیں وہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں، ابو جہل نے کہا شرب میں عمدہ قسم کی کھجوریں کھن کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس مجموعہ کو زقوم کہا جاتا ہے، ہم کو اگر وہ (زقوم) مل جائے تو ہم تو اس کو خوب کھائیں لَنْتَزِقْمَنَهَا تَزَقْمًا اس پر آیت وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فَمَنْ الْقُرْآنِ اور آیت إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقْوَمِ طَعَامٌ الْأَيْتِمِ نازل ہوئی حقیقت میں ملعون تو زقوم کھانے والا ہوگا بطور مبالغہ آیت میں درخت کی ہی صفت مَلْعُونَةٌ ذکر کی ہے کیونکہ یہ درخت جسم کی جڑ میں ہوگا اور وہ ایسا مقام ہے جہاں پہنچنے والے رحمت خداوندی سے بہت ہی زیادہ دور ہوں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ مَلْعُونَةٌ کا معنی ہے بہت برا ضرر رساں، ناگوار۔ ہر ناگوار، ضرر رساں کھانے کو عرب ملعون کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک زقوم سے مراد شیطان یا ابو جہل یا حکم بن العاص ہے۔ یہ محض تاویل ہے۔

وَيَحْوِيهِمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿۱۰﴾

اور ہم ان کو ڈراتے ہیں لیکن ڈرانے سے

ان کی بڑھی ہوئی سرکشی میں اور اضافہ ہی ہوتا ہے۔ طغیان، سرکشی اور تمرد۔

فَاذْكُرْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿۱۱﴾

اور یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کے لئے (یعنی ان کی طرف) سجدہ کرو فوراً سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، ابلیس بولا کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے گارے سے بنایا ہے۔ ابلیس نے اپنے انکار کی وجہ آدم کی (شکل پوری ہوئی) حالت کو قرار دیا، بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک مٹی زمین کی خاک لی، شیریں بھی اور تمکین بھی اس سے آدم کا پتلا بنایا، پس جس کو مٹی کی خاک سے بنیادہ تو خوش نصیب ہو گیا، خواہ اس کے ماں باپ کافر ہوں اور جس کی تخلیق تمکین خاک سے کی وہ بد بخت ہو خواہ وہ انبیاء زادہ ہو۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے ایک مٹی کی خاک تمام زمین سے لی اس سے آدم کو بنایا۔ پس اولاد آدم زمین کے مطابق ہوئی، سرخ، سفید، سیاہ یا درمیانی رنگ، نرم، سخت، خراب، عمدہ اخلاق والے اسی وجہ سے ہو گئے۔

قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَنَا عَلَيَّ

پر برتری عطا کی ہے۔ اور مجھے اس کو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اور ابلیس نے کہا بھلا بتا تو یہ وہی ہے جس کو تو نے مجھ

لَكِنِ أَخْوَرُنَّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِأَنَّهُنَّ كُنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۲﴾

تو نے مجھے مہلت دے دی تو سوائے چند لوگوں کے میں اس کی ساری اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا، یعنی اگر تو مجھے مہلت دے گا اور قیامت تک زندہ رکھے گا تو اغواء کر کے میں اس کی نسل کی بیخ کنی کر دوں گا۔ اِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الزَّرْعَ محاورہ ہے مڈی نے ساری کھیتی کھالی سیاہی مطلب ہے کہ میں اس کو جدر چاہوں گا کھینچ کر لے جاؤں گا اور اس پر تسلط قائم رکھوں گا۔ حَنْتَكَ الدَّابَّةُ مھوڑے کا نچلا جڑ (لو پر سے ملا کر کسی سے باندھ دیا تاکہ جس طرف چاہے مالک اس کو کھینچ کر لے جائے۔ قاموس میں ہے اِحْتَنَكَ اس پر غالب آگیا، تسلط جمالید۔ اِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الْأَرْضَ مڈی نے زمین کی ساری سبزی کھالی۔

قَلِيلًا سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے (یعنی انبیاء اور خاص خاص اشخاص) انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا تَحَارَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔

بیضادی نے لکھا ہے نسل آدم کو بھگانے پر قادر ہونے کا علم ابلیس کو شاید ملائکہ کے قول سے ہو گیا تھا، ملائکہ نے کہا،



لاؤ ان کے مال و اولاد میں اپنا سا بھرا کر لینا اور ان سے وعدے کرنا اور شیطان ان سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا

ہے۔

مجاہد، حسن بصری اور سعید بن جبیر کے نزدیک شرکت فی الاموال سے مراد یہ ہے کہ حرام کمائی کرنے اور اس کو جمع کر رکھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور حرام مال خرچ کرنا۔ عطا نے کہا اس سے مراد (سود کالین دین) ہے اور بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں پر چھوڑے ہوئے یا خود ساختہ قوانین مذہب کے زیر اثر آؤں گئے ہوئے جانور بھی مراد ہیں، جن کو کھانا اور بعض اوقات ان سے سواری لینا بھی مشرک حرام قرار دیتے ہیں۔ ضحاک نے کہا غیر اللہ کے نام جانوروں کی بھینٹ چڑھانا مراد ہے۔ شرکت فی الاولاد سے حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک زندہ دفن کی ہوئی لڑکیاں مراد ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا اولاد نامراد ہے۔ حسن اور قتادہ نے کہا اولاد کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنانا مراد ہے (جب کہ یہ مذاہب منسوخ ہو چکے) حضرت ابن عباسؓ کا قول دوسری روایت میں آیا ہے، کہ اولاد کے ناجائز نام رکھنا مراد ہے جیسے عبدالحارث، عبدالتمس، عبدالعزی، عبدالدار وغیرہ۔

حضرت امام جعفر بن المازن العابدین نے فرمایا جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے اب اگر وہ شخص بغیر بسم اللہ کے کام شروع کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کے اندام نہانی میں شیطان بھی انزال کرتا ہے (اس طرح اولاد کی پیدائش میں شیطان شریک ہو جاتا ہے)۔ بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم میں کچھ لوگ مغرب ہیں، دریافت کیا گیا مغرب کون لوگ ہیں۔ فرمایا، جن (کی پیدائش) میں شیطان شریک ہوتے ہیں۔ وعدہ دلانے سے مراد ہے جھوٹی، غلط امیدیں دلانا مثلاً بتوں کی شفاعت، باپ دادا کی بزرگی پر بھروسہ، توبہ میں تاخیر، یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ دوزخ اور قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

### ..... ایک شبہ .....

استغرز۔ اجلب۔ شاربک۔ عد۔ یہ سب امر کے صیغے ہیں تو کیا اللہ نے ابلیس کو معصیت کا حکم دیا تھا، اللہ تو گناہ کا حکم نہیں دیتا۔

### ..... ازالہ .....

صیغے امر کے ضرور ہیں لیکن مفہوم تہدید مراد ہے یا امر سے مقصود تو ہیں ابلیس ہے کہ تو کچھ بھی کر لے، تیری کسی حرکت سے میری حکومت میں فرق نہیں آسکتا۔

غرور بمعنی فریب دھوکہ، باطل کو بصورت حق دکھانا۔

بغوی نے لکھا ہے آثار اقوال صحابہ میں آیا ہے کہ ابلیس کو جب نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا، اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرمادے (کہ میں جس طرح چاہوں ان کو بے راہ کر دوں) اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا گیا، ابلیس نے کہا، مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں، اللہ نے فرمایا، اسْتَفْزِزْ مَنْ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصُوتِكَ الْخ۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کر دیا اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا، اللہ نے فرمایا، تیری جو بھی اولاد ہوگی، میں اس کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر کر دوں گا، آدم نے عرض کیا، میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں، اللہ نے فرمایا، ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا، آدم نے عرض کیا اور کیا۔ اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی توبہ کی قبولیت سامنے رہے گی (یعنی توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا) آدم نے عرض کیا اور کچھ، اللہ نے فرمایا يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذَّنُوْبَ جَمِيْعًا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاء بھیجے اور (ان کے پڑھنے کو) کتابیں نازل کیں، میرے پڑھنے کے لئے کیا (مقرر کیا) ہے اللہ نے فرمایا شعر، ابلیس نے عرض کیا میری تحریر (رسم خط) کیا ہوگی، فرمایا (اعضاء جسم کو) گودنا (گویا گودنا اور گدوانا شیطانی تحریر اور رسم خط ہے) ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں۔ فرمایا کاہن، عرض کیا میرے رہنے کا مقام کونسا ہے، فرمایا حمام (جہاں لوگ برہنہ غسل کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں) عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے، فرمایا باز اردوں میں عرض کیا میرا کھانا کیا ہے فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، عرض کیا میرے پینے کی چیز کیا ہے، فرمایا ہر نشہ آور چیز، عرض کیا میرا جال کونسا ہے۔ فرمایا، عورتیں، عرض کیا میرا سامان (تفریح) کیا ہے، فرمایا

باہجے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّكَفٰى بِرَبِّكَ وِكَيْلًا ۝۱۰

بلاشبہ میرے

(مخلص) بندوں (کے اغواء) پر تجھے قدرت نہ ہوگی اور تیرا رب (ان کی حفاظت کا) ذمہ دار ہونے کے لئے کافی ہے۔ یعنی جو مخلص بندے اللہ پر بھروسہ رکھیں گے اس کی پناہ کے خواستگار ہوں گے اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کر دیں گے، اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ (ان پر تیری دست رس نہ ہوگی)

رَبِّكُمْ الَّذِي يُزِيحُ لَكُمْ الْفَلَكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۱۱

تمہارا رب وہی ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا رزق تلاش کرو۔ بے شک وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے۔ يُزِيحُ ہنکاتا ہے، چلاتا ہے۔ فَضْلٌ تجارتی نفع اور طرح طرح کا وہ رزق جو تمہارے پاس نہیں ہوتا۔ اللہ تم پر مہربان ہے اسی نے تمہارے لئے تمام ضرورت کی چیزیں فراہم کر دی ہیں اور تمہاری مشکلوں کو آسان کرتا ہے۔

اور جب تم کو دریا میں

وَاذَامَسَّكُمْ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدَّعُونَ الْاٰيَاتِ ۝۱۲

کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے تم جتنوں کی عبادت کرتے تھے، سب غائب ہو جاتے ہیں۔ الضُّرُّ، یعنی ڈوبنے کا سخت خوف۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے خوف کے وقت تم اللہ کے سوا کسی معبود کو یاد نہیں کرتے، سب باطل معبود تمہارے ذہن سے غائب ہو جاتے ہیں یہاں یہ مطلب ہے کہ تمام باطل معبود تمہاری مدد کرنے سے غائب ہو جاتے ہیں اور سوائے اللہ کے کوئی تمہاری فریاد سنی نہیں کرتا۔

فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَّكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۱۳

پھر جب اللہ تم کو ڈوبنے سے بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اللہ کی توحید سے کتر اجاتے ہو اور کافر انسان بڑا ناشکر ہوتا ہے۔ كَفُوْرٌ نعمتوں کا منکر اور لوائے شکر نہ کرنے والا۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يُغْشِيَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۗ سَعًا لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَاٰلَكُمْ وَاٰلَكُمْ وَاٰلَكُمْ ۝۱۴

سو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے کہ تم کو خشکی کی طرف لاکر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی آندھی بھیج دے جو کتھر پتھر برساتے لگے پھر کسی کو تم اپنا کار ساز نہ پاؤ۔

یعنی خشکی کے جس حصہ پر تم موجود ہو اللہ اس کو الٹ دے یا تمہاری وجہ سے اس کو الٹ دے اور تم کو اس طرح ہلاک کر دے۔ حَاصِبٌ وہ آندھی اور طوفان، جس میں سنگریزے بھی اڑ جاتے ہیں اور کہیں سے کہیں جاگرتے ہیں۔ وَرَسِيْلٌ سے اس جگہ مراد ہے بچانے والا، حفاظت کرنے والا، روک دینے والا۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُعَيِّدَ لَكُمْ فِيْهِ تٰرَةً اٰخَرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قٰصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۗ لَكُمْ لَا

تَجِدُوْا لَكُمْ وَاٰلَكُمْ وَاٰلَكُمْ وَاٰلَكُمْ ۝۱۵

یا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دوبار دریا میں ہی لے جائے، پھر تم پر ہو اکا سخت طوفان بھیج دے پھر تم کو

تمہارے کفر کے سبب غرق کر دے پھر اس بات پر ہارا پچھا کرنے والا تم کو کوئی بھی نہ ملے۔  
یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ ایسے اسباب تمہارے لئے پیدا کر دے کہ دوبارہ تم کو سمندر کا سفر کرنا پڑ جائے اور پھر ایک طوفان بھیج دے۔

حضرت ابن عباسؓ نے قاصف کا ترجمہ کیا عاصف تیز آندھی، طوفان۔ ابو عبیدہ نے کہا، قاصف کا معنی ہے کوٹا، توڑ دینا، قاصف وہ ہو جو اپنی قوت سے ہر چیز کو توڑ پھوڑ ڈالے۔ قصی نے کہا، قاصف وہ ہوتا ہے جو درختوں کو توڑ ڈالے۔  
يَمَا كَفَرْتُمْ یعنی تمہارے شرک کی وجہ سے یا گزشتہ نعمت نجات کی ناشکری کرنے کی وجہ سے۔ تَبِيعًا مددگار یا طلب کار انتقام۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوَدِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور خشکی اور دریا میں ان کو سوار کیا اور نفیس نفیس (کھانے پینے کی) چیزیں ان کو عطا کیں۔

یعنی آدمی کو بہت خاص نعمتیں عطا کیں۔ حسن صورت، سب سے زیادہ معتدل مزاج، قد کا اعتدال، عقل سے اشیاء میں امتیاز، زبان، تحریر اور اشاروں سے سمجھانے کی قوت، معاش و معاد کی ہدایت، زمین کی موجودات پر تسلط یعنی تمام چیزوں سے کام لینا اور مختلف ہنر اور پیشے اور تمام مادی غرضی اور فلکی کائنات کا ربط تاکہ انسان کو مختلف منافع حاصل ہوں اور اسباب رزق فراہم ہوں، پھر دوسرے جانوروں کے برخلاف آدمی کو ہاتھ سے اٹھا کر اور پکڑ کر کھانے کی تعلیم۔ یہ تمام امور انسان کے لئے مخصوص کئے، پھر محبت و عشق کا جذبہ، معرفت و وحی اور مراتب قرب کی عطا بھی انسان پر خاص کر م ہے۔ حاکم نے تاریخ میں اور وہابی نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انگلیوں سے کھانا بھی (انسان کے لئے اللہ کی طرف سے) عزت بخشی ہے۔

حَمَلْنَاهُمْ کا یہ معنی ہے کہ دریا اور خشکی میں سوار ہونے کے لئے ہم نے سواریاں عطا کیں، خشکی میں چوہائے (موٹر ریل وغیرہ) اور دریا میں کشتیاں جماد۔ حَمَلْنَاهُمْ حملہ میں نے سوار ہونے کے لئے اس کو سواری دی۔ یہاں یہ مطلب ہے کہ ہم نے آدمیوں کو سوار کیا تاکہ زمین کے اندر پاؤں نہ دھنیں اور پانی میں ڈوب نہ جائیں، دونوں مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے سواریاں بنائیں۔

الطَّيِّبَاتِ سے مراد ہیں لذیذ نفیس کھانے پینے کی چیزیں۔  
وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا  
عطا فرمائی۔

اور ہم نے اپنی کثیر مخلوق پر ان کو برتری عطا فرمائی۔

نعت میں فضل کا معنی ہے زیادتی، اس جگہ ثواب اور مراتب قرب کی زیادتی مراد ہے۔ فَضَّلْنَا فِيهِمْ میں ہم ضمیر بنی آدم کی طرف لوٹ رہی ہے مگر مر لو کل بنی آدم نہیں بلکہ صرف لل ایمان مراد ہیں۔ آیت وَالْمُطَلَقَاتُ يَنْزُرْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ فِي الْمُطَلَقَاتِ کا لفظ تمام مطلقہ عورتوں کو شامل ہے، بابتہ ہوں یا ر جعیہ، لیکن اس سے آگے وَبَعُو لَسْتِهِنَّ أَحَقُّ بِرُؤْيِهِنَّ میں ہُنَّ ضمیر المطلقات کی طرف لوٹ رہی ہے، مگر عام مطلقات کی طرف نہیں بلکہ صرف وہ عورتیں مراد ہیں جن کو ر جعی طلاق دی گئی ہو، آیت مذکوہ بالا میں صرف مومن اس وجہ سے مراد ہیں کہ کافروں کو اللہ نے دوسری مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی، کافر تو اللہ کے نزدیک بدترین اور ذلیل ترین مخلوق ہیں، اللہ نے ان کو شَرَّ الْبَرِيَّةِ (بدترین خلق) قرار دیا ہے۔ ظاہر آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے انسان کو کل مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی بلکہ کثیر مخلوق سے افضل بنایا ہے۔ اس موضوع پر علماء کے اقوال میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ملائکہ پر انسان کو فضیلت نہیں دی گئی، باقی مخلوق سے انسان کو افضل بنایا گیا ہے۔ کلبی نے کہا سوائے چند ملائکہ کے باقی فرشتوں سے بھی انسان کو برتری حاصل ہے، جبرئیل،

میکال، اسرافیل اور ملک الموت کے علاوہ سب پر انسان کو فضیلت دے دی گئی ہے۔ کچھ اب تک ہیں کہ آیت میں لفظ کثیر سے کل مراد لیتے ہیں یعنی تمام ملائکہ پر بھی انسان کو فضیلت دی گئی ہے، ایسا استعمال دوسری آیت میں بھی ہوا ہے وَأَكثَرَهُمْ كَاذِبُونَ میں اکثر سے مراد کل لوگ ہیں۔ اس مضمون کی تائید حضرت جابرؓ کی روایت کردہ مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ نے آدم کو اور ان کی ذریت کھپیدا کر دیا تو فرشتوں نے عرض کیا اے رب تو نے ان کو پیدا کر دیا (اس طرح اور ان طاقتوں کے ساتھ کہ وہ کھائیں گے، پیئیں گے، غور توں سے مصطفیٰ قربت کریں گے اور سوار یوں پر سوار ہوں گے، پس ان کے لئے تو دنیا (کے عیش) کر دے اور ہمارے لئے آخرت خاص کر دے، اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کے اندر اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا، اس کو میں اس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا جس کو پیدا کرنے کے لئے میں نے کن کہا اور وہ ہو گئی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

### ..... تحقیقی فیصلہ ..... ❁

عام مومن یعنی صالح مومن جو اللہ کے ولی ہیں عام ملائکہ سے افضل ہیں اور جو مومن گنہگار ہیں اولیاء نہیں ہیں تو گناہوں سے پاک صاف ہو جانے کے بعد عام فرشتوں سے افضل بنادئے گئے ہیں کیونکہ گناہوں سے صفائی توبہ کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے اور بغیر توبہ کے مغفرت کے ذریعہ سے بھی اور بقدر گناہ سزا پانے کے بعد بھی ہوتی ہے، بہر حال صفائی کے بعد ان کو بھی اولیاء کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا اور جنت میں ان کا داخلہ ہو جائے گا..... اس طرح ان کو بھی عام فرشتوں سے برتری حاصل ہو جائے گی، رہے خاص مومن یعنی انبیاء تو وہ تمام خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں دیکھو اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ النَّبِيِّينَ بَشَرًا جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ سب مخلوق سے بہتر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن اللہ کے نزدیک ان ملائکہ سے بھی جو اس کے پاس ہیں زیادہ عزت والا ہے کذا ذکرہ البخوی۔ ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے مؤمن (یعنی نفس مومن خواہ کسی درجہ کا ہو) اللہ کے نزدیک بعض ملائکہ سے زیادہ عزت والا ہے۔

حضرت مفسر نے فرمایا آیت مذکورہ میں کثیر کا لفظ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بعض ملائکہ کا لفظ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ بعض مومنین یعنی انبیاء کو تمام ملائکہ پر فضیلت نہیں دی گئی ہے، ہاں بطور مفہوم یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کثیر مخلوق پر بنی آدم کو فضیلت دی گئی اور انبیاء بھی بنی آدم ہیں ان کو بھی کثیر مخلوق پر برتری عطا کر دی گئی۔ سب مخلوق پر فضیلت نہیں دی گئی، یعنی کل ملائکہ پر فضیلت نہیں عطا کی گئی، مگر یہ نفی کل، مفہوم مخالف کے طور پر مترشح ہو رہی ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالف غیر معتبر ہے اور یہاں تو یقیناً مفہوم مخالف مراد ہی نہیں ہے کیونکہ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ النَّبِيِّينَ میں النَّبِيِّينَ کا لفظ تمام مخلوق کو شامل ہے جس میں خواص ملائکہ بھی داخل ہیں۔ حقیقت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمام مومنوں کو یعنی ہر مومن کو کثیر مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے (یعنی استغراق مجموعی سے مراد ہے استغراق انفرادی، اس صورت میں مطلب واضح ہے کہ ہر فرد مومن کو کثیر مخلوق پر برتری عطا کی گئی ہے عام مومن کو عام ملائکہ پر اور خاص مومن کو خاص

۱ شاید حضرت مفسر سے اس جگہ کچھ تسامح ہو کہ آیت إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ النَّبِيِّينَ کو انبیاء کی فضیلت عامہ کے ثبوت میں پیش کیا، یہ آیت انبیاء کے لئے مخصوص نہیں، اس میں تمام مومنین صالحین شامل ہیں، انبیاء ہوں یا اولیاء، مومن صالح تو ولی بھی ہوتا ہے۔ پھر حضرت مفسر نے تائید میں جو حدیثیں نقل کی ہیں، ان میں بھی صرف انبیاء کا ذکر نہیں ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ مؤمن سے مراد مومن صالح ہو۔ قرینہ عبادت کی بتا رہا ہے لیکن انبیاء کی خصوصیت تو احادیث میں بھی مذکور نہیں، اولیاء بھی تو مومن صالح ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ حضرت مفسر کے نزدیک تَوَالُّ مَوْمِنِينَ سے مراد جنس مومن ہے جس میں گناہگار مومنوں کا بھی شمول ہے مومن معصوم یا غیر معصوم، تابع یا غیر تابع، عاصی یا غیر عاصی کسی کا بھی ذکر نہیں۔ نفس مومن سب ہی ہیں۔ (مترجم)

ملائکہ پر بھی۔

لال سنت کے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خاص خاص انسان ہر فرشتے پر فضیلت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ ملائکہ پر مومنوں کی برتری کا سبب یہ ہے کہ بہائم میں شہوت (یعنی جذبہ) ہے عقل (یعنی حواس سے بالاتر فہم کی طاقت) نہیں ہے اور ملائکہ میں عقل ہے شہوت نہیں ہے ان کی سرشت ہی طاعت برہوتی ہے (کوئی داعی معصیت ان کے اندر موجود ہی نہیں ہے) اور انسان کے اندر عقل بھی ہے اور شہوت بھی۔ اب جو عقل سے راہ راست اختیار کرتا اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور شہوت کا عقل سے مقابلہ کرتا ہے وہ حقیقت میں راہ خدا کا مجاہد ہے (داعی معصیت کو رد کر دیتا ہے یہ مجاہد ہے) اور مجاہدین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ اور جو عقل کو بے کار چھوڑ کر قضاہ شہوت کو پورا کرتا ہے اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ایسے (مظلوم) عقل لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ کم کردہ راہ ہیں (چوپایوں کے پاس تو شہوت سے روکنے والی عقل موجود ہی نہیں ہے وہ تو فطر کا معذور ہیں اور ہوا پرست انسانوں کے پاس عقل فطری ہے) اور عقل سے یہ لوگ کام نہیں لیتے۔

یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاثٍ بِاُمَامِہُمْ  
جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے امام کے ساتھ طلب کریں گے۔ یعنی یاد کرو اس دن کو یا اس روز لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جب سب لوگوں کو ہم حساب فہمی کے لئے طلب کریں گے۔

مجاہد اور قادی نے کہا امام سے مراد ہے ہر امت کا نبی۔ ابوصالح اور ضحاک نے کہا وہ الہی کتاب مراد ہے جو ہر امت کو دی گئی تھی۔ ابن مردویہ نے حضرت علیؑ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر امت کو ان کے امام اور ان کے رب کی کتاب کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ امام سے مراد ہے ہر قوم کا وہ امام وقت جو اپنی قوم کو گمراہ کرنا یا ہدایت کی طرف بلانا تھا، اللہ نے دونوں کے متعلق ائمہ کا لفظ فرمایا ہے ایک آیت ہے وَجَعَلْنَا ہُمْ اٰیۃً یُّعَذَّرُونَ بِاٰتِہِمْ نَا یٰۤاٰتِہِمْ نَا یعنی ائمہ ہدیٰ۔ دوسری آیت ہے وَجَعَلْنٰہُمْ اٰیۃً یُّدْعَوْنَ اِلٰی النَّارِ یعنی ائمہ ضلالت۔ بعض نے کہا امام سے مراد ہے (باطل فرضی) معبود۔ سعید بن مسیب نے کہا ہر قوم اپنے سردار کے پاس جمع ہوگی، خیر کا سردار ہو یا شر کا۔ حسن اور ابو العالیہ نے کہا امام سے مراد ہیں وہ اعمال جو زندگی میں انسان پہلے ہی صحیح دیتا ہے۔ قادی نے کہا آیت بتا دی ہے کہ امام سے مراد ہے اعمال نامہ، کتاب کو امام کہا جاتا ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَکُلُّ شَیْءٍ اَخَصَّیْنَاہُ فِیۡ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ۔ بعض کے نزدیک امام سے مراد وہ طاقتیں ہیں جو انسان کو غلط یا صحیح عقائد و اعمال پر آمادہ کرتی ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا امام ام کی جمع ہے جیسے خفاف خف کی یعنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ لوگوں کو پکارا جائے گا، اس میں حضرت عیسیٰ کا اکرام و اعزاز اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسینؑ کی عظمت کا اظہار مقصود ہو گا اور یہ مصلحت بھی ہوگی کہ اولاد زنا رسوا نہ ہونے پائے۔ یا مایہم کا مطلب یہ ہے کہ جس نبی یا کتاب یا قائد خیر و شر کی پیروی کی ہوگی، اس کی ساتھ پیروی کرنے والے ہوں گے یا اپنے اپنے اعمال نامے اور صحیفے ہاتھوں میں اٹھائے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ امام کے نام کے ساتھ ان کو پکارا جائے گا، مثلاً یوں کہا جائے گا، اے فلاں شخص کی امت اے فلاں شخص کی پیروی کرنے والو، اے فلاں مذہب والو، اے فلاں کتاب والو، اے فلاں فلاں اعمال والو، اے مریم کے بیٹے، اے قاطمہ کے بیٹے وغیرہ۔

فَمَنْ اٰتٰنِیْ کِتٰبًا یَّمِیْنِیْہِ فَاُولٰٓئِکَ یُقرءُوْنَ کِتٰبِہُمْ وَلَا یُظَلَمُوْنَ فِتْنًا ۝۱۰

پس جن لوگوں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے اور ان کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ فیتیل (بٹا ہوا) کوہ باریک سوناجو کھجور کی کھٹی کے شکاف میں ہوتا ہے، یادہ میل کی بتی جو آدمی چنگی سے بٹ کر پھینک دیتا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ فیتیل برابر بھی ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ آیت میں صرف ان



لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے دائیں ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن لوگوں کے بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمال نامے دیئے جائیں گے (ان کی حالت کچھ اور ہوگی) کہ جب اپنے اعمال نامے پڑھیں گے تو شرمندگی اور حیرت ان پر چھا جائے گی، اتنی کہ زبانوں کو گنگ کر دے گی اور وہ صحیح جواب دینے کے بجائے کہیں گے کاش یہ کتاب مجھ کو نہ دی گئی ہوتی۔ کافروں کا تذکرہ اس آیت میں نہیں نہ ان کے اعمال نامے دینے کا بیان ہے کیونکہ اگلی آیت خود کافروں کی حالت کا اظہار کر رہی ہے۔ فرمایا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَلَاكٍ أَعْلَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْلَىٰ  
رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔

اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا

بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔ کہ ہذہ سے مراد ہیں اللہ کی وہ نعمتیں جن کا اظہار اللہ نے رَبِّكُمْ الَّذِي يُزِجِي لَكُمْ الْفَلَکَ سے تفضیلاً تمک کیا ہے اور رفی الْآخِرَةِ سے مراد آخرت کے معاملے ہیں۔ یعنی اللہ کی ان کھلی ہوئی نعمتوں کو دیکھتے ہوئے جو شخص نابینا رہا، وہ آخرت کے معاملے میں تو بہت ہی زیادہ اندھا ہو گا کیونکہ آخرت کو تو اس نے دیکھا ہی نہیں۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک ہذہ سے دنیا کی طرف اشارہ ہے یعنی جو شخص اس دنیا میں دلائل توحید و حق کو دیکھنے (پہچانم عقل معائنہ کرنے) سے نابینا ہے وہ آخرت میں نجات کا راستہ دیکھنے سے تو بہت زیادہ نابینا ہو گا، نجات کا راستہ اس کو بالکل دکھائی نہ دے گا۔

لفظ اعلیٰ اسم تفہیل کا صیغہ ہے اور تفہیلی معنی ہی مراد ہے، یعنی بہت زیادہ اندھا۔

### ..... ایک شبہ .....

(مٹائی مجرد سے) اسم تفہیل کا صیغہ اَفْعَلَ کے وزن پر اس وقت آئے گا جب اس کے معنی میں نہ کوئی عیب کا مفہوم ہو نہ رنگ۔ اور اندھا ہونا کھلا ہوا عیب ہے اس لئے اعلیٰ اسم تفہیل کا صیغہ نہیں ہو سکتا اس کا ترجمہ صرف اندھا ہے، زیادہ اندھا ترجمہ غلط ہے۔ اگر رنگ اور عیب والے لفظ سے مٹائی مجرد میں اسم تفہیل کا صیغہ بنانا ہوتا ہے تو اَشَدُّ یا اَکْثَرُ کے لفظ کو ملا کر بناتے ہیں مثلاً بہت اندھا کا عربی میں ترجمہ اَشَدُّ عَمِيًا ہو گا، اعلیٰ نہ ہو گا۔

### ..... جواب .....

اس جگہ نابینا ہونے سے مراد ہے، دل کا اندھا ہونا اور عقل ہونا اور عقل کی نابینائی معنوی اور باطنی عیب ہے اور جو عیب اسم تفہیل کا صیغہ بنانے سے روکتا ہے وہ ظاہری عیب ہے (پس اعلیٰ سے مراد اگر چشم اس کا نابینا ہو تو یہ اسم تفہیل کا صیغہ نہ ہو گا اور اگر چشم قلب کا اندھا ہونا مراد ہو جیسا کہ اس جگہ ہے تو اعلیٰ اسم تفہیل کا صیغہ ہو گا) اعلیٰ کا لفظ اسی طرح تفہیل کا صیغہ ہے جیسے احق، ابلہ، اجہل وغیرہ (جمالت، بلاہت اور حماقت باطنی عیوب ہیں ان سے اسم تفہیل کے صیغے بنائے جاتے ہیں) اور بہت زیادہ گمراہ۔ یعنی دنیا میں جتنا گمراہ تھا اس سے زیادہ گم کردہ راہ آخرت میں

وَاصِلٌ سَبِيْلًا ﴿۱۰﴾

ہو گا۔ نہ استعداد بہدایت یابی ہوگی۔ نہ آلات ہدایت یابی ہوں گے۔ نہ ہدایت یابی کی مہلت ہوگی، دنیا میں تو توبہ قبول ہو سکتی تھی آخرت میں توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اندھے سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہو گا۔

ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بطریق ابن اسحاق بوساطت محمد بن ابی محمد عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام اور کچھ دوسرے قریشی جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور عرض کیا محمد تم ہمارے معبودوں کو (تظلم لورا) ہاتھ لگا دو ہم سب تمہارے مذہب میں داخل ہو جائیں گے، حضور ﷺ کو اپنی قوم کا مسلمان ہو جانے سے مطلوب تھا، اس لئے دل میں کچھ نرمی پیدا ہونے لگی تھی، اس پر آیت نازل ہوئی۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِينَ أُوحِيَ إِلَيْكَ  
بِخَلَانِهِمْ لَكَ تَحَىٰ جَوْهَرٌ فِي آيَاتِكَ  
مؤلف باب استغوثی اسباب النزول نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ کے نزول کے سبب کے متعلق روایت مندرجہ بالا صحیح ترین روایت ہے جس کا سلسلہ سند کھرا ہے اور اس کی تائیدی شہادتیں دوسری روایات سے بھی ملتی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کو چومتے تھے۔ مشرکوں نے کہا ہم آپ کو سنگ اسود کو چومنے نہ دیں گے تا وقتیکہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں، رسول اللہ ﷺ نے خیال کیا اگر میں ایسا کر لوں تو میرا کیا حرج ہو جائے گا، جب کہ اللہ واقف ہے کہ میں دل سے اس کے خلاف ہوں۔ بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ کی یہ اجازت دے دیں گے اس کے بعد میں نفرت تو کرتا ہی رہوں گا۔ ابن ابی حاتم نے زہری کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے جبیر بن نفیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے تو یہ نچلے نچلے لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے، اس وقت ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے دل میں رسول اللہ ﷺ کچھ ان کی طرف سائل ہو گئے تھے کہ آیت مذکورہ نازل ہو گئی۔

ابن ابی حاتم نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی نماز میں سورۃ النجم تلاوت کی اور اس میں یہ آیت پڑھی أَفَرَأَىٰ أَنتُمُ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ اس میں شیطان نے آگے آپ ﷺ پر القاء کر دیا يٰلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَلِيُّ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُمْ لَكُنَّ جَنَّتِي اس پر آیت مذکورہ الصدر نازل ہوئی، حضور والا برابر عملیں رہنے لگے (کہ یہ کیا الفاظ میری زبان سے بلا اختیار نکل گئے) آخر آیت وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ الخ نازل ہوئی (اس کے بعد آپ کو تسکین خاطر ہوئی)

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے، لیکن کچھ لوگ اس کو مدنی کہتے ہیں اور مندرجہ ذیل واقعہ کو سبب نزول قرار دیتے ہیں۔ ابن مردویہ نے بوساطت عوفی حضرت ابن عباس کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ ثقیف والوں نے خدمت کرامی میں عرض کیا تھا، ہم کو ایک سال کی مہلت عطا فرمادیجئے (ہمارے معبودوں پر نذریں چڑھائی جاتی ہیں) جب ہمارے قبضہ میں وہ پہلے اور چڑھاوے آچکیں گے جو لوگ ان پر چڑھاتے ہیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مہلت دینے کا لالوہ کر لیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے (اس لئے ناقابل اعتبار ہے)

بغوی نے حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کر کے یہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت تین شرطوں پر کرنے کو تیار ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا وہ کیا شرطیں ہیں وفد والوں نے کہا، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کے اندر جھکیں گے نہیں۔ دوسری یہ ہے کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم لات (پر چڑھائے جانے والے نذرانوں) سے ایک سال تک تمتع اندوز ہوتے رہیں گے۔ البتہ اس کی پوجا نہیں کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا جس (دین کی عبادت) کے اندر رکوع و سجود نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ رہی یہ بات کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بتوں کو نہیں توڑو گے تو اس کا اختیار تم کو ہے باقی طاعیہ یعنی لات و عزی پر چڑھائے جانے والے نذرانوں کے تمتع اندوز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے مہار رسول اللہ ﷺ ہماری خواہش ہے کہ عرب یہ کہیں کہ کچھ خصوصی چیز آپ نے ہم کو عطا فرمادی ہے جو دوسروں کو عطا نہیں فرمائی، اب اگر آپ

کو یہ اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے آپ نے ثقیف والوں کو وہ خاص اجازت دے دی جو دوسروں کو نہیں دی تو آپ جواب میں فرمادیں کہ اللہ نے یہی حکم دیا تھا، حضور ﷺ یہ بات سن کر خاموش ہو گئے.... ان لوگوں نے حضور کے سکوت کو رضامندی سمجھ لیا اور خیال کر لیا کہ آپ ایسا کر دیں گے، اس پر آیت **وَلَا تَكَاذُوبُ الْيَفِيتُونَكَ** الخ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے احکام سے نیچے اتار کر آپ کو قتلہ میں مبتلا کرنے کے قریب پہنچ گئے تھے۔

**لِنَفْتَرِي عَلَيْكَ غَيْرُهُ ۖ وَذَٰلَآ تَتَّخِذُوكَ خَلِيْلًا ۗ وَكَوْلًا اَنْ تَبْتَنِيكَ لَقَدْ كِدَاتَ تَرْكَنُ الْيَهُودُ شَيْئًا قَلِيْلًا ۗ**

تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں

ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنا دیا ہوتا تو آپ ان (کے مقصد) کی طرف کچھ کچھ بھٹکنے کے قریب جا پختے۔ **لِنَفْتَرِي عَلَيْكَ** کہ آپ ہم پر وہ بات باندھ دیں جو ہم نے وحی کے ذریعے سے آپ کے پاس نہیں بھیجی۔ اذ اس وقت یعنی جب ایسا کر گزرتے تو وہ آپ کو اپنا رفیق بنا لیتے۔ **وَكَوْلًا اَنْ تَبْتَنِيكَ** اور اگر ہم آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے اور جمائے نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کے مقصد کو ماننے کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے کیونکہ ان کا قریب سخت اور مکر شدید تھا اور آپ کو ان کے مسلمان ہو جانے کی بہت زیادہ خواہش تھی لیکن ہماری طرف سے آپ کا بچاؤ کر دیا گیا اور آپ ان لوگوں کے مقصد کی طرف مائل ہونے کے قریب سے بھی بچ گئے، مائل ہو جانا تو بجائے خود ہا شئینا قَلِيْلًا کا لفظ جملہ ہا ہے کہ بجائے خود صلاح و استقامت کی استعداد اور رسول اللہ ﷺ کے اندر اتنی کامل تھی کہ اگر اللہ کی طرف سے عصمت واجبہ نہ بھی ہوتی اور اللہ آپ کو ہر شر سے بچانے کا فیصلہ نہ بھی کر دیتا، تب بھی آپ کی فطرت سلیم اگر گناہ کی طرف مائل ہوتی تو بہت ہی کم میلان ہوتا اور یہ ضروری نہیں کہ گناہ کی طرف ادنی جھکاؤ ہونے کے بعد گناہ کا صدور ہو ہی جاتا اور اب تو احتمال ہی نہیں رہا کہ گناہ کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی آپ پہنچ سکتے۔

**اِذَا لَذَقْنَكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمٰتِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۗ**

اور اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دہرا عذاب چکھاتے پھر آپ کو

ہمارے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا۔

یعنی اگر آپ ان کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی پہنچ جاتے تو دنیا اور آخرت میں ہم دوسروں سے دو گنے عذاب کا مزہ آپ کو چکھاتے۔ مقصد یہ کہ اس فعل کے مجرموں کو جتنا عذاب ہو گا اس سے دو گنا عذاب آپ پر ہوتا، بڑے مرتبے والے کی تھوڑی فرد گذشت بھی بڑی ہوتی ہے۔ عذاب حیات سے مراد ہے عذاب دنیوی اور عذاب ممات سے مراد ہے مرنے کے بعد کا عذاب۔ بعض علماء کے نزدیک **ضِعْفَ الْحَيٰتِ** سے عذاب آخرت اور **ضِعْفَ الْمَمٰتِ** سے مراد عذاب قبر ہے۔

یہی نے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے بروایت شمر بن حوشب، عبدالرحمن بن غنم کا بیان نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اگر آپ نبی ہیں تو شام کو جائیے وہ انبیاء کی سر زمین ہے اور محشر کا مقام بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے قول کی تصدیق کی اور غزوہ تبوک (سرحد شام) پر تشریف لے گئے۔ تبوک جانے سے آپ کا مقصد شام کو جانا تھا جب تبوک کو پہنچ گئے تو سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

**وَلَا تَكَاذُوبُ الْيَفِيتُونَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا**

سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔

پھر اللہ نے مدینہ کو واپس جانے کا حکم دیا۔ جبریل نے کہا اپنے رب سے کچھ مانگو ہر نبی کا کوئی ایک سوال قبول ہی کیا جاتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے مشورہ دیجئے میں کیا دعا کروں، حضرت جبریل نے کہا کہ **قُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ رَسُوْلِكَ**

صَدِيقٌ وَآخِرُ جَنَّتِي مُخْرَجٌ صَدِيقِي وَاجْعَلْ لِي مِن لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۔ اس آیت کا نزول شام سے مدینہ کو واپس آنے کے زمانے میں راستہ میں ہوا۔ یہ روایت مرسل اور ضعیف ہے، لیکن ابن ابی حاتم نے سعید بن زبیر کی مرسل روایت اس کی تائید میں نقل کی ہے۔ سعید بن جبیر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، انبیاء تو شام میں رہتے تھے آپ مدینہ میں کیسے ہیں۔ (یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے (بالکل) روکنہ ہو جانے کا ارادہ کر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر کی ایک اور مرسل روایت میں مشرکوں کی جگہ یہودیوں کا لفظ آیا ہے۔ بغوی نے کلبی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینے میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو جلن کی وجہ سے آپ کا مدینہ میں قیام ناگوار ہو اور انہوں نے عرض کیا ابو القاسم آپ واقف ہیں کہ یہ انبیاء کی سر زمین نہیں ہے انبیاء کی سر زمین تو شام ہے وہ مقدس زمین ہے، وہیں پر ابراہیم اور دوسرے انبیاء رہتے تھے، اگر آپ بھی انہی کی طرح نبی ہیں تو شام کو چلے جائیے آپ جو شام کی سکونت پسند نہیں کرتے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کو رومیوں سے ڈر لگتا ہے (اور روم کی شام میں حکومت ہے) لیکن اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ رومیوں سے آپ کی ضرور حفاظت کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینے سے نکل کر ثین میل کے فاصلے پر اور بقول بعض ذی الخلیفہ میں لشکر گاہ قائم کی تاکہ آپ کے صحابی وہاں جمع ہو جائیں (اور سب جو کہ یا شام کی طرف روکنہ ہو جائیں) اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

جہاد اور قہارہ کے قول پر یہ آیت مکی ہے اور الآرض سے مراد مکہ ہے، مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو روک دیا آخر کار خود ہی ہجرت کا حکم نازل فرما دیا اور آپ نے مدینہ کو ہجرت کر لیا۔ بغوی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے کے دالوں ہی کا حال بیان فرمایا ہے اور سورت بھی مکی ہے۔ یہ قرینہ اس آیت کو مکی قرار دے رہا ہے۔ بعض نے کہا نہ یہودیوں کے ساتھ اس آیت کی تخصیص ہے نہ مشرکوں کے ساتھ بلکہ سارے کافر مرو ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو سر زمین عرب سے اکھاڑ کر باہر نکال پھینکنا چاہتے تھے مگر اللہ نے ان کو ناکام کر دیا اور اپنے رسول کو محفوظ رکھا۔

وَاذًا لَا يَلْبَثُونَ خَلْقَكَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور ایسی صورت میں (جب کہ وہ آپ کو ابھار کر مدینہ سے نکال دیتے) وہ بھی بس تھوڑی مدت آپ کے پیچھے یہاں ٹھہرتے زیادہ نہ ٹھہر سکتے اللہ ان کو سخت دین سے اکھاڑ دیتا۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جس بات کی پیشین گوئی آیت میں کی گئی ہے ایسا ہو بھی گیا۔ مدینہ کے یہودیوں میں سے بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا اور بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور حضرت عمر کی خلافت میں خیبر کے یہودیوں کو بھی نکال دیا گیا اور مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے نکل آنے کے بعد مشرکین مکہ کو بدر میں قتل کر دیا گیا بلا آخر تمام غیر مسلموں کو جزیرہ العرب سے نکال باہر کر دیا گیا۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ایسا واقعہ نہیں ہوا اگر وہ رسول اللہ ﷺ کو ابھار کر مدینہ سے نکال دیتے تو ان کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا۔

سُنَّةٌ مِّن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا مَخْتَلِفًا ۝

اور یہی ہر ان لوگوں کے ساتھ قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، اور آپ ہمارے اس قاعدے میں تغیر نہیں پائیں گے۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ جاری کر دیا ہے کہ جس امت نے اپنے پیغمبر کو اپنے اندر سے نکال باہر کر دیا، اللہ نے بھی اس امت کو تباہ کر دیا اور چونکہ اللہ کا یہ طریقہ عمل پیغمبروں کی وجہ سے جاری تھا اور آپ بھی پیغمبر ہیں اس لئے اگر آپ کے ساتھ بھی وہ لوگ ایسا سلوک کرتے تو اللہ بھی ان کو تباہ کر دیتا۔ تحویل کا معنی ہے تغیر و تبدل۔

أَقْبِرِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوٰكِ الشَّمْسِ

دلوک آفتاب کے وقت نماز قائم کرو۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، عطاء، قتادہ، حسن بصری اور اکثر علماء تابعین کے نزدیک دلوک کا اس جگہ معنی ہے زوال، سورج

ڈھلنا۔ ابن مردویہ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ ابن مردویہ اور بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس کو مرفوع کہا ہے لیکن دلوک سے مراد زوال ہونے کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس لفظ سے ہوتی ہے جو حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت سے اسحاق بن راہویہ نے سند میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے المعرفۃ میں نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ دلوک آفتاب کے وقت جب سورج ڈھل گیا تھا، میرے پاس آئے اور مجھے ظہر کی نماز پڑھانی۔ الحدیث  
دَلُوكُ كَالغُيُومِي مَعْنِي هُوَ مَلْنَا، زَوَالُ كِے وَقْتُ سُوْرَجِ كِی طَرَفِ دِیْكُهِنَّ وَاللشَاعِمُوْنِ كِی تَابِ غَیْبِی لَاتَا لَوْرَ اَکْهُوْنِ كُوْمَلْنَا هِے اِس لَئِے دِلُوْكِ كَا مَعْنٰی هُوَ گِیَا زَوَالُ۔

بعض علماء کے نزدیک دلوک سے مراد ہے غروب۔ بغوی نے حضرت ابن مسعود کا قول بیان کیا کہ دلوک کا معنی ہے غروب۔ ابراہیم غمی، مقاتل بن حبان، ضحاک اور سدی کا یہی قول ہے۔ لفظ دلوک کا مفہوم لغوی (جھلنا، ایک طرف کو میلان) زوال کو بھی شامل ہے اور غروب کو بھی، سورج کا جھکاؤ دونوں اوقات میں ہوتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے دَلُوكِ الشَّمْسِ دُلُوْكًا سُوْرَجِ دُوْبِ گِیَا، زَرْدِ پڑ گِیَا، وَسَطِ آسْمَانِ سَے ڈھل گِیَا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس لفظ کی اصل ساخت انتقال کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے، دلک مالش کرنے کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ مالش کرنے والے کا ہاتھ ایک جگہ رکتا نہیں۔ جس لفظ کا پہلا حرف دال اور دوسرا حرف لام ہو اس کے معنی میں انتقال کا مفہوم ضرور ہوتا ہے خواہ تیسرا حرف کوئی ہو جیسے دَلُجٌ، دَلُجٌ، دَلْفٌ، دَلٌ۔ بغوی نے کمال الذکر قول کے قابل بکثرت علماء ہیں اس لئے وہی قابل ترجیح ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر دلوک سے مراد زوال لی جائے تو اس آیت کے اندر نماز کے پانچوں اوقات مجملًا آجائیں گے دلوک شمس سے غسق اللیل تک چار نمازیں اور قرآن الفجر پانچویں نماز۔

رَاتِ چِمَا جَانِے تِكِ، یعنی شَفَقِ كِے غَائِبِ هُوَ جَانِے اُوْر تَارِیْ كِی بھَر جَانِے كِے وَقْتُ تِكِ۔  
اِلِی غَسَقِ الْاَيْلِ  
غَسَقٌ كَا مَعْنٰی هِے بھَر جَانَا۔

قاموس میں ہے غسق شروع رات کی تاریکی۔ غاسق چاند یا رات جب کہ شفق غائب ہو گئی ہو۔ اس آیت میں مجملًا مہیا چار نمازوں کا ذکر آگیا، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور وقت فجر کا ذکر آگے کے فقرہ میں کر دیا۔  
وَقُرْآنِ الْفَجْرِ  
اور فجر کا قرآن یعنی فجر کی نماز، قرآن کی قرأت نماز کا جزء اہم ہے، اس لئے صلوٰۃ فجر کی تعبیر قرآن الفجر سے کر دی گئی، جیسے رکوع یا سجود بول کر پوری نماز مراد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں اجزاء صلوٰۃ بھی بہت اہم ہیں۔ سورہ نساء کی آیت اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا كِی تفسیر کے ذیل میں ہم نے اوقات نماز کا ذکر کر دیا ہے۔

اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۱۷۰﴾  
بے شک فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے، فجر کے قرآن کے وقت رات کے لور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ مشہود حاضر ہونا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما ہے تھے جماعت کی نماز تمنا نماز پر چھپس گنا فضیلت رکھتی ہے اور نماز فجر میں رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم اس کا ثبوت قرآن سے چاہتے ہو تو پڑھو وَقُرْآنِ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (رواہ البخاری وغیرہ)  
بیضاوی نے لکھا ہے، صلوٰۃ الفجر کو مشہود کہنے کی یہ وجہ ہے کہ اس وقت قدرتی شواہد بہت نمایاں طور پر سامنے آجاتے ہیں تاریکی چھٹ کر روشنی نکل آتی ہے اور نیند جس کو اخ الموت کہا گیا ہے، بیداری سے بدل جاتی ہے، یا مشہود کہنے کی یہ وجہ ہے کہ بہت نمازی اس میں حاضر ہوتے ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ کثیر جماعت کو اس میں حاضر ہونا چاہئے۔  
بعض علماء نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے نماز کو یعنی مغرب کی نماز کو قائم کرو، غروب آفتاب کے

بعد سے لے کر غَسَقِ اللَّيْلِ یعنی شفق کے غائب ہونے تک۔ اس تفسیر پر آیت میں وقت مغرب کی ابتداء اور اتہام کا بیان ہو جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مغرب کا وقت شفق کے ڈوبنے تک باقی رہتا ہے، گویا پوری آیت میں اللہ نے دو نمازوں کا حکم دیا مغرب اور فجر اور (چونکہ یہ دونوں نمازیں دن اور رات کے دونوں کناروں کے اوقات میں واقع ہیں اس لئے) یہ دونوں زیادہ اہم ہیں۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ  
 اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھو جو تہجد کے لئے زائد چیز ہے۔ یعنی نماز کے لئے نیند کو ترک کر دو۔ یہ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے (اور قرآن سے مراد ہے نماز) صاحب قاموس نے لکھا ہے تَهَجَّدٌ بِجُودًا (مخلافی مجرد) اور تَهَجَّدٌ (باب تَعْمَلُ) سو گیا اور بیدار ہو گیا دونوں معنی کے لئے مستعمل ہے، لغات اضداد میں سے ہے۔ تَهَجَّدٌ تَهَجُّدًا (باب تَعْمَلُ) بیدار کر دیا اور سلا دیا یہ بھی اضداد میں سے ہے۔ اَتَهَجَّدُ (باب اَفْعَالُ) تَهَجَّدٌ کی طرح سو گیا اور سلا دیا (لازم بھی ہے اور متعدی بھی) حاصل بیان یہ ہے کہ جیم کی تشدید اگر (سلب ماخذ اور) ازالہ کے لئے قرار دی جائے تو نیند کو زائل کرنا اور بیدار ہونا مراد ہو گا اور اگر متعدی بنانے کے لئے قرار دی جائے تو سلا دینے کا معنی ہو گا۔

بغوی نے لکھا ہے تہجد جب بیدار ہو جانے کو کہتے ہیں تو یہ سونے کے بعد ہی ہو گا۔ (رات بھر جاگتے رہنے اور نمازیں پڑھنے کو تہجد نہیں کہا جائے گا) میں کہتا ہوں جب تہجد سے مراد ہے نماز کے لئے نیند کو ترک کرنا تو اس کی تینوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بالکل رات کو نہ سونا اور نماز پڑھتے رہنا، شروع رات میں بیدار رہ کر نماز پڑھنا، سو جانا اور پھر بیدار ہو کر نماز پڑھنا۔ مؤخر الذکر صورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھتے رہے اور آپ نے رات کو کبھی اٹھ کر ہم کو نماز نہیں پڑھائی جب (آخری عشرہ کی) سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چوبیسویں رات آئی) تو آپ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نماز میں ایک تہائی رات گزر گئی۔

دوسری رات یعنی (تیس کی طرف سے شمار کرنے میں) چھٹی رات ہوئی تو آپ نہیں اٹھے (تیس کی طرف سے اٹھ گنتی کرنے میں پانچویں رات آئی تو پھر آپ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کاش حضور ﷺ ہم کو ساری رات یہ نفل نماز پڑھاتے فرمایا آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس ہو جاتا ہے تو پوری رات کا قیام اس کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے جب چوتھی رات (یعنی تیسویں کی طرف سے گنتی کرنے کے بعد جو چوتھی رات پڑنی ہے) ہوئی تو آپ نے ہم کو نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ مہینہ میں تین راتیں رہ گئیں تو تیسری رات کو آپ ﷺ نے سب گمراہوں کو اور بیویوں کو اور دوسرے لوگوں کو جمع کیا اور ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے (اور اتنی طویل نماز پڑھائی) کہ ہم کو فلاح کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا۔ رلوی نے حضرت ابو ذرؓ سے دریافت کیا، فلاح سے کیا مراد۔ فرمایا سحری۔ اس کے بعد (باقی دونوں راتوں کو) آپ نے نماز نہیں پڑھائی، رواہ اصحاب السنن۔ ترمذی کی روایت میں ایک لفظ کا تغیر ہے۔

سائب بن یزید نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تیم داریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو جماعت سے گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ (حسب الحکم) امام (نماز میں) پڑھتا تھا اور اس حد تک طول قیام کرتا تھا کہ ہم لاشعری کا سہارا لیتے تھے اور فجر کے آثار نمودار ہونے کے وقت فارغ ہوتے تھے، رواہ مالک فی الموطا۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے تھے ہم رمضان میں نماز شب سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ خادم صبح ہو جانے کے اندیشے سے جلد جلد کھانا تیار کرتا تھا۔ رواہ مالک۔ رسول اللہ ﷺ صبح کے قریب تک سفر جاری رکھتے تھے (یعنی سواری پر صبح کے قریب تک نظلیں پڑھتے رہتے تھے)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ سفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ لوٹتی پر ہی رات کی نماز پڑھتے تھے، اونٹنی کا

رخ جدھر کو ہوتا (پرواہ نہیں کرتی) اور (رکوع سجود کے لئے) اشارہ کرتے تھے۔ وتر بھی لوٹنی پر ہی پڑھتے تھے ہاں فرائض کے لئے لوٹنی روک کر نیچے اترتے تھے۔ صحیحین۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگوں کی شروع رات کی نماز کس کو خوب مر تاہن بنانے والی ہوتی ہے، کیونکہ سونے کے بعد آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب بیدار ہوگا۔ البتہ آخر رات میں تہجد پڑھنے کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے۔ (الحدیث)

عبدالرحمن بن عبدالقدادی نے بیان کیا ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک رات رمضان کے مہینہ میں مسجد کی طرف گیا، کچھ لوگ الگ الگ متفرق نمازیں پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر جماعت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان سب کو ایک قاری کی لامت پر جمع کر دوں تو بہت ہی اچھا ہوگا، چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سب کا امام بنا دیا۔ پھر ایک اور رات جو آپ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نئی بات اچھی ہے۔ لوگ رات کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھ کر سو جلا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نماز سے تم سو جلا کرتے ہو (یعنی آخر شب میں بیدار ہو کر نماز نہیں پڑھتے) وہ اس نماز سے بہتر ہے جو تم پڑھتے ہو (یعنی شروع رات کی نماز سے آخر رات کی نماز افضل ہے) رواہ البخاری۔

### مسئلہ

شروع میں رات کی نماز رسول اللہ ﷺ پر بھی فرض تھی اور امت پر بھی، اللہ نے فرمایا تَمَّا يَأْتِيهَا الْمَوْزِلُ قِيمَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا نِضْفَةُ الْخِمْرِ حَلْمٌ فِي تَخْفِيفِ كَرْدِي كَمِيٍّ أَوْ بِيحٍ وَقِيٍّ نَمَازِيٍّ وَجِدَّ سَ رَاتٍ كِي نَمَازِيٍّ فَرَضِيَّتِ امْتِ كَ سَ رَ سَ سَاقَطِ كَرْدِي كَمِيٍّ۔ البتہ نماز شب مستحب رہ گئی۔ اللہ نے فرمایا فَاقْرَأْ وَآمَاتِيسْمُرْمِنُهُ۔ کیا تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ پر فرض رہی یا آپ کے لئے بھی فرضیت منسوخ ہو گئی، اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر تہجد کا وجوب قائم رہا، منسوخ نہیں کیا گیا، حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت۔ وتر، سواک اور نماز شب (تہجد) اس قول پر آیت میں تہجد کا حکم وجوبی ہو گا اور نَافِلَةٌ لِّكَ کا یہ معنی ہو گا کہ تم پر یہ مزید فرض ہے (دوسروں پر نہیں ہے) میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تہجد کی فرضیت رسول اللہ ﷺ سے بھی ساقط کر دی گئی تھی اور آپ کے لئے تہجد کی نماز مستحب ہو گئی تھی، آیت کا صراحت یہی مفہوم ہے، کیونکہ اگر نَافِلَةٌ کا معنی مزید فرض ہو تا تو لَکَ کی جگہ عَلَيْكَ (تم پر) لکھا جاتا جو ب کے بعد عَلَيَّ آتا ہے، لام نہیں آتا۔

### ایک شبہ

تہجد کی نماز نفل تو سب ہی کے لئے ہے پھر آیت میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ہی ذکر کیوں کیا گیا۔

### ازالہ

نوافل سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، یہ حکم ساری امت کے لئے عام ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ معصوم تھے، آپ مرتکب گناہ نہیں ہو سکتے تھے۔ رہیں وہ لغزشیں جن کو ذنوب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ بھی تمام اعلیٰ بچیل اللہ نے معاف فرمادی تھیں، اب آپ کے نوافل کا کفارہ گناہ بننا تو ممکن ہی نہیں، ہاں آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ تہجد جو آپ کے لئے بھی نافلہ تھی وہ صرف آپ کے لئے ترقی درجات کا ذریعہ تھی (نہ کہ معافی گناہ کا۔ اسی لئے آپ ﷺ کے لئے تہجد کو نافلہ خصوصیت کے ساتھ قرار دیا گیا)

رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی تہجد کا نفل ہو نا حضرت مغیرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے، حضرت مغیرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قدر قیام شب کیا کہ آپ کے قدموں پر دُرم آ گیا، عرض کیا گیا، حضورؐ کو ایسا کرنے کی کیا

ضرورت، اللہ نے آپ کو تو اگلی چھلی ساری لغزشیں معاف فرمادی ہیں۔ فرمایا، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ حضور ﷺ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ میرے لو پر قیام شب فرض ہے۔  
حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ سفر میں رسول اللہ ﷺ علاوہ فرائض کے باقی نمازیں لوٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وتر بھی سولاری پر ہی پڑھتے تھے، لوٹنی کا رخ جس طرف کو ہوتا (کچھ پروانہ کرتے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کے لئے بھی لوٹنی سے نہیں اترتے تھے اور تہجد آپ کے لئے بھی نفل تھا فرض نہ تھا)

مسئلہ

امت کے لئے تہجد سنت ہے۔ کیا سنت موکدہ ہے یا مستحبہ، میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ تہجد سنت موکدہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس کو پابندی سے لو اکید حضرت ابن مسعودؓ روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور بیان کیا گیا کہ وہ صبح تک برابر سوتا رہا (تہجد کے لئے) نماز کو نہیں اٹھا، فرمایا، اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ متفق علیہ۔ اگر تہجد سنت موکدہ نہ ہو تا تو اس کو ترک کرنے والا عتاب اور ملامت کا مستحق نہ قرار پاتا۔ تارک مستحب مستحق ملامت نہیں ہوتا۔

### رسول اللہ ﷺ کے تہجد کی کیفیت

حضرت زید بن خالد جہنیؓ کا بیان ہے میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کو غور سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے حضور کے دروازے کی دہلیز پر ٹکے لگائے دیکھتا رہا، آپ اٹھے اور دو خفیر رکعتیں پڑھیں، پھر دو طویل رکعتیں پڑھیں دو طویل رکعتیں، دو طویل رکعتیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں پھر دو رکعتیں جو ان سے بھی چھوٹی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے بھی کم تھیں اس کے بعد وتر پڑھے یہ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ رواہ مسلم۔ بغوی نے اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب مشکوٰۃ نے پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی والی رکعتوں سے چھوٹی تھیں۔ یہ الفاظ چار بار نقل کئے ہیں (اس طرح کل رکعتیں پندرہ ہو جائیں گی) مشکوٰۃ میں یہ روایت کتاب الحمیدی اور مولانا مالک اور سنن ابوداؤد اور جامع الاصول سے لی گئی ہے اس صورت میں وتر سے مراد ایک رکعت ہوگی اور بغوی کی روایت میں تین وتر مراد ہوں گے، غرض کل رکعات تیرہ ہی رہیں گی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رمضان اور غیر رمضان سب میں رسول اللہ ﷺ (رات کی نماز) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پہلی چار رکعتوں کی خوبی اور طول کا حال تو کیا کہنے پھر دوسری چار رکعتوں کی خوبی اور طول بھی ناقابل بیان ہے پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وتر پڑھنے سے پہلے آپ سو جاتے ہیں، فرمایا، عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ رواہ البخاری و مسلم۔

حضرت عائشہؓ روایت ہیں کہ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد فجر تک رات میں رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے، اور آخر میں ایک رکعت پڑھتے تھے اور دو سجدے کرتے تھے۔ جن کی مقدار سر اٹھانے سے پہلے اتنی ہوتی تھی کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے۔ اور مؤذن لڑان فجر کہہ کے جب خاموش ہو جاتا اور فجر نمودار ہو جاتی تو آپ اٹھ کر دو خفیر رکعتیں پڑھتے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔ پھر مؤذن آکر نماز کی اطلاع دیتا، اور آپ نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ کذا لوفی الصبیحین۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت ہیں جب بھی رسول اللہ ﷺ کو نماز شب میں مشغول دیکھنا چاہتے دیکھ سکتے تھے (یعنی رات میں نماز بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے) یہ بھی حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ کسی مہینے میں آپ اتنے روزے رکھتے کہ ہم خیال کرتے اب اس مہینے میں ناغہ نہیں کریں گے اور روزہ نہ رکھتے تو اتنے ناغہ کرتے کہ ہم کہتے اب اس ماہ میں روزہ نہیں رکھیں گے۔ رواہ الترمذی۔



حضرت عائشہؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے وتر اور فجر کی دو رکعتیں اس میں شامل تھیں۔  
رواہ مسلم۔

مسروق کا بیان ہے، میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز شب کے متعلق دریافت کیا، فرمایا فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کبھی سات رکعتیں، کبھی نو رکعتیں، کبھی گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے رات کو اٹھتے تو دو خفیف رکعتوں سے آغاز کرتے تھے۔ رواہ مسلم۔  
حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رات کو تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو دو خفیف رکعتوں سے نماز کا آغاز کرے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے گھر سویا، آپ ﷺ نے بیدار ہو کر مسواک کی، پھر آیات **إِنَّمَا أَنشَأَ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** ختم سورت تک تلاوت کیں پھر (وضو کر کے) نماز کو کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں، جن میں قیام، رکوع اور سجود بہت طویل کیا، پھر نماز ختم کر کے سو گئے (اتنی گہری نیند سے) کہ سانس چلنے کی آواز آنے لگی، پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ ایسا تین مرتبہ کیا، کل چھ رکعتیں ہو گئیں، ہر مرتبہ میں اٹھ کر مسواک بھی کرتے تھے اور وضو بھی اور آیات مذکورہ کی تلاوت بھی کرتے تھے، آخر میں تین وتر پڑھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا جسم مبدک بھاری پڑ گیا تو زیادہ تر رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے متفق علیہ۔ حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز شب پڑھتے دیکھا، آپ نے اول تین بار اللہ اکبر فرمایا پھر پڑھا **ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبْرُوتِ وَالْكَبِيرِ يَا وَ الْعَظْمُوتِ** اس کے بعد نماز شروع کی اور سورہ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا اور تقریباً قیام کے برابر کیا جس میں پڑھتے رہے **رَبِّ الرَّحْمٰنِ الْحَمْدُ** پھر سجدہ کیا اور تقریباً قیام کے برابر طویل سجدہ کیا اور سجدے میں **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى** پڑھتے رہے پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان تقریباً سجدہ کے برابر بیٹھے **رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي** پڑھتے رہے اس طرح چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورہ بقرہ، آل عمران، النساء اور ماندہ یا الانعام پڑھیں۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک آیت یعنی آیت **إِن تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** پڑھتے رہے۔  
ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ دیر کولیت گئے پھر بیدار ہوئے اور آسمان کے کناروں کی طرف دیکھ کر پڑھا **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا..... إِنَّكَ لَا تَخْلُقُ الْمِيتَةَ** تک۔ پھر بستر کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسواک نکالی اس کے بعد ایک لوٹے سے پیالہ میں پانی الٹا اور دانٹوں پر مسواک کی، پھر نماز کو کھڑے ہو گئے اور میری نظر میں اتنی دیر نماز پڑھی جتنی دیر سوتے تھے۔ نماز کے بعد پھر لیٹ گئے اور میرے خیال میں جتنی دیر نماز پڑھی تھی اتنی ہی دیر سوتے رہے، پھر بیدار ہو کر وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ یہ عمل حضور ﷺ نے فجر کی نماز سے پہلے تین بار کیا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ اتنی ہی دیر سوتے جتنی دیر نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر سوتے اتنی ہی دیر نماز پڑھتے پھر نماز کے بقدر سو جاتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی تشریح فرماتے ہوئے ایک ایک حرف الگ الگ پڑھ کر سنایا۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔

امید ہے (یعنی امید رکھو) کہ تمہارا رب تم کو مقام **عَلَىٰ أَنْ تَبْعَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا** محمود میں جگہ دے گا۔

مقام محمود یعنی ایسا مقام جس کی ستائش اگلے پچھلے سب ہی لوگ کریں گے۔ بغوی نے ابوالفضل کی وساطت سے بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنالیا تھا اور تمہارا ساسی اللہ کا خلیل اور اس

کے ہاں سب مخلوق سے زیادہ عزت والا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اس کو عرش پر بٹھالے گا، حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا اللہ کرسی پر متمکن کر دے گا۔ (اول روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود عرش ہے اور دوسری روایت میں صراحت ہے کہ وہ کرسی ہے) صحیح یہ ہے کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔ احمد ابن ابی حاتم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مقام محمود وہ مقام ہے، جہاں میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا۔ حضرت انس کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن مسلمانوں کو روک دیا جائے گا، جس کی وجہ سے ان کو فکر ہوگی اور وہ کہیں گے، کاش ہم کسی سے اپنے رب کے دربار میں سفارش کرا سکتے اور اللہ اس مقام سے ہم کو بچا دیتا، چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر کہیں گے، آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی جنت میں آپ کو جگہ دی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کر لیا اور تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھادیئے آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ اس جگہ سے ہم کو رہائی عطا فرمادے، آدم فرمائیں گے، میں تمہارے لئے اس مقام پر نہیں ہوں، آپ کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے کا اپنا قصور یاد ہوگا، فرمائیں گے تم لوگ نوح کے پاس جاؤ (طوفان کے بعد) وہ پہلے پیغمبر تھے جن کو اللہ نے زمین والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح فرمائیں گے۔ میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنا وہ قصور یاد ہوگا کہ نادانی میں اپنے بیٹے کے لئے نجات کی درخواست کی، پھر آپ فرمائیں گے تم لوگ ابراہیم خلیل الرحمن کے پاس جاؤ، لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے، آپ فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنے وہ تین جھوٹ یاد ہوں گے جو آپ کی زبان سے نکلے تھے (شاہ مصر کے سامنے حضرت سارہ کو اپنی بہن قرار دینا اور قوم کے ساتھ میلے میں شرکت نہ کرنے کے لئے اپنے کو پیدا کہنا اور بتوں کو خود توڑنے کے بعد قوم کے سامنے یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھو اس نے ایسا کیا ہے) آپ کہیں گے تم لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ، ان کو اللہ نے توریت عنایت فرمائی تھی، ان سے کلام کیا تھا، ان کو اپنا مقرب بنا کر خطاب کیا تھا۔ لوگ موسیٰ کے پاس جائیں گے۔ حضرت موسیٰ فرمائیں گے میں اس مرتبے پر نہیں ہوں، آپ کو اپنی وہ غلطی یاد ہوگی کہ ایک آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا تھا، فرمائیں گے تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ عبد اللہ تھے، رسول اللہ تھے، روح اللہ تھے، کلمہ اللہ تھے، لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے۔ آپ جواب دیں گے، میں اس مقام پر نہیں ہوں، تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرمادی تھیں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب سے اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت کا طلب گار ہوں گا اور اجازت ملنے پر اس کے پاس داخل ہوں گا، اور جوں ہی میری نگاہ اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں بیٹا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا محمد سر اٹھا اور (جو کچھ کہنا ہے) بیان کر، تیری بات سنی جائے گی۔ مانگ (جو کچھ مانگنا چاہے) تیرا سوال پورا کیا جائے گا میں سجدے سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد و ثناء کروں گا جو مجھے وہ سکھادے گا، پھر شفاعت کروں گا۔ اللہ میرے لئے ایک حد مقرر کر دے گا (یعنی محدود تعداد کی رہائی کا حکم دے دے گا) میں جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دوں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور دوبارہ بارگاہ الہی میں داخلے کی اجازت کا خواستگار ہوں گا اور اجازت مل جائے گی تو اندر داخل ہوں گا اور جو نبی میری نظر اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں بیٹا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا، محمد سر اٹھاؤ (اپنا مقصد) بیان کرو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو، تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سر اٹھاؤں گا اور حسبِ تعلیم الہی اپنے رب کی حمد و ثناء کروں گا، پھر شفاعت کروں گا، اللہ میرے لئے (دوزخ سے لوگوں کو باہر نکال لانے کی) حد مقرر فرمادے گا، میں بارگاہِ خدوندی سے باہر آ کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا (تیسری مرتبہ بارگاہِ خدوندی میں داخل ہونا، سجدہ میں گر پڑنا، اللہ کی طرف سے خطاب ہونا، سجدے سے سر اٹھا کر حمد و ثناء کرنا، قیدیوں کی محدود تعداد کو رہا کرنے کا حکم ملنا اور جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دینا بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث میں

حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہاں تک کہ دوزخ کے اندر سوائے ان لوگوں کے جن کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کی قرآن نے صراحت کر دی ہے اور) قرآن نے ہمیشہ کے لئے ان کو دوزخ میں روک دیا ہے اور کوئی باقی نہیں رہے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ ہی وہ مقام محمود ہوگا، جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی کے لئے کر لیا ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث شفاعت ذکر کی گئی ہے اس روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔ میں اپنے رب کے پاس داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ میرے دل میں کچھ کلمات حمد القاء کر دے گا، جن سے میں اپنے رب کی حمد کروں گا، اس وقت وہ الفاظ میرے سامنے نہیں (یعنی جو کلمات حمد میں قیامت کے دن مقام شفاعت میں پہنچ کر استعمال کروں گا وہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں) میں انہی الفاظ سے اپنے رب کی حمد کروں گا، پھر سجدہ میں گر پڑوں گا، اللہ فرمائے گا محمد ﷺ سر اٹھاؤ اور جو کچھ گزارش کرنا چاہتے ہو بیان کرو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا یا رب امتی امتی۔ حکم ہوگا جاؤ اور جس کے دل میں جو برابر ایمان ہو اس کو نکال لاؤ۔ میں جا کر حکم کی تعمیل کروں گا۔ پھر واپس آ کر وہ کلمات ثنائیہ حسب سابق عرض کروں گا۔ پھر سجدے میں گر پڑوں گا حکم ہوگا جا کر اس کو نکال لو جس کے دل میں رانی کے دانے سے بھی تم ایمان ہو۔ میں جا کر ایسا ہی کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے تیسری اور چوتھی مرتبہ جانے اور شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا اور فرمایا، میں عرض کروں گا اے میرے رب مجھے ان لوگوں کے نکال لینے کی اجازت دے دے جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل تھے، اللہ فرمائے گا قسم ہے اپنی عزت و جلال کبریا اور عظمت کی جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل تھا میں اس کو ضرور ضرور (دوزخ سے) نکال دوں گا۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ علماء نے اس روایت کی صحت میں قوی شبہ کیا ہے۔ کیونکہ حدیث کا شروع حصہ تو موقف کی تکالیف سے تعلق رکھتا ہے اور آخری حصہ میں شفاعت کا اور دوزخ سے لوگوں کو نکالنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت اور دوزخ سے برآمدگی کا واقعہ تو سب سے آخر میں ہوگا، اس سے پہلے موقف حشر سے جدا ہونا، بل صراط پر گزرنے اور گرنے والوں کا دوزخ میں گرنا ہو چکا ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ کی صحیح روایت میں اس شفاعت کے بعد صراط سے گزرنے کا ذکر آیا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت ابوسعیدؓ کی روایات میں آیا ہے کہ ہر امت کو حکم ہوگا کہ جس کی عبادت کرتے تھے اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ پھر منافقوں کو چھانٹ کر مومنوں سے الگ کر دیا جائے گا، پھر بل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے، پھر شفاعت کرنے اور دوزخ سے نکالنے کا حکم ہوگا، گویا سب سے پہلے حکم ہوگا کہ ہر امت اپنے معبود کے پیچھے چلی جائے اس کے بعد موقف کی تکالیف سے نجات اور دوزخ سے نکالنے کا اور شفاعت کا حکم ہوگا، قاضی عیاض اور نووی نے یہی ترتیب ذکر کی ہے۔

میں کہتا ہوں حدیث مذکورہ الصدر میں کچھ اختصار ہے اول اس شفاعت کا ذکر ہے جو میدان قیامت اور موقف کی شدتوں سے رہائی دلانے کے لئے ہوگی اور آخر میں دوزخ سے رہائی کے لئے شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے دو قسم کی شفاعتوں کا ذکر دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔

میرے نزدیک حدیث میں جو فی ذلک آدابہ آیا ہے اس سے مراد جنت ہے اللہ کا دیدار صرف جنت میں ہی ہوگا (یعنی میدان حشر مراد نہیں ہے) اللہ کا مکان یا بارگاہ جنت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا یقیناً جنت کے اندر ہی ہوگا۔ بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لوگ تیزی کے ساتھ ادھر سے ادھر جائیں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گی اور اس سے شفاعت کی خواستگار ہوگی آخر میں شفاعت کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہوگا یہ وہی ہوگا کہ اللہ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کر دے گا۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ سورج قریب آجائے گا اتنا کہ (اس کی گرمی سے) پسینہ آدمی کانوں تک آجائے گا، اسی

حالت میں لوگ حضرت آدم سے فریاد کریں گے۔ حضرت آدم فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، پھر آخر میں محمد ﷺ کی نوبت آئے گی اور وہ شفاعت کریں گے اور اللہ فیصلہ کرے گا، محمدؐ جا کر جنت کا دروازہ پکڑ لیں گے اس روز اللہ ان کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا، یہ مقام ایسا ہوگا کہ میدان قیامت میں جمع ہونے والے سب لوگ اس کی تعریف کریں گے۔

بزار اور بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا مگر کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا، سب سے پہلے محمد ﷺ کو پکارا جائے گا آپ جواب دیں گے لَبَّيْكَ میں حاضر ہوں وَسَعَدَيْكَ اور حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ (اور ہر بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے) وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ (اور کسی شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہے) وَالْمَهْدِيُّ مِنْ هُدَايَتِكَ (اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت کر دی) وَعَبْدُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ (اور تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے) وَيُكَلِّمُكَ (اور تیرے ہی سبب سے وہ موجود ہو اور تیری ہی طرف اس کا رجوع ہے یعنی مخلوق کا آغاز بھی تجھی سے ہے اور سب کی واپسی بھی تیری ہی طرف ہے) لَا مَسْجَاءَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ (تجھ سے کسی کو مفر نہیں تجھ سے بھاگ کر ہر ایک کا تیری ہی طرف فرار ہے) تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ رَبُّ النَّبِيِّتِ (اے کعبے کے مالک تو برکت والا اور سب سے بالاتر ہے) اس وقت آپ شفاعت کریں گے، یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے عَسَىٰ أَنْ يَجْعَلَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا۔

ترمذی نے بائلا حسن اور ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں لولاد آدم کا سردار ہوں اور میرا یہ قول فخر نہیں ہے۔ اور قیامت کے دن احمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ قول بھی فخر نہیں ہے اس روز ہر بنی آدم ہوں یا دوسرے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ زمین پھٹ کر سب سے پہلے میں ہی برآمد ہوں گا اور یہ بات بھی (میری طرف سے) فخر نہیں ہے (اس روز) لوگوں پر تین میتیں اور گھبراہٹیں ہوں گی، لوگ آدم کے پاس جائیں گے اور شفاعت کے خواستگار ہوں گے اور کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں ہماری سفارش کر دیجئے، حضرت آدم جواب دیں گے میں نے ایک بڑا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے زمین پر اتار دیا گیا تم نوح کے پاس جاؤ، نوح کے پاس جب لوگ جائیں گے تو وہ جواب دیں گے میں نے سب زمین کے باشندوں کے ہلاک کرنے کی بددعا کی تھی اور وہ میری بددعا سے ہلاک بھی کر دیئے گئے تم ابراہیم کے پاس جاؤ، لوگ ابراہیم کے پاس جائیں گے، حضرت ابراہیم فرمائیں گے، میں نے تین باتیں جھوٹی کہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ فرمایا، انہوں نے کوئی بات جھوٹی نہیں کہی بلکہ جو بات بھی جھوٹی ہے، اس کا تعلق میری طرف سے شفاعت تھی اور میری طرف سے ہی ہے، میں نے انہیں قتل کر ڈالا ہے، قتل بڑا عظیم گنہگار ہے، حضرت عیسیٰ نے کہا میں نے میری تو اللہ کے سوا پوجا ہونے لگی تھی لوگوں نے مجھے میرے بعد معبود بنا لیا تھا تم لوگ محمدؐ کے پاس جاؤ، لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور جنت کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کھٹ کھٹاؤں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے میں کہوں گا محمد ﷺ، دروازہ کھول دیا جائے گا اور (فرشتے) کہیں گے مر جا، میں سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ میرے دل میں اپنی حمد و ثنا اور حمد القاء فرمادے گا اور حکم ہوگا اپنا سر اٹھاؤ۔ مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، اظہار مدعا کرو تمہاری بات سنی جائے گی، یہ ہی مقام مقام محمود ہوگا۔

قرطبی نے کہا تین میتیں اور گھبراہٹیں میرے خیال میں اس وقت ہوں گی جب دوزخ کو لوگاموں میں پکڑ کر کھینچ کر لایا جائے گا اور لوگ اس کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے۔

ابن خزیمہ اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سلمان کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی (مجموعی) گرمی دے دی جائے گی اور کھوپڑیوں کے قریب لے آیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث میں آیا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے آکر ملیں گے اور شفاعت کی خواہش کریں گے، حضور ﷺ فرمائیں گے ہاں میں تمہارا ساتھ دوں گا، چنانچہ آپ چل کر جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کھٹ کھٹائیں گے، دریافت کیا

جائے گا کون ہے، آپ جواب دیں گے محمد ﷺ۔ دروازہ کھول دیا جائے گا، آپ ﷺ اللہ کے سامنے جا کر کھڑے ہو جائیں گے اور سجدہ کریں گے، ندا آئے گی اپنا سر اٹھاؤ مانگو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ یہ ہی وہ مقام محمود ہوگا (جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے)

قرطبی نے یہ حدیث نا تمام ذکر کی ہے لیکن ابن ابی حاتم نے اسے میں اور ابن ابی شیبہ نے پوری حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ جس کے دل میں گیبوں کے دانہ کے بقدر یا جو کے دانہ کے برابر یا انی کے دانہ کے برابر ایمان ہو گا اس کے حق میں شفاعت قبول کر لی جائے گی پس یہی مقام محمود ہوگا۔ طبرانی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ لوگوں کو اٹھائے گا۔ میں اور میری امت اس روز ایک ٹیلہ پر ہوں گے اور میرا رب مجھے ایک سبز جوڑا پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور میں اللہ کی ثناء کروں گا ان الفاظ کے ساتھ جن کا وہ مستحق ہے، مقام محمود یہ ہی مقام ثناء ہے۔

### فائدہ

شفاعت کبریٰ کے متعلق متعدد احادیث مفصل آئی ہیں۔ بزار، ابو عوانہ، ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت ابو بکر صدیق کی روایت سے، یحییٰ بن یحییٰ اور غیر ہم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے، احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے مسلم اور حاکم نے حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے طبرانی، ابن مبارک اور ابن جریر نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے یہ احادیث بیان کی ہیں۔ سورۃ ابراہیم کی آیت وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ كَيْفَ تَصْرُحُ بِمَنْ لَمْ يَكُنْ يَدْعُوكَ إِلَّا هُوَ يُكْفِّرُهُ نے فرمایا تھا، ہر نبی کو ایک مقبول دعا کا اختیار دیا گیا، چنانچہ ہر نبی نے اسی زندگی میں اپنی دعائیں بجا کر لی، لیکن میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لئے اپنی دعا کو بچائے رکھا اور یہ شفاعت موقف والوں کے لئے ہو گی (یعنی میدان حشر میں جن کو روک لیا گیا ہو گا ان کی رہائی کے لئے شفاعت ہو گی) قرطبی نے کہا یہ شفاعت اس لئے ہو گی کہ ان کو موقف کی ہولناکی سے نجات مل جائے اور جلد حساب فیضی ہو جائے۔

میرے نزدیک اس شفاعت سے جو رسول اللہ ﷺ نے امت کے لئے بچائے رکھی ہے تیری شفاعت مراد ہے جو گناہ کاروں کو دوزخ سے نکلنے کے سلسلے میں ہو گی، رسول اللہ ﷺ کو تین شفاعتوں کا حق ہو گا۔ ابن جریر نے تفسیر میں، طبرانی نے المطولات میں، ابو یعلیٰ نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں، ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں، علی بن معبد نے کتاب الطاعت و العصیان میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں صورت کی پیدائش کا، پھونکے جانے کا، نفخہ خوف و بیہوشی کا، قبروں سے اٹھنے کا اور آخر میں اہل جنت کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخلے کا بیان ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کی گردنوں پر لکھا ہو گا یہ وہ دوزخی ہیں جن کو حُسن نے خود دوزخ سے آزاد کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس حدیث کو مختصر نقل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں کو ایک جگہ روک کر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا مدت تک کچھ فیصلہ نہ ہوگا، لوگ چیخ بڑیں گے اور سفارش کے طلب گار ہوں گے۔ پہلے آدم کے پاس جائیں گے۔ حضرت آدم فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، غرض یہ لوگ ایک کے بعد دوسرے نبی کے پاس اور دوسرے کے بعد تیسرے نبی کے پاس اس طرح متعدد انبیاء کے پاس جائیں گے اور ہر ایک شفاعت کرنے سے انکار کر دے گا، یہاں تک کہ میرے پاس آئیں گے، میں ان کے ساتھ چل دوں گا اور عرش کے سامنے پہنچ کر سجدہ میں گر پڑوں گا، باوجود یہ کہ اللہ بخوبی عالم ہے، لیکن دریافت فرمائے گا تیری کیا ضرورت ہے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب، تو نے مجھ سے (حق) شفاعت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا اب اپنی مخلوق کے سلسلے میں میری سفارش قبول فرما اور ان کا فیصلہ کر دے (انتظار میں روکے نہ رکھ) اللہ فرمائے گا میں نے تیری سفارش قبول کی، میں آخر تمہارا

فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ اس طویل حدیث میں چوپایوں اور وحشی جانوروں کے فیصلہ کا بھی ذکر ہے۔ پھر انسانوں کے باہمی حقوق اور قتل و خون کا فیصلہ ہوگا (یہ بھی حدیث میں مذکور ہے) پھر حکم ہوگا، ہر شخص یا ہر امت اپنے اپنے معبودوں سے جا ملے، سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ ہو جائیں گے صرف مومن رہ جائیں گے جن میں منافق بھی شامل ہوں گے۔ یک دم اللہ اپنی پٹنڈی کھول دے گا تو مومن فوراً سجدہ میں گر پڑیں گے اور ہر منافق گدی کے بل پیچھے گرے گا (اس کی کمر نہیں جھکے گی) گائے کی پشت کے مردوں کی طرح اس کی پشت ہو جائے گی۔ پھر بل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے۔ کچھ لوگ تو بالکل بے دماغ بن جائیں گے، بعض لوگوں کے کچھ خراشیں لگ جائیں گی مگر بنج وہ بھی جائیں گے اور پل کے پار ہو جائیں گے اور کچھ آدمیوں کے چہرے آنکڑوں سے زخمی ہو جائیں گے اور وہ آگ میں گر پڑیں گے۔ جب اہل جنت جنت تک پہنچ جائیں گے تو اندر داخل ہونے کے لئے پھر کسی شفیع کے طلب گار ہوں گے کہ کوئی سفارش کر کے ان کو جنت میں داخلے کی اجازت دلوادے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے باپ آدم کے پاس پہنچیں گے۔ حضرت آدم اپنے گناہ کو یاد کر کے کہیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں ہے، تم نوخ کے پاس جاؤ۔ لوگ نوخ کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوخ بھی حضرت آدم کی طرح جواب دے دیں گے، پھر لوگ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور ہر ایک ایسا ہی جواب دے دے گا بلاآخر میرے پاس آئیں گے۔ مجھے اللہ سے تین شفاعتوں کا حق ملا ہوا ہے اس نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمایا ہے، میں جنت کی طرف جا کر دروازے کی زنجیر پکڑ کر دروازہ کھولنے کی درخواست کروں گا دروازہ کھول دیا جائے گا اور جو نبی نظر اٹھا کر اپنے رب کی طرف دیکھوں گا، فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اللہ مجھے اپنی حمد و ثنا اور بزرگی بیان کرنے کی ایسی مخصوص اجازت عطا فرمائے گا جو کسی کو نہیں دی ہوگی، پھر فرمائے گا، محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا، میں عرض کروں گا اے میرے رب تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے۔ اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا۔

اسی حدیث میں ہے کہ جب دوزخ میں گر جائیں گے اور ایک کثیر مخلوق اس میں چلی جائے گی جن کو ان کے اعمال نے وہاں باندھ رکھا ہوگا تو ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے کہ صرف قدموں تک ان کے آگ ہوگی، اس سے لوپ نہ ہوگی۔ کچھ لوگوں کے نصف پٹنڈیوں تک آگ ہوگی، کسی کے زانو تک آگ ہوگی، کسی کی کمر تک ہوگی اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ سوائے چہروں کے باقی تمام بدن کو آگ نے پکڑ لیا ہوگا۔ صرف ان کے چہرے اللہ نے آگ کے لئے حرام کر دیئے ہوں گے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت کے کچھ لوگ آگ میں ہیں، اللہ فرمائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو۔ حسب الحکم وہ لوگ نکال لئے جائیں گے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، اس کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دے دے گا اور کوئی پیغمبر اور شہید ایسا نہ ہوگا جو شفاعت نہ کرے، اللہ حکم دے گا جن دلوں میں تم دینار برابر ایمان پاؤ ان کو نکال لو۔ پھر (نوبت نوبت) فرماتا جائے گا، جس کے دل میں دو تہائی دینار، نصف دینار، چہارم دینار، ایک قیراط۔ رانی کے ایک دینار کے برابر ایمان ہو اس کو بھی نکال لو یہاں تک کہ دوزخ کے اندر جب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا، جس نے اللہ کے لئے کوئی بھلائی کبھی کی ہو اور ہر شفاعت کا حق رکھنے والا شفاعت کر چکے گا تو اللہ فرمائے گا، اب میں رہ گیا اور میں ارحم الراحمین ہوں۔ یہ فرمانے کے بعد اللہ اپنا ہاتھ جنم میں ڈال دے گا اور بے شمار مخلوق کو جہنم سے نکال لے گا۔ ان کے جسم سوختے ہو کر کونکے کی طرح ہو گئے ہوں گے (الحدیث)

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بعض اجزاء میں نکارت ہے اور روایت کا مدار اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ پر ہے۔ اس حدیث کی روایت کی وجہ سے اسماعیل بن رافع کے ثقہ ہونے میں بھی لوگوں کو کلام ہو گیا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ متفرق اسنادوں اور طریقوں سے روایت کئے ہوئے مختلف اجزاء کو اسماعیل نے یکجا کر دیا ہے اور مسلسل ایک حدیث بنا دیا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ مدینی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اس کی سند میں بھی گو بعض روای ایسے ہیں جن کے متعلق کلام کیا گیا ہے

لیکن حدیث کے متفرق اجزاء جن اسنادوں سے نقل کئے گئے ہیں وہ سندیں بجائے خود ثابت ہیں۔

ابن عربی اور قرطبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تصویب کی ہے۔ لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ حسی بن سلام بصری نے اپنی تفسیر میں کلبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جا چکیں گے تو اہل جنت یعنی اہل ایمان کا ایک آخری کردہ دوزخ میں رہ جائے گا جن کو آگ کامل طور پر جلا چکی ہوگی دوزخی کا فر مشرک منافق کہیں گے ہم تو شک اور کفر کی وجہ سے پکڑے گئے مگر تم کو بھی تمہارے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا یہ (طنز) سن کر وہ لوگ چیخ پڑیں گے جن کی آواز جنت والے بھی سن لیں گے اور حضرت آدمؑ کے پاس جا کر شفاعت کے طلب گار ہوں گے۔ اہل آخر الحدیث۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ وہ لوگ محمد ﷺ کے پاس جائیں گے، محمد ﷺ بارگاہ رب العزت میں پہنچ کر سجدہ کریں گے اور عرض کریں گے تیرے کچھ بندے ایسے ہیں جو ہیں تو گناہ گار مگر تیری توحید میں انہوں نے شک کبھی نہیں کیا۔ مشرکوں نے ان کو تیرے پرستار ہونے کا طعنہ دیا۔ اللہ فرمائے گا اپنی عزت کی قسم میں ان کو دوزخ سے ضرور ضرور باہر لے آؤں گا۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ (یعنی جنت میں پہنچنے کے بعد لوگوں کا موحد گناہگاروں کے لئے شفاعت کا طلب گار ہونا) ثابت ہو جائے تو درود لوری نے جو حدیث شفاعت پر شبہ کیا ہے کہ موقف کی شدت سے بچانے کے لئے شفاعت ہوگی وہ شبہ حل ہو جائے گا، لیکن حقیقت میں یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح احادیث کے صراحۃً خلاف ہے۔ انبیاء سے درخواست شفاعت تو اس وقت کی جائے گی، جب لوگ موقف قیامت میں ہوں گے، پورے مومن جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ سیوطی نے لکھا ہے دونوں روایتوں کا تضاد اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار موقف کی شدت سے رہائی کے لئے مومن طلب گار شفاعت ہوں گے اور دوسری بار جنت کے اندر پہنچ کر دوزخی مومنوں کو دوزخ سے نکلوانے کے لئے سفارش کی درخواست کریں گے۔

میں کہتا ہوں تین مرتبہ لوگ شفاعت کے طلب گار ہوں گے ایک بار موقف سے رہائی کے لئے، دوسری بار جنت میں داخل ہونے کے لئے اور تیسری بار دوزخ کے اندر باقی ماندہ مومنوں کے خلاصی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ میرے رب کے سامنے تین شفاعتوں کا حق ہوگا، جن کا اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تین بار آپ شفاعت کریں گے اور مقام محمود مقام شفاعت کا ہی نام ہے، خواہ کوئی سی شفاعت ہو (گویا شفاعتیں متعدد ہوں گی مقام شفاعت ایک ہی ہوگا اور اسی کو مقام محمود کہا گیا ہے)۔

### مسئلہ

معتزلہ کافر قہ اور خوارج شفاعت کے منکر ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مر جائے گا تو ہمیشہ کے لئے دوزخی ہو جائے گا، اس کی کوئی شفاعت نہ ہوگی نہ کبھی اس کو دوزخ سے رہائی ملے گی۔ لیکن ثبوت شفاعت کے لئے اتنی کثرت سے صحیح احادیث آئی ہیں کہ حد تو اتر کے قریب پہنچ گئی ہیں، بلکہ تو اتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

مسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ذکر کیا ہے رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَّ كَيْفًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ يَّبْعِنِيْ فَاِنَّهٗ يَسِنِيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول ذکر کیا اِنْ تَعَدَّبْتُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا، امتی امتی، پھر رو دیئے۔ اس پر اللہ نے فرمایا جبریلؑ جا کر محمد ﷺ کو یہ پیام پہنچادے کہ تمہاری امت کے معاملے میں تم کو راضی کر دیں گے، دکھ نہیں پہنچائیں گے۔

بزار نے اللادسط میں اور ابو نعیم نے اچھی سند کے ساتھ حضرت علیؑ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا، یہاں تک کہ میرا رب پکار کر فرمائے گا محمدؐ کیا تو خوش ہو گیا، میں عرض کروں گا جی ہاں میرے رب، میں راضی ہو گیا۔

ایک حدیث ہے، حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کو انتخاب کر لینے کا اختیار عطا فرمایا، ایک یہ کہ وہ میری آدمی امت کو بلا حساب کے جنت میں داخل فرمادے گا دوسری یہ کہ وہ مجھے حق شفاعت عطا فرمادے گا۔ میں نے حق شفاعت کو لینا پسند کر لیا، اب میری شفاعت ہر مسلمان کے لئے ہوگی۔ دوسری روایت میں آیا ہے، میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جو شرک پر نہ مراہو (مرتے وقت مشرک نہ ہو) یہ حدیث عوف بن مالک انجلی کی روایت سے ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، بیہقی اور طبرانی نے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام احمد، بزار اور طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس روایت کے آخر میں ہے کیا تم متقیوں کے لئے میری شفاعت خیال کرتے ہو، نہیں شفاعت تو گناہ گاروں، خطاکاروں اور معصیت کے ساتھ آلودہ لوگوں کے لئے ہوگی۔

ایک حدیث میں فرمایا، میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو کبیرہ گناہوں والے ہوں گے، رواہ ابو داؤد و الترمذی و الحاکم و بیہقی عن انس بن مالک و الطبرانی و ابو نعیم عن عبد بن بشر سمعناہ۔ و الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ نحوہ و الطبرانی فی الکبیرہ عن ام سلمہؓ سمعناہ و الترمذی و الحاکم عن جابرؓ سمعناہ و عن کعب بن جبرہ و عن طاؤس۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل حسن ہے۔ شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ كِي عِبَارَتٍ تَابِعِينَ فِي بَسْمَتٍ زِيَادَةٍ شَائِعَةٍ تَحِيَّ الْاِقَاطِ مِنْ اَصْلِ رَوَايَتِ كِي تَأْسِدِي شَهَادَتٍ هُوَ جَانِبِي هِيَ۔

ابن ابی حاتم نے السنن میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں برابر اپنے رب سے شفاعت کرتا رہوں گا اور وہ میری سفارش قبول فرماتا جائے گا یہاں تک کہ آخر میں عرض کروں گا، اے میرے رب جو لوگ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل تھے ان کے متعلق میری شفاعت قبول فرمائیے۔ اللہ فرمائے گا، مجھ یہ اختیار نہ تمہارا نہ کسی اور کا یہ صرف میرا اختیار ہے تمہارے اپنی عزت و جلال اور رحمت کی۔ میں کسی ایسے شخص کو جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا تھا دوزخ میں نہیں چھوڑوں گا۔

ایک حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا، میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے بہترین آدمی ہوں میری امت کے جو برے لوگ ہیں ان کو میری شفاعت سے اللہ جنت میں داخل فرمادے گا اور جو اچھے لوگ ہیں ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں لے جائے گا۔

طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں قیامت کے دن (سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔) اور میرا یہ قول (بغیر فقر کے ہے قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشائش کا امیدوار ہو گا میرے ساتھ لواء الحمد ہو گا، لوگوں کو ساتھ لے کر میں جنت کے دروازہ تک جاؤں گا اور دروازہ کھلوانے کی درخواست کروں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے، میں عرض کروں گا محمدؐ ہے، حکم ہو گا، خوش آمدید محمدؐ۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اداء شکر کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا، حکم ہو گا اپنا سر اٹھاؤ، اظہارِ مدعا کرو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی، مجرم اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جہنم کی طرف جا کر اس کا دروازہ بجاؤں گا، دروازہ کھول دیا جائے گا۔ میں اندر چلا جاؤں گا۔ اور اللہ کی ایسی شاکر کروں گا کہ نہ مجھ سے پہلے کہیں نے شاکر ہوگی نہ میرے بعد کوئی کرنے کا پھر اس کے اندر سے ہر اس شخص کو نکال لاؤں گا جو خلوص کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل تھا کچھ قریشی میری طرف اپنا رشتہ قرابت بتاتے ہوئے بڑھیں گے لیکن میں ان کو دوزخ میں ہی چھوڑ دوں گا۔ بخاری نے حضرت



عمران بن حصین کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ کہ کچھ لوگ محمد ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے وہ جنت والوں میں جنہی کہلائیں گے۔ صحیحین میں حضرت جابر کی مرفوع روایت آئی ہے کہ شفاعت کی وجہ سے اللہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

طبرانی نے اتہابی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا اس قبلہ والوں میں سے اتنے لوگ اپنی گناہ گاری اور معصیت کوشی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ ان کی گنتی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی تو میں سجدہ میں پڑ کر اللہ کی دہسی ہی ٹاکروں گا جیسی کھڑا ہو کر کروں گا حکم ہو گا اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو جو کچھ مانگنا چاہو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔

احمد اور طبرانی نے ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرمائے گا۔ محمد ﷺ میں نے جو بھی نبی یا رسول بھیجا اس نے مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگا اور میں نے وہ مانگ اس کی پوری کی، محمد تم بھی مانگو تم کو تمہاری مانگ دی جائے گی۔ میں عرض کروں گا میری مانگ اپنی امت کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرنے کی ہے، حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شفاعت کیسی۔ فرمایا میں عرض کروں گا، اے میرے رب مجھے وہ شفاعت عطا فرما، جو میں نے تیرے پاس محفوظ رکھی تھی، اللہ فرمائے گا ہاں پھر میری باقی امت کو بھی جنت میں داخل فرمادے گا۔

صحیحین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت انس و حضرت جابر کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور بزار و بیہقی نے حضرت عبد الرحمن بن عقیل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے، چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا میں عجلت کی (اور وہ قبول کر لی گئی) مگر میں نے اپنی دعا امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھ چھوڑی۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث معنی کے لحاظ سے متواتر ہے۔

صحیحین میں حضرت عمر فاروق کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو (کتھ ازانی وزانیہ کو) سنگ سار کرنے کے حکم کی اور خروج جہال کی تکذیب کریں گے اور مغرب کی جانب سے آفتاب کے طلوع ہونے کی خبر کو بھی نہیں مانیں گے اور عذاب قبر کے بھی منکر ہوں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے اور اس بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ کچھ دوزخیوں کو دوزخ کے اندر سوختہ ہو جانے کے بعد نکالا جائے گا۔ اور پھر ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

سعید بن منصور اور بیہقی اور ہناد نے حضرت انس کا قول نقل کیا کہ جو شفاعت کا قائل نہ ہو گا اس کو شفاعت نصیب نہ ہوگی اور جو رسول اللہ ﷺ کے حوض کو نہ مانے گا اس کو حوض سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ابو نعیم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی۔

(۱) مرجہ (وہ فرقہ جو کہتا ہے کہ اعمال سچ ہیں اگر ایمان دل میں ہے تو کوئی بد عملی آخرت میں ضرر رساں نہ ہوگی، کوئی مومن خواہ کتنا ہی بد کردار ہو دوزخ میں نہیں جائے گا)

(۲) قدریہ (وہ فرقہ جو قائل ہے کہ ہم اپنے اعمال کے خود خالق ہیں اور تقدیر اعمال کوئی چیز نہیں ہم جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں خیر ہو یا شر)

بیہقی نے شیبہ بن ابی فضلہ کی روایت سے بیان کیا کہ لوگوں نے حضرت عمران بن حصین کے سامنے شفاعت کا تذکرہ کیا ایک شخص بولا ابو نعیم (حضرت عمران کی کنیت) آپ لوگ کچھ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہم کو

قطعا نہیں بلکہ حضرت عمران کو غصہ آگیا اور فرمایا تو نے قرآن پڑھا ہے اس شخص نے کہا جی ہاں فرمایا کیا قرآن میں تو نے نماز عشاء کی چار کعتیں، مغرب کی تین کعتیں، فجر کی دو کعتیں، ظہر کی چار کعتیں اور عصر کی چار کعتیں، کہیں پائی ہیں اس شخص نے کہا نہیں فرمایا پھر کس سے تم نے یہ باتیں سیکھیں کیا ہم سے نہیں لیں۔ ہم نے یہ تفصیل رسول اللہ ﷺ سے ہی تو حاصل کی، کیا تم نے ہر چالیس درہم میں زکوٰۃ کا ایک درہم اور اتنی بکریوں میں سے ایک بکری اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ قرآن میں کہیں لکھ لیا، اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا تم نے قرآن میں وَلَيَطَّوَّقُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ تو دیکھ لیا لیکن کیا یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ سات مرتبہ طواف کرو اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھو یہ باتیں تم نے کس سے کہیں کیا ہم سے نہیں لیں اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیں، لوگوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے، فرمایا کیا قرآن میں تم نے کہیں پایا کہ شہر سے باہر نکل کر دیہات سے غلہ لانے والوں کا غلہ راستے میں ہی نہ خرید لیا کرو۔ جلب کی اجازت نہیں اور نہ تور کا نکاح صحیح (کوئی شخص اپنی بہن بیٹی کا نکاح اس شرط پر کسی سے کر دے کہ وہ اپنی بہن بیٹی کا نکاح معاوضہ میں اس کے ساتھ کر دے، اور میر کسی عورت کا کچھ نہ ہو اس کو شغریا تور کا نکاح کہتے ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں) لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (رسول اللہ ﷺ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو) ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سے ایسے مسائل و احکام حاصل کئے جن کا تم کو علم بھی نہیں ہے۔

بنوئی نے بیان کیا کہ یزید بن صہیب فقیر نے کہا خوارج کی رائے نے مجھے فتنہ میں ڈال دیا تھا (یعنی بعض مسائل میں میں ان کا ہم خیال ہو گیا تھا) ایک بار حج کے ارلوے سے ایک جماعت کے ساتھ ہم چلے اور مدینہ کی طرف سے گزر رہا تھا تو وہاں جابر بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہے تھے اور جہنیوں کا انہوں نے ذکر کیا تھا، میں نے حضرت جابر سے کہا اے رسول اللہ ﷺ کی صحابی آپ یہ کیا بیان کر رہے ہیں اللہ نے تو فرمایا ہے إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا۔ (بے شک تو جس کو آگ میں داخل کر دے گا اس کو سوا کر دے گا۔ اور دوزخی جب دوزخ سے نکلتا چاہیں گے تو ان کو دوزخ کے اندر ہی لوٹا دیا جائے گا)۔

حضرت جابر نے فرمایا جو ان تم قرآن پڑھتے ہو میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم نے محمد کے مقام محمود کا ذکر پڑھا ہے جس میں آپ کو اللہ کھرا کرے گا، میں نے کہا جی ہاں فرمایا، بس یہی مقام محمود محمد ﷺ کا مقام ہو گا، جس کی وجہ سے اللہ جس دوزخی کو نکالتا ہو گا۔ نکال دے گا پھر حضرت جابر نے بل صراط کی حالت بیان کی اور بل صراط پر سے لوگوں کے گزرنے کی تشریح کی اور فرمایا کچھ لوگ دوزخ کے اندر سے نکال لئے جائیں گے۔

## فصل

### شفاعت انبیاء و غیرہ کا بیان

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمان کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔ بڑی روایت میں اس سے آگے اتنا زائد ہے پھر مؤذن.... دیلمی نے حضرت ابن عمر کی موقوف روایت نقل کی ہے کہ عالم سے کہا جائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کر خواہ ان کی تعداد آسمان کے تاروں کو پہنچ جائے۔ ابو داؤد اور ابن حبان نے حضرت ابو درداء کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ شہید اپنے ستر گمراہوں کی شفاعت کرے گا۔ احمد اور طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت مقدم بن معد یکرب کی روایت سے اور بیہقی نے بروایت حسن بصری اور حاکم و بیہقی دہناد نے حضرت حارث بن قیس کی روایت سے اور احمد نے حضرت ابو بردہ کی روایت سے اور ہناد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور احمد و طبرانی و بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابولامہ کی روایت سے بیان کی ہے ان سب حضرات نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبائل ربیعہ و مضر سے بھی زیادہ

تعداد جنت میں داخل ہو جائے گی۔

بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء، اولیاء، علماء بھی شفاعت کریں گے۔

### ایک شبہ

جب رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے ہر گناہ گار دوزخ سے رہا کر دیا جائے گا اور کوئی دوزخ میں باقی نہیں رہے گا تو پھر دوسرے انبیاء اور اولیاء کی شفاعت کا کیا اثر ہوگا۔

### ازالہ

ممکن ہے دوسرے انبیاء کی شفاعت اپنی اپنی امتوں کے لئے مخصوص ہو۔ شفاعت عام نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت صرف اپنی امت کے لئے خاص نہ ہو، دوسری امتوں کو بھی شامل ہو رہے انبیاء کے لئے علاوہ دوسرے لوگ تو ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور ﷺ اللہ سے شفاعت کر دیں یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے ان کو شفاعت کرنے کی اجازت مل جائے گی۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ شِفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي (میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو مرتکب کبیرہ ہوئے ہوں گے) یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ملائکہ اہل کبائر کی شفاعت نہیں کریں گے، ہاں چھوٹے گناہوں کی معافی اور لوگوں کے درجات کی ترقی کے لئے شفاعت کریں گے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے فرمایا اول اللہ نے فرمایا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ اس کے بعد فرمایا عَسَلَىٰ أَنْ يَسْعَتَكَ رَبُّكَ بِمَقَامِكَ مَحْمُودًا۔ اس ترتیب ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز کو مقام شفاعت حاصل ہونے میں بڑا دخل ہے۔

ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا اور آیات ذیل کا نزول ہوا۔

وَقُلْ رَبِّ ادْخُلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجِ صِدْقٍ  
میرے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچانا اور مجھے خوبی کے ساتھ لے جانا۔

مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ اور مُخْرَجِ صِدْقٍ سے مراد مکہ ہے۔ حسن اور قنادہ کا یہی قول ہے۔ مُدْخَلَ اور مُخْرَجِ اسم ظرف ہیں۔ داخل اور خارج ہونے کی جگہ۔ یہ دونوں مصدر ہیں اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ مجھے مدینے میں اس طرح داخل فرما کہ میرے سامنے کوئی ناگوار صورت نہ آئے اور مکہ سے ایسے پسندیدہ طریقہ سے نکال کہ میری قلبی توجہ اور میلان خاطر بھی مکہ کی سکونت کی جانب باقی نہ رہے۔ ضحاک نے تشریح معنی اس طرح کی ہے کہ مجھے مکہ سے امن کی حالت میں نکال کہ مشرک مجھے دکھ نہ پہنچا سکیں اور مدینہ میں اس طرح داخل فرما کہ مجھے وہاں اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ مجاہد نے کہا داخل کرنے سے مراد ہے فریضہ نبوت کی ادائیگی میں داخلہ اور خارج کرنے سے مراد ہے فرض نبوت کی انجام دہی سے فراغت۔ یعنی جو امر نبوت تو نے میرے سپرد کیا ہے۔ اس میں صدق کے ساتھ مجھے داخل فرما، اور صدق ہی کے ساتھ مجھے اس فرض کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما۔ جب میں دنیا سے جاؤں تو نبوت کے فریضے کو کامل طور پر ادا کر چکا ہوں۔ حسن نے کہا مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد ہے جنت اور مُخْرَجِ صِدْقٍ سے مراد ہے مکہ۔

میں کہتا ہوں جب مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد جنت ہو تو مُخْرَجِ صِدْقٍ سے دنیا سے جانا اگر مراد لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ بیضاوی نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجھے قبر میں خوشگوار طریقے سے داخل فرما اور قیامت کے دن قبر سے عزت کے ساتھ اٹھا، بعض نے اس طرح تشریح مطلب کی، مجھے اپنی طاعت میں داخل فرما اور ممنوعات سے نکال دے۔ بعض نے کہا کسی جگہ میں داخلہ خارج ہو یا امر میں بہر حال صدق کا لفظ ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ مجھے داخل کرنے میں ہو یا خارج

کرنے میں، دونوں صورتوں میں دور خالور ڈوغلانہ بل۔ دور خا آدمی اللہ کے نزدیک باعزت نہیں ہوتا۔ یا داخل و خارج کرنے سے مراد ہے عار میں داخل کرنا اور وہاں سے نکالنا۔ صدق اور کذب اصل میں کلام خبری کی صفات ہیں۔ کوئی خبر یا اطلاع ہی سچی یا جھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن انشاء (یعنی امر، استہمام، نمی وغیرہ) کو بھی کبھی صادق و کاذب کہہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے انشاء کے اندر اگر خبر کا معنی ہوتا ہے تو اس کو بھی سچایا جھوٹا کہہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی دریافت کرتا ہے، کیا زید گھر میں ہے۔ یہ جملہ اگرچہ سوالیہ انشائیہ ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے سوال کرنے والا کہہ رہا ہے کہ گھر کے اندر زید کے موجود ہونے نہ ہونے کا مجھے علم نہیں، اس لئے دریافت کر رہا ہوں، پس دریافت کرنا اس بات کو ظاہر کر رہا کہ سوال کرنے والا اپنی لاعلمی کی خبر دے رہا ہے، یہ تو قول اور کلام کے لئے صدق و کذب کا استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی صدق و کذب کسی عمل اور فعل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص لڑائی کا حق کامل طور پر ادا کر دے اور خوب لڑے، کوشش میں کمی نہ کرے تو عرب کہتے ہیں هُوَ صَدَقَ فِي الْقِتَالِ۔ اللہ نے فرمایا ہے رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ۔ یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کر رکھا تھا اس کو پورے طور پر ادا کیا۔ صَدَقَ اللَّهُ رُسُولَهُ الرُّسُلَا اللہ نے اپنے رسول کو وہ خواب سچ کر دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ہر عہدہ، اعلیٰ و افضل کام کو صدق کہہ دیا جاتا ہے اور پھر کسی عمل یا چیز کی صدق کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے، جیسے رَفَعِي مَقْعِدِ صِدْقٍ۔ لَهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ۔ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ۔ اسی محاورہ کے مطابق اَدْخِلْنِي مَدْخَلَ صِدْقٍ وَآخِرَ جَنَّتِي مَخْرَجِ صِدْقٍ ہے یعنی مجھے ایسا دخول و خروج عنایت فرما کہ اگر کوئی اس کو دیکھ کر تعریف کرے تو اس کی تعریف سچی ہو۔

اور اپنے پاس سے مجھے ایسا غلبہ دینا جس کے ساتھ

فَاَجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَصِيْرًا ﴿۱۰﴾

نصرت ہو۔

مجاہد نے سُلْطٰنًا نَصِيْرًا کا ترجمہ کیا کھلی ہوئی غالب دلیل۔ حسن نے کہا، ایسی طاقتور حکومت جس سے مخالفوں پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ اور ایسی نمایاں طاقت جس سے دین کا قیام و استحکام ہو جائے۔ اس دعا کے نتیجہ میں اللہ نے فارس اور روم وغیرہ کی حکومتیں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا (اور چند ہی روز میں اقتدار کامل عطا فرمادیا)۔

قائد نے کہا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ بغیر اللہ کی مدد کے اقامت دین اور احکام قرآنی کا قیام نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ ﷺ نے سلطان نصیر کی درخواست کی۔

میں کہتا ہوں اللہ نے آپ کو یہ بتادیا تھا اور اس بات کا علم عطا فرمادیا تھا کہ اقامت دین کے لئے من جانب اللہ نصرت کی ضرورت ہے اسی لئے حکم دے دیا تھا کہ اللہ سے مدد کی درخواست کریں۔

بعض علماء نے کہا کہ کفر پر اسلام کو فتح یاب بنانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دلیل واضح اور اقتدار حکومت کی درخواست کی تھی اور اللہ نے آپ ﷺ کی اس دعا کو قبول فرمایا، اور ارشاد فرمایا، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ لِيُظْهِرَهُٗ عَلٰى الدِّيْنِ كَلِمَةً لّٰوِيًّا لِيَسْتَخْلِفَتْهُمْ فِي الْاَرْضِ۔

وَقُلْ (اے محمد ﷺ) کہہ کے وقت جب آپ شہر میں داخل ہوں تو کہیے۔

جَاءَ الْحَقُّ (یعنی اسلام یا قرآن یا خالص اللہ کی عبادت کا وقت) آگیا۔

وَزَهَقَ الْبٰطِلُ (اور باطل گیا، یعنی شرک برباد ہو گیا، بتوں کی پوجا کا دور گیا زہق کا معنی ہے خراج۔ زہق رُوْحُهُ اس کی روح نکل گئی۔

اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۱۰﴾ باطل بلاشبہ برباد ہونے والا ہی ہے یعنی باطل اس قابل ہی ہے کہ فنا ہو جائے قائم نہ رہے۔ باطل ہوتا ہی بے بنیاد ہے۔

حضرت ابن مسعود روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن کعبہ میں داخل ہوئے اس زمانہ میں کعبہ کے گرد گرد

۳۶۰ استھان تھے، اس وقت دست مبارک میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی کی نوک سے ہر بت کو کچھ کا دیتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ - وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعْتَدُ رِوَاہُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔ طبرانی نے الصغیر میں اور ابن مردویہ نے الدلائل میں اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝۹۰ اور قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں۔ یعنی کفر و جہالت کی بیماری کے لئے شفا اور دلوں کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی ہے۔ روجوں کی کثافت کو زائل کرنے کے لئے جلاء ہے۔ قلبی اور نفسانی میل کو صاف کرنے والی ہے اور اندرونی اخلاق رذیلہ کو دفع کرنے والی ہے۔ اس صورت میں مِنَ الْقُرْآنِ میں یہاں یہ ہوگا۔ بعض علماء کے نزدیک من تبعیضیہ ہے اور شفاء سے مراد ہے امراض جسمانی کی شفاء یعنی قرآن کا کچھ حصہ مثلاً سورہ فاتحہ وغیرہ جسمانی بیماری کو دور کرنے والا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائِينِ الْعَسَلُ وَالْقُرْآنُ تم دونوں (اسباب) شفاء کو اختیار کرو شمد اور قرآن (ظاہر ہے کہ شمد بعض جسمانی بیماریوں کی دوا ہے اور شمد کے ساتھ قرآن کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کننا پڑے گا کہ قرآن بھی جسمانی مرض کی شفاء ہے۔ یہ مطلب اور استنباط کمزور ہے۔ مترجم)۔

مومنوں کے لئے رحمت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اس کو ماننے اور اس پر عمل کرتے ہیں ان کو قرآن سے دنیوی اور اخروی فوائد حاصل ہوں گے۔

وَلَا يُزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿۹۱﴾ اور جو ظالم یعنی قرآن کے منکر ہیں ان کے لئے اس سے نقصان اور بڑھے گا۔ کفر اور تکذیب کی وجہ سے ان کے نقصان میں مزید اضافہ ہوگا۔ قادمہ کا قول ہے اس قرآن کے ساتھ جو کوئی بیٹھتا ہے وہ کچھ اس سے لے کر اٹھتا ہے یا کچھ نقصان کر کے۔ اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ قرآن مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور کفار کے لئے موجب خسارہ۔

وَإِذَا أْنَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ ۝۹۲ اور آدمی کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے۔ نعمت سے مراد ہے جسمانی صحت، مالی وسعت اور نزول قرآن۔ اعراض کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

وَنَا بِجَانِبِهِ ۝۹۳ اور پہلو پھیر لیتا ہے۔ یعنی اپنی گردن نیوڑ لیتا ہے۔ پہلو کو موڑ لیتا ہے، گویا وہ اس کا ضرورت مند نہیں ہے، مستغنی ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا ﴿۹۴﴾ اور جب اس کو کوئی برائی (نادر یا بیماری) چھو بھی جاتی ہے تو بالکل نراس ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی نہیں رہتا۔

فَلْيَعْمَلْ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ۝۹۵ آپ کہہ دیجئے ہر شخص (شکر گزار ہو یا ناشکر) اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے شاکلۃ کا ترجمہ کیا اپنی سمت اور اپنے رخ پر جس کی طرف اس کا جھکاؤ ہو، خواہ ہدایت ہو یا گمراہی۔ قدامہ اور حسن نے کہا اپنی نیت پر یعنی جو شخص دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اپنے عمل سے دنیوی بیہود حاصل ہونے کا خواستگار ہوتا ہے اور جو آخرت کا طلبگار ہوتا ہے، وہ اپنے عمل میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی بہتری کی نیت رکھتا ہے۔ مقاتل نے شاکلۃ کا ترجمہ کیا جبلت سرشت۔ فراء نے کہا خلقی اور سرشتی طریقے پر ہر شخص کام کرتا ہے۔

قتیبی نے طبیعت اور پیدائشی حالت کہا ہے۔ الفاظ مختلف ہیں مطلب سب کا ایک ہے، سب اقوال میں وہ پیدائشی صلاحیت واستعداد مراد ہے جو اللہ نے ہر شخص کے اندر رکھ دی ہے، یہی مفہوم ہے رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کہ ہر شخص کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ مستغنی علیہ عن علی بن ابی طالب مرفوعاً۔

حضرت ابو دراء کا بیان ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور باہم گفتگو کر رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہلا اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو جحان لینا، لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی سرشت سے بدل گیا ہے تو نہ ماننا کیونکہ وہ (عارضی طور پر) اگرچہ اپنی سرشت کو چھوڑے ہوئے نظر آئے گا۔ لیکن بالآخر اسی جبلت کی طرف لوٹ آئے گا جس پر اس کی تخلیق ہوگی۔ رواہ احمد۔

### استعداد فطری کیا ہے

ہر شخص کے اندر ایک خاص کیفیت ابتداء آفرینش سے موجود ہے جو پیدا کرنے والے کی صفت کا عکس اور پر تو ہے، خالق کے اندر ہادی ہونے کی صفت بھی ہے اور مفضل ہونے کی بھی، جس صفت کا پر تو جس شخص پر پڑتا ہے وہی کیفیت فطر تھاس شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کی مزاجی ترکیب چار عناصر سے ہوئی ہے اور عناصر کی طبیعتوں میں تضاد ہے پس جس عنصر کی خاصیت کا جس شخص پر فطر تاغلبہ ہوتا ہے اسی کے مناسب فطری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اجزاء زمین کی خصوصیات بھی گونا گوں ہیں۔ سرخ، سفید، سیاہ اور متوسط، نرم، سخت، بری، اچھی اس اختلاف ارضی کی وجہ سے بھی اختلاف تخلیقی ہو جاتا ہے ایک حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے۔ پس فاعل مطلق کی خصوصی صفات کی اثر اندازی اور مادہ تخلیقی کی مختلف طور پر اثر پذیری سے جو پیدائشی صلاحیت میں اختلاف ہو جاتا ہے یہی استعداد فطری کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے علی شاکلہ کتبہ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ ہر شخص اسی راستہ پر چلتا ہے جو اس نے اپنے لئے اختیار کر لیا ہوتا ہے۔

بیضادی نے کہا ہر شخص اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کی حالت کے مناسب ہوتا ہے مگر ای کا ہو یا ہدایت کا یا اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کے جوہر روح اور ان احوال کے مناسب ہوتا ہے جو اس کے مزاج جسمانی کا تقاضا ہیں۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے شَارِكَةٌ شُكْلٌ، صورت، مثل۔ ہر وہ حالت جو مناسب ہو۔ کسی چیز کی محسوس یاد دہی صورت، سمت، نیت، طریقہ مذہب۔

فَرِيضَةٌ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ﴿۱۰﴾  
 زیادہ سچ راستہ پر ہے، یعنی کس کے عقیدے اور عمل کا راستہ حق تک پہنچانے والا ہے اور کس کا عملی اور اعتقادی راستہ ٹیڑھا ہے اور کجی ہے تو کتنی ہے کم یا زیادہ۔

بخاری نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے کھیتوں میں ایک بار جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا، آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر یہودی باہم کہنے لگے، ان سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ ایک شخص بولا کچھ مت پوچھو، کہیں ایسا جواب نہ دے دیں جو تم کو ناگوار ہو، دوسرے نے کہا ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر روح کے متعلق حضور ﷺ سے دریافت کیا، آپ کچھ دیر خاموش رہے، میں سمجھ گیا کہ وحی ہونے والی ہے میں بھی کھڑا ہو گیا، کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہو گئی تو آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَيْسَ لَكَ مِنَ النَّفْسِ مِنْ أَمْرِ شَيْءٍ  
 اور یہ لوگ آپ سے (بطور

امتحان) روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے، یعنی روح اس کائنات میں سے ہے جس کی ایجاد بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے ہوئی ہے۔ اعضائے جسم کی پیدائش کی طرح اس کی پیدائش کسی مادی اصل سے نہیں ہے۔ سوال کرنے والوں کے سمجھ کے اندازے کے مطابق جواب دے دیا گیا جس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ دوسری مادی مخلوق کی طرح روح کی ہستی نہیں ہے، بلکہ سب سے الگ ہے لیکن یہودیوں نے تو روح کی حقیقت دریافت کی تھی اور حقیقت روح اس

جواب سے واضح نہیں ہوئی۔ اس لئے آگے فرمایا۔

وَمَا أَوْتَيْنَاهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ⑩

اور (غیر مادی) اشیاء کا تم کو علم نہیں دیا گیا ہے مگر تھوڑا سا۔ یعنی اتنا جتنا تم اپنے حواس کے ذریعہ حاصل کر سکو۔ نظری حقائق کا علم بدیہیات سے حاصل ہوتا ہے اور بدیہیات کا علم احساس جزئیات سے (اس طریقے کے علاوہ نظری علوم حاصل کرنے کا اور کوئی راستہ نہیں) اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے حس کو کھودیا اس نے علم کو کھودیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر غیر محسوس چیزوں کے اجزاء اور ذاتیات تک جس کی رسائی نہیں ہے ان کا علم محض امتیازی اوصاف اور خواص کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور الفاظ کی وضع یا تو محسوس چیزوں کے لئے کی جاتی ہے یا ان نامحسوس چیزوں کے لئے جن کے حصول علمی کا ذریعہ محسوس اشیاء ہوتی ہے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ سے کہا نَسَّأَتِ الْعَالَمِينَ۔ رب العالمین کون۔ اس کی کیا حقیقت ہے تو جواب میں حضرت موسیٰ نے رب العالمین کے بعض خصوصی اوصاف کا ذکر کیا (حقیقت نامعلوم تھی اس کو بتانے کے لئے الفاظ ہی نہ تھے اس لئے حقیقت کا کامل بیان نہ کر سکے) لیکن اس آیت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقت روح کا علم رسول اللہ ﷺ اور بعض مخصوص روشن بصیرت رکھنے والے اولیاء کے لئے بھی ناممکن تھا کیونکہ انبیاء اور مخصوص اولیاء کا علم کبھی نہیں ہوتا، ان کو علم کے لئے وساطت حواس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا علم محض الہامی اور انکشافی ہوتا ہے۔ غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ نورانی اور لمعاتی ہوتا ہے وہ دلوں کے کانوں سے وہ آوازیں سنتے ہیں جو چہرے کے کانوں سے سنائی نہیں دیتیں اور چشم بصیرت سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو چشم بصر سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے فرمایا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور جب مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے (یعنی اس کا سننا میرا سننا اور اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہو جاتا ہے، وہ کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے تو گویا میں پکڑتا ہوں اور وہ اپنے قدموں سے چلتا ہے تو گویا میں چلتا ہوں۔ مترجم)

اصحاب بصیرت کو حقیقت روح کا علم ہوتا ہے۔ ارباب انکشاف نے صراحت کی ہے کہ روح سفلی ایک ہے جس کو نفس کہا جاتا ہے اور علوی ارواح پانچ ہیں قلب، روح، سر، حنفی، انحفی، ان سب میں ذاتی فرق بھی ہے اور صفاتی بھی۔ ہر ایک کی ذات دوسرے کی ذات اور ہر ایک کے اوصاف دوسرے کے اوصاف سے ممتاز ہیں کسی کا کسی سے اشتباہ نہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو ان میں باہم اشتباہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ تمام علوی ارواح اتنی لطیف ہیں کہ مراتب و جوب کے ساتھ ان کا اشتباہ ہو جاتا ہے اسی اشتباہ کی وجہ سے بعض لوگ کہہ اٹھے تھے، میں نے تیس برس روح کی عبادت کی۔ تیس برس کے بعد اللہ نے روح کی حقیقت کا اور روح کے ممکن و حادث ہونے کا اس پر انکشاف کر دیا اور وہ بول اٹھا۔ لَا أُحِبُّ الْأَفْلِينَ۔

### ایک شبہ

ابن مردویہ نے عکرمہ بنی روایت سے (مرسلاً) بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ صحابہ کے سامنے پڑھی تو صحابہ نے عرض کیا یہ (حکم یعنی روح کا علم نہ ہونا) تو ہمارے لئے مخصوص ہے (آپ کو تو روح کی حقیقت معلوم ہوگی) فرمایا نہیں بلکہ ہم بھی اور تم بھی سب ہی مخاطب ہیں کسی کو بھی حقیقت روح معلوم نہیں صحابہ نے عرض کیا، عجیب بات ہے ایک وقت تو آپ فرماتے ہیں وَسَنُ بَيِّنَاتِ الْحِكْمَةِ فَقَدْ أُرْتَبِي خَيْرًا كَثِيرًا (جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی) اور دوسرے وقت آپ یہ بات فرماتے ہیں (کہ حقیقت روح مجھے معلوم نہیں۔ روح کو جاننے سے زیادہ حکمت اور خیر کثیر اور کیا ہوگی) اس پر آیت وَلَوْ أَنَّ مَسَافِعِي الْأَرْضِ مِثْلَ شَجَرَةٍ أَقْلَامٍ الْخ نَازِل ہوئی۔ یہ روایت بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی۔

## ازالہ

یہ روایت اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مَا أُوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا کا خطاب عام ہے۔ صحابہ اور رسول سب ہی مخاطب ہیں اور سب ہی کو روح کا تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے اور یہ بات ہے بھی صحیح۔ انبیاء اور ملائکہ کے علوم ہوں یا دوسری مخلوق کے سب کے علوم کی مقدار اللہ کے علم کے مقابلہ میں نہایت حقیر اور قلیل ہے آیت وَ لَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ الْخ سے اس کی تائید ہو رہی ہے لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں کہ جو حکمت و معرفت انبیاء اور ان کے مخلص تابعین کو عطا فرمائی گئی ہے (جن کے اندر حقیقت روح کا علم بھی داخل ہے) وہ خیر کثیر نہیں ہے یقیناً جو حکمت انبیاء کو عطا کی گئی ہے (گو وہ اللہ کے علم کے مقابلے میں کتنی ہی حقیر و قلیل ہو پھر بھی) خیر کثیر ہے انسان کے ظاہری و باطنی کمال کی جامع ہے کوئی انسانی کمال اس سے خارج نہیں ہے۔

## فائدہ

آیت مذکورہ کی جو تشریح اور شان نزول ہم نے بیان کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، لیکن بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد ﷺ ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت و سپائی کے حامل رہے ہیں کبھی ہم نے کسی جھوٹ کا ان پر شبہ بھی نہیں کیا، لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیج کر دریافت کرو، وہ اہل کتاب ہیں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ چند آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینہ میں بھیجا گیا، لوگوں نے جا کر یہودیوں سے دریافت کیا یہودیوں نے جواب دیا، محمدؐ سے جا کر تین باتیں پوچھو، اگر وہ تینوں کا جواب دے دیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر دو باتوں کا جواب دیں اور تیسری کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے بھاگ کر کہیں پناہ پکڑ لی تھی ان کا کیا واقعہ تھا۔

(۲) وہ کون شخص تھا جو مشرق اور مغرب تک پہنچ گیا تھا اس کا کیا واقعہ تھا۔

(۳) روح کیا ہے۔ اس کے متعلق بھی جا کر دریافت کرو۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ سے یہ تینوں سوال کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں کل کو تمہارے سوالوں کے جواب دے دوں گا۔ آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس لئے وحی آنے میں تاخیر ہو گئی۔ مجاہد کے قول میں بارہ دن، بعض اقوال میں پندرہ دن اور عکرمہ کے نزدیک چالیس دن تک تاخیر وحی کی ضراحت آئی ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے، محمد ﷺ نے تم سے کل کا وعدہ کیا تھا، لیکن اتنی مدت ہو گئی کچھ بھی نہیں بتلایا، اوہر نزول وحی میں تاخیر ہوئی اوہر اہل مکہ ایسی باتیں کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا رنج ہوا (اور سخت رنج ہوا) اسی انشاء میں اچانک ایک روز جبرئیلؑ یہ وحی لے کر آئے وَلَا تُدْرِكُ الْبُيُوتَ الْعُزْبَىٰ وَ لَا تُحِيطُ بِأَمْرٍ مِّنْ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يُشَاءَ اللَّهُ پھر لول سوال کے متعلق نازل ہوا۔ اُمِّ حَسِبْتِ أَنْ أَصْحَابُ الْكَهْفِ وَ الرُّقَيْمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا۔ دوسرے سوال کے جواب میں نازل ہوا اَيَسْتَأْذِنُكَ عَنْ ذِي الْقُرْنَيْنِ الْخ اور روح کے متعلق ارشاد ہوا قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ ترمذی نے یہ قصہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ابن کثیر نے دونوں حدیثوں کا تعلق دور کرنے کے لئے تکرار نزول کا قول اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اور اتنا زائد بھی لکھا ہے یہاں یہودیوں کے سوال کے وقت رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اس امید پر کہ شاید بیان میں کچھ زیادتی کر دی جائے اگر دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کوشش نہ کی جائے تو لازمی طور پر کسی روایت کو ترجیح دینی پڑے گی اور



ظاہر ہے کہ صحاح کی روایت ہی قابل ترجیح ہے۔ اس کی علاوہ بخاری کی روایت کے راجح ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود (جو راوی ہیں) یہودیوں کے وقت اسی جگہ موجود تھے اور بغوی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی دور ان واقعہ میں موجودگی مذکور نہیں۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی بھی نسبت کی ہے کہ جس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس سے مراد حضرت جبرئیلؑ تھے (یعنی جبرئیل کے متعلق یہودیوں نے دریافت کیا تھا) حسن اور قیادہ کا بھی یہی قول منقول ہے۔ میں کہتا ہوں ضحاک کا قول عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے اور ایک روایت میں حضرت علیؑ کا قول بغوی نے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہر چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں سے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے، مجاہد نے کہا روح ایک اور مخلوق ہے جو ہیں تو آدمی کی شکل کے، ان کے ہاتھ بھی ہیں، پاؤں بھی ہیں اور وہ کھانا بھی کھاتے ہیں لیکن وہ آدمی نہیں ہیں فرشتے بھی نہیں ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا عرش کے سوا اللہ نے روح سے بڑی اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اگر وہ چاہے تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کی ساری موجودات کا ایک لقمہ بنا کر نکل سکتا ہے، اس کی جسمانی ساخت تو فرشتوں جیسی ہے اور چہرے کا ڈول آدمیوں کے چہروں کی طرح ہے، قیامت کے دن وہ عرش کے دائیں جانب کھڑا ہو گا اور تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے قریب ستر حجابوں کے پاس موجود ہو گا اور اہل توحید کی شفاعت کرے گا۔ اگر اس کے اور ملائکہ کے درمیانی نور کا حجاب حائل نہ ہو تو آسمانوں والے اس کے نور سے سوختے ہو جائیں۔ عبد بن حمید اور ابن اللہد نے عکرمہ کا قول بیان کیا کہ روح فرشتوں سے بھی بڑی مخلوق ہے اور کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ روح ضرور ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ روح سے مراد قرآن ہے اور **مِنْ أُمَّرٍ رَبِّنِي** کا معنی ہے **مِنْ وَجْهِ اللّٰهِ**۔ بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ مراد ہیں۔ اس قول پر آیت کا مطلب اس طرح ہو گا کہ عیسیٰؑ کی طرح جیسا یہودیوں کو جانتے ہیں اور ان کی والدہ پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور نہ ابن اللہد ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ ان کی پیدائش محض اللہ کے حکم سے کلمہ کن سے بغیر باپ کے ہوئی تھی۔

آیت مندرجہ بالا میں اللہ نے سارے جہان کے علم کا اپنے علم کے مقابلے میں قلیل اور حقیر ہونا ظاہر فرمادیا، آئندہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی طرف سے پہنچنے والے دکھ پر صابر رہنے کی تلقین فرمانے کی غرض سے نعمت وحی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَكِنْ شِئْنَا لَنَذَّكَّرَنَّ يَا ذَكَّاءُ الْيَتَامَىٰ لَقَدْ لَاتَجِدُ لَكَ بِهِ عِلْمَيْنَا وَلَكِنَّكَ

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر وحی ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے سب سلب کر لیں پھر (اس کو واپس لانے کے لئے) آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی نہ ملے۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو واپس لے لیں اور لوگوں کے سینوں سے اس کو نکال دیں اور تحریروں سے منادیں، پھر آپ کو کوئی ایسی ہستی نہیں ملے گی جو ہم سے قرآن واپس لینے کی ذمہ داری لے سکے۔

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ط  
مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسا نہیں کیا) اس آیت کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے (۱) مگر اللہ کی رحمت اگر ہو تو وہ ہی واپس دلوا سکتی ہے (۲) استثناء منقطع ہے، یعنی اللہ کی رحمت نے اس قرآن کو باقی رکھا ہے شہدے دلوں میں تحریروں میں قائم رکھا ہے، اس مطلب پر اللہ کی طرف سے احسان ہونے کی دوہری صراحت کی گئی ہے، قرآن کا نازل کرنا اور پھر اس کو باقی رکھنا۔ **إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا** ط

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا اور اپنی کتاب نازل فرمائی، پھر اس کو تحریروں اور دلوں میں جمع کر لیا اور لوگوں سے بیان کرنے کا حکم دیا اور محمود اور حوض کوثر آپ کو عطا فرمائی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، قیامت سے پہلے قرآن اٹھایا جائے گا۔ بل اس کے کہ قرآن اٹھایا جائے تم اس کو پڑھا کرو (یعنی اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو) ایک شخص کہنے لگا یہ تحریریں تو اٹھائی جاسکتی ہیں (کہ نئی نقلیں کرنا لوگ چھوڑ دیں اور پرانی تحریریں بوسیدہ فرسودہ ہو کر مٹ جائیں۔ مترجم) لیکن جو قرآن سینوں میں ہو گا وہ کیسے اٹھایا جائے گا، فرمایا لوگ رات گزاریں گے سینوں میں قرآن ہو گا پھر اٹھایا جائے گا صبح کو انھیں گے تو کچھ بھی یاد نہ ہو گا اور نہ لکھے ہوئے کاغذوں میں کچھ ملے گا آخر شاعری میں لگ جائیں گے (اور قرآن کی جگہ شاعری لے لے گی)

حضرت عبد اللہ بن عمر دینِ عاصم نے فرمایا قیامت پانہونے سے پہلے قرآن لوٹ کر وہیں چلا جائے گا، جہاں سے اترا تھا، شہد کی مکھیوں کی بھنسنہٹ کی طرح عرش کے گرد اگر اس کی گن گناہٹ ہوگی، اللہ فرمائے گا کیوں کیا بات ہے قرآن کے گالے میرے مالک مجھے پڑھا تو جاتا ہے مگر مجھ پر عمل نہیں کیا جاتا۔ بغوی نے یہی بیان کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نکال لے بلکہ علماء کو قبض کر لے گا اور جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جو بغیر جانے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت زیاد بن لبیدؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض چیزوں کا تذکرہ کیا اور فرمایا، ایسا اس وقت ہو گا جب علم جاتا رہے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ علم کیسے جاتا رہے گا، ہم قرآن پڑھیں گے اور اپنی لولاد کو پڑھائیں گے اور ہماری لولاد اپنے بچوں کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ یوں ہی قیامت تک چلتا رہے گا۔ فرمایا، زیاد تجھ پر تیری ماں روئے، میں تو تجھے مدینہ کے دانش مند آدمیوں میں سے سمجھتا تھا، کیا یہودی اور عیسائی توریت و انجیل نہیں پڑھتے لیکن توریت و انجیل کے احکام پر عمل نہیں کرتے (یہی حالت مسلمانوں کی ہو جائے گی) ترمذی نے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ اور دارمی نے حضرت ابولہامہ کی روایت سے بھی یوں ہی بیان کیا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ فرمادی ہیں کہ میں نے خود حضور ﷺ کو فرماتے سنا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض علم میراث سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں (ہمیشہ نہیں رہوں گا) وفات پا جانے والا آدمی ہوں اور علم بھی قبض کر لیا جائے گا اور فتنے پیدا ہو جائیں گے فریضہ (ترکہ) میت کی تقسیم کے متعلق دو آدمیوں میں اختلاف ہو گا تو کوئی تیسرا آدمی ان دونوں کا فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا (یعنی کوئی عالم ہی نہیں رہے گا کہ فیصلہ کر سکے) رواہ الدارمی والد دار قطنی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسی حدیث کو سن کر قرآن کے تحریروں سے زائل ہو جانے اور سینوں سے فراموش ہو جانے کا ذکر فرمایا۔

صحیحین کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ علماء نہیں رہیں گے، یہ مطلب نہیں کہ سینوں کے اندر سے قرآن نکال لیا جائے گا، حضرت زیادؓ کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ قبض علم کا معنی صرف یہ ہے کہ علم پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ توفیق عمل ختم ہو جائے گی۔ ان تینوں احادیث و روایات کے باہم تعارض کو دور کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ اول علم کے مطابق عمل کی توفیق جاتی رہے گی۔ پھر علماء کی قلت ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ زمانہ قلت علماء کا ہی ہے پہلے علماء بہت تھے، پھر عمل میں کمزوری آئی، پھر تعلیم و تعلم میں کمی ہوئی اور علماء کم ہو گئے۔

سعید یا عکرمہ کی وساطت سے ابن جریر اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ سلام بن مشکم یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ارکان جماعت کے نام راوی نے بیان کئے تھے۔ اور عرض کیا ہم آپ کا اتباع کس طرح کر سکتے ہیں آپ نے تو ہمارا قبلہ بھی چھوڑ دیا اور جو کچھ آپ لائے ہیں یعنی (قرآن) اس میں توریت کی طرح ہم کو کوئی ربط نظر نہیں آتا، ہم پر کوئی ایسی کتاب اتارو جس کو ہم پڑھیں اور اس کی حقانیت و صداقت کو پہچان لیں، ورنہ جیسا آپ نے بیان کیا ہے ایسا تو ہم بھی پیش کر سکتے ہیں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ لَنْ يَجْتَمِعَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝۱۵

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (سب) انسان اور جنات متفق ہو کر ایسا قرآن لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو اس جیسا قرآن نہیں لاسکیں گے خواہ (باہم مل کر ایک) دوسرے کے مددگار ہو جائیں (اور سب مل کر کوشش کریں) یعنی اگرچہ یہ لوگ بڑے بڑے بلوغ، زبان داں، شاعر اور خالص عرب ہیں لیکن بلاغت، حسن ترتیب اور محاسن معنوی کے لحاظ سے قرآن جیسی عبارت نہیں پیش کر سکتے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے کہا تھا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ لیں۔ اللہ نے اس آیت میں کافروں کے اس قول کو غلط قرار دیا، یہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا کہ ویسا ہی ہو جیسا اس آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی مقابلہ میں قرآن جیسی نہیں پیش کر سکے۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں ملائکہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ کوئی کلام قرآن کی طرح اپنا بنایا ہوا پیش بھی کر دیں، تب بھی یہ قرآن انسانوں اور جنات کے لئے تو معجزہ رہے گا اور اس کے معجزہ ہونے میں فرق نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ملائکہ کے توسط سے تو یہ قرآن پہنچا ہی ہے (انسان اور جن کو وساطت میں کوئی دخل نہیں ہے) میں کہتا ہوں قرآن کی مانند کلام پیش کرنے کی دعوت کا یہ معنی ہے کہ خود بنا کر لاؤ جس میں وحی خداوندی کوئی دخل نہ ہو۔ اور فرشتے خود ایسا کلام لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جس کے خالق وہ خود ہوں اور وہ غیر مخلوق کلام کی طرح ہو، کلام اللہ کے مقابلہ میں کلام بنانے کی کوشش تو کفر ہے اور ملائکہ سے کفر و انکار کا ظہور ممکن نہیں، وہ معصوم ہیں۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ آیت سابق آیت نَمْ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا کے مفہوم کی تاکید ہو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ  
کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے۔

صَرَّفْنَا یعنی بار بار، طرح طرح سے وضاحت اور تاکید کر کے ہم نے بیان کیا۔  
مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہر مقصد اور معنی، عبرتیں، احکام، وعدہ، وعید وغیرہ۔

مَثَلٍ کہات اپنے اندر ندرت رکھتی ہے قرآن کے اندر بھی ندرت ہے حسن ہے، دل نشینی ہے، یہ بھی ان اوصاف میں مثل کی طرح ہے۔

فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝۱۶  
پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیسے نہ رہے۔ یعنی اکثر لوگوں نے سوائے کفر و انکار کے قرآن کی ہدایت میں سے کسی بات کو قبول کرنا پسند نہیں کیا۔

بغوی نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا مندرجہ ذیل بیان نقل کیا ہے کہ عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور قبیلہ عبد الدار کا ایک اور آدمی (بقول بغوی نصر بن حارث) اور ابو البختری، اسود بن المطلب، زعد بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبد اللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن داؤد، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ سب کے سب غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ کسی کو محمد ﷺ کے پاس بھیج کر ان کو بلواؤ اور ان سے بات چیت کرو اور جھگڑا طے کر لو تاکہ تمام حجت ہو جائے اور پھر تم جو کچھ کرو تم کو معذور سمجھا جائے، چنانچہ ایک شخص کو بھیج کر یہ پیام بھلوا لیا کہ تمہاری قوم کے سردار تم سے گفتگو کرنے جمع ہوئے ہیں اگر بات چیت کر لو۔ رسول اللہ ﷺ کو خیال ہوا کہ لوگوں کی رائے میں کوئی نئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے آپ تو دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو ہدایت ہو جائے پیام ملتے ہی فوراً چلے آئے جب آکر بیٹھ گئے تو حاضرین نے کہا محمد ﷺ ہم نے آدمی بھیج کر تم کو اس غرض سے بلوایا ہے کہ تمہارے متعلق ہم حجت تمام کر دیں کوئی عربی شخص آج تک اپنی قوم پر وہ مشکلات

نہیں لایا جو تم اپنی قوم پر لائے ہو، تم نے اسلاف کو گالیاں دیں، ان کے مذہب کو برا کہا، اہل عقل کو سبک سر قرار دیا، ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا، جماعت میں پھوٹ ڈال دی، کوئی ایسی قبیح بات باقی نہیں جو تم نے اپنے اور ہمارے درمیان پیدا نہ کر دی ہو اگر اس چیز (قرآن اور اسلام) کو پیش کرنے سے تمہارا مقصد حصول زر ہے تو ہم آپس میں چندہ کر کے تم کو اتنا مال دینے کو تیار ہیں کہ تم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ۔ اور اگر تم عزت کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنا لیں گے اور حکومت چاہتے ہو تو اپنا حاکم بھی تم کو قرار دے سکتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر مسلط ہو گیا ہے جو یہ کلام تم کو بتاتا ہے اور تم اس کو لوٹا نہیں سکتے تو ہم تمہارے علاج کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں (کسی کا ہن یا عامل کو روپیہ دے کر اس کا اتار کر اسیں گے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنی باتیں تم نے کہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ میں یہ قرآن پیش کر کے نہ زر کا طلب گار ہوں، نہ عزت و سیادت کا، نہ حکومت و اقتدار کا، مجھے تو اللہ نے تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ایک کتاب عطا فرمائی اور مجھے حکم دیا ہے کہ ماننے والوں کو جنت کی خوش خبری دے دوں اور (نہ ماننے والوں کو دوزخ سے) ڈراؤں، اب میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور تم کو نصیحت کر چکا اگر مان لو گے تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہوگی۔ رد کر دو گے تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا اور منتظر ہوں گا کہ اللہ میرا اور تمہارا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ کہنے لگے، محمد جو کچھ ہم نے پیش کیا اگر تم کو وہ قبول نہیں تو اپنی پیغمبری کا ثبوت پیش کرو تم واقف ہو کہ ہماری یہ بستی بہت تنگ ہے ہر طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں ہم اس کو کسی طرف بڑھا نہیں سکتے اور ہمارے پاس ماں بھی سب (یعنی اہل یمن و شام) سے کم ہے اور ہماری زندگی بھی بہت زیادہ دکھی ہے پس تم اپنے رب سے درخواست کر کے ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہماری بستی کو تنگ کر رکھا ہے یہاں سے ہٹا دو کہ ہمارا یہ شہر پھیل جائے اور شام و عراق کی طرح ہمارے ملک میں بھی ہمارے لئے دریا بہا دو اور یہ بھی اپنے رب سے کرادو کہ ہمارے آباء و اجداد زندہ ہو جائیں جن میں قصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) بھی ضرور ہو وہ بڑا سچا آدمی تھا، پھر ہم ان سب سے دریافت کریں کہ جو کچھ تم کہہ رہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اگر وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے تو ہم تمہی تم کو سچا مان لیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس لئے نہیں بھیجا گیا ہے۔ جو پیام مجھے دے کر بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا اگر مان لو گے تو دنیا و آخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی قبول نہ کرو گے تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا۔ کہنے لگے اچھا اگر تم یہ نہیں کرتے تو اپنے رب سے کہہ کر اتنا ہی کرادو کہ وہ تمہاری تصدیق کرنے کے لئے ایک فرشتے کو بھیج دے اور تم کو کچھ باغ اور سونے چاندی کے خزانے دے دے کہ جس تکلیف اور افلاس میں ہم تم کو دیکھ رہے اس سے تم بے غم ہو جاؤ، تم بازاروں میں کھڑے ہماری طرح روزی کی جستجو میں لگے رہتے ہو پھر اس کی فکر تم کو نہ رہے، حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا، مجھے بشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے کہنے لگے اچھا تو ہمارے اوپر آسمان کو ہی گروادو کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اختیار اللہ کو ہے اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے گا تو کر دے گا، ایک شخص بولا، ہم تو تمہاری بات اس وقت تک نہ مانیں گے، جب تک اللہ اور فرشتوں کو تم ہمارے سامنے لا کر شہادت نہ دلوادو۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا عبد اللہ بن ابی امیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور راستہ میں کہنے لگا محمد ﷺ! تمہاری قوم نے چند باتیں تمہارے سامنے رکھیں اور تم نے کسی بات کو قبول نہیں کیا پھر انہوں نے چند باتیں طلب کیں جن سے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ خصوصی ہے تم نے ان کو بھی نہ مانا پھر انہوں نے تم سے کہا کہ جس عذاب سے تم ڈرا رہے ہو وہ جلد لے آؤ تم نے ایسا بھی نہیں کیا اب بخدا میں تمہاری اس بات کا صرف اس وقت ہی یقین کر سکوں گا کہ تم میری نظر کے سامنے بیٹھ کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر میرے سامنے وہاں سے ایک کھلی ہوئی کتاب لے کر آ جاؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں جو تمہاری تصدیق کریں۔ اور میرا تو خیال ہے کہ اگر تم ایسا کر بھی گزر دو گے تب بھی میں تمہاری تصدیق نہیں کر سکوں گا۔ کافروں کی اتنی نفرت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہو کر اپنے گھر لوٹ آئے اور آیات ذیل بَشِّرْ اَرْسُولًا نازل ہوئیں۔

ابن جریر نے بطریق ابن اسحاق ایک مصری شیخ (مجمول الاسم) کی وساطت سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے اور سعید بن منصور نے بھی سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ان آیات کا نزول حضرت ام سلمہ کے بھائی عبد اللہ بن امیہ کے متعلق ہوا صاحب لباب النقول نے لکھا ہے یہ روایت مرسل ہے مگر صحیح ہے۔ سابق روایت میں جو ابہام تھا اس کی توضیح اس سے ہو جاتی ہے۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ  
اور (کفار مکہ نے) کہا کہ ہم ہرگز آپ کا قول سچا نہیں مانیں گے۔ یعنی قرآن کا معجز  
ہونا ان کو ثابت ہو گیا اور دوسرے معجزات بھی دیکھ لئے، پھر بھی ازراہ عناد انہوں نے کہا۔

حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۚ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِمَّنْ تَنْحِيلُ فِيهَا مَاءً فَتَقْطَعُ الْأَنْهَارَ خِلَافَهَا  
تَفْجِيرًا ۖ

لئے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں، یا خاص آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کر دیں۔

الْأَرْضُ یعنی ارض مکہ۔ يَنْبُوعُ ایسا چشمہ جو کبھی خشک نہ ہو، یہ لفظ نَبْعُ الْمَاءِ (پانی پھوٹ نکلا) سے ماخوذ ہے۔  
أَوْ تَسْقُطُ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا كِسْفًا  
آپ ہم پر نہ گرا دیں یعنی آسمان پھٹ جائے اور اس کے ٹکڑے ہم پر گر پڑیں۔ كِسْفٌ كِسْفَةٌ کی جمع ہے جیسے قِطْعٌ قِطْعَةٌ کی جمع ہے كِسْفَةٌ بمعنی قِطْعَةٌ کے ہے پارہ ٹکڑا۔

أَوْ تَأْتِي بِلِقَاءِ رَبِّكَ قَبِيلًا ۖ  
یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لانے کھڑا کر دیں۔ حضرت ابن عباس نے قبیل کا ترجمہ کفیل کیا ہے یعنی اللہ اور ملائکہ کو اپنے دعوے کی صداقت کا ذمہ دار، کفیل بنا کر پیش کرو جو شہادت دیں کہ تمہاری بات سچ ہے اگر اس بات کو ماننے سے ماننے والوں کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار اللہ اور ملائکہ ہوں گے۔ قادیہ نے قبیل کا ترجمہ کیا مقابلہ آنے سے یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ۔ فراء نے کہا عرب بولتے ہیں لَقَيْتُ فُلَانًا قَبِيلًا وَقَبِيلًا میں نے فلاں شخص سے زور زور ملاقات کی۔ اس ترجمہ پر قَبِيلًا الْمَلَائِكَةُ سے حال ہو گا۔ مجاہد نے کہا قبیل قبیلہ کی جمع ہے قَبِيلًا سے مراد ہے قسم یعنی قسم قسم کے ملائکہ کو پیش کرو۔

أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرُؤْيَاكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدًا تَصْرُوهَا  
یا تمہارے لئے کوئی سونے کا مکان ہو یا تم آسمان کے زینہ پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے صرف چڑھنے کا بھی یقین نہیں کریں گے جب تک تم ایک ایسی کتاب لے کر ہم پر نازل نہ ہو جس کو ہم پڑھیں زُخْرٍ کا اصل لغوی معنی ہے سجاوٹ۔ اس جگہ مراد ہے سونے کا مکان۔ یہ قول عبد اللہ بن امیہ کا تھا۔ كِتَابًا تَصْرُوهَا سے یہ مراد ہے کہ اس کتاب کے اندر تمہاری تصدیق ہو اور ہم کو تمہارا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

قُلْ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے یعنی ان کے سوالات و مطالبات پر تعجب کرتے ہوئے کہہ دیجئے۔ یا اللہ کو اس کمزوری سے پاک قرار دیتے ہوئے کہہ دیجئے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مَّرْسُولًا ۖ  
سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں مگر پیغمبر ہوں اور کچھ نہیں ہوں۔ یعنی تمہارا سوال پورا کرنا انسانی اور بشری طاقت سے خارج ہے، ہاں اگر اللہ چاہے تو تمہاری خواہشات پوری کر دے لیکن فرمائشی معجزات کا اظہار اللہ کا دستور نہیں، اپنے رسول کے ہاتھ پر اللہ اتنی آیات و معجزات کا اظہار کر چکا ہے کہ تمہاری ان فرمائشات کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں، قرآن مجید اس نے اتار دیا، رسول ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے اور طرح طرح کے معجزوں کا تصور ہو چکا۔ اس آیت میں کافروں کے سوالات کا ایک مجمل جواب دیا گیا ہے۔ تفصیلی جواب دوسری آیات میں کیا ہے فرمایا ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِی قِرطَابٍ الْخ - وَكَلَّمْنَا عَلَيْهِمْ بِأَبَا مِنَ السَّمَاءِ - وَلَوْ أَنَّ قَوْمًا سَجَرَتْ بِهِ  
الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمٌ بِهِ الْمُؤْتَىٰ لَعَنَىٰ كَلِمٌ يَحْيَىٰ كَلِمٌ يَحْيَىٰ كَلِمٌ يَحْيَىٰ كَلِمٌ يَحْيَىٰ كَلِمٌ يَحْيَىٰ  
طنائیں سچا دی جائیں مہا مردے زندہ ہو کر بولنے لگیں وہ ایمان نہیں لائیں گے ہر کام کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۝۱۶

اور ہدایت یعنی رسول یا قرآن کے آچکنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے سوائے اس کے  
اور کوئی وجہ مانع نہیں کہ انہوں نے تعجب کیا اور کہا کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی وحی نازل ہو گئی، حق ظاہر ہو گیا  
اب رسول اور قرآن پر ایمان نہ لانے کی اور کوئی معقول قابل قبول وجہ سوائے اس کے نہیں کہ ان کو آدمی کا پیغمبر ہونا عجیب نظر  
آیا اور انہوں نے نبوت بشری کا انکار کر دیا لیکن ان کا یہ تعجب و انکار بے جا ہے عقل اور نقل کی شہادت ہے کہ رسول اللہ کو اسی  
نوع میں سے ہونا چاہئے جو مرسل الیہ کی ہو۔ تاکہ رسول ان کو پیام دے سکے اور وہ رسول کی رسالت سے فائدہ اندوز ہو سکیں غیر  
جنس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَتَشَوَّنُ مُظْمِئَاتٍ لَآتَيْنَاكُمْ مِنْ السَّمَاءِ مَلَكَاتٍ وَسُؤَالًا ۝۱۷

آپ کہہ دیجئے اگر زمین پر فرشتے چین کے ساتھ چلتے پھرتے (فرشتوں  
کی آبادی ہوتی اور ہمیں ان کی سکونت ہوتی آسمان تک پہنچنے کا ان کو اختیار نہ ہوتا) تو ہم آسمان سے ان کے لئے رسول بنا کر کسی  
فرشتہ کو اتار دیتے (لیکن زمین پر تو آدمی آباد ہیں، آسمان پر جا کر یہ خود احکام حاصل نہیں کر سکتے ان کی ہدایت کے لئے تو آدمی کو  
عی رسول بنا کر بھیجا ضروری تھا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ مترجم)

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا الْبَيْتِيُّ وَبَيْنَكُمْ ۝۱۸

آپ کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان بس  
اللہ ہی شہادت کے لئے کافی ہے یعنی میرے رسول ہونے کا اللہ شاہد ہے اور اسی کی شہادت بس کافی ہے اسی نے میرے ہاتھ پر  
معجزات میرے دعویٰ کی تصدیق کے لئے ظاہر فرمادیئے یہ مطلب ہے کہ اللہ کی شہادت اس امر پر کافی ہے کہ میں نے فرض  
رسالت لو کیا اس کا پیام تم کو پہنچا دیا اور ظہور حق کے بعد بھی از روئے عناد تم نے مخالفت کی۔ وہی میرا تمہارا فیصلہ کرے گا جو حق  
پر ہو گا اس کو ثواب دے گا اور جو باطل پر ہو گا اس کو سزا دے گا۔

إِنَّهُ كَانَ يَجْعَلُهَا خَبِيرًا ۝۱۹

کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا خوب دیکھتا ہے۔ یعنی  
ڈرانے والے پیغمبر ہوں یا وہ امت جس کو ڈر لیا جاتا ہے، سب کے ظاہری اور باطنی احوال سے اللہ واقف ہے اور ان کے احوال کے  
موافق سزا جزا دے گا۔ اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین اور کافروں کے لئے عذاب کی تہدید ہے۔

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۝۲۰

اور جس کو اللہ راہ راست پر لگا دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جن کو اللہ گمراہ چھوڑ دے یعنی بے مدد چھوڑ دے  
اور کج راہی سے محفوظ نہ رکھے اور شیطانی اغواء اندرونی کو وہ قبول کر لیں) تو ان لوگوں کے لئے تم کو بجز خدا کے اور کوئی حمایتی  
نہیں ملے گا جو ان کو راہ راست پر ڈال سکے۔

وَنَحْشُرُهُمْ نَوْمًا الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِيَآ وَبِكَمَا وَصَّيْنَا

اور  
قیامت کے دن ہم ان کو اندھا، گونگا، بہرا ٹھامیں گے کہ وہ منہ کے بل چلیں گے یا منہ کے بل ان کو گھسیٹا جائے گا۔ حضرت انس  
کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کافر منہ کے بل قیامت کے دن کیسے چلے گا فرمایا، جس خدا نے اس کو نائگوں  
کے بل چلایا ہے کیا وہ منہ کے بل اس کو چلا نہیں سکتا۔ متفق علیہ۔

ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر  
تین طریقے پر ہوگا، کچھ لوگ سوار ہوں گے، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل (گھسیٹتے ہوئے) ایک شخص نے عرض کیا یا رسول

اللہ ﷻ منہ کے بل کیسے چلیں گے فرمایا جس نے ٹانگوں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ اور حضرت معاویہ بن جندب کی روایت سے اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن جندب نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تمہارا حشر کیا جائے گا۔ سوار ہونے کی حالت میں اور پیدل ہونے کی حالت میں اور تم کو گھسیٹا جائے گا منہ کے بل (یعنی قیامت کے دن کچھ لوگ سوار کر کے لے جائے جائیں گے اور کچھ پیدل اور کچھ منہ کے بل گھسیٹ کر)

نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ذر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین جماعتیں (بنا کر) اٹھائی جائیں گی، ایک جماعت کپڑے پہنے، کھائے پیئے اور سوار یوں پر سوار ہوگی اور ایک جماعت پیدل چلے گی اور دوزخے گی اور ایک جماعت کو ملائکہ منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

اندھے، گونگے، بہرے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ایسی صورت ان کے سامنے نہیں آئے گی جس کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور کوئی ایسا عذر بیان نہ کر سکیں گے جو قابل قبول ہو اور کوئی خوش کن مسرت آفریں بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ کیونکہ آیات قدرت اور نشانہائے عبرت کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی تھیں۔ کلام حق سننے سے ان کے کان بہرے تھے اور کلمہ حق بولنے سے ان کی زبانیں گونگی تھیں۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ (حضرت ابن عباس کی اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ اندھا گونگا بہرا ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکیں گے، نہ بول سکیں گے، نہ سن سکیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ آیات و ہدایات کو چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے تھے اور کلمہ حق کو گوش قبول سے نہیں سنتے تھے اور کلام حق زبانوں پر نہیں لاتے تھے، اسی طرح قیامت کے دن وہ کوئی جاذب قلب شکل نہیں دیکھیں گے کوئی صداد مسرت آفریں نہیں سنیں گے اور کوئی قابل قبول عذر زبانوں سے نہ پیش کر سکیں گے اس تشریح کے بعد اس آیت میں اور ان آیات میں جن میں قیامت کے دن کافروں کو دیکھنا، سنا اور بولنا مذکور ہے کوئی تعارض نہیں ہو سکتا، اللہ نے فرمایا ہے وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ مَحْرَمٍ دُوزخ کو دیکھیں گے۔ دَعُوا هُنَا لِكَلِّ ثُبُورًا وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔ سَمِعُوا نَغِيظًا وَزَفِيرًا غصے اور جھجلاہٹ کو سنیں گے (ان آیات میں کافروں کا قیامت کے دن دیکھنا، پکارنا اور سنا ثابت ہو رہا ہے اور آئندہ ایک آیت میں تینوں کا یکجائی مذکور ہے فرمایا ہے رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔ کافر کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا میں لوٹا دے کہ ہم نیک کام کر لیں۔ ان آیات میں حقیقی رویت، سماعت اور نطق کی صراحت اور عَمِيًا وَبِكَمَا وَصَمًا سے حقیقی دیکھنے سننے اور بولنے کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس بینائی، شنوائی اور گویائی کی نفی مقصود ہے جو حضرت ابن عباس کی تشریح میں مذکور ہے فَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا۔

بعض اہل تفسیر نے آیات کے تعارض کو دور کرنے کے لئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حشر کے وقت تو واقعی سب کافر اندھے، گونگے، بہرے ہوں گے، لیکن دوزخ کے سامنے جانے اور حساب کے لئے پیش ہونے کے وقت بینا، شنوا اور گویا ہو جائیں گے۔

بعض نے کہا کہ حساب کے بعد جب موقف سے دوزخ کی طرف ان کو لے جایا جائے گا اس وقت ان کے حواس غائب ہو جائیں گے، اس وقت گویائی سلب ہو جائے گی، بینائی اور شنوائی زائل ہو جائے گی۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخ کے اندر دوزخیوں کی پانچ مرتبہ درخواست ہوگی اور ہر مرتبہ کی پکار کا جواب اللہ دے دے گا، اس کے بعد وہ بول ہی نہ سکیں گے۔

(۱) دوزخی کہیں گے رَبَّنَا آمَنَّا اِنَّنَا وَاَحْيَيْنَا اِنَّنَا فَاَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ۔ اللہ اس کے جواب میں فرمائے گا ذَلِكُمْ بَاثِنَةٌ اِذَا دَعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ اِلٰی اللّٰهِ۔

(۲) پھر روزِ خی کیس کے رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا فَذُوقُوا يَمَّا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ الخ

(۳) پھر روزِ خی کیس کے۔ رَبَّنَا أَخْرَجْنَا لِي آجِلٍ قَرِيبٍ نُنَجِبُ دَعْوَتَكَ وَتَتَّبِعِ الرَّسُولَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا أَوْلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَالِكُمْ مِّنْ زَوَالِ۔

(۴) پھر روزِ خی کیس کے رَبَّنَا أَخْرَجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ اللہ جواب میں فرمائے گا أَوْلَمْ نَعْمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ الخ

(۵) پھر روزِ خی کیس کے رَبَّنَا عَلَّمْنَا بِشِقْوَتِنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ رَبَّنَا أَخْرَجْنَا نِسْفَهَا فَإِن عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا اِخْسَتُوا فِيهَا وَلَا تَكْلِمُونَ اس کے بعد روزِ خی کی بھی کلام نہیں کریں گے۔

مَا وَهَبَهُمْ جَهَنَّمَ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ۝

(پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ جب ذرا دھیمی ہونے لگے تو تب ہی ان کے لئے لور زیادہ بھڑکادیں گے۔ یعنی جب ان کی کھالیں اور گوشت جل چکیں گے لور آگ کی بھڑک میں کچھ سکون پیدا ہو جائے گا تو دوبارہ ان کو کھالیں اور گوشت پہنا دیا جائے گا اور اس ایندھن سے پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور یونہی برابر ہوتا رہے گا۔ چونکہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھائے جانے کے وہ منکر تھے اس لئے اللہ بھی ان کو یہ سزا دے گا کہ بار بار مریں گے اور بار بار جنیں گے، لور یہ سلسلہ قائم رہے گا، اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا۔

ذَلِكَ جَزَاءُ وَّهَّابِ كُفْرًا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَعْرَازُ الْكُنَا عِظَامًا وَرِئَاسًا عَرَا لِمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝

یہ ان کی سزا اس لئے ہو گی کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا (تھا) لور کہا (تھا) کہ جب ہم ہڈیاں لور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔

أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں کو لور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے۔ یعنی آسمانوں لور زمین کی بناوٹ تو بہت زیادہ بڑی لور قوی ہے لور یہ انسان صغیر الجسد بھی ہے لور کمزور بھی لور اللہ نے بغیر سابق نمونے لور نظیر کے یہ آسمان و زمین بنائے ہیں تو وہ انسانوں کو کیونکر دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا۔ ایجاد سے تو دوبارہ تخلیق آسان ہے۔

وَجَعَلْ لَهُمْ أَجَلًا

لَّأَسْرَبَ فِيهِ د

نزدیک روزِ قیامت۔

لور ان کے عذاب کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔

جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ بعض کے نزدیک اجل سے مراد موت ہے لور بعض کے

ہیں باوجود یہ کہ حق واضح ہے پھر بھی ظالم لوگ بغیر انکار کئے نہ رہے۔ لفظ ظالمین بتا رہا ہے کہ ان کافر و انکار بے جا ہے۔

قُلْ لَّوْ أَن تُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَشُورًا ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالات) کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم اس کے خرچ کرنے کے اندیشے سے ضرور ہاتھ روک لیتے اور آدمی ہے بڑا تنگ دل۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے نزدیک رحمت سے مراد نبوت اور خزانے سے مراد کمالات ہیں، لیکن حضرت مولف کے نزدیک رحمت رب سے مراد رزق ہے یا ہر نعمت مراد ہے اور خَشْيَةُ الْإِنْفَاقِ سے مراد ہے ناداری کا خوف۔ یا ختم ہو جانے کا اندیشہ نفق الشَّيْبِيِّ وہ چیز ختم ہو گئی، عربی محاورہ ہے۔ قَشُورٌ کا معنی ہے بخیل، کسجوس۔ انسان حاجت مند ہے لور جس چیز کی اس کو حاجت ہوتی ہے اس کو خرچ کرنے میں کسجوسی کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو معاوضہ کے لالچ میں، مگر اللہ



عنی ہے کسی چیز کا محتاج نہیں، جتنا بھی وہ عطا فرمادے اس سے ہزاروں گنا زیادہ پیدا کر سکتا ہے، اس لئے اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ  
 اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو کھلے ہوئے نشانات  
 (قدرت یعنی معجزات) کو دیئے تھے۔ یقین معجزات میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ عصا، ید بیضا، زبان کی گرہ کھل جانا، سمندر کا لاشعی کی ضرب سے پھٹ جانا، طوفان، مڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون۔ عکرمہ، مجاہد اور عطاء کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ طوفان، مڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، قحط، پھلوں کی کمی۔ قبطیوں میں سے ایک شخص اپنی بی بی کے ساتھ ایک بستر پر سو رہا تھا (شاید حضرت موسیٰ کی بددعا سے) دونوں پتھر بن گئے۔ ایک عورت کھڑی روٹی پکا رہی تھی (شاید حضرت موسیٰ کی شان میں گستاخی کرنے سے) وہ بھی پتھر کی ہو گئی۔ محمد بن کعب قرظی نے خمس (صورتوں کو بدل دینا یا بگاڑ دینا) اور سمندر کو پھلانے اور طور کے سردوں پر معلق ہو جانے کو بھی تسع آیات میں شمار کیا ہے۔

حضرت صفوان بن عسال کا بیان ہے ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر اس نے یہ لفظ سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نو واضح آیات دریافت کیں حضور نے فرمایا (نو کھلی ہوئی آیات یعنی احکام یہ ہیں)۔ (۱) کسی چیز کو اللہ کا سا جی نہ قرار دو۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) ناحق ناجائز خون نہ کرو۔ (۵) کسی بے قصور کو (قتل یا بخلوت وغیرہ کی تہمت لگا کر) حاکم کے پاس قتل کرانے کے لئے نہ لے جاؤ۔ (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) جہاد میں مقابلہ کے وقت بھاگنے کے لئے پشت نہ پھیرو۔ اور ارے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر یہ حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی حرمت میں (حدود شریعہ سے) تجاوز نہ کرو (کہ ظاہری حیلہ بہانہ کر کے سنیچر کے دن اپنے معاشی کاروبار جاری رکھو اور کوئی شرعی حیلہ اس کے لئے تلاش کر لو) یہ سن کر دونوں یہودیوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پاؤں چوم لئے، اور بول اٹھے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، پھر میرا اتباع کرنے سے تمہارے لئے کون سی چیز مانع ہے۔ کہنے لگے، حضرت داؤد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ انہی کی نسل سے اللہ ہر پیغمبر مبعوث فرمائے اب اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو ہم کو ڈر ہے کہ یہودی ہم کو قتل کر دیں گے۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ و الترمذی والحاکم۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ اس کو معلول قرار دینے کی ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں۔ بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا، آؤ ہم اس نبی سے کچھ سوال کریں۔ ساتھی نے کہا اس کو نبی نہ کہو اگر وہ سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، غرض دونوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے آیت وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ کی تشریح دریافت کی۔

بہر حال اس روایت کی روشنی میں آیات سے مراد احکام ہوں گے اور یہ احکام وہ ہیں جو ہر قوم اور ہر شریعت میں موجود ہیں اس روایت میں جو یہودیوں کے لئے حرمت شنبہ کی خصوصیت ظاہر کی گئی اس کا شمار آیات تسع میں نہیں ہے۔ یہ حکم صرف یہودیوں کے لئے تھا اور اصل جواب سے یہ آخری جملہ زائد ہے۔

پھر ہم نے (موسیٰ سے) کہا (کہ فرعون سے) بنی اسرائیل  
 فَسْئَلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ  
 کو مانگ لو (یعنی فرعون سے کہو کہ بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ چھوڑ دے اور موسیٰ سے یہ بات ہم نے اس وقت کہی) جب وہ فرعون اور اس کے آدمیوں کے پاس پہنچے تھے (اس تشریحی ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ فَسْئَلُ میں خطاب حضرت موسیٰ کو ہے اور قُلْنَا لِمُوسَى ہم نے موسیٰ سے کہا۔ کا جملہ محذوف ہے اور إِذْ جَاءَهُمْ کا بھی قُلْنَا محذوف سے تعلق ہے) اس تشریح

کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو سعید بن منصور نے سنن میں اور امام احمد نے الزہد میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فَسْتَنْلُ کی جگہ فَسْأَلُ (بصیغہ ماضی) پڑھا تھا۔

یا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مطلب اس طرح ہے اے محمدؐ آپ بنی اسرائیل سے وہ واقعات دریافت کیجئے جو فرعون و موسیٰ کے درمیان ہوئے تھے اور آیات بیانات کے متعلق بھی ان سے پوچھیے (وہ آپ کی تصدیق کریں گے) تاکہ مشرکوں کو بھی آپ کی سچائی معلوم ہو جائے۔ یا اس لئے دریافت کیجئے کہ آپ کو بجائے خود بھی نسلی ہو جائے اور آپ جان لیں کہ بنی اسرائیل کی تمام فرمائش بھی اگر پوری کر دی جائیں تو عناد انکار پر جسے رہیں گے، ایمان نہیں لائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ گزر گئے (کہ آیات بیانات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے) یا یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل سے دریافت کر لیجئے تاکہ آپ کو یقین اور اطمینان خاطر کامل طور پر پیدا ہو جائے۔ اس تشریح پر اذْجَاءُ هُمْ کا تعلق اَلْاِثْنَاءُ سے ہوگا۔

فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّي لَاظُنُّكَ بِمُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿۱۰﴾  
فرعون نے موسیٰؑ سے کہا موسیٰؑ میرا تو یہ قطعی خیال ہے کہ تیرے لو پر یقیناً جادو کیا گیا ہے تو بلاشبہ سحر زدہ ہے۔ تیرا دماغی توازن بگڑ گیا ہے کہ ایسی ناممکن باتوں کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ اپنے کو اللہ کا رسول کہتا ہے۔ کلبی نے مسحور کا ترجمہ کیا حتیٰ سے برگشتہ کیا ہوا۔ فراء اور ابو عبیدہ نے کہا مسحور بمعنی ساجر ہے جادوگر۔ محمد بن جریر نے کہا سحر کی تعلیم دیا ہوا یعنی تجھے جادو سکھا دیا گیا ہے اور تمام عجیب باتیں جو قوت ظاہر کر رہے سحر کا کرشمہ ہیں۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا اَنْزَلْنَا هٰؤُلَاءِ الْاَرْضِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ بِصٰٓئِرٍ ۗ وَرَٓىٰ لَآظِنٰكَ يَفِرْعَوْنُ مَغْبُورًا ﴿۱۱﴾  
قَالَ اَدَاَنْ يَسْتَفِرِّزُ هُمْ مِنَ الْاَرْضِ

موسیٰؑ نے کہا تو جانتا ہے (یعنی دل میں) کہ یہ (عجائبات) خاص آسمان و زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو بصیرت حاصل کرنے کے کافی ذرائع ہیں، اور میرے خیال میں ضرور تیری کم سختی کے دن آگئے ہیں، پھر اس نے چاہا کہ اس سرزمین سے بنی اسرائیل کا قدم اکھاڑ دے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، فرعون حضرت موسیٰؑ کو برحق جانتا تھا، لیکن عناد کی وجہ سے انکار کرتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلُوْا اِيْهَا وَاسْتَفِرَّتْهَا اَنْفُسُهُمْ اِنھوں نے معجزات کا انکار کیا مگر دل سے یقین رکھتے تھے۔  
بصائر بصیرت کی جمع ہے یعنی یہ آیات و معجزات میری سچائی کو تیرے سامنے ظاہر کر رہے ہیں مگر تو عناد انکار کر رہا ہے۔

مَشْبُورًا کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے ملعون کیا ہے اور مجاہد نے ہلاک شدہ، اور قتادہ نے ہلاک کردہ۔ فراء نے کہا عرب کہتے ہیں مَا تَبْرَكَ عَنْ هٰذَا اس سے تجھے کس چیز نے روک دیا۔ اس صورت میں مشور کا ترجمہ ہو ایسا شخص جو سرشتی شریر ہو جو فطری طور پر خیر سے برگشتہ ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے ظن کا مقابلہ اپنے ظن سے کیا فرعون کا ظن غلط تھا اور قطعہ کے خلاف تھا اور حضرت موسیٰؑ کا ظن ایسی علامات پر مبنی تھا جو مفید یقین تھیں۔  
اَنْ يَسْتَفِرِّزُ هُمْ اِن کو اکھاڑ دے موسیٰؑ کو اور ان کی قوم کو نکال دے۔  
الارض سے مراد ہے زمین مصر۔ یا تمام روئے زمین، فرعون چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کو قتل کر کے روئے زمین سے ان کو نکال دے۔

فَاَعْرَفْنٰهُ وَهَرَبَ مَعَهُ جَمِيعًا ﴿۱۲﴾  
پس ہم نے اس کو اور جو اس کی ساتھی تھے سب کو ڈبو دیا، یعنی مصر سے ہم نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی جڑ اکھاڑی۔  
وَقُلْنَا مَنْ بَعْدِہٖم لِيَبۡتۡئِیۡنَ اِسْرَآءِیۡلَ اَسْكُنُوۡا الْاَرْضِیۡنَ

اور فرعون کو ڈبوئے کے بعد

ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم اس زمین میں (جہاں سے تم کو فرعون نکالنا چاہتا تھا) رہو۔

فَلَاذًا جَاءَ وَعَدُّ الْأَخِرَةَ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿۱۰﴾  
پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم سب کو جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔

الْآخِرَةُ یعنی دوسری مرتبہ یا دوسری زندگی۔ یا دوسری ساعت یا ابراہیم آخرت۔ بہر حال قیامت مراد ہے۔ لَفِيفًا مخلوط، باہم آمیختہ، یعنی تم اور وہ دونوں قیامت کے دن مخلوط ہو کر آؤ گے۔ پھر اہل شقوت کی جماعت الگ کر دی جائے گی۔ لَفِيفٌ مختلف متعدد قبائل کا مجموعہ، قیامت کے دن بھی ایسا ہی ہوگا، شروع میں مومن، کافر، نیک، بد مخلوط ہوں گے۔ کلیں کے نزدیک وعدہ آخرت آنے سے مراد ہے، حضرت عیسیٰ کا آسمان سے انا اور جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا کا یہ مطلب ہے کہ ادھر ادھر ہر طرف سے مختلف اقوام آئیں گی۔

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَّلَ ﴿۱۱﴾  
اور حق ہی کے ساتھ ہم نے اس کو اتارا ہے اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا ہے۔ اول الحق سے مراد ہے وہ حکمت و مصلحت جو نزول قرآن کی مقتضی تھی اور دوسرے الحق سے مراد ہے دانائی اور سچائی جو قرآن کے اندر ہے۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم نے قرآن کو ملائکہ کی نگرانی میں آسمان سے اتارا ہے اور ملائکہ کی حفاظت میں ہی وہ رسول پر نازل ہوا ہے۔ شیاطین کی دست رس سے قرآن محفوظ ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۱۲﴾  
اور (اے محمد) ہم نے آپ کو صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، فرماں برداروں کو جنت کی خوش خبری دینے والا اور نافرمانوں کو دوزخ سے ڈرانے والا۔ یعنی آپ کا کام صرف بشارت اور تخویف ہے، ہدایت پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْتَبٍ وَتُرْتَّلَانَهُ تَلْوِينًا ﴿۱۳﴾  
اور قرآن میں جا بجا ہم نے فصل رکھا تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے خیر خیر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔

فَرَقْنَاهُ یعنی ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے متفرق طور پر اتارا اور قرآن میں برس میں اترا، لہذا یہ مطلب ہے کہ قرآن کو ہم نے تفصیل دار اور کھول کر بیان کیا ہے۔ حسن نے کہا فرقنا کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کے اندر حق کو باطل سے الگ کر دیا، حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔

مُكْتَبٍ مصلحت۔ قرآن کو وقفہ وقفہ سے تھوڑا تھوڑا اتارنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔

قُلْ أُمُّوایہِ أَوْلَا بُعُوثًا إِنَّ تَمَّارَ أَمْرًا لَمُنْكَرًا ﴿۱۴﴾  
(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ تم قرآن کو سچا مانو یا نہ مانو۔ یعنی تمہارے ایمان سے قرآن کو کوئی فائدہ نہیں اور انکار سے اس کا کچھ ضرر نہیں، تمہارے ایمان سے خود تم کو فائدہ پہنچے گا۔ قرآن کے کمال میں اضافہ نہ ہو گا اور انکار سے تمہارا نقصان ہوگا۔ قرآن کے کمال میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

الَّذِينَ آؤتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْآذَانِ مُجْتَذِئِينَ ﴿۱۵﴾  
جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا جب یہ قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

۱۔ معلوم نہیں حضرت مفسر کو بیس سال کی روایت کہاں سے پہنچی، حدیثی حقیقت اس کے خلاف ہے چالیس سال کی عمر میں بعثت ہوئی اور نزول قرآن کا آغاز ہوا اور ۶۳ یا ۶۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی اور قرآن کا نزول ختم ہوا، اس حساب سے ۲۳ یا ۲۴ سال میں پورا قرآن اترا۔ مترجم۔

یعنی اگر تم ایمان نہ لائے تو نہ لاؤ دوسرے لوگ اس پر ایمان لے آئے، جو تم سے بہتر ہیں ان دوسرے ایمان لانے والوں سے مراد ہیں اہل کتاب کے علماء جو کتب سابقہ پڑھتے، حقیقت وحی کو جانتے اور علامات نبوت سے واقفیت رکھتے تھے اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتے تھے، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے لوصاف اور حالات سابقہ کتابوں میں پڑھے تھے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے الَّذِينَ اَوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے دین حق کی جستجو میں لگے ہوئے تھے جو نبی رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی وہ ایمان لے آئے، جیسے حضرت زید بن عمرو بن قحیل، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری وغیرہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں منکروں کو تہدید کرنی مقصود نہ ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ کو تسکین و تسلی دی گئی ہو کہ یہ جاہل ایمان نہیں لائے تو آپ پریشان نہ ہوں، اہل علم تو ایمان لے آئے آپ ان منکروں کی روگردانی کی پروا نہ کیجئے۔ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں کرنے سے مراد ہے منہ کے بل سجدہ میں گرنا۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔

یعنی حکم الہی کی تعظیم کے لئے اور اس شکر یہ میں کہ اللہ نے جو سابق کتابوں میں وعدہ فرمایا کہ قطعاً رسل کی مدت میں ہم محمد ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجیں گے اور ان پر قرآن نازل کریں گے وہ وعدہ اللہ نے پورا کیا۔

اور کہتے ہیں ہمارا بوعده  
وَيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدًا رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿۱۰﴾  
خلائی سے پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ یقیناً پورا ہونے والا ہے یعنی کتب سابقہ میں اللہ نے جو وعدہ کیا تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجئے اور قرآن نازل کرنے کی بشارت دی تھی، لامحالہ اس کو پورا ہونا تھا۔

دو بارہ ذکر اس لئے کیا کہ سجدہ کرنے کے سبب میں اختلاف تھا، پہلا تو سجدہ شکر تھا کہ اللہ نے وعدہ پورا کیا اور دوسرا سجدہ اس تاثر کا نتیجہ تھا جو قرآنی ہدایت پڑھ کر ان کے دلوں میں پیدا ہوا تھا۔

وَيَزِيدُنَّهُمْ خُشُوعًا ﴿۱۱﴾  
اور قرآنی برکات کا جو نزول ان کے دلوں پر ہوتا ہے اس کی وجہ سے قرآن سنانا ان کے اندر خشوع، علم اور یقین بڑھنے کا موجب ہوتا ہے۔

مسئلہ

قرآن سننے کے وقت روٹنا مستحب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے زیادہ دوزخ میں داخل نہ ہو گا یہاں تک کہ دودھ ٹھن میں لوٹ جائے (اور تھنوں کے اندر دودھ کا لوٹنا جانا تو محال ہے، پس خوف خدا سے رونے والے کا دوزخ میں داخل ہونا بھی محال ہے) اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور جنم کا دھواں مسلمان کے تھنوں میں جمع نہیں ہوگا (یعنی جس مسلمان کے بدن پر راہ خدا میں غبار پڑا، وہ جنم کا دھواں بھی نہ سونگھے گا) رواہ ابویوسف والحاکم، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ یہی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، دودھ (قسم کی) آنکھوں کو دوزخ کی آگ کا پالینا حرام کر دیا گیا ہے (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی (دوسری) وہ آنکھ جو رات بھر (بیدار رہ کر) اسلام اور اہل اسلام کی کافروں سے حفاظت کرتی رہی۔ حضرت حکیم بن حزام کا بیان ہے، میں نے خود حضور ﷺ کو فرماتے سنا تین (طرح کی) آنکھوں پر آگ حرام کر دی گئی ہے، (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی، (تیسری) وہ آنکھ جو ممنوعات خداوندی سے بند رکھی گئی۔

بغوی نے حضرت ابو یوسف کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کے خوف سے روئی اور اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی اور اس آنکھ پر دوزخ حرام ہے جو اللہ کی ممنوعات سے بند رکھی گئی، یا فرمایا اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں پھوڑی گئی۔ طبرانی نے اس روایت کو الکبیر میں لکھا ہے اور صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ وہ کبھی کے سر کے برابر ہوں اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔ ابن مردودہ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز پڑھی اور دعا کی یا اللہ یارِ حمن۔ مشرک یہ الفاظ سن کر کہنے لگے اس بے دین کو دیکھو ہم کو تودو معبودوں کو پکارنے سے منع کرتا ہے (اور خود دو کو پکارتا ہے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ ادْعُوا اللّٰهَ اَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو (لفظ اللہ کہہ کر) پکارو یا حمن جس سے بھی پکارو۔

(دونوں درست ہیں) کیونکہ اس کے اچھے اچھے نام بہت سے ہیں۔ بغوی کے بیان میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے آیا ہے کہ مکہ میں ایک رات کو نماز کے اندر سجدے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یارِ حمن۔ ابو جہل بولا محمد ﷺ ہم کو تو ہمارے معبودوں کو پکارنے سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکارتا ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی ذات کے دونوں نام ہیں، بولنے میں تعدد ہے مگر یہ تعدد وحدت ذات سے مانع نہیں۔ وہی ذات مستحق عبادت ہے کوئی دوسرا مستحق معبودیت نہیں۔ آیت میں لفظ اَوْ تخمیر کے لئے ہے (یعنی تم کو اختیار ہے کہ ایک ذات کو لفظ اللہ کہہ کر پکار دیا لفظ حمن کہہ کر) بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا آپ لفظ حمن (اللہ کے لئے) کہتے ہیں (یہ لفظ تو توریت کا ہے) اللہ نے توریت میں بکثرت ذکر کیا ہے اس پر آیت بالا کا نزول ہوا، مطلب یہ ہے کہ دونوں لفظ برابر ہیں، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ پکارنے سے مراد ہے نام لینا۔ اللہ کے سب نام اچھے اچھے ہیں کیوں کہ ان سے صفات جلال و جمال کا ظہور اور ہر عیب و نقص سے پاکی کا مظاہرہ ہوتا ہے، اللہ کے اسماء کی تفصیل اور اس سے متعلق مباحث سورہ اعراف کی آیت وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا کی تفسیر میں لکھ دیئے ہیں۔

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۰

اور اپنی نماز نہ تو بہت پکار کر پڑھو اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھو اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کرو۔ یعنی نماز میں قرأت اتنی اونچی آواز سے نہ کرو کہ (دور رہنے والے) مشرک بھی اس کو سن لیں اور نہ اتنی ہلکی آواز سے پڑھو کہ پیچھے صف اول کے مسلمان (شرکاء نماز) بھی نہ سن پائیں، بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو۔ متوسط درجہ ہر چیز کا بہتر ہوتا ہے (افراط و تفریط دونوں ربح فتنج ہیں) اَلصَّلٰوۃ سے مراد رات کی نماز ہے، فرض ہو (مغرب، عشاء، یا نفل)، (تہجد وغیرہ) کیونکہ دن کی نمازیں تو باجماع امت سری ہیں ظہر و عصر میں قرأت جہری نہیں، جمہور امت اسلامیہ تمام کی تمام دن کی نمازوں میں قرأت سری کرتی چلی آئی ہے۔

یا متوسط راہ اختیار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دن کی نمازوں میں اور جہاں مشرک سن سکتے ہوں وہاں سری قرأت اختیار کرو۔ اور رات کی نماز میں متوسط جہر سے قرأت کرو۔

بغوی نے بطریق بخاری ابو بشر کی وساطت سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں مکہ میں چھپے ہوئے تھے، اس دور میں جب صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے تو قرأت اونچی آواز سے کرتے تھے، جب مشرک قرآن کو سنتے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے کو اور جس پر اتارا گیا تھا اس کو سب کو برا کہتے تھے، اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ یعنی قرأت اونچی آواز سے نہ کرو کہ مشرک سن کر قرآن کو گالیاں دینے لگیں۔ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا۔ اور نہ اتنی پست آواز سے پڑھو کہ سنا بھی نہ سن پائیں۔ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلًا اور درمیانی راہ اختیار کرو کہ صحابہ سن لیں اور مشرکوں تک قرأت کی آواز نہ پہنچے۔ بغوی نے لکھا ہے کچھ علماء کا خیال ہے کہ آیت کا نزول دعا کے متعلق ہوا تھا (یعنی صلوة سے مراد اس آیت میں دعا ہے) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، عیسیٰ، مجاہد اور مکحول کا یہی قول ہے، بخدی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آیت وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا کے متعلق فرمایا یہ دعا کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ابن جریر نے بطریق ابن عباسؓ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن لول روایت کو قوی الا ستاد ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے، نووی

کے نزدیک لول روایت راجح ہے۔ شیخ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعا کے متعلق غالباً اس آیت کا نزول ہوا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس جب نماز پڑھتے تو دعا لوپچی آواز سے کرتے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضرت مفسر نے فرمایا مجھے تطبیق کی یہ کوشش پسند نہیں کیونکہ نماز کے اندر پڑھنے کی جو دعائیں اب تک منقول چلی آئی ہیں جو قعدہ میں پڑھی جاتی ہیں اور نوافل میں بحالت قیام و سجدہ بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آیا ہے وہ سب باطلاق روایت سری ہی پڑھی جاتی رہی ہیں۔ صرف دعا قوت میں اختلاف ہے کہ اس کو جہر اُپڑھا جائے یا سر لہ اس کے علاوہ آیت اذْعُوا رَبِّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُتَعَدِّينَ کا حکم عام ہے نماز کے اندر ہو یا باہر ہر دعا کو چپکے چپکے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لئے اگر روایات میں مطابقت پیدا کرنی ہی ہے تو مناسب ترین یہ توجیہ ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ کی مذکورہ روایت میں ذعا سے مراد سورہ فاتحہ ہے کیونکہ اس کے اندر آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ دعا ہی ہے۔ آیت مذکورہ کے سبب نزول کے متعلق دور روایتیں اور بھی آئی ہیں، لیکن چونکہ یہ روایت صحیح اور اجماعی روایت کے خلاف ہیں، اس لئے قابل قبول نہیں۔ ابن جریر اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِرْحَمْنِي اِسْ بِرِیہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ لَا تَخَافْتُوْا وَلَا تَجْهَرُوْا۔

بغوی نے حضرت عبد اللہ بن شداد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے اعرابی رسول اللہ ﷺ کے سلام کے جواب میں بلند آواز سے کہتے تھے اَللّٰهُمَّ اِرْزُقْنَا مَالًا وَّوَلَدًا اِسْ بِرِیہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایات قابل قبول نہیں۔ بغوی نے بطریق ترمذی حضرت عبد اللہ بن رباح انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تم پست آواز سے قرأت کر رہے تھے میں تمہاری طرف سے گزرا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا میں جس سے خطاب کر رہا تھا اس کو ہی سنا رہا تھا، فرمایا زرا آواز لوپچی رکھا کرو۔ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا، میں تمہاری طرف سے گزرا تھا تو تم قرآن پڑھنے میں آواز بلند کر رہے تھے (یعنی ہمست لوپچی آواز سے پڑھ رہے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں (اپنی قرأت سے) سوتے کو جھک رہا تھا اور شیطان کو بھگڑ رہا تھا، فرمایا زرا آواز کو پچی رکھا کرو۔

حضرت ابو داؤد وغیرہ نے حضرت ابو قتادہ کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ قرأت جبری اور سری کے کچھ مسائل ہم نے سورہ اعراف کی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِی نَفْسِكَ میں بیان کئے ہیں اور جہر و انشاء کا ذکر اذْعُوا رَبِّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً کی تفسیر میں کیا ہے۔

## فصل

### رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ قرأت میں رسول اللہ ﷺ کبھی آواز کو اٹھاتے تھے اور کبھی پست کرتے تھے، رواہ ابو داؤد۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر ہوتے تھے تو آپ کی قرأت اتنی آواز سے ہوتی تھی کہ حجرہ کے اندر والے سن لیتے تھے۔ رواہ ابو داؤد۔ حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت خود پڑھ کر بتائی اور ایک ایک لفظ کھول کھول کر پڑھ کر بتلایا، رواہ ابو داؤد و الترمذی و التسانی۔

حضرت ام ہانی کا بیان ہے میں اپنے بالاخانہ پر رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی آواز سنا کرتی تھی (یعنی مسجد سے بالکل متصل حضرت ام ہانی کے مکان کی بالائی منزل تک قرأت کی آواز پہنچتی تھی) رواہ الترمذی و التسانی و ابن ماجہ۔ حضرت عبد اللہ بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی بابت دریافت کیا کہ

حضور ﷺ کیا چپکے چپکے قرأت کرتے تھے یا جہر کے ساتھ فرمایا، ہر طرح پڑھتے، کبھی چپکے چپکے پڑھتے تھے، کبھی جہر کے ساتھ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔

وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمَلِكِ ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الدُّنْيَا ۚ وَكَبِيرَةٌ تَكْبِيرًا ۝

اور کہو کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے خاص ہیں جو نہ اولاد

رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کرو۔ (حضرت مفسر کے نزدیک) الْمَلِك سے مراد ہے الوہیت، اذل کمزوری۔ وَلِيٌّ، حامی، مددگار۔ یعنی اس کے اندر کوئی کمزوری نہیں کہ اس کو اپنی کمزوری دفع کرنے کے لئے مددگار کی ضرورت ہو۔ اول جہی اور غیر جہی شریک کی نفی کی اور اختیاری شریک یعنی اولاد اور غیر اختیاری شریک یعنی سلطنت میں کسی دوسرے کے ساجھی نہ ہونے کی صراحت فرمائی، پھر کسی مددگار کے ہونے اور کمزوری کو دور کرنے والے حامی کی نفی کی یعنی اس امر کی صراحت کی کہ اس کے اندر کوئی کمزوری ہی نہیں ہے جس کو دور کرنے کے لئے مددگار کی ضرورت ہو، نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور تینوں اوصاف پر حمد کو مرتب کیا کیونکہ جب وہ کامل الذات، خلافت میں مفرد اور منعم علی الاطلاق ہے تو ہر حمد کا وہی مستحق ہے اس کے سوا تمام مخلوق ناقص، مملوک اور نعمت یافتہ ہے پس مخلوق کی جو حمد بھی کی جائے وہ حقیقت میں اللہ ہی کی طرف لوٹتی ہے۔

امام احمد نے مسند میں نیز طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت معاذؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما ہے تھے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۚ آخِر سورہ تکوین۔ آیت عزت ہے۔

آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ بندہ اللہ کی تہنیر اور تعجید کتنی بھی کرتا ہو۔ اور کتنی ہی اللہ کی حمد و ثنا کرے اور کتنی ہی عبادت کرے پھر بھی اس کو اقرار کرنا چاہئے کہ حق ادا کرنے سے قاصر رہا۔

حضرت ابن عباسؓ روی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن جن کو جنت کی طرف سب سے پہلے بلایا جائے گا وہ وہی لوگ ہوں گے جو دکھ سکھ ہر حالت میں اللہ کی بہت زیادہ حمد کرتے ہیں، رواہ الطبرانی والبیہقی والحاکم۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حمد شکر کی چوٹی یعنی مدار ہے جو بندہ اللہ کی حمد نہیں کرتا وہ شکر نہیں کرتا۔ رواہ البیہقی و عبد الرزاق فی الجامع۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ روی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑھا دعا الْحَمْدُ لِلَّهِ ہے، اور سب سے اعلیٰ ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کو سب سے زیادہ پارے چار جملے ہیں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور سُبْحَانَ اللَّهِ اور اللَّهُ أَكْبَرُ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ جس سے شروع کرو، کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم و احمد بسند صحیح۔ بغوی نے مذکورہ بالا چاروں احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت طبرانی نے ذکر کی ہے کہ قیامت کے دن سب بندوں میں بڑھا درجہ والے وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ بندہ کا سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ کہنا اللہ کو بہت ہی محبوب ہے۔ رواہ احمد و مسلم و الترمذی۔ حضرت انسؓ روی ہیں کہ نسل عبد المطلب کے بچے کی جب زبان کھل جائے تو اس کو تعلیم دو اور کو الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۚ الخ۔ یہ حدیث ابن سنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں نقل کی ہے۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے حوالہ سے عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے اپنے مصنف میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔ سورہ نبی اسرائیل کی تفسیر ۳ رمضان ۱۲۰۲ھ کو اللہ کی مدد و توفیق سے ختم ہوئی۔

الحمد لله والشكر له کہ سورہ نبی اسرائیل کا ترجمہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو بعونہ تعالیٰ پورا ہوا۔

## .....سورۃ الکہف.....

سورۃ الکہف مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابن جریر نے بطریق اسحاق ایک مصری شیخ کے حوالہ سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے، قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے علماء کو یہود کے پاس بھیجا اور ہدایت کی کہ محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں اور ان کے جو احوال ہیں وہ تم یہودی عالموں سے جا کر بیان کرو، وہ اہل کتاب ہیں ان کے پاس جو علمی ذخیرہ ہے ہمارے پاس نہیں ہے جو کچھ وہ فیصلہ کریں آکر ہم کو بتاؤ۔ دونوں قاصد حسب مشورہ مدینہ پہنچے، یہودی علماء سے طے رسول اللہ ﷺ کی کچھ باتیں اور احوال ان سے بیان کئے، یہودی علماء نے کہا، تم جا کر محمدؐ سے تین باتیں دریافت کرو۔ اگر وہ بتادیں تو یقیناً وہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں، نہ بتائیں تو سمجھ لو جوٹے ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو وہ چند نوجوان کون تھے جو پچھلے زمانے میں گزر گئے اور ان کے واقعات دنیا سے بالکل انوکھے تھے وہ واقعات کیا تھے۔

(۲) وہ کون آدمی تھا جو زمین کے سارے مشرق و مغرب میں گھوما تھا، اس کے واقعات اور حالات کیا تھے۔

(۳) ان سے پوچھو، روح کی کیا حقیقت ہے۔

دونوں نمائندے مدینہ سے مکہ واپس آگئے اور قریش سے کہا ہم ایک فیصلہ کن امر لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمدؐ کے درمیان قطعی فیصلہ کر دے گا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ سے مذکورہ بالا تینوں سوال کئے، حضور ﷺ نے فرمایا، تمہارے سوالوں کا جواب میں کل کو بتا دوں گا، حضور ﷺ نے بتا دینے کا وعدہ تو کر لیا مگر انشاء اللہ اس کے ساتھ نہیں فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ روز کی تاخیر ہو گئی، اس مدت میں نہ کبھی جبرئیل آئے، نہ اللہ نے کوئی وحی بھیجی۔ آخر وحی نہ آنے سے آپ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اہل مکہ بری خبریں اڑانے لگے اور قریش کی طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ آخر اللہ کی طرف سے جبرئیل سورۃ الکہف لے کر نازل ہوئے۔ اس سورۃ میں دونوں سوالوں کا جواب ہے اور روح کے متعلق آیت یَسْتَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ الخ بھی ہے، اور کافروں کی ہدایت کے غم میں گھلتے رہنے پر کچھ عتاب بھی ہے۔

تعریف ہے اس اللہ کی جس نے اپنے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ

(خاص) بندے پر قرآن مجید اتارا۔ قرآن اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے یہ بندوں کو تکمیل انسانیت کا راستہ بتاتا ہے، معاش و



معاذ کو درست کرنے والی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہی نے بندوں کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس لئے اس نے انعام قرآن کا ذکر کر کے خود اپنی شان کی اور اس میں بندوں کو حمد خداوندی کرنے کی (درپردہ) تعلیم بھی دے دی۔  
 وَلَوْ يَجْعَلُ لَهُ عِوَجًا ①  
 اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

معانی میں کجی کو عِوَج بکسر عین اور خارجی چیزوں کی کجی کو عِوَج بفتح عین کہا جاتا ہے۔ فی زَايِه عِوَج لور فی عَصَاهُ عِوَج بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے نہ الفاظ میں کوئی خرابی اور اختلال ہے نہ معانی میں کوئی تعارض و اختلاف، نہ اللہ کی طرف دعوت دینے میں کسی جگہ مقصد سے انحراف ہے، نہ کسی آیت میں حکمت و مصلحت سے خروج۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت قُرْآنًا عَرَبِيًّا عَنِيذِي عِوَجٍ کی تفسیر میں عَنِيذِي عِوَجٍ کا ترجمہ غیر مخلوق کیا ہے۔ اس تفسیر کی روشنی میں بعض علماء نے لَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا کا ترجمہ اور مراد یہ معنی یہ بیان کیا کہ اللہ نے قرآن کو مخلوق نہیں کیا، یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

قَيِّمًا استقامت کے ساتھ متصف فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی معتدل جس کے احکام میں نہ افراط (شدت) ہے نہ تفریط (زیادہ نرمی) فراء نے کہا تمام آسمانی کتابوں کی صحت کا شاہد اور ان کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا تمام انسانوں کے مصالح کا درست کرنے والا۔

کجی نہ ہونا اور مستقیم ہونا دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، لیکن کچھ سیدھی مستقیم چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان میں کسی قدر کجی ہوتی ہے (جو محسوس نہیں ہوتی) اس لئے کجی نہ ہونے اور مستقیم ہونے کی تاکید صراحت کر دی۔

لِيُنذِرَ رِبَّاسًا شَدِيدًا آمِنًا لِّدُنِّهِ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ② مَا كُنْتُمْ مَكَرِيْنِينَ  
 فَيَذَرُهَا آيَةً ③  
 تاکہ وہ (بندہ قرآن کے ذریعہ سے

کافروں کو) اللہ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے (جو دوزخ کے اندر ہوگا) اور جو مومن نیک کام کرتے ہیں ان کو اچھے ثواب کی بشارت دے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اچھے ثواب سے مراد ہے جنت اور اللہ کی خوشنودی۔ مَا كُنْتُمْ مَكَرِيْنِينَ متعین رہیں گے۔ اَبْدًا اتنی مدت جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

قِيْنِي رَاكِدِيْنَ قَالُوْا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ④ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ عَسَآءَ مَا كُنْتُمْ  
 كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤  
 ڈرائے جو کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ لولا اور کہتا ہے نہ تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے نہ ان کے باپ و ابا کے پاس تھی، بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ بالکل ہی جھوٹ کہتے ہیں۔

اللہ کو صاحب لولاد قرار دینا شدید ترین کفر ہے اسی شدت کفر کو ظاہر کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرانے کا ذکر کیا جو کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ یعنی اللہ کی (مفروضہ) لولاد کا یا اولاد قرار دینے کا یا اس (کفریہ) بات کا ان کو کوئی علم نہیں۔ مطلب یہ کہ جو بات زبان سے نکالتے اور جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کی حقیقت کا ان کو کوئی علم نہیں، محض جمالت یا تو ہم پرستی یا دوسروں کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں، خود ان کو اپنے کلام کی مراد معلوم نہیں باپ (اب) بیٹے (ابن) کا اطلاق ان کے نزدیک موثر اور اثر پر بھی ہوتا ہے اور نسی باپ بیٹے پر بھی۔ اگر ان کو اس لفظ کی مراد معلوم ہوتی اور نسی باپ بیٹا مراد ہوتا تو ایسا لفظ کبھی نہیں بولتے، یہ بات جو ان کی زبانوں سے نکل رہی ہے، بڑی کفریہ ہے۔ اس سے مخلوق کا خالق جیسا ہونا، اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرنا اور اللہ کا محتاج ہونا اور اپنا جانشین بنانے کا ضرورت مند ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## ﴿..... ایک شبہ.....﴾

نادانی میں کوئی جرم ہو جائے تو قابل مواخذہ نہ ہونا چاہئے، خطا اجتہادی قابل عفو ہے پس بے علمی کی وجہ سے کچھ لوگ کفر یہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں اور خدا کو صاحب ولد کہتے ہیں تو کیوں ان کو عذاب کی وعید دی گئی۔

## ﴿..... ازالہ.....﴾

کسی چیز کا علم نہ ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں (۱) کوہ چیز موجود ہو اور اس کے احوال کا علم نہ ہو۔ (۲) کوہ چیز معدوم ہو بلکہ اس کا وجود ہی ناممکن ہو اس لئے اس کی کسی حالت کا علم نہ ہو۔ اول صورت میں ناواقفیت کبھی کبھی عذر بن سکتی ہے، لیکن دوسری قسم کی جہالت کا کوئی عذر قابل پذیرائی نہیں۔ اس جگہ ناواقفیت اور جہالت کی دوسری صورت مراد ہے جو بہر حال قابل مواخذہ ہے۔ کِبْرُوت کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ کفر کے اعتبار سے یہ کفر یہ بات بڑی ہے۔ دوسرا معنی کِبْرُوت کا بُسُوت ہے یعنی یہ بات بری ہے۔ کلمہ کا استعمال پورے کلام بلکہ پورے قصیدہ کے لئے بھی ہوتا ہے، اس جگہ کلام (بات) ہی مراد ہے بات کی آواز تو منہ سے ہی نکلتی ہے اس آیت میں تَخْرُجُ مِنْ أَنْوَاهِمُ كَالْفُجْرِ بَرِّحًا کریمہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی جرات کفر بہت زیادہ ہے کہ کلمہ کفر اپنے منہ سے (دانستہ) نکالتے ہیں۔ جھوٹ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اس بات کی واقع میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ربیعہ کے دونوں بیٹے عقبہ اور شیبہ اور ابو جہل بن ہشام اور نضر بن حارث اور عاص بن وائل اور اسود بن مطلب اور ابوالبختری شامل تھے جمع ہوئے (اور رسول اللہ ﷺ کو بلوایا اور آپ سے وہ گفتگو کی جو اوپر شروع میں نقل کر دی گئی ہے اور بالآخر رسول اللہ ﷺ مایوس ہو کر مجلس سے اٹھ آئے) تو ان لوگوں کی مخالفت اور نصیحت سے سر تابی حضور ﷺ کو بہت کھلی اور قلبی تکلیف ہوئی، اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ مُّفْسِكٌ عَلَىٰ أَكَاهِمْلَانَ لَمْ يَكُفُؤا بِيضًا وَهَذَا الْاِحْدِيثِ اسْفَاۗءٌ ۝

اگر انہوں نے اس کلام یعنی قرآن کو نہیں مانا تو شاید آپ ان کے پیچھے انتہائی غم سے اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔ اسْفَاۗءٌ انتہائی غم و غصہ جیسے کسی کے دوست اس کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں اور فراق پر وہ صبر نہ کر سکے اور غم سے کھل کھل کر مر جائے، یہی حالت رسول اللہ ﷺ کی تھی، آپ کو سرداران قریش کے ایمان لے آنے کی انتہائی فکر و خواہش تھی اور ان کی سر تابی سے بہت زیادہ اندوہ و ملال تھا آپ کے انتہائی اندوہ و حسرت کو اس فراق زدہ کے غم سے تشبیہ دی، جس کو فراق احباب نے جان ہل بنا دیا ہو۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا  
 حیوان) اس کو ہم نے زمین اور لیل زمین کے لئے سجود بنا دیا ہے۔

زمین پر جو کچھ ہے (خواہ کانیں ہوں یا نباتات یا جاندار

ایک شبہ: سانپ، بچھو، موذی جانور اور شیطان زمین کی زینت کس طرح ہیں۔

جواب: سانپ، بچھو وغیرہ بھی اپنے بنانے والے کے کمال قدرت و صنعت اور وحدت ذلت و صفات پر دلالت کر رہے ہیں، اس لئے یہ بھی زمین کی زینت ہی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَا عَلَى الْأَرْضِ سے صرف انسان مراد ہیں، بعض اہل تفسیر کے نزدیک صرف علماء اور صلحاء مراد ہیں، بعض علماء کے نزدیک صرف وہ زینت مراد ہے جو آب و ہوا اور سرسبز لہلہاتے درختوں سے زمین پر ہو جاتی ہے، دوسری آیت میں اس کو زینت ارض قرار دیا گیا ہے، فرمایا حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ۔ بعض کے

نزدیک صرف وہ چیزیں مراد ہیں جن سے اس دنیا کی آرائش ہو رہی ہے (کوٹھیاں، اونچے محلات، اعلیٰ فرنیچر، چمنستان، باغات وغیرہ)

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں مَاعَلٰی الْاَرْضِ سے اگر ہر موجودارضی مراد ہو تو ناممکن نہیں ہے کیونکہ مجموعی طور پر بحیثیت اجمال پورا نظام حسین ہے یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز کو حسین میں دخل ہے کیونکہ ہر (ذاتی حسین) چیز کا حسن اضافی ہے اگر قبیح کا وجود نہ ہو تو حسین کا جمال معلوم نہ ہو (پس قبیح کو بھی زینت ارض میں دخل ہے)۔

لَذَلَّلُوهُمْ اِيْتَهُمْ اِحْسَنُ عَمَلًا ﴿۵﴾ تاکہ ہم جانچ لیں کہ (زمین کی چیزوں کا استعمال) کون (مومن ہو یا کافر) اچھے طور پر کرتا ہے۔ سب سے بہتر استعمال کرنے والا وہی ہو گا جو ان چیزوں کا حریص اور ان پر فریفتہ نہ ہو اور قدر ضرورت پر قناعت کر لے اور صحیح راستہ میں ان کو صرف کرنے، حدیث میں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کوئی شک نہیں کہ دنیا سرسبز اور شیریں ہے اور اللہ تم کو (پچھلوں کا) جانشین اس دنیا میں بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَلَا تَجْعَلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُوْرًا ﴿۸﴾ اور ہم زمین پر کی تمام چیزوں کو ایک چٹیل میدان بنا دیں گے۔

یعنی جس حیوان و نبات وغیرہ کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے اس کو یقیناً ہم خاک بنا دیں گے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ اَصْحَابَ الْكُفِّ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا ﴿۱﴾ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ کف و رقیم والے ہمارے عجائبات میں سے کوئی عجیب چیز تھے۔ استفہام تقریری ہے یعنی کیا تم کو معلوم ہے کہ کف و رقیم والے مجملہ آیات خداوندی کے ایک عظیم الشان نشانی تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ اصحاب کف و رقیم اللہ کی قدرت کی عجیب نشانی تھے یا استفہام انکاری ہے یعنی کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ کف و رقیم والے کوئی عجیب نشانی تھے، ایسا نہیں ہے، زمین اس کی مختلف الانواع، متعدد الاجناس موجودات جن کی کوئی گنتی نہیں اور اللہ نے ان کو زمین کی زینت بنایا ہے کہیں زیادہ تعجب آفرین ہیں پھر ان کا خاک میں مل جانا اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا بہت ہی عجیب آیت قدرت ہے۔

کف پہاڑی کشادہ غار۔ رقیم سے کیا مراد ہے سب سے اچھا قول اس سلسلہ میں سعید بن جبیر کا ہے کہ رنگ یا پتھر کی ایک تختی تھی جس میں اصحاب کف کے نام اور ان کا قصہ لکھا ہوا تھا، اس قول پر رقیم، رِقْم سے مشتق ہوگا، اور رِقْم کا معنی ہے لکھنا۔ اور رَقِيْمٌ بمعنی مَرْقُوْمٌ ہوگا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ رقیم اس واوی کا نام تھا جس میں اصحاب کف کا غار تھا، اس قول پر رقیم کا اشتقاق رِقْمَةُ الْوَادِي (واوی کا کنارہ) سے ہوگا۔ کعب احبار نے کہا رقیم اس بستی کا نام ہے جہاں سے اصحاب کف برآمد ہوئے تھے۔ بعض نے رقیم اس پہاڑ کا نام بنایا ہے جس میں اصحاب کف کا غار تھا۔ ان تمام اقوال پر اصحاب الکف اور اصحاب الرقیم دونوں ایک ہی تھے الگ الگ نہ تھے، لیکن بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اصحاب الکف الگ تھے اور اصحاب الرقیم الگ۔

عبد بن حمید، ابن المنذر، طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ نے حضرت نعمان بن بشیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اصحاب الرقیم کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ تین شخص تھے جو ایک غار میں جا گئے تھے۔

امام احمد اور ابن المنذر نے حضرت انس کی مرفوع روایت بیان کی کہ گزشتہ لوگوں میں تین آدمی تھے جو گھر والوں کے لئے معاش کی جستجو میں چل دیئے راستے میں بارش آگئی، وہ ایک غار میں پناہ گیر ہو گئے۔ جو نئی غار کے اندر داخل ہوئے ایک چٹان (دروازے کی طرف) آپی اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ ایک شخص بولا (بھائیو) جس کسی نے جو بھی کوئی نیک کام کیا ہو اس وقت اس کو یاد کر کے اللہ سے دعا کرے، شاید اللہ اس کی برکت سے ہم پر رحم فرمادے۔ چنانچہ ایک نے کہنا شروع کیا میں نے ایک روز کچھ مزدور کام کرانے کے لئے رکھے۔ ایک مزدور دوپہر کو آیا لیکن اس نے باقی آدھے دن میں اتنا کام کیا جتنا دوسروں نے پورے دن میں کیا تھا، میں نے اس کو مزدوری دوسروں کے برابر دے دی۔ دوسرے مزدوروں میں سے ایک شخص کو اس پر غصہ

آگیا، لور وہ اپنی مزدوری میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری گھر کے کسی گوشے میں رکھ دی، کچھ مدت کے بعد میں نے اس مزدوری سے بکری کا ایک بچہ خرید لیا اور اس کی نسل بڑھتے بڑھتے اللہ کی مشیت کے مطابق بہت ہو گئی، مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس لوٹ کر آیا، بوڑھا اور کمزور ہو گیا تھا، میں نے اس کو پہچانا بھی نہیں کہنے لگا میرا آپ کے پاس کچھ حق ہے پھر اس نے اپنے حق کی یاد دہانی کی، اس وقت میں نے اس کو پہچانا اور میں نے سارا مال یعنی بچہ کی نسل کے سارے جانور اس کو دے دیئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ محض تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس کو کھول دے، چنانچہ پھر میں اتنا شکاف ہو گیا کہ روشنی نظر آنے لگی۔

دوسرے نے کہا میرے پاس دولت تھی ایک بار سخت قحط پڑا لوگ تنگ حال ہو گئے ایک عورت میرے پاس آئی اور کچھ خیرات مانگی۔ میں نے کہا تیرے معاوضہ میں دے سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں دے سکتا۔ اس نے انکار کیا اور واپس چلی گئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے اپنے شوہر سے جا کر اس کا ذکر کیا، شوہر نے کہا اپنے بچوں کی مدد کے لئے اس کی درخواست مان لے۔ عورت میرے پاس آئی اور اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا، میں نے اس کا کپڑا کھولا اور کچھ کرنا چاہا تو وہ کانپنے لگی۔ میں نے لرزہ کی وجہ دریافت کی، کہنے لگی مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا تو اس سختی میں اس سے ڈرتی ہے، لور میں فرسخ حالی میں اس سے نہ ڈروں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر میں نے اس کو یونہی چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے مانگا تھا، وہ دے دیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس کو کھول دے فوراً پھر اتنا پھٹ گیا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ تیسرے نے کہا میرے ماں باپ بوڑھے تھے لور میرے پاس بکریاں تھیں۔ میں والدین کو کھلا پلا کر بکریاں لے کر جنگل کو جاتا تھا، ایک روز بکریوں کے گم ہونے یا منتشر بکریوں کو جمع کرنے کی وجہ سے میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا پھر گھر آکر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے یونہی صبح تک کھڑا انتظار کرتا رہا آخر صبح کو وہ بیدار ہوئے تو میں نے ان کو پلایا اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری خوشنودی کے لئے کیا ہو تو اس کو ہم سے کھول دے چنانچہ اللہ نے وہ چٹان کھول دی لور سب باہر نکل آئے واللہ اعلم۔

إِذْ أَدَّى الْفِثْيَةَ إِلَى الْكَهْفِ

تھی.... یہاں سے اصحاب کف کا قصہ شروع ہے۔ اَوَى فُلَانٌ إِلَى مَوْضِعٍ فَلَانَ شَخْصٌ فِيهِ جِلْدٌ كَوَافٍ كَانَهُ بَنِيَاءً۔ بغوی نے لکھا ہے یہ غار بیجلوس پہاڑ میں تھا۔ اس غار کا نام تھا جیرم۔

انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم کو اپنے پاس سے  
فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً  
رحمت عطا فرما۔ رحمت کا لفظ عام ہے دین کی ہدایت، گناہوں کی مغفرت، رزق کی وسعت، امن وغیرہ سب کو شامل ہے۔  
وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۵﴾  
لور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔ یعنی ایمان  
مطلب ہے کہ ہمارے تمام معاملات میں ہم کو حق پر استقامت عطا فرما، اس وقت اُنہوں سے تمام معاملات زندگی مراد ہوں گے۔ رَايْتُ وَسَيَكُ رُشْدًا عَرَبِيٌّ مَعْلُومٌ هُوَ لِيْعْنِي فِي مِيْنِ تِيْرِي مِنْ طَرَفِ سَعْدٍ عَلَى رُشْدٍ هَدَايْتِ يَابِ هُوَ كِيَابِ اسْتِحْوَاسِ بَابِ اسْتِحْوَاسِ  
رُشْدًا بَابِ نَصْرٍ وَسَمْعٌ دُونَ سَعْدٍ هُوَ اس كَامَصْدَرٍ رُشْدٌ لُور رُشْدٌ لُور رُشْدٌ هُوَ رُشْدٌ هَدَايْتِ يَابِ هُوَ كِيَابِ اسْتِحْوَاسِ بَابِ اسْتِحْوَاسِ  
بِمَعْنَى رُشْدًا كَيْ بِيْهِ آتَا هُوَ لُور طَلَبِ رُشْدٍ هُوَ اس كَامَعْنَى هُوَ جَاتَا هُوَ۔ اللّٰهُ كِي صِفَاتِ مِيْنِ رُشْدٍ كَامِ اسْتِحْوَاسِ هَادِي كَيْ مَعْنَى مِيْنِ  
ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اصحاب کف غار کے اندر پناہ گیر ہونے پر کیوں مجبور ہوئے، علماء نے اس کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا عام عیسائیوں کی دینی حالت بہت بگڑ گئی تھی، بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی تھی، بتوں پر چڑھاوے چڑھانے لور ان کے نام پر قربانیاں کرنے کا بھی رواج ہو گیا تھا، بادشاہ بھی سرکش اور بے دین ہو گئے تھے، لیکن کچھ لوگ صحیح دین عیسوی پر قائم تھے لور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، بے دین مخالف توحید بادشاہوں میں سے دقیانوس نام کا بھی

ایک بادشاہ تھا اس کی حکومت بلادِ روم پر تھی، یہ بت پرستی کرتا اور بتوں کے نام کی قربانیاں کرتا تھا اور جو لوگ توحید پر قائم رہتے تھے ان کو قتل کر دیتا، اسے ملک کی مختلف بستیوں میں جاتا اور وہاں کے باشندوں کی جانچ کر تاجوت پرستی اختیار کر لیتا اس کو چھوڑ دیتا اور جو انکار کرتا اس کو قتل کر دیتا تھا، حسبِ عادت ایک بار یہ شہر انسوس میں جا کر اترا جو لوگ اہل ایمان تھے ڈر کے مارے وہ چھپ گئے اور جدھر کو جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلے جو اہل ایمان پکڑے جاتے ان کو بت پرستی کی ترغیب دی جاتی اگر وہ توحید چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگتے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا، ورنہ قتل کر دیا جاتا۔ اور مقتولین کے ٹکڑے کر کے شہر پتہ کی دیواروں پر اور دروازوں پر لٹکا دیا جاتا۔ چند مومن نوجوان جن کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے، ایمان میں بڑے پختہ اور نماز روزے کے بہت پابند تھے اور سب رومی امراء کے لڑکے تھے، سخت گھبرا گئے اور مضطرب ہو کر زاری کے ساتھ انہوں نے دعا کی رَبَّنَا رَبِّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ الْخِ ہمارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی معبود کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے ورنہ یہ بڑی زیادتی اور حق سے تجاوز ہوگا، اے رب اپنے ایماندار بندوں سے اس فتنہ کو دور کر دے، ان کی مصیبت دفع کر دے کہ وہ تیری عبادت علی الاعلان کر سکیں۔ یہ لوگ مسجد کے اندر مسجدوں میں پڑے یہ دعا کر رہے تھے کہ سرکاری آفیسر آئیے اور سب کو گرفتار کر کے دقیانوس کے پاس لے گئے اور کہا آپ دوسرے لوگوں کو تو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے قتل کراتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ہی کے خاندان کے ہیں آپ کے حکم کے خلاف کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا ان کو پیش کر دے۔ یہ نوجوان پیش کئے گئے۔ سب کے چہرے غبار آلود تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بادشاہ نے کہا تمہارے شہر کے سردار ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے ہیں تم ان کی طرح کیوں نہیں کرتے اور ان کا رنگ ڈھنگ کیوں نہیں اختیار کرتے، میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو ہمارے معبودوں پر بھینٹ چڑھاؤ اور ان کی پوجا کرو، ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔ مکسلینا نے جو سب میں بڑا تھا کہا ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت سے تمام آسمان بھرے ہوئے ہیں، ہم اس کے سوا کبھی کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اسی کے لئے حمد، بزرگی اور پائی ہے، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی سے نجات اور خیر کے طلب گار ہیں، آپ جو چاہیں کریں، ہم آپ کے بتوں کی پوجا نہیں کر سکتے۔ مکسلینا کے دوسرے ساتھیوں نے بھی دقیانوس کو یہی جواب دیا، یہ جواب سن کر دقیانوس نے حکم دیا کہ ان کے امیر لہ پڑے اتروا لئے جائیں۔ حکم کی تعمیل کر دی گئی، پھر کہنے لگا میں ذرا (دوسروں سے) فارغ ہو لوں تو تم کو وہ سزا دوں گا جو تمہارے لئے میں نے تجویز کی ہے، تم ابھی نوجوان ہو تم کو قتل کرنا میں نہیں چاہتا اسی لئے میں تم کو سزا دینے میں جلدی نہیں کر رہا ہوں اور تم کو مہلت دیتا ہوں کہ تم اپنے معاملہ پر غور کر لو۔ اس کے بعد ان کے سارے امیر لہ زیور اتار لئے گئے اور دربار سے نکال دیا گیا اور دقیانوس اس بستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو چل دیا اور واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا۔ جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی سے پہلے پہلے کچھ تدبیر کرنی ضروری ہے، چنانچہ باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے کچھ روپیہ لے کر آئے اس میں سے کچھ تو غریبوں کو بانٹ دے اور کچھ کھانے پینے کے لئے رکھ لے پھر سب شہر کے قریب کو بیجگلوں کے غار میں جا کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دقیانوس کی واپسی تک وہیں ٹھہرے رہیں، جب دقیانوس آجائے تو اس کے سامنے آکر کھڑے ہو جائیں پھر وہ جو کچھ چاہئے کرے (یعنی ہر ایک کو قتل ہونے کے لئے تیار ہو کر دقیانوس کے پاس جانا چاہئے حسبِ مشورہ ہر شخص اپنے باپ کے گھر جا کر کچھ روپیہ لے آیا، اس میں سے کچھ خیرات کر دیا اور باقی اپنی گزربسر کے لئے رکھ لیا اور ایک غار میں داخل ہو گئے، ایک کتابھی ان کے پیچھے ہو لیا وہ بھی غار میں چلا گیا۔ سب غار میں جا کر ٹھہر گئے۔ کعب احبار کا بیان ہے انشاء راہ میں ایک کتابھی کے پیچھے ہو لیا، انہوں نے بھاگ دیا لیکن وہ پھر لوٹ آیا، انہوں نے پھر بھاگ دیا کتابھی پھر لوٹ آیا ایسا چند مرتبہ کیا تو کتابھی لوگوں کو ماتم چاہتے کیا ہو، میری طرف سے اندیشہ نہ کرو۔ جن کو اللہ سے محبت ہے مجھے ان سے محبت ہے تم وہاں سونا میں تمہارا چوکیدار کروں گا۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے یہ لوگ رات کو دقیانوس سے بھاگے تھے، کل سات آدمی تھے ایک چرواہے کی طرف

سے گزرے جس کے پاس کتا تھا چرولہا بھی ان کا ہم مذہب ہو گیا اور ساتھ ہو لیا اور کتا بھی پیچھے پیچھے آگیا، سب لوگ شہر سے نکل کر ایک قرعی غار کی طرف چلے گئے اور اس میں داخل ہو گئے اور وہیں قیام پذیر ہو کر نماز، روزے، تحمید، تسبیح اور تکبیر اللہ کی حمد کرنے، اس کی پائی بیان کرنے اور عظمت کا اقرار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس کے علاوہ ہر شخص کو چھوڑ دیا اور کل روپیہ اپنے ایک ساتھی جس کا نام تملیخا تھا کے پاس رکھ دیا، تملیخا بڑا ہی خوش تدبیر، خوبصورت اور بہادر تھا شہر کو چھپ کر جاتا اور سب کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا تھا، تملیخا جب شہر کو جانا چاہتا تو اپنے بڑھیا خوب صورت کپڑے اتار کر فقیروں اور بھیک منگوں کے جیسے کپڑے پہن لیتا اور سکھ لے کر شہر میں جا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدتا اور ٹوہ لگاتا کہ دقیانوس یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے ان لوگوں کا کچھ تذکرہ کیا نہیں، پھر لوٹ کر آجاتا اور ساتھیوں کو مطلع کر دیتا۔ اس طرح غار کے اندر یہ لوگ مدت تک رہے، مدت کے بعد دقیانوس شہر میں واپس آیا اور سرداران شہر کو بتوں پر قربانیاں چڑھانے کا حکم دیا، اہل ایمان میں پھر کھلی سچ گئی، تملیخا ابھی اس وقت شہر کے اندر ہی تھا، ساتھیوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خریدنے گیا تھا، غریب تھوڑا سا کھانا لے کر رہتا ہوا لوٹ آیا اور آکر ساتھیوں کو بتلایا کہ وہ ظالم شہر میں آگیا ہے وہ اور اس کے ساتھی اور شہر کے بڑے لوگ ہماری جستجو میں ہیں، یہ بات سن کر سب گھبرا گئے اور سجدہ میں پڑ کر گڑگڑا کر اللہ سے دعا کرنے اور فتنہ سے پناہ مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ تملیخا نے کہا یارو! سروں کو اٹھاؤ کھانا کھاؤ اور اللہ پر توکل رکھو، سب نے سجدے سے سر اٹھائے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر سب نے کھانا کھلایا، یہ واقعہ غروب آفتاب کے وقت کا تھا کھانے کے بعد آپس میں باتیں کرنے اور پڑھنے پڑھانے اور باہم نصیحتیں کرنے میں مشغول ہو گئے، غار کے اندر باتوں میں ہی مشغول تھے کہ یکدم اللہ نے سب پر نیند کو مسلط کر دیا، سب سو گئے۔ کتا دروازے پر پاؤں پھیلائے پڑا تھا جو نیند اللہ نے ان لوگوں پر مسلط کی تھی وہی کتے پر بھی مسلط کر دی، اس وقت ان کا سارا روپیہ سرہانے پڑا ہوا دوسرے دن صبح ہوئی تو دقیانوس نے ان کو تلاش کر لیا لیکن کسی کو نہ پاسکا کہنے لگا مجھے ان جوانوں کے کیس نے پریشان کر رکھا ہے، انہوں نے خیال کیا کہ میں ان پر ناراض ہوں (اور ضرور قتل کرادوں گا اس لئے چھپ گئے) وہ اپنی نادانی کی وجہ سے میرے سلوک سے واقف نہ تھے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان پر کسی قسم کا بد نہیں ڈالتا، شہر کے سرداروں نے کہا آپ کو ان سرکشوں، نافرمانوں، بدکاروں پر رحم کرنا ہی نہیں چاہئے تھا (وہ اس قابل ہی نہیں تھے) آپ نے ان کو ایک محدود مہلت دے دی تھی اگر وہ چاہتے تو اس مدت کے اندر توبہ کر لیتے اور (فرماں برداری کی طرف) لوٹ آتے لیکن انہوں نے تو توبہ ہی نہیں کی۔ بادشاہ یہ بات سن کر سخت مشتعل ہو گیا اور اصحاب کف کے باپوں کو بلوایا اور ان کے بیٹوں کے متعلق جواب طلب کیا اور دریافت کیا تمہارے وہ سرکش بیٹے کہاں ہیں جنہوں نے میرے حکم سے سر تابی کی۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کی نافرمانی کی نہیں، پھر ان سرکشوں کے جرم کی وجہ سے آپ ہم کو قتل نہ کریں وہ تو ہمارا بھی مال لے گئے اور لے جا کر بازاروں میں برباد کر دیا یعنی فقیروں کو بانٹ دیا۔ یہ معذرت سن کر بادشاہ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ آدمیوں کو کوہ بیجلوس کی طرف بھیجا اور اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ جس غار کے اندر اصحاب کف داخل ہوئے تھے، اس کا منہ بند کرادے، اللہ کی مشیت تھی کہ اصحاب کف کو عزت عطا فرمادے اور آنے والی قوموں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنا دے اور لوگوں کو دکھا دے کہ قیامت ضرور آئے گی اور (جس طرح اس غار کے اندر نیند کی حالت میں اللہ نے ان کو سینکڑوں برس رکھ کر پھر زندہ اٹھلایا اسی طرح) اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ غرض دقیانوس نے غار کا منہ بند کر دیا اور کہا جس غار کو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اسی غار کو ان کے لئے قبریں بنا دو۔ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوکے پیاسے مر جائیں، اس کا خیال تھا کہ اصحاب کف بیدار ہیں اور غار کے بند ہو جانے کا ان کو علم ہے، حالانکہ اللہ نے نیند کی حالت کی طرح ان کی روجوں کو قبض کر لیا تھا، کتا غار کے دروازے پر اگلے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا اور جس طرح نیند اصحاب کف پر مسلط کر دی گئی تھی اسی طرح کتے پھر بھی نیند چھا گئی تھی۔ اللہ کے حکم سے اصحاب کف سونے میں دائیں بائیں کروٹیں بھی لیتے تھے (اگر ایک پہلو پر پڑے رہتے تو ممکن تھا گوشت گل جاتا اس لئے کروٹ لینا ضروری تھا)

شاہد قیانوس کے خاندان میں دو آدمی مومن بھی تھے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ایک کا نام بندروس اور دوسرے کا رلیاش تھا، دونوں نے مشورہ کرنے کے بعد اصحاب کف کے نام نسب، خاندان اور پورا واقعہ رنگ کی ایک تختی پر لکھ کر تانبے کے صندوق میں تختی کو رکھ کر ایک بنیاد میں صندوق کو اس خیال سے دفن کر دیا کہ قیامت سے پہلے ممکن ہے اہل ایمان کا کوئی گروہ اس جگہ قابض ہو جائے اور اس تحریر کو پڑھ کر ان کو اصحاب کف کا واقعہ معلوم ہو جائے.... دقیانوس اور اس کی قوم کے بعد صدیاں گزر گئیں اور پے در پے بادشاہ آتے جاتے رہے اور اصحاب کف غار کے اندر استراحت فرماتے رہے اور صندوق دفن رہا۔ عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ اصحاب کف چند نوجوان تھے جو گلے میں طوق اور ہاتھوں میں کنگن پہنے ہوئے تھے، زلفیں چھوڑی ہوئی تھیں، ایک شکاری کتا، ان کے ساتھ تھا کسی بڑے تمولر کے موقع پر بن سچ کر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے اور ساتھ میں ان بتوں کو بھی لے لیا جن کو پوجتے تھے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا، ان میں سے ایک دزیر بھی تھا سب در پردہ مومن تو ہو گئے لیکن ہر ایک نے دوسرے سے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور ہر ایک نے دل میں طے کر لیا کہ ان کا فردوں کے ساتھ مجھے نہ رہنا چاہئے کہیں ان کے جرائم پر آنے والا عذاب مجھ پر نہ آجائے۔ غرض سب لگ لگ ہو گئے پہلا ایک جا کر کسی درخت کے سایہ میں تنہا بیٹھ گیا، دوسرے نے اس کو تنہا بیٹھے دیکھا تو خیال کیا کہ شاید اس کی حالت بھی میری حالت کی طرح ہو گئی ہے، اس لئے زبان سے ظاہر کئے بغیر اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا، پھر تیسرا اسی خیال کو لے کر چلا اور دونوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس طرح ایک ایک کر کے سب جمع ہو گئے۔ پھر ایک نے ایمان کو پوشیدہ رکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے دوسرے سے کہا، آپ حضرات یہاں کس غرض سے جمع ہوئے ہیں، دوسرے نے بھی یہی پوچھا، اور تیسرے چوتھے، غرض سب نے یہی سوال کیا، پھر دو دو کی ٹکڑیاں بنا کر انتہائی رازداری کے ساتھ ایک نے دوسرے پر حقیقت ظاہر کی اور معلوم ہوا کہ سب مومن ہیں، پہاڑ میں قریب ہی ایک غار تھا سب نے مشورہ کر کے اس کی طرف رخ کیا اور غار میں چلے گئے، شکاری کتا بھی ساتھ تھا اندر جا کر سب سو گئے اور ۳۰۹ برس تک سوتے رہے۔ قوم والوں نے ان کو تلاش کیا لیکن اللہ نے غار کو ہی ان کی نظر سے عائب کر دیا، اور تمام نشانات محو کر دیئے، مجبوراً ان کے نام نسب خاندان ایک تختی پر تحریر کئے اور لکھ دیا کہ فلاں فلاں اشخاص جو فلاں فلاں بادشاہ (امراء) کے بیٹے تھے، فلاں بادشاہ کے دور حکومت میں فلاں سال فلاں مہینے کھو گئے اور تلاش کے بعد بھی نہیں ملے، پھر یہ تختی سرکاری محافظ خانہ میں رکھ دی گئی، کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مر گیا اور صدیاں گزرتی گئی۔

وہب بن منہ نے بیان کیا حضرت عیسیٰ کا ایک حواری اصحاب کف کے شہر کو گیا تھا، شہر کے اندر داخل ہونے کا راہ وہ کیا، کسی نے کہا شہر کے دروازے پر ایک بت ہے، پہلے اس بت کو سجدہ کرنا پڑتا ہے، پھر اندر داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، حواری نے اس حرکت کو پسند نہیں کیا اور شہر کے قریب ایک حمام میں جا کر حمام والے کی نوکری کر لی اور کام کرنے لگا، حمام والے کو حواری کے آتے ہی بڑی برکت حاصل ہوئی اس کے کام کو بہت ترقی ہو گئی۔ شہر کے بعض نوجوانوں کا بھی اس حواری سے کچھ تعلق ہو گیا وہ اس کے پاس بیٹھنے لگے، حواری ان کو آسمان دزمین کی خبریں سناتا تھا اور وہ شوق سے سنتے تھے آخر وہ لوگ حواری پر ایمان لے آئے اور عیسائی ہو گئے۔ حواری نے حمام والے سے شرط کر لی تھی کہ رات کو میری نماز میں کوئی مداخلت نہ کرے رات میری ہے، رات کو کوئی کام نہیں کروں گا ایک روز شہزادہ ایک عورت کو لے کر حمام میں آیا، حواری نے کہا آپ شہزادے ہیں اور اس عورت کو لے کر حمام میں داخل ہو رہے ہیں۔ شہزادہ کو شرم آئی اور واپس چلا گیا، لیکن دوسری مرتبہ پھر آیا اور حواری نے پہلی بار کی طرح نصیحت کی، اس مرتبہ حواری کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس کو جھڑک دیا، دونوں حمام میں داخل ہو گئے۔ بادشاہ کو کسی نے اطلاع دی کہ شہزادہ کو حمامی نے قتل کر دیا، بادشاہ نے حمامی کی تلاش کے لئے آدمی بھیجے مگر وہ بھاگ گیا، ہاتھ نہیں آیا۔ بادشاہ نے پوچھا، اس کے ساتھ کون لوگ رہتے تھے لوگوں نے بتایا فلاں فلاں جو ان رہتے تھے، ان جوانوں کی جستجو کی گئی لیکن وہ بھی شہر سے باہر نکل گئے اور راستہ میں ایک اور شخص کو بھی ساتھ لے لیا جو انہیں کی طرح ایمان پر قائم تھا۔ ایک کتا بھی ساتھ ہو لیا، حمامی سب کو ایک غار پر لے گیا، سب اس میں داخل ہو گئے اور وہیں رات

گزرنے کا لہوہ کر لیا اور طے کر لیا کہ کج رات میں رہو، صبح ہوگی تو کچھ سوچیں گے۔ چنانچہ اندر پہنچ کر رات کو بے خبر سو گئے بادشاہ نے ساتھیوں کو لے کر ان کی جستجو میں نکلا اور عمار پر جا پہنچا، معلوم ہوا کہ لوگ اندر جا چکے ہیں، بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی شخص نے اندر گھسنے کا لہوہ کیا مگر وہشت زدہ ہو گیا پھر کسی میں اندر گھسنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک شخص نے بادشاہ سے کہا کہ وہ آپ کے ہاتھ آجاتے تو کیا آپ کا لہوہ ان کو قتل کر لوینے کا نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا بلاشبہ یہی لہوہ تھا۔ اس شخص نے کہا تو اب عمار کے دروازے کو بند کر کے کوئی دیوار بنا دیجئے کہ اندر بھوکے مر جائیں (بہر حال قتل کر دینا تو مقصد ہی ہے) بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔

وہب کا بیان ہے، دروازے کی بندش کو اس کے بعد طویل زمانہ گزر گیا، ایک دور کے بعد دوسرا دور آیا اور گزرتا چلا گیا مدت کے بعد اتفاقاً جنگل میں کسی چرواہے کو بندش نے آگیر لہوہ بکریاں بھینس لے کر پناہ لینے کے لئے اس عمار کی طرف آیا اور بکریوں کو سایہ میں محفوظ رکھنے کے لئے گوشش کر کے اس نے دروازہ کھول دیا اور صبح ہوئی تو اللہ نے ان کی رو میں لوہا دیں (یعنی ان کو بیدار کر دیا اور یہاں معلوم ہوا کہ رات بھر سو کر صبح کو بیدار ہوئے ہیں)۔

محمد بن اسماعیل نے لکھا ہے مدت کے بعد وہاں کی حکومت ایک نیک آدمی کے ہاتھ آگئی اس شخص کا نام بیدو سیس تھا، اس کی حکومت کو جب ۶۸ سال گزر گئے تو لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ مومنوں کا تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا اور قیامت کو حق جانتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو اللہ اور قیامت کا منکر تھا، بیدو سیس کو یہ پھوٹ لور گمراہی کا پھیلاؤ دیکھ کر بڑا رنج ہوا وہ اللہ کے سامنے رو دیا، زلزلہ کی لہر اس کو اس بات سے بڑا دکھ ہوا کہ نل باطل حق پرستوں پر غالب ہوتے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، نل باطل حشر جسمانی کے قائل نہیں تھے صرف حشر روحانی کہانتے تھے اور دنیوی زندگی پر ہی رتھے ہوئے تھے، بیدو سیس نے ان لوگوں کو بلوایا جن کے حلق خیل تھا کہ وہاں حق اور اصحاب خیر ہیں جب وہ آئے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی قیامت کے قائل نہیں ہیں اور لوگوں کو حواریوں کے دین و مذہب سے مرعوب دینے اور لوہا دینے کے خواستگار ہیں یہ دیکھ کر بادشاہ نے کمرے میں چلا گیا اور وقتوں نہ کر لیا، کسل کا لباس (یعنی فقیرانہ لباس) پہن لیا اور راکھ بچھا کر اس پر بیٹھ گیا اور مدت تک رات دن مسلسل اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتا اور دعا کرتا تھا کہ اے اللہ تو ان لوگوں میں تفرقہ پڑ جانے سے واقف ہے کوئی ایسی نشانی ظاہر کر دے، جس سے ان لوگوں کو اپنے عقیدہ کا قائل اور باطل ہو کر واضح ہو جائے۔ یوں بھی اللہ رحمن اور رحیم ہے اس کو اپنے بندوں کا جہاد ہونا پسند نہیں، اس نے اپنے نیک بندے بیدو سیس کی دعا قبول فرمائی اور اصحاب کف کی حالت کو ظاہر کرنا اور ان کو منکرین قیامت کے خلاف بطور دلیل پیش کرنا اور ثبوت قیامت اور مردوں کی بعثت پر یقین دلانے کے لئے ایک نشانی نمایاں کرنا چاہا اس کی یہ بھی مرضی ہوئی کہ مسلمانوں کا کھرا ہوا شیر تڑپھر جمع ہو جائے جس کی صورت اس نے یہ پیدا کی کہ جس بہتسی میں اصحاب کف کا عمار تھا وہیں ایک باشعہ کے دل میں یہ لہوہ پیدا کر دیا کہ عمار کے دروازے پر جو عمارت بنائی گئی تھی اس کو ڈھا کر اپنی بکریوں کے لئے ایک بڑا بنادے اس شخص کا نام لولیاں تھا، لولیاں نے دو سو دو سو رکھ کر عمار کے دروازے کی عمارت کے پھر اکڑ لیا اور اپنی بکریوں کے لئے بڑا بنو یا شروع کر دیا آخر دروازہ کی ساری عمارت صاف کر دی اور دروازہ کھل گیا، پھر اللہ نے اصحاب کف کو اٹھا کر ٹھکانا دیا وہ خوش خوش گفتگو، ہشاش بشاش اٹھے اور خیال کیا کہ حسب معمول ہم رات کو سوئے تھے اور صبح ہوئی تو بیدار ہو گئے پھر معمول کے مطابق انہوں نے نمازیں پڑھیں اور کوئی ایسی علامت ان کے چہروں پر نمودار نہیں ہوئی جس سے اجنبیت یا انوکھا پن ظاہر ہوتا وہ یہ ہی سمجھتے رہے کہ بادشاہ دقیانوس ہمدانی جستجو میں لگا ہوا ہے اتنی بات ضرور تھی کہ وہ یہ کہے تھے کہ ہم کج کچھ زیادہ سوئے اسی لئے انہوں نے یا ہم پوچھا نہ وہ کیا ہم کتنی دیر سے کسی نے کہا ایک دن دوسرے نے کہا کچھ کم ایک دن سوئے ہوں گے (یعنی ان کے ساتھ صحیح مقدمہ خواب کوئی نہ بنا سکا) بلا آخر بول اٹھے اللہ عی جانے ہم کتنی وقت سوئے رہے نماز کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے جس کا نام نعلبغا تھا پوچھا جس کے پاس سب کا خرچ تھا، کہہ رہا کہ خیر لاؤ کہ اس ظالم کے سامنے شام کو (ہمدانے آنے کے بعد لوگوں نے کیا باتیں کہیں۔ نعلبغا نے کہا کیا



تم شہر میں نہیں ہو، وہ ظالم چاہتا ہے کہ تم کو پکڑو لے اور تم اس کے بتوں پر قربانیاں چڑھاؤ اور انکار کرو تو وہ تم کو قتل کر اے۔ جو اللہ چاہے گا وہ ہو گا فکر کس بات کی ہے مکسلمینا بولا، دستوا خوب سمجھ لو کہ تم سب کو اللہ کے سامنے جانا ہے اللہ کے اس دشمن کے کہنے سے اپنا ایمان چھوڑ کر کافر نہ بن جانا، اس کے بعد سب نے تسلیم کیا کہ ما مور کیا کہ شہر کو جا کر خبر لائے کہ وہاں کیا تذکرے ہو رہے ہیں اور دقیانوس سے کیا باتیں کی جا رہی ہیں اور ذرا چالاکی سے جانا کسی کو تمہارا پتہ نہ چل جائے اور وہاں سے کھانے کے لئے بھی کچھ زیادہ خرید کر لانا ہم سب بھوکے ہیں۔ تسلیم کیا ہو گیا اور بھیس بدلا، کپڑے اتار کر دوسرے بنے اور دقیانوس سے لے کر باہر نکلنے کے لئے چل دیا، غار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا دروازے کے پتھر اکھڑے ہوئے ہیں دیکھ کر تعجب کیا لیکن کچھ زیادہ پرواہ نہیں کی اور چھپتا چھپاتا اور راستے سے کتر اتا شہر کے دروازے پر پہنچ گیا وہ دقیانوس ہی کا زمانہ سمجھا تھا، اس لئے ڈرتا تھا کہ کوئی اس کو پہچان نہ لے۔ اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس ہو گئے۔ شہر کے دروازے پر پہنچا اور دروازے کے اوپر نظر پڑی تو ایسی علامتیں دکھائی دیں کہ ایمان والوں کو یہاں آزادی ہے، علامات سے اس بستی کا ایمانداروں کی بستی ہونا ظاہر ہو رہا تھا یہ دیکھ کر بڑا تعجب کیا اور پوشیدہ طور پر حیرت سے دروازے کو دیکھنے لگا پھر اس دروازے کو چھوڑ کر شہر کے دوسرے دروازے کی طرف گیا، وہاں بھی وہی علامتیں دکھائی دیں جو پہلے دروازے پر تھیں خیال کیا کہ یہ وہ شہر ہی نہیں ہے کوئی دوسرا شہر ہے جو میری شناخت میں نہیں آ رہا ہے، وہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے پایا تو وہ لوگ بھی غیر نظر آئے، غرض تعجب میں پڑ گیا اور خیال کیا کہ راستہ بھٹک گیا پھر لوٹ کر پہلے دروازہ پر آ گیا اور حیرت کرنے لگا کہ یہ وہی چیزیں ہیں جو کل رات تھیں یہ نشانیاں تو مسلمانوں کی ہیں جن کو وہ پوشیدہ رکھا کرتے تھے اور آج یہ نظروں کے سامنے ہیں کیا میں سوتے میں خواب دیکھ رہا ہوں پھر خود ہی کہتا تھا میں تو جاگ رہا ہوں آخر اپنی چادر سر پر ڈالی اور شہر میں داخل ہو گیا، چلتے چلتے بازار میں پہنچا تو وہاں کچھ لوگوں کو حضرت عیسیٰ بن مریم کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا اس کے دل میں اور زیادہ ڈر پیدا ہوا اور یقین کر لیا کہ میں راستہ بھول کر کہیں اور آ نکلا ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا، کل شام تو سوائے چند آدمیوں کے اس سرزمین پر عیسیٰ بن مریم کا نام لینے والا کوئی بھی نہ تھا، آج صبح کیا بات ہو گئی کہ جس سے سنتا ہوں وہ بے دھڑک عیسیٰ کا ذکر کر رہا ہے، شاید میں کسی انجان شہر میں آ گیا۔ مگر ہمارے شہر کے قریب تو کوئی اور بستی بھی نہ تھی، پھر ایک جوان سے ملاقات ہوئی اور اس سے تسلیم کرنے لگا کہ اس شہر کا نام پوچھا، جوان نے کہا اس شہر کا نام انوس ہے۔ تسلیم کرنے لگا کہ اس شہر کا نام انوس ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اس سے پہلے کہ میری بے عزتی کی جائے یا کوئی اور افتاد مجھ پر پڑے اور میں مارا جاؤں پھر ذرا ہوش آیا تو کہنے لگا کہ اس کے کہ لوگ مجھے جان لیں، یہاں سے بہت جلد نکل جانا ہی مناسب ہے یہ سوچ کر فوراً انان فروشوں کے پاس گیا اور چاندی کا سکہ جو ساتھ لیا تھا نکال کر ایک تان فروش کو دے کر کھانا طلب کیا، تان فروش نے روپیہ لے کر اس کو غور سے دیکھا، مہر لور سکہ کی ضرب پر نظر کی اور تعجب کیا پھر ایک اور آدمی کی طرف پھینک دیا اس نے بھی غور سے دیکھا، اس طرح چند آدمی دیکھنے لگے، ایک دوسرے کی طرف پھینک دیتا، اور وہ دیکھ کر تیسرے کی طرف پھینک دیتا۔ اب ان لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا، پرانے زمانے کا گڑا ہوا کوئی پوشیدہ دینہ اس شخص کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ تسلیم کرنے لگا کہ اس کے متعلق گفتگو کرتے دیکھا تو اس کو بڑا ڈر لگا۔ خوف کے مارے کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے پہچان گئے اور شاہ دقیانوس کے پاس مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے ہیں کچھ دوسرے لوگ اور بھی آگئے اور تسلیم کیا کہ انہوں نے پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان نہ سکے۔ تسلیم کرنے لگا کہ ان لوگوں سے ڈرتے ڈرتے کہا، مجھ پر مہربانی کرو تم نے میرا روپیہ بھی لے لیا اور کھانا بھی نہیں دیا اب مجھے تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں اور روپیہ بھی تم ہی رکھ لو، لوگوں نے پوچھا اس شخص تو ہے کون اور واقعہ کیا ہے یقیناً گزشتہ لوگوں میں سے کسی کا کوئی دینہ تجھے مل گیا ہے تو اس کو ہم سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم کو اپنے ساتھ لے کر چل لور دینہ دکھا اور ہم کو بھی اس میں حصہ دار بنا۔ اس صورت سے تو ہم تیرا معاملہ پوشیدہ رکھیں گے، ورنہ حاکم کے پاس لے جائیں گے اس کے سپرد کر دیں گے اور تمہارا جائے

کا، تسلیمانے ان کی باتیں سن لیں تو کہا اسی مصیبت میں پھنس گیا جس کا مجھے اندیشہ تھا، لوگوں نے کہا اے شخص خدا کی قسم اب تو ہم سے چھپا کے تو نہیں رکھ سکتا، تسلیمانے سمجھ میں نہ آیا کہ ان باتوں کا کیا جواب دے، ڈر کے مارے خاموش رہا، کچھ بھی نہیں بتایا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ بولتا ہی نہیں تو سر سے چادر کھینچ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے شر کی گلیوں میں لے گئے، گلیوں والے وجہ پوچھتے تو بتاتے یہ شخص اس لئے پکڑا گیا ہے کہ اس کے پاس پرانا دینہ ہے، غرض شر کے تمام باشندے چھوٹے بڑے جمع ہونے لگے اور تسلیمانے کو دیکھ کر کہنے لگے یہ آدمی اس شر کار بننے والا تو ہے نہیں ہم نے اس کو کبھی نہیں دیکھا، تسلیمانے ڈر کے مارے خاموش تھا، بات ہی نہیں کرتا تھا، لیکن یہ اس کو یقین تھا کہ اس کا باپ، بھائی اور قرابتدار اسی شر میں موجود ہیں اور اس شر کے بڑے لوگ ہیں جب وہ سنیں گے تو یقیناً آئیں گے اور یہ لوگ اگر پکڑ کر لے جانا چاہیں گے تو گھر والے آکر چھڑالیں گے، بے چارہ اسی انتظار میں تھا کہ لوگ اس کو شر کے دو حاکموں کے پاس لے جانے لگے۔ یہ دونوں حاکم شر کے منتظم تھے اور نیک آدمی تھے، ایک کا نام اریوس اور دوسرے کا نام اشطوس تھا۔ تسلیمانے واقف نہ تھا، راستہ میں گھر والوں کے انتظار میں دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا اور لوگ پاگل کی طرح اس کی ہنسی بنا رہے تھے۔ تسلیمانے روتے ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے اللہ تو آسمانوں کا اور زمین کا مالک ہے۔ آج میرے دل میں صبر ڈال دے اور اپنی طرف سے میرے ساتھ روح (جبرئیلؑ) یا اور کوئی نبی مددگار کو بھیج دے جو اس ظالم کے سامنے میری مدد کرے، غریب تسلیمانے آسو بہا رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا دوستوں سے مفارقت ہو گئی، میں ان سے بچھڑ گیا۔ جو کچھ مجھے پیش آیا کاش اس کی ان کو اطلاع ہو جاتی تو وہ یقیناً آجاتے اور سب مل کر اس ظالم کے سامنے جاتے کیونکہ ہم نے آپس میں معاہدہ کر لیا تھا کہ کوئی بدلہ نہ ہو، سب ساتھ رہیں گے زندگی میں بھی اور مرنے میں بھی۔ وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر رہا تھا کہ لوگ دو نیک حاکموں یعنی اریوس اور اشطوس کے پاس لے پہنچے جب تسلیمانے دیکھا مجھے دقیاؤں کی پاس نہیں لے جلیا جائے گا تو ہوش درست ہو گئے اور رونامو قوف کر دیا اریوس اور اشطوس نے روپیہ لے کر دیکھا چنٹھے میں پڑ گئے اور دریافت کیا اے شخص جو دینہ تجھ کو ملا ہے وہ کہاں ہے۔ تسلیمانے کہا مجھے تو کوئی دینہ نہیں ملا یہ روپیہ تو میرے باپ دادا سے میرے پاس آیا ہے ضرب اور نکال اسی شر کی ہے لیکن میری سمجھ میں خود اپنی حالت نہیں آتی کہ میں کہاں ہوں، کل میں نے کیا دیکھا تھا اور آج کیا دیکھ رہا ہوں، کہوں کیا۔ حاکم نے پوچھا تم کون ہو تسلیمانے جواب دیا، میں اسی شر کار بننے والا ہوں، پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے اور تم کو کوئی پہچاننے والا بھی ہے، تسلیمانے باپ کا نام بتلایا لیکن حاضرین میں کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے باپ کو جانتا ہو۔ حاکم نے کہا تو جھوٹا ہے، سچی بات نہیں بتاتا، تسلیمانے سر جھکا لیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ جواب کیا دے۔ ایک شخص بولا یہ دیونہ ہے، دوسرا بولا دیونہ نہیں ہے چھوٹنے کے لئے دیونہ بن رہا ہے، حاکم نے تسلیمانے کو سخت نظر سے دیکھا اور کہا کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں گے اور تیری اس بات کو مان لیں گے کہ یہ سکہ تجھے باپ دادا سے ملا ہے اس کی ضرب اور نقوش تو تین سو برس سے بھی زیادہ پہلے کے ہیں۔ تو جوان لڑکا ہے، ہم سے باتیں بنا کر ہماری ہنسی اڑانا چاہتا ہے، حالانکہ ہمارے بال سفید ہو چکے ہیں اور تیرے گرداگرد شر کے سردار اور کرتادھر تائیں۔ اس شر کے تمام دینے ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں کوئی درہم و دینار اس ضرب کا نہیں ہے میرا خیال ہو رہا ہے کہ تجھے سخت سزا دے کر قید کرنے کا حکم جاری کر دوں اور اس وقت تک قید رکھوں کہ تو دینہ ملنے کا اقرار کر لے، حاکم کی یہ تقریر سن کر تسلیمانے کہا، میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اس کا جواب دے دیں گے تو جو کچھ میرے پاس ہے میں بھی وہ سچ سچ تم کو بتا دوں گا، حاضرین نے کہا پوچھو، ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ تسلیمانے کہا دقیاؤں بادشاہ کہاں گیا، لوگوں نے جواب دیا، اب روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے، بہت پرانے زمانے میں دقیاؤں بادشاہ تھا وہ مر گیا اور اس کے بعد صدیاں بیت گئیں۔ تسلیمانے کہا تو یقیناً میں راہ سے بھٹک گیا ہوں، کوئی شخص مجھے سچا نہیں جانے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہم چند جوان دین اسلام پر قائم تھے، بادشاہ نے ہم کو بت ہستی پر مجبور کیا۔ ہم نے انکار کیا اور کل شام بھاگ نکلے اور غار میں جا کر سو رہے صبح کو بیدار ہوئے تو میں کھانا خریدنے اور احوال کی ٹوہ لگانے کے لئے نکلا، کوہ بیجلوس کے غار تک تم لوگ میرے ساتھ چلو، میں اپنے ساتھیوں سے

تمہاری ملاقات کروں گا، تمہارا یہ بات سن کر اریوس، اشلوس اور تمام شہر والے چھوٹے بڑے اصحاب کف کو دیکھنے کے لئے تمہارا ساتھ چل پڑے۔ ادھر اصحاب کف کے پاس کھانے کے کربج تمہارا واپس نہیں پہنچا اور مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ تمہارا گرفتار ہو گیا اور پکڑ کر لوگ دقیانوس کے پاس لے گئے وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ کچھ آوازیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی فوراً سمجھ گئے کہ یہ ظالم دقیانوس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں اور ہم کو گرفتار کرنے کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے، فوراً نماز کو کھڑے ہو گئے اور نماز کے بعد ایک نے دوسرے کو دعا سلامتی دی اور حق پر قائم رہنے کی وصیت کی پھر آپس میں کہا چلو اپنے بھائی تمہارا کے پاس چلیں وہ ظالم دقیانوس کے پاس ہمارے بچنے کے انتظار میں ہوگا وہ غار کے اندر سامنے کے رخ پر بیٹھے، یہ باتیں کر رہے تھے کہ اریوس اور اس کے ساتھی غار کے دروازے پر آکھڑے ہوئے اور تمہارا آگے بڑھ کر دو تاہو اندر آگیا اس کو رو تا دیکھ کر اصحاب کف نے حالات دریافت کئے۔ تمہارا نے کل حال بیان کر دیا، اس وقت سب کی سمجھ میں آیا کہ اس پوری مدت اللہ کے حکم سے ہم سوتے رہے، اللہ ہم کو ایک نشانی اور قبروں سے مردوں کے اٹھانے کی ایک دلیل بنانا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت حق ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جو اللہ تین سو برس تک سلانے کے بعد بیدار کر کے اٹھا سکتا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے تمہارا کے پیچھے اریوس بھی اندر پہنچ گیا اور واڑہ پر اس کو تانے کا ایک صندوق دکھائی دیا، جس پر چاندی کی مہر لگی تھی اریوس نے باہر سے ایک سردار کو بلا کر اس کے سامنے صندوق کھولا، صندوق کے اندر رنگ کی دو تختیاں تھیں ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ مکسلیا، مٹھلیا، تمہارا، مرطونس، بشرطونس، بیربوس، دیومس اور یٹونس۔ ظالم بادشاہ دقیانوس کے ڈر سے بھاگ گئے تاکہ بادشاہ ان کے دین سے ان کو منحرف نہ کر سکے اور یہ لوگ اس غار کے اندر کھس گئے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ وہ لوگ اس غار کے اندر چلے گئے تو اس نے پتھروں سے غار کا منہ بند کر دینے کا حکم دے دیا، ہم نے ان حضرات کا حال اور واقعہ اس لئے لکھ دیا کہ بعد کو آنے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، اگر وہ اس تحریر سے واقف ہو جائیں۔ تمام حضرات کو یہ تحریر پڑھ کر تعجب ہو اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگے جس نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی دکھادی پھر اریوس اور اس کے ساتھی غار کے اندر اصحاب کف سے جا کر ملے۔ اصحاب کف بیٹھے ہوئے تھے چہرے نور سے دکھ رہے تھے، ان کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہونے پائے تھے، اصحاب کف کو اس حالت میں دیکھ کر اریوس اور اس کے ساتھی اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی حمد میں رطب اللسان ہو گئے، جس نے ان کو یہ نشانی دکھائی۔ اس کے بعد اصحاب کف نے اریوس اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرگزشت سنائی اریوس نے ایک قاصد اپنے دیندار بادشاہ بیدو سیس کے پاس بھیجا اور تحریر کیا کہ آپ فوراً آجائیں تاکہ اللہ کی قدرت کی وہ نشانی آپ بھی دیکھ لیں جو اللہ نے آپ کے دور سلطنت میں لوگوں کی ہدایت کے لئے نمودار کی ہے کہ تین سو برس مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھا دیا، بادشاہ نے جو نئی یہ اطلاع سنی اس کا سارا غم جاتا رہا، اور اللہ کی ستائش کرتے ہوئے اس نے کہا شکر ہے تیرا اے آسمانوں کے، زمین کے مالک میں تیری عبادت کرتا ہوں تمام عبوب و نقائص سے تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں، تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا، بڑی مہربانی کی اور جو روشنی تو نے میرے آباء و اجداد اور نیک بندے قسطیطینوس کو عطا فرمائی تھی وہ مجھے بھی مرحمت فرمائی، میرے لئے اس نور کو نہیں بچایا، ملک والوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی خسر افسوس میں آگئے اور سب بیدو سیس کے ساتھ غار کی طرف چل دیئے۔ بیدو سیس کو دیکھ کر اصحاب کف خوشی سے کھل پڑے اور اللہ کے سامنے سر بسجود ہو گئے، بیدو سیس ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دوزانو ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور زمین پر ان کے پاس بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد اصحاب کف نے بیدو سیس سے کہا اب رخصت بنی اللہ اللہ آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہو، اللہ آپ کو اور آپ کی حکومت کو شر سے محفوظ رکھے اور جن دنوں کے شر سے بچائے، ہم آپ کو اور آپ کے ملک کو اللہ کو پناہ میں دیتے ہیں بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ابھی کھڑا ہی تھا کہ وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف واپس چلے گئے اور سو گئے اور اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا، بادشاہ نے ان کو کپڑے لوڑھادیئے اور حکم دیا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سونے کے صندوق میں رکھ دیا جائے۔ جب

رات ہوئی اور بادشاہ سو گیا تو خواب میں اصحاب کف نے آکر اس سے کہا ہم کو سونے چاندی سے نہیں پیدا کیا گیا تھا، مٹی سے بنایا گیا تھا ہم مٹی ہی کی طرف منتقل ہو رہے ہیں، اس لئے قیامت تک کے لئے ہم کو مٹی پر اسی حالت میں چھوڑ دو جس حالت میں ہم غار کے اندر تھے، قیامت کے دن اللہ ہم کو اسی مٹی سے اٹھائے گا۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ نے سار کی لکڑی کے صندوق بنوائے اور صندوقوں میں رکھوا کر ان کو وہیں چھوڑ کر چلے آئے پھر اللہ نے ان کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا اور خوف کی وجہ سے کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکا، غار کے اندر جا سکا، بادشاہ نے غار کے دروازے پر نماز کے لئے ایک مسجد بنوادی اور ہر سال وہاں خوشی منانے کے لئے جمع ہونے کا حکم دے دیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ تمہلچا کو جب بادشاہ کے سامنے لے جایا گیا اور بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے، تمہلچا نے جواب دیا میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں فلاں جگہ میرا مکان ہے فلاں فلاں لوگ میرے رشتہ دار ہیں کل شام میں یہاں سے نکلا تھا تو کسی نے نہ تمہلچا کو پہچانا نہ ناموں کے آدمیوں کو جن کا ذکر تمہلچا نے کیا تھا، بادشاہ نے پہلے کبھی سنا تھا کہ پرانے زمانہ میں کچھ نوجوان تھے، جن کے نام محافظ خانہ کے اندر کسی سختی پر لکھے ہوئے ہیں، تمہلچا کی بات سن کر اس نے سختی منگوا کر دیکھی اور مندرجہ ناموں کو پڑھا تو ثابت ہوا کہ تمہلچا کا نام اس کے اندر موجود ہے، باقی لوگوں کے متعلق تمہلچا نے کہا یہ میرے ساتھیوں کے نام ہیں اس بات پر بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تمہلچا کی نشان دہی پر چل پڑا، غار کے دروازے پر پہنچ کر تمہلچا نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے اندر جا کر ان کو خوش خبری دے دوں، کیونکہ اگر تم بغیر اطلاع کے میرے ساتھ اندر جا پہنچو گے تو وہ لوگ خوفزدہ ہو جائیں گے، تمہلچا اجازت ملنے کے بعد اندر گیا اور غار والوں کو خوش خبری دی خوش خبری سنتے ہی اللہ نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور بادشاہ یا اس کے ساتھیوں کی نظروں سے اللہ نے ان کو لو جھل کر دیا کسی کو ان کا نشان اور راستہ بھی نہیں ملا، آیت اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ اُذُنَيْهِمْ فِي الْكَهْفِ سِتْرًا عَدَدًا ۝۱۱  
سواہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر  
سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ باہر کی آواز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ پردے سے مراد ہے نیند کا پردہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا کہ کسی آواز سے بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔  
سِتْرًا کے بعد لفظ عَدَدًا بوجہ ان سے کثرت سنیں کی طرف اشارہ ہے کم چیز کو گنا نہیں کرتے گنتی انہی چیزوں کی ہوتی ہے جو تعداد میں زیادہ ہوں۔

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنُعَلِّمَهُمُ الْاٰیٰتِ الْجَزْبِيْنَ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا ۝۱۲

پھر ہم نے ان کو اٹھلایا، یعنی بیدار کیا۔  
دونوں گروہوں میں کون گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا۔  
الجزبتین دو گروہ دو جماعتیں۔

اَمَدًا غایت، مدت۔ علم سے مراد علم حالی جس کا تعلق استقبال سے تھا۔

مَعْنَى نَقْضِ عَلَیْكَ نَبَاہُمْ بِالْحَقِّ اِنَّہُمْ فِتْیَةٌ اَمْتُوْا بِرَبِّہُمْ وَرَزَدْنٰہُمْ هُدًی ۝۱۳

ہم آپ سے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں لور تری کر دی تھی۔

الْحَقُّ ح۔ فِتْیَةٌ کا مفرد فِتْیٌ ہے جیسے صِبْیَةٌ کا مفرد صِبْیٌ۔ هُدًی سے مراد ہے۔ ایمان اور بصیرت یعنی ہم نے ان کو حقیقی ایمان عطا کیا تھا، مجازی ایمان تو زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کا نام ہے۔ اس میں نفس کا طغیان و کفر ان باقی رہتا ہے اور حقیقی ایمان کا حصول نفس کو فنا کرنے کے بعد ہوتا ہے (نفس کی سرکشی اور انانیت فنا ہو جاتی ہے تو حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے)۔

اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔ یعنی وطن، گھر بار، رشتہ دار، دولت مال

وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِہُمْ

وغیرہ کو ترک کرنے پر ان کو صابر بنایا، اظہار حق کرنے اور دقیانوس کے حکم کو ٹھکرانے کی ان میں جرأت پیدا کر دی، ان کو فنا قلب کا مقام حاصل ہو گیا، ساری مخلوق کا تصور و خیال ان کے دلوں سے مٹ گیا، ہر چیز ان کی نظروں میں سچ ہو گئی اور اللہ کی محبت، عظمت اور خشیت ان کے دلوں میں جم گئی۔

رِذْقًا صَوًّا  
جب وہ کھڑے ہوئے یعنی دقیانوس نے جب بت پرستی ترک کرنے پر ان کو ملامت کی تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر فخر کے طور پر۔  
فَقَالُوا انہوں نے کہا۔

رَبَّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَدْعُوْكَ مِنْ دُوْنِهَا  
ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے۔  
لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطًا  
اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً حد سے بڑھی ہوئی بے جا بات کہیں گے۔  
شَطَطٌ دُورٌ هُوَ كَيْفَا لِيْسِي بَاتِ كَيْفَا لِيْسِي بَاتِ  
یعنی ایسی بات کے قائل ہوں گے جو حق سے دور اور حد (صداقت) سے باہر اور دائرہ ظلم میں داخل ہوگی۔

هُوَ الَّذِي تَوَكَّلْنَا وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهِ اِلٰهَةً  
ہماری اس قوم نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے یعنی بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔  
كُوْلًا يَّأْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ  
بغیر واضح دلیل کے دین کے عقائد ناقابل قبول ہیں، گمان اور باپ دادا کی پیروی عقائد کی صحت کو ثابت نہیں کر سکتی، عقائد میں بلا دلیل اتباع درست نہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا  
جو شخص اللہ پر دروغ بندی کرے اس سے بڑھ کر ظالم بھلا کون ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو سا جھی مانتا ہو اور کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتا ہو اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں، یوں تو کسی پر بھی دروغ تراشی ظلم ہے لیکن اللہ پر تہمت تراشی تو سب سے بڑا ظلم ہے۔  
جب ان جوانوں نے دقیانوس کو دو ٹوک جواب دے دیا (اور اس نے ان کو سوچنے غور کرنے کے لئے صمت دے کر رخصت کر دیا) اور سب نے شہر سے بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا (بلکہ بھاگ گئے) تو آپس میں کہا۔

وَ اِذْ اعْتَزَلْتُمْ وُجُوْهُهُمْ وَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَا وَا اِلٰى الْكُهْفِ  
پرستوں) سے اور ان کے ان معبودوں (یعنی بتوں) سے جن کو اللہ کے سوا وہ پوجتے ہیں الگ ہو گئے ہو تو چل کر غار میں اپنا ٹھکانا بنا لو (تاکہ باہر والا کوئی تم کو دیکھنے ہی نہ پائے) اصحاب کف کی قوم والے دوسرے مشرکوں کی طرح صنم پرستی کے ساتھ خدا کی بھی پوجا کرتے تھے، اس لئے اصحاب کف کو اپنے قول میں الا اللہ کہنے کی ضرورت ہوئی (مطلب یہ کہ تم بت پرستوں اور بت پرستی سے تو الگ ہو گئے ہو مگر خدا پرستی سے الگ نہیں ہو۔ خدا پرستی میں ان کے ساتھ ہو اور بت پرستی میں ان سے بیزار) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ کا قول بطور جملہ معترضہ سچ میں ذکر کر دیا ہو اور مَا نَافِيْہُ ہو اور يَعْبُدُوْنَ کی ضمیر اصحاب کف کی طرف راجع ہو، یعنی اللہ نے فرمایا کہ اصحاب کف اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔  
اَوْ اِلٰى الْكُهْفِ  
یعنی غار کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ اسی کو اپنا مسکن اور ٹھکانہ بنا لو تاکہ کافروں کے سامنے رہنے سے بھی بچ جاؤ۔

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهٖ وَيُهَيِّجْ لَكُمْ مِنْ اَمْرِكُمْ مَرْفَقًا  
تمہارا رب تم کو رزق کی فراخی عنایت کرے گا اور دونوں جہان میں اپنی رحمت سے تمہارے لئے کشائش فرمادے گا اور تمہارے تمام امور میں فائدہ کا سامان (خود) فراہم کر دے گا۔ مَرْفَقٌ اسم آلمہ وہ ذریعہ جس سے فائدہ حاصل ہو۔ اصحاب کف کا ایمان پختہ اور اللہ کے فضل

پر بھروسہ اٹل تھا، اس لئے انہوں نے یہ بات کہی۔

وَتَوْرَى الشَّمْسُ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُورًا عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا عَرَبَتْ تَقَرُّصُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۗ

اور (اے رسول یا اے مخاطب) تو دیکھے

گا کہ دھوپ جب نکلتی ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب کو پھری رہتی ہے اور چھپتی ہے تو بائیں طرف کو پھری رہتی ہے اور وہ غار کے فرخ مقام میں ہیں۔

تَزْوُورًا مَرُوجًا جاتا ہے، پھر جاتا ہے۔ یہ لفظ زور سے بنا ہے زور کا معنی ہے، جھکاؤ ذَاتَ الْيَمِينِ دائیں جانب ذَاتَ الشِّمَالِ بائیں جانب یعنی غار سے دائیں بائیں جانب۔ تَقَرُّصٌ کتر جاتا ہے، ان کو کاٹ دیتا ہے، ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ فَجْوَةٌ کشادہ جگہ، یعنی وسط غار میں اصحاب کف پڑے ہیں۔ نسیم و صبا کے جھونکے بھی ان کو لگتے ہیں، دھوپ کی گرمی سے بھی محفوظ ہیں اور غار کا کوئی دکھ ان کو نہیں پہنچتا۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے غار کا رخ بنات العرش کی طرف تھا، غار کے محاذات میں قریب ترین مشرق و مغرب اس سرطان کا مشرق و مغرب تھا جس وقت سورج کا مدار اور سرطان کا مدار ایک ہوتا تو سورج کا طلوع اس کے مقابل بختاب یمن ہوتا اور غروب کے وقت غار کے مقابل سورج بجانب شمال ہوتا، اس طرح غار کے دونوں پہلوؤں پر سورج کی شعاعیں پڑتیں اور عفونت پیدا نہ ہونے پاتی تھی اور ہو میں اعتدال قائم رہتا تھا اور آفتاب کی کرنیں اصحاب کف کے جسموں پر نہ پڑنے پاتی تھیں کہ بدن جھلس جائیں، دکھ پائیں اور کپڑے فرسودہ ہو جائیں۔

بعض علماء نے ابن قتیبہ کی اس جغرافیائی وضاحت پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ بنات العرش کے سامنے غار کا ہونا خواہ اثر انداز ہو لیکن حقیقت میں اللہ کی قدرت کار فرما تھی کہ اللہ اصحاب کف کی طرف سے سورج کو پھیر دیتا تھا۔ اس کی طرف اشارہ آئندہ آیت میں کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ  
قدرت کی نشانی ہے۔

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، یعنی اللہ کی صنعت کی اعجابہ کاری اور اس کی یہ بھی مطلب ہوتا ہے کہ یہ یعنی اصحاب کف کا واقعہ اور غار میں ان کا پناہ گیر ہونا اور ان کی حفاظت کے لئے سامان فراہم کرنا اور پھر صحیح صحیح قصہ بیان کرنا، اللہ کی (قدرت صنعت، علم اور قرآن کی صداقت کی) ایک نشانی ہے۔

مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِى ۗ  
جس کو اللہ ہدایت کر دے وہی ہدایت پانے والا ہے، یعنی جس کو ہدایت یاب ہونے کی توفیق دے دے وہی کامیاب اور فلاح پانے والا ہوتا ہے، اس جملہ میں اصحاب کف کی تعریف ہے اور اس امر پر تشبیہ ہے کہ اصحاب کف کے واقعہ کی طرح آیت قدرت بہت ہیں لیکن ان سے فائدہ اندوز وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو غور و فکر کرنے کی اللہ توفیق عنایت فرمائے۔

وَمَنْ يُضِلِّ لِكُنْ تَجِدْ لَهُ وِلِيًّا مُّرْسِدًا ۙ  
اور جس کو اللہ گمراہ کر دے (یعنی بے مدد چھوڑ دے اور ہدایت نہ کرے) اس کے لئے کوئی ذمہ دار مددگار اور ہدایت کرنے والا تم کو نہیں ملے گا۔

وَتَحْسَبُهُمْ آيَاتًا وَهُمْ رُجُودٌ  
اور (آنکھیں کھلی ہونے اور کثرت سے کروٹیں لینے کی وجہ سے) تم ان کو بیدار سمجھو گے حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ ايقاظ يقبط کی اور رُجُود راقِد کی جمع ہے جیسے قعود قاعد کی جمع ہے۔

وَلَقَدْ لَبِثَهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۙ  
اور (خواب میں بغیر ان کے ارادے کے) ہم ان کو دائیں بائیں کر دے دلاتے ہیں۔ یعنی کبھی دائیں پہلو پر اور کبھی بائیں پہلو پر حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ سوتے میں وہ لوگ اوہر سے اوہر اور اوہر سے اوہر کو کر دے رہتے تھے تاکہ پڑے پڑے زمین ان کے گوشت کونہ کھالے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عاشور کے دن وہ کر دے لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ان کی کر دے ہوتی تھی۔

اور ان کا کتا غار کے دہانے کے اندر اپنے دونوں اگلے

وَكَلَبُهُمْ بِأَسْطِ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ

ہاتھ پھیلائے پڑا ہے۔

مجاہد اور ضحاک نے وَصِيد کا ترجمہ کیا ہے غار کا صحن۔ عطاء نے ترجمہ کیا دہلیز۔ سدی نے کہا وَصِيد دروازہ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اصحاب کف کا کتا واقعی کتا ہی تھا، بعض علماء نے کہا کتا نہ تھا، شیر تھا، کلب ہر درندہ کو کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن ابی لہب کو بددعا دی تھی اور فرمایا تھا، الہی اپنے کسی کلب کو اس پر مسلط کر دے (بددعا قبول ہوئی) عقبہ کو شیر نے پھاڑ کھلا۔ اول قول معروف ہے۔ اور دوسرا قول ابن جریج کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ چت کبر اکتا تھا۔ ایک اور روایت میں آیا قَلَطِي سے بڑا اور کر دی (کتے) سے چھوٹا۔ مقاتل نے کہا اس کا رنگ زرد تھا، قرطبی نے کہا گہرا زرد مائل بسرخ تھا، کلبی نے کہا اس کا رنگ دھنی ہوئی لون یاروئی کی طرح تھا۔ بعض نے کہا جگری رنگ تھا، حضرت ابن عباسؓ کے قول پر اس کا نام قطمیر اور حضرت علیؓ کے قول پر اس کا نام ریان تھا، اوزاعی نے کہا تقور تھا۔ سدی نے کہا ثور تھا اور کعب نے کہا صہبا تھا۔ خالد بن معدان نے کہا سوائے اصحاب کے کتے اور بلعم (بن باعورا) کے گدھے کے اور کوئی چوپایہ جنت میں نہیں جائے گا۔ سدی کا قول ہے اصحاب کف کروٹ لیتے تھے تو کتا بھی ان کے ساتھ کروٹ لیتا تھا۔ اصحاب کف دائیں طرف کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا دایاں کان موڑ کر (دائیں) بل پر ہو جاتا تھا اور اصحاب کف بائیں کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا بائیں کان موڑ کر (بائیں) بل پر ہو جاتا تھا۔

(اے مخاطب) اگر تو ان

لَوْ اَطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَكَّيْتُمْ مِنْهُمْ فِرَارًا وَكَلِمَاتٍ مِنْهُمْ رُءُوبًا

کو جھانک کر دیکھ پائے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جائے۔ یعنی تمہارا اول خوف زدہ ہو جائے گا اور اس میں رعب بھر جائے گا۔ خوف کی وجہ اس مقام کی وحشت اور سنسان پن ہے۔ کلبی نے کہا، اصحاب کف کی آنکھیں بیدار آدمیوں کی طرح کھلی ہوئی ہیں، معلوم ہوتا ہے، اب بولنے ہی والے ہیں (منظر بڑا خوف آگیا ہے) بعض کا قول ہے ان کے بال بڑھے ہوئے اور ناخن لمبے ہو گئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اسی ہولناکی اور رعب آگینی کی وجہ سے کوئی وہاں جا نہیں سکتا۔ اس مقام کی رعب آگینی مانع دخول ہے، یہی قول صحیح بھی ہے۔ سعید بن جبیرؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم معاویہ کی معیت میں روم کے جہاد کو گئے۔ راستہ میں اصحاب کف کے غار کی طرف سے گزر ہوا، معاویہ بولے اگر (غار کے دہانہ یا بیچ کی دیوار کو) کھول دیا جاتا تو ہم اصحاب کف کو دیکھ لیتے۔ میں نے کہا وہ ذات جو آپ سے بہتر تھی اس کو بھی اس سے روک دیا گیا تھا۔ اللہ نے فرمایا تھا، لَوْ اَطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَكَّيْتُمْ فِرَارًا۔ معاویہ نے میری بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو دیکھنے کے لئے بھیج دیا وہ لوگ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ نے کوئی ہوا (زہریلی گیس) ایسی پیدا کر دی کہ سب جل گئے۔ آخر جہ ابی خبیہ وابن المنذر و ابن ابی حاتم۔

اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا، یعنی جس طرح نشان قدرت بنا کر غار کے اندر ہم

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ

نے طویل مدت تک ان کو سلا یا اور ان کے اجسام کو سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح اس موت نما خواب سے ان کو بیدار کیا تاکہ ان کے بیدار ہونے سے بھی قدرت خداوندی کا مظاہرہ ہو۔

تاکہ وہ آپس میں سوال (د جواب یعنی پوچھ گچھ) کریں اور اپنی حالت کا ان کو علم

لَيَسْتَأْذِنُوا بَيْنَهُمْ

ہو جائے۔ اور اسے ساتھ اللہ کے سلوک کو پہچان کر قدر خداوندی کا ان کو مزید یقین ہو جائے اور وقوع قیامت کے عقیدے میں بصیرت آگیاں پختگی پیدا ہو جائے۔ اس تفسیر پر لَيَسْتَأْذِنُوا میں لام علت کے لئے ہو گا۔ یعنی بیدار کر کے اٹھانے کی علت یہ تھی کہ وہ باہم سوال و جواب کریں۔ بغوی نے اس لام کو لام عاقب (لام نتیجہ) قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے باہم سوال جواب کئے اصل غرض یہ نہ تھی۔

ان میں سے ایک کہنے

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِئْتُمْ قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ

والے نے کہا آپ لوگ کتنی مدت سوتے رہے۔ دوسروں نے جواب دیا (پورے) ایک دن ہم (سوتے) رہے یا کچھ کم ایک دن۔ اصحاب کف کو بیدار ہونے کے بعد یہ تو محسوس ہوا کہ ہم زیادہ دیر سوتے (لیکن دیر کی مقدار کتنی زیادہ ہو گئی اس میں اختلاف رائے ہونے لگا) بعض اقوال میں آیا ہے کہ زیادہ دیر سونے سے ان کی کچھ نمازیں فوت ہو گئی تھیں اس لئے (بطور افسوس یا بطور تعجب) انہوں نے یہ بات کہی۔

غار میں صبح کو داخل ہوئے اور شام کو بیدار ہوئے اس لئے انہوں نے دن بھر سوتے رہنا ظاہر کیا۔ لیکن آفتاب ڈوبنا تھا۔ یہ دیکھ کر کچھ کم ایک دن کہا، غرض یہ جواب شخص تخمینی تھا اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ غالب ظن کی بنیاد پر کوئی بات کہنا جائز ہے۔

اصحاب کف نے جب اپنے بال اور ناخن بڑھے ہوئے دیکھے تو خیال کیا کہ ایک دن نہیں بلکہ ہم کو سوتے سوتے شاید کوئی لمبی مدت ہو گئی اس لئے،

قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ  
بولے تمہارے رب کو بخوبی علم ہے کہ تم لوگ کتنی دیر (سوتے) رہے۔ بعض اقوال میں آیا کہ ان کی جماعت کا سردار مکسلیا تھا جب اس نے یہ اختلاف دیکھا تو اس نے کہا اس جھگڑے کو چھوڑو۔ اللہ ہی جانے تم کتنا (سوتے) رہے۔

فَاتَّبَعُوا أَحَدًا كُذِّبُوا بِرِقَابِهِمْ إِلَى الْمَدْيَنَةِ  
اپنے میں سے کسی کو (یعنی تملیحنا کو) یہ روپیہ دے کر شہر (طرس) کو بھیجو۔ دور جاہلیت میں اس شہر کا نام افسوس تھا، عہد اسلامی میں افسوس کی بجائے طرس ہو گیا (روپیہ اصحاب کف کے پاس تھا) اس سے معلوم ہوا کہ روپیہ اور توشہ ساتھ لینا (توکل کے خلاف نہیں بلکہ) متوکلوں کی شان ہے۔

ذَرِيقٌ، چاندی ٹھپہ دار ہو یا سادہ۔

فَلْيَنْظُرُوا أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ  
پھر تحقیق کرے کہ کونسا کھانا حلال ہے سو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانے آئے (مولانا اشرف علی رحمہ اللہ۔ لیکن حضرت مفسر نے حسب ذیل تشریح کی) ایٹھا یعنی اس شہر کے رہنے والوں میں کون زیادہ حلال کھانا بیچتا ہے جو کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور کسی حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہوا بھی نہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا ہو۔ خماک نے ازکی کا ترجمہ کیا کیزہ ترین۔ مقاتل بن حبان نے کہا نہایت عمدہ۔ عکرمہ نے کہا مقدار میں زیادہ۔ زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے، افزودنی، زیادتی۔ بعض نے کہا ازکی سے مراد ہے بہت سستا۔

وَلْيَتَلَطَّفْ

اور خوش تدبیری سے کام لے یعنی منگانہ لے آئے یا یہ مطلب ہے کہ اپنے کو پوشیدہ رکھے

کسی کو پتہ نہ ہونے یا نہ۔

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝۱۰

اور کسی کو تمہاری سن گن نہ ہونے دے یعنی کوئی ایسی حرکت نہ کرے

جس سے نادانگی میں تمہارا کچھ پتہ چل جائے۔

إِنَّهُمْ لَن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ

کیوں کہ ان لوگوں نے اگر تمہاری اطلاع پالی یا تم پر ان کا قابو چل

کیا۔ تو

يُرْجَمُونَ

پتھر مارا کر وہ تم کو ہلاک کر دیں گے۔ (اگر تم نے مرتد ہونا قبول نہیں کیا اور ان کے بتوں کی

پوچھنا کی)

أَوْ يُعَذِّبُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ

یا (اگر تم نے ارتداد کو قبول کر لیا تو) تم کو اپنے مذہب میں لوٹالیں گے۔

شاید اصحاب کف پہلے ان کے ہم مذہب تھے پھر مومن بن گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جبراً تم کو اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے۔



اس مطلب پر اعادہ کا معنی (لوٹنا یا نہ ہو گا بلکہ) داخل کرنا ہوگا)

وَلٰكِنْ نُّفْلِحُ خَوْفًا اِذَا اَبَدْنَا ۝۱۰  
اور اس وقت (یعنی اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونا قبول کریا  
تو) کبھی بھی بہودی نہیں پاؤ گے۔ (کبھی عذاب سے نجات نہیں ملے گی)۔

وَكَذٰلِكَ اَعَثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا سَآئِبَ فِيْهَا

اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ لوگ اس بات کا یقین کر لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا  
ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔

یعنی جس طرح ہم نے اصحاب کف کو سلا یا اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے جگایا، اٹھایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو بھی ان پر  
مطلع کر دیا تاکہ طویل نیند کے بعد بیدار کر دینے سے وہ اطلاع پانے والے سمجھ جائیں کہ موت کے بعد قبروں سے (زندہ کر کے)  
اٹھانے کا اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور امکان قیامت میں کوئی شک نہیں جس خدا نے اصحاب کف کی روحوں کو اپنے پاس  
محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک جسموں کو گلنے سڑنے نہ دیا، پھر ان کی روحمیں واپس کر دیں اور نیند سے بیدار کر دیا، وہی خدا  
اس بات پر قادر ہے کہ سب انسانوں کی روحوں کو اپنے پاس روک رکھے اور پھر قیامت کے دن سب کو قبروں سے زندہ کر کے

اٹھا دے۔

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْنَا مَدِيْنَةً لَّهُمْ اَعْلَمُوْا بِالَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ  
لَنْ نَّخْتَدِثَ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۱۱

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے، جب اس زمانے کے لوگ اصحاب کف کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے، سوان لوگوں نے  
یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوادو۔ ان کا رب ان کو خوب جانتا تھا، جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے (یعنی حاکم وقت  
تھے) انہوں نے کہا ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنا دیں گے (مولانا اشرف علی رحمہ اللہ)  
حضرت مفسر قدس سرہ، نے تفسیر آیات اس طرح کی ہے۔

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ کا تعلق اَعَثَرْنَا سے ہے یعنی لوگوں کو ہم نے اصحاب کف پر مطلع اس وقت کیا جب وہ باہم اپنے دین  
کے متعلق جھگڑ رہے تھے۔ عکرمہ نے کہا دوبارہ آدمیوں کے حشر کے متعلق ان کا آپس کا اختلاف تھا۔ غیر مسلم کہتے تھے حشر  
صرف ارواح کا ہوگا اجسام کا نہ ہوگا۔ مسلمانوں کا قول تھا، ارواح کا مع اجسام کے ہوگا۔ اللہ نے اصحاب کف کو اٹھا کر دکھا دیا کہ  
حشر، ارواح اور اجسام دونوں کا ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ اصحاب کف کے معاملہ میں لوگوں کا اختلاف ہو گیا جب اصحاب کف بیدار  
ہونے کے بعد دوبارہ لیٹ گئے اور غافل ہو گئے تو بعض لوگوں نے کہا، اس مرتبہ بھی وہ سو گئے ہیں مرے نہیں ہیں اور کچھ لوگوں  
نے کہا اب کی مرتبہ تو مر گئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اصحاب کف کے بعد مسلمانوں میں اور ان کے مخالفوں میں  
اختلاف رائے ہو گیا، مسلمانوں نے تو کہا ہم یہاں مسجد بنائیں گے یہ لوگ ہمارے ہم مذہب تھے، غیر مسلموں نے کہا ہم یہاں  
عمارتیں بنائیں گے جن کے اندر لوگ آباد ہوں گے اور ایک بستی آباد کریں گے یا عمار کے دروازے پر ایسی عمارت بنائیں گے  
جس سے لوگوں کا اندر جانا بند ہو جائے، غار والے ہمارے رشتہ دار اور بھائی برادر تھے اس لئے تعمیر کا ہم کو حق ہے۔

رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ اللہ کی طرف سے ایک جملہ معترضہ ہے جو جھگڑا کرنے والوں کے کلام کے درمیان اللہ نے ذکر کر  
دیا ہے۔ اس جملہ کا مقصد دونوں فریقوں کے قول کی تردید ہے، ہر فریق نے اصحاب کف کو اپنے ساتھ ملایا تھا، حالانکہ اصحاب  
کف مشرکوں سے اور ان کے شرک سے جس طرح علیحدہ تھے، اسی طرح عام مسلمانوں کے گروہ میں بھی ان کا شہر نہیں تھا، ان  
کا درجہ بہت اونچا تھا، صوفی سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ بھی۔ شیخ ردی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کسے در ظن خود شد یارِ من  
وز دروین من نجست اسرارِ من  
یایہ انہی اختلاف کرنے والوں کا قول ہے جن کا اختلاف مدت قیامت کے متعلق بھی تھا اور نسب کے متعلق بھی اور اصحاب

کھف کے دوسرے احوال کے متعلق بھی لیکن جب کوئی اتحادی رائے قائم نہ ہو سکی تو بولے اللہ ہی کو ان کا صحیح علم ہے (کہ وہ کون تھے ان کے حالات کیا تھے اور کتنی مدت سوتے رہے)

مسئلہ : (حضرت مفسر کے نزدیک) یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ لولیاء کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنانا جائز ہے تاکہ لولیاء کے مزارات کے قرب سے برکت حاصل ہو۔ شیخ استاد محمد فاخر محدث کے نزدیک مکروہ ہے، کراہت کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتا ہے۔

مسلم نے ابو الہیاج اسدی کا قول نقل کیا ہے، ابو الہیاج نے کہا مجھ سے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا، تجھے جو صورتی طے اس کو مٹا دینا اور جو لوہی قبر طے اس کو بغیر ہموار کئے، قطع زمین کے برابر کئے نہ چھوڑنا۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

شیخین نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر شدت مرض ہوئی کہ (بیہوشی طاری ہو گئی) تو آپ کے چہرہ مہلک پر چادر ڈال دی گئی، لیکن دم گھٹنے لگا تو آپ نے چادر کو چہرہ سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرما رہے تھے، اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ امت کو اہل کتاب کی طرح کرنے سے ڈرا رہے تھے۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے قبروں کو پختہ کرنے اور اونچا کرنے اور ان کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے، قبروں کے قریب مسجد بنانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کی مذمت میں فرمایا، انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قبروں کو سجدے کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت ابو مریم غنوی کی روایت سے یہ مطلب صراحت کے ساتھ آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو اور ان کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو۔ رواہ مسلم۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةً رَّابِعَهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةً سَادِسَهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةً وَنَا مِنْهُمْ كَلْبُهُمْ  
بعض لوگ تو کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے وہ سات ہیں تحقیق اندھیرے میں تیر چار ہے ہیں اور بعض کہیں گے وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے.... یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اصحاب کھف کی تعداد میں اختلاف کرنے والے کہیں گے کہ وہ تین تھے، چوتھا کتا تھا اور (کچھ لوگ کہیں گے) وہ پانچ تھے، چھٹا کتا تھا، ان کا یہ قول اندھیرے میں تیرے چلانے کے طور پر ہے کسی واقعی ثبوت پر مبنی نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ نجران کے عیسائی جن میں سید (یعقوبی فرقہ کا) اور عاقب (سطوری فرقہ کا) بھی شامل تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اصحاب کھف کی تعداد کے متعلق ان کے آپس میں اختلاف ہو گیا، سید نے کہا وہ تین تھے چوتھا کتا تھا۔ عاقب نے کہا پانچ تھے چھٹا کتا تھا۔ رجم تیر چلانا، پتھر مارنا الغیب یعنی ایسا واقعہ جو غائب سے ان کے علم میں نہیں یعنی ان کے یہ قول اندھیرے میں تیر چلانے کی طرح ہیں، کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ واقعہ میں وہ کتنے تھے، لیکن جبرئیلؑ کی اطلاع اور رسول اللہ ﷺ کے خبر دینے کے بعد مسلمان کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا۔ وَنَا مِنْهُمْ كَلْبُهُمْ کا جملہ وصفیہ ہے جو سَبْعَةَ کی صفت ہے۔ صفت اپنے موصوف سے وابستہ ہوتی ہے اور حال اپنے ذوالحال سے متصل ہوتا ہے، جب معرفہ ذوالحال ہو اور جملہ حال تو اس کی باہم وابستگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی صفت کی موصوف کے ساتھ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ وَنَا مِنْهُمْ كَلْبُهُمْ میں ولو ثمانی ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ سات تک کی کنتی تو بغیر حرف

عطف کے کرتے ہیں اور آٹھویں عدد کو واو عطف سے شروع کرتے ہیں، ایک دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات اور آٹھ، قرآن میں آیا ہے۔

التَّائِبُونَ - الْعَابِدُونَ - الْحَامِدُونَ - السَّائِحُونَ - الرَّاكِعُونَ - السَّاجِدُونَ - الْأَبْرَارُ بِالْمَعْرُوفِ وَ التَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ - ایک اور آیت میں آیا ہے۔

مُسْلِمَاتٍ، مُؤْمِنَاتٍ، قَانِتَاتٍ، تَائِبَاتٍ، عَابِدَاتٍ، سَائِحَاتٍ، ثَبَاتٍ وَ أَبْكَارًا -

آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کی قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بَعْدَ تَعَهُمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ (صحیح) تعداد سے بخوبی واقف ہے اور ان کو (یعنی صحیح کثرتی ان لوگوں کی) صرف تھوڑے آدمی جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں سے تھوڑے آدمی ان کی صحیح تعداد سے واقف ہیں۔ سب لوگوں میں سے صرف تھوڑے آدمی یعنی مسلمان اصحاب کف کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میں ان تھوڑے آدمیوں میں سے ہوں جو اصحاب کف کی صحیح تعداد سے واقف ہیں وہ سات تھے، رواہ ابن جریر والقریبانی وغیرہ۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ سات تھے، آٹھواں کتاب تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ تعداد اصحاب کف کے متعلق اللہ نے صرف تین اقوال بیان فرمائے، کوئی چوتھا قول نہیں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول ہی نہ تھا پہلے دونوں قولوں کی رَجْمًا بِالْغَيْبِ کا لفظ کہہ کے تردید کر دی اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ تیسرا قول ہی حق ہے۔

بنغوی نے لکھا ہے کہ اصحاب کف کے نام حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اس طرح آئے ہیں، مَسْكِيْنًا، تَسْلِيْمًا، مَرطُونًا، سَنُونًا، سَارِي نُونًا، ذَوْنًا، سَطَطِيْنًا، یہ آخری شخص چر دہا تھا (جو اصحاب کف کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا) رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد صحیح۔ شیخ ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھا ہے ان اسماء کے تلفظ میں بڑا اختلاف ہے، کوئی قابل اعتماد تلفظ نہیں۔

سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث

فَلَا تَمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مَوَءَاظُهُمْ

نہ کیجئے۔

یعنی اصحاب کف کی تعداد میں ان لوگوں سے آپ سنی اختلاف و مناظرہ کر سکتے ہیں کوئی گہرا اختلاف نہ کریں، زیادہ غور و خوض کرنے یا ان کو جاہل قرار دینے کی ضرورت نہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

اور اصحاب کف کے (حالات، تعداد یا قصہ کے) متعلق وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿۱۸﴾ ان میں سے کسی سے تحصیل علم اور صحیح معلومات کے حصول کے لئے دریافت بھی نہ کریں۔ یعنی اللہ نے جو آپ کو بتلویا ہے وہ کافی ہے ان کو اتنا بھی علم نہیں ہے پھر سوال بے سود ہے، اس کے علاوہ آپ کا مقصد سوال ان لوگوں کو جواب میدا سوا کر دینا بھی نہیں یہ مکارم اخلاق کے خلاف ہے، اس لئے ان سے دریافت ہی نہ کریں۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے سلسلے میں پختہ وعدہ کیا تھا (مگر انشاء اللہ نہیں فرمایا تھا) چالیس دن گزر گئے (اور وہ کام نہ ہوا) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَقْوَانِ لَإِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ عَدَاةً ﴿۱۹﴾ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کر دوں گا، مگر مشیت خدا کو ملا دیا کیجئے (یعنی انشاء اللہ ضرور کہہ

دیا کیجئے)۔

ابن المنذر نے مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے قریش سے کہا تھا ان سے روح اور اصحاب کف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ قریش نے حضور ﷺ سے یہ سوالات کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کل میرے پاس آنا میں بتا

دوں گا لیکن انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لو پر دس روز تک کوئی وحی ہی نہیں آئی۔ آپ کو اس سے بڑی بے چینی ہو گئی لوہر قریش نے کہا تم جھوٹے ہو، اس موقع پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شروع سورت کی تشریح میں اس مضمون کی ابن جریر کی روایت کردہ تفصیل ہم لکھ چکے ہیں اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت **وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ** کے ذیل میں یہ روایت ذکر کر دی گئی ہے۔

آیت مذکورہ میں انشاء اللہ کے بغیر کسی آئندہ کام کو کرنے کے وعدہ کی ممانعت رسول اللہ ﷺ کی ادب آموزی کے لئے کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کام کو پختہ طور پر کرنے کا ارادہ ہو تو کبھی بھی مشیت الہی سے وابستہ کئے بغیر اس کام کو کرنے کا وعدہ نہ کرو۔

اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے۔ یعنی اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو تسبیح و استغفار کرو۔ اس جملہ میں انشاء اللہ کہنے کی مزید اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔ یہ مطلب ہے کہ اللہ کے کسی حکم کی تعمیل تم بھول جاؤ تو اللہ کو اور اس کے عذاب کو یاد کرو تا کہ نسیان کی تلافی ہو جائے۔ یہی معنی ہے کہ اگر تم کسی بات کو بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو، تاکہ اللہ تم کو وہ بات یاد دلا دے۔

عکرم نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت تم کو غصہ آئے تو اللہ کو یاد کرو۔ وہب کا بیان ہے، انجیل میں آیا ہے، اے ابن آدم تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر (غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا) جب مجھے غصہ آئے گا تو میں بھی تیری یاد کروں گا (اور تیری کمزوری پر رحم کروں گا)

خماک اور سدی کے نزدیک آیت مذکورہ کا حکم نماز سے تعلق رکھتا ہے (نماز میں کچھ بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو یا یہ معنی کہ نماز پڑھنی بھول جاؤ تو جس وقت یاد آئے پڑھ لو) حضرت انس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے پڑھ لے۔ رواہ البیہقی۔ امام بخاری، مسلم، امام احمد، ترمذی اور نسائی کی روایت میں حدیث ابن الغضائف کے ساتھ آئی ہے۔ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سو جائے (یا سوتا رہے) اور نماز نکل جائے تو اس کا اتار یہ ہے کہ جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جو شخص وتر کی طرف سے سو جائے یعنی سو جانے یا سوتا رہنے کی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ رواہ احمد والحاکم و صحیح۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن نے کہا، آیت کا معنی یہ ہے کہ انشاء اللہ کہنا اگر بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آئے انشاء اللہ کہہ لو۔ اسی تشریحی مطلب کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک آج کے کلام سے متعلق ایک سال بعد بھی انشاء اللہ کہنا درست ہے بشرطیکہ انشاء اللہ کہنے سے پہلے کلام کے خلاف کوئی حرکت نہ کی ہو۔ اس مطلب کی تائید ابن مردویہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کچھ لو پر دس روز یا چالیس روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لیا۔

جمہور فقہاء کا فتویٰ حضرت ابن عباس کے قول کے خلاف ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی غیر مستقل کلام ایسا ہو جس سے پہلے کلام کے حکم میں تبدیلی آرہی ہو تو اس کو پہلے کلام کے بالکل متصل اور ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا ہے یا کلام کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کرنا ہے، یا غایت زمانی و مکانی کو ظاہر کرنا ہے یا کسی مبدل منہ کے بعد بدل بعض کو بیان کرنا ہے تو شرط اور انشاء اللہ اور غایت اور بدل بعض پہلے کلام کے بعد متصلاً ذکر کرنا ضروری ہے اگر دیر کے بعد لگائی ہوئی شرط یا قید کو معتبر مانا جائے گا تو نہ کوئی اقرار صحیح ہوگا، نہ طلاق، نہ غلام کی آزادی۔ نہ صدق معلوم ہوگا نہ کذب (مثلاً زید نے اقرار کیا کہ عمر کا مجھ پر اتار دیا ہے قرض ہے اور کچھری سے نکلنے کے بعد اس نے کہا بشرطیکہ عمر مجھے فلاں چیز دے دے، یا زید نے بیوی کو طلاق دے دی، یا غلام کو آزاد کر دیا، اور دو گھنٹہ کے بعد کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اسی طرح زید

نے کوئی بات کہہ دی، اب معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ کہا یا سچ۔ ممکن ہے کل کو وہ اپنے گزشتہ کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط یا کسی قید کے ساتھ متقید کر دے، پور اس وقت کالج کل کو جھوٹ ثابت ہو۔ ایک واقعہ منقول ہے کہ خلیفہ منصور کو کسی نے اطلاع دی کہ امام ابو حنیفہؒ آپ کے دو احضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور انشاء اللہ کی شرط کو کلام سے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں اور دیر کے بعد انشاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ خلیفہ نے امام ابو حنیفہؒ کو طلب کیا، امام ابو حنیفہؒ نے خلیفہ کے سوال کے جواب میں فرمایا، حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ تو آپ کے خلاف پڑتا ہے، آپ رعایا سے فرماں بردار اور وفادار رہنے کی بیعت لیتے ہیں اور لوگ بیعت کرتے ہیں لیکن آپ کے دربار سے نکلنے کے بعد اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیں تو کیا ان کی بیعت قابل اعتبار نہیں رہے گی۔ منصور نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو مان لیا اور امام کے خلاف جس نے بخبری کی تھی اس کو دربار سے نکلوا دیا۔

ربا بن عباسؓ کا یہ استدلال کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد انشاء اللہ فرمایا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اپنی پچھلی غلطی کی تلافی نزول آیت کے بعد انشاء اللہ کہہ کر کی تھی بلکہ آیت میں جو آپ کو ہر عزم اور قول کے وقت انشاء اللہ کہنے کا حکم دیا گیا تھا آپ ﷺ نے انشاء اللہ فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ آئندہ انشاء اللہ میں اس حکم کی تکمیل کرتا رہوں گا۔ صوفیاء نے آیت **وَ اذْکُرْ رَبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ** کی ایک بہت ہی پر کیف تشریح کی ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے سوا تم ہر چیز کو بھول جاؤ، اس وقت خالص دل سے اللہ کی یاد کرو۔ صوفیاء کہتے ہیں اللہ کی ہمہ وقت یاد اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک ماسوا کے تصور کو دل سے مٹانہ دیا جائے، عام طور پر دل کی حالت بدلتی رہتی ہے، یکسوئی عموماً نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے دو دل تو ہیں نہیں کہ ایک میں یاد خدا جمی رہے اور دوسرے میں مخلوق کا ذکر قائم رہے۔ دل ایک ہی ہے، جب اس میں ماسوی اللہ کا تصور ہو گا تو اللہ کی یاد میں فورا آجائے گا اور اللہ کے سوا اگر ہر چیز کو دل فراموش کر دے گا اور ماسوی اللہ کے تصور کو مٹا دے گا تو دل ہر دم یاد الہی میں مشغول اور غرق رہے گا، اسی کو فنا قلب کہتے ہیں۔ جب تک فنا قلب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے، صوفی اس کو موحد نہیں کہتے۔ حضرت مفسر نے لکھا ہے کہ صوفیاء کی تشریح ہی کتاب اللہ کی صراحت اور عربی تو انین لغت کے زیادہ مناسب ہے۔ اس قول پر مجازی معنی کی طرف رجوع کرنا بھی نہیں پڑتا۔ دیکھو **اِذَا نَسِیْتَ** کا تعلق **اَذْکُرْ** سے ہے، یعنی بھولنے کے وقت اللہ کی یاد کرو۔ بھولنا اور یاد کرنا دو متضاد فعل ہیں، ایک وقت میں دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا لامحالہ مجازی معنی مراد لینا ہو گا، دونوں فعل جدا جدا مختلف اوقات اور مختلف حالات میں ظاہر ہوں گے اور آیت میں تاویل کرنی پڑے گی، کوئی بھی تاویل کی جائے مجاز کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ کار نہ ہو گا، البتہ صوفیاء کا قول مبنی بر حقیقت ہے ذکر رب، نسیان ماسوا کے وقت ہی ہوتا ہے اور اسی کو ذکر رب کہتے ہیں جس میں ماسوا کا نسیان ہو جائے۔

اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو

**وَقُلْ عَسَىٰ اَنْ يَّهْدِيَ بَيْنَ رَبِّي لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا اَرْشٰدًا ۝۱۵**

امید ہے میرا رب نبوت کی صداقت کو اس سے بھی زیادہ قریب الوصول بنا دے گا۔

**اَقْرَبَ اَرْشٰدًا** سے مراد ہے کوئی ایسی بہتری جو متصل ہی آنے والی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انشاء اللہ کہنا یا اللہ کے کسی حکم کی تعمیل کرنا تم بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو یعنی تسبیح و استغفار کرو اور کہو کہ امید ہے اللہ مجھے کوئی ایسی راہ بتا دے گا جو فراموش شدہ (لفظاً حکم) سے افضل اور بہتر ہوگی یہ بہترین راہ کونسی ہے (جس سے گزشتہ کی تلافی اور آئندہ کی ترقی وابستہ ہے) کوہ ہے صرف گزشتہ پر ندامت، توبہ، استغفار اور فوت شدہ کی قضاء۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے اصحاب کف کا واقعہ دریافت کیا اور اللہ نے اصحاب کف کا قصہ بیان کر دیا تو آخر میں اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو یہ بات بتادیں کہ اصحاب کف کے واقعہ سے بڑھ کر روشن دلیل اور برہان نبوت اللہ عطا فرمائے گا چنانچہ یہ وعدہ اللہ نے پورا کیا، تمام انبیاء کے علوم بلکہ ماضی مستقبل کے سارے علمی خزانے اللہ نے آپ کو عطا فرمادیئے، اصحاب کف کے واقعہ کے اظہار سے آپ کی نبوت کو سچائی کا اتنا قوی ثبوت نہیں ملتا جتنا تمام انبیاء و

مرسلین کے علوم اور گزشتہ و آئندہ کے واقعات و حالات کے علم عطا فرمانے سے ملتا ہے۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اور بواسطہ رسول اللہ ﷺ ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ جب انشاء اللہ کتب بھول جاؤ اور پھر یاد آجائے تو انشاء اللہ کہنے کے بعد یہ بھی کہو عَسَىٰ اَنْ يَّهْدِيَنِي رَّبِّي لِاَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا یہی گزشتہ تصور کی توبہ ہے۔ صوفیاء کی تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہو گا کہ جب اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو اور یہ بھی کہو کہ امید ہے اللہ مجھے ایسے راستے کی ہدایت کر دے گا یا ایسی چیز بتا دے گا جو اس ذکر سے بھی زیادہ اقرب ہوگی یعنی اللہ اپنی ذات تک خود پہنچا دے گا اللہ کی ذات رگ جال سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَلْيَتُوبَ فِي كَافِرِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِتِّينَ وَاذِدَادُ وَاِتْسَاعًا ⑤  
غار میں تین سو برس سے نو برس زیادہ (سوتے رہے) پہلے مجمل طور پر فرمایا تھا فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِتِّينَ عَدَدًا اس آیت میں تفصیل فرمادی اور تعداد بتادی۔

قادہ نے کہا اللہ نے اہل کتاب کا یہ قول نقل کیا ہے، اہل کتاب اصحاب کف کے سوتے رہنے کی معین تعداد بیان کرتے تھے اس قول کو اللہ نے ذکر کیا اور پھر اس کی تردید میں فرمایا قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کتنے زمانہ تک وہاں سوتے رہے۔ اگر مذکورہ بالا آیت کو اللہ کی طرف سے تعداد مدت کی تعیین قرار دیا جائے گا تو اللہ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا کا کوئی معنی نہ ہوگا۔

حضرت مفسر نے فرمایا، تفسیر وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے، یعنی اللہ کی طرف سے یہ تعیین مدت کی صراحت ہے، اہل کتاب کے قول کو نقل نہیں کیا گیا ہے۔ رہا بر قول جمہور آیت اللہ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا کا مطلب تو یہ پہلے قول کی تردید نہیں ہے ۳۰۹ برس کی تعیین فرمادی اور آخر میں حکم دے دیا کہ اب اگر یہ لوگ تعیین مدت میں نزاع کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو (اس جھگڑے سے کوئی فائدہ ہی نہیں) اللہ ان کی مدت قیام سے بخوبی واقف ہے (تمہارا نزاع تمہاری لئے سود مند نہیں)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کا یہی یہ قول ہے، غار میں داخل ہونے سے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک ۳۰۹ برس کی مدت اہل کتاب کے خیال میں گزری تھی، اللہ نے آیت اللہ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا میں اس کی تردید فرمادی۔ یعنی ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد سے اب تک جس قدر مدت گزری، اللہ ہی کو اس کا علم ہے، وہی بخوبی واقف ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے اور ابن جریر نے ضحاک کی روایت سے بیان کیا کہ شروع میں وَلْيَتُوبَ فِي كَافِرِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِتِّينَ لَوْ رَتَّلَ هُوَ گویا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تین سو سال یا تین سو مہینے اس کے جواب میں لفظ سِتِّينَ لَوْ رَتَّلَ ہوا گیا۔ وَاذِدَادُ وَاِتْسَاعًا کی تشریح میں کلبی نے کہا نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا، تین سو برس رہنے کا علم تو ہم کو بھی ہے مزید نو برس رہنے کا علم ہم کو نہیں۔ یعنی ہماری کتاب میں نہیں ہے) اس پر۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا  
ابن عبّاسؓ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے زمانہ تک وہ سوتے رہے۔  
بنغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، اصحاب کف ششہی حساب سے تین سو برس سوتے رہے اور اللہ نے قمری حساب سے تین سو نو برس رہنے کی صراحت کی ہے۔ ہر سو سال ششہی کے بحساب قمری ایک سو تین سال ہوتے ہیں۔ تین سو سال کے تین سو نو سال ہو گئے۔

لَمَّا غَشِيَتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ اَبْصُرَ بِهٖ وَاَسْمِعَہٗ  
(تمام دنیا کی علمی نظر سے جو  
چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں پوشیدہ ہیں) ان تمام ارضی و سماوی پوشیدہ اشیاء کا علم اللہ ہی کو ہے، سب چیزیں اسی کے دست ملکیت و تصرف میں ہیں، وہ عجیب طرح کا دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی اس کی بینائی اور شنوائی دوسروں کے دیکھنے سننے سے الگ اور عجیب ہے اس کو دیکھنے اور سننے سے کوئی چیز حاجب اور مانع نہیں، انتہائی لطافت ہو یا کثافت، باریک سے باریک چیز ہو یا بڑی سے بڑی، پوشیدہ ہو یا ظاہر اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں اس کو ہر چیز کا علم سمعی و بصری ہے۔

مَا لَهُمْ قَرْنٌ دُونَهِ مِنْ تَوْبَةٍ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝  
 لئے اللہ کے سوا کوئی کار ساز اور ان کے امور کا ذمہ دار نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں ان میں سے کسی کو شریک کرتا ہے۔ نہ داخل بناتا ہے۔ حکم سے فیصلہ قضاء یا امر و نہی یا علم غیب مراد ہے یعنی اپنے علم غیب میں وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اصحاب کھف کا قصہ معلوم نہ تھا وہ آپ کے لئے غیب کے حکم میں داخل تھا لیکن اللہ نے وحی کے ذریعہ سے واقف بنا دیا اور قرآن میں ذکر کر دیا گویا غائب اور غیر معلوم واقعہ کو بیان کر دینا ایک معجزہ ہو گیا جو عبادت قرآنی کی شکل میں نمودار کر دیا گیا۔ اس لئے آئندہ آیت میں تلاوت قرآن اور اصحاب قرآن کی مصاحبت کا حکم دیا گیا اور فرمایا۔

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۗ  
 اور آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب بذریر وحی بھیجی گئی ہے وہ پڑھا کریں اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

یعنی قرآن کی تلاوت کرو اور اس کے مفہوم پر عمل کرو اور ان لوگوں کی بات پر کچھ دھیان نہ دو جو اس کے سوا کسی دوسرے قرآن کے خواستگار ہیں یا اسی میں تم سے کچھ ترمیم و تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اس میں کسی طرح کی تبدیل و ترمیم کرنے کی طاقت رکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے کوئی شخص بھی اللہ کے سوا اس کو بدل نہیں سکتا۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ گناہ گاروں، نافرمانوں کو جو قرآن کے اندر عذاب کی وعید دی گئی ہے اس کو بدلنے والا کوئی نہیں، عذاب ہو کر رہے گا۔

وَلَكِنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝  
 کوئی پناہ کی جگہ (حضرت ابن عباسؓ) کیا چھپنے کی جگہ (حسن بصریؒ) کیا جائے قرار نہیں ملے گی۔ لَحَدٌ کا اصل معنی ہے جھاڈ، کچی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ  
 اور اپنے آپ کو قائم رکھو، جمائے رکھو ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں  
 دعا اور ذکر کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد صرف اپنے رب کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے کوئی اور غرض نہیں ہوتی۔

إِصْبِرْ نَفْسَكَ اپنے آپ کو روکے رکھو، جمائے رکھو بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ صبح شام یا تمام اوقات میں۔ يُرِيدُونَ یعنی ان کی عبادت کی غرض سوائے ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ وَجْهَهُ میں لفظ وَجْهہ زائد ہے جیسے آیت وَيَنْقُلُ وَجْهَهُ رَبِّكَ میں لفظ وَجْهہ زائد ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی ذات کے سوا اور کوئی مطلوب نہیں، نہ دینار نہ آخرت۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ بالا عینہ بن حصین فزاری کے حق میں نازل ہوئی، مسلمان ہونے سے پہلے عینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت کچھ نادار مسلمان خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں مسلمان فارسی بھی تھے حضرت سلمان ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے تھے اور آپ کو پسینہ بھی آرہا تھا، عینہ بولا، محمد ﷺ! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دکھ نہیں ہوتا، ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے لوگ ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن ہم کو آپ کی اتباع کرنے سے ایسے لوگوں کی آپ کے پاس موجودگی روکتی ہے ان کو آپ ہٹادیں تو ہم آپ کی اتباع کرنے لگیں گے یا ہمارے لئے ان سے الگ کوئی بیٹھنے کی جگہ مقرر کر دیں اور ان کی مجلس ہم سے الگ کر دیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

قائدہ کا بیان ہے کہ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم الخ سے اصحاب صفہ مراد ہیں جن کی تعداد سات سو تھی یہ سب نادار لوگ تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں فروکش تھے، نہ کسی کی کھیتی تھی، نہ دودھ کے جانور، نہ کوئی تجارت، نمازیں پڑھتے رہتے تھے ایک وقت کی نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے جن کی معیت میں مجھے جے رہنے کا حکم دیا۔

اس آیت کی شان نزول کی کچھ تفصیل سورہ انعام کی آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم الخ کی تفسیر میں ہم نے کر دی ہے۔

وَلَا تَعْدُوا عَيْدَنَا عَنْهُم ۚ نُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
 کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان (غریب مسلمانوں) سے ہٹنے نہ پائیں۔ یعنی دولت مندوں کے ساتھ بیٹھنے اور مال دار دنیا داروں کی مصاحبت اختیار کرنے کے لئے تم ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرنے والے (نادار) لوگوں سے آنکھیں پھیر لو ایسا نہ کرو۔

وَلَا تُطْعَمَنَّ مِنْ أَعْفَلْنَا قَلْبُهُ عَنْ ذِكْرِنَا  
 اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنا دیا ہے  
 اس کے کہے پر نہ چلو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ آیت میں جس کا کمانہ کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد عیینہ بن حصین فزاری ہے لیکن ابن مردویہ نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف حمّی کے حق میں نازل ہوئی۔ امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان فقیروں کو اپنے پاس سے نکال دیجئے اور سرداران مکہ کو اپنے پاس بٹھائیے، اللہ کو یہ درخواست پسند نہ تھی اس لئے آیت مذکورہ نازل فرمادی۔ ربیع کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ابن بریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت سلمان بیٹھے ہوئے تھے کہ عیینہ بن حصین آگیا اور کہنے لگا جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ اس کو یعنی اس جیسے غریب لوگوں کو اپنے پاس سے نکال دیا کریں، اس پر آیت وَلَا تُطْعَمَنَّ مِنْ أَعْفَلْنَا قَلْبُهُ عَنْ ذِكْرِنَا نازل ہوئی۔

وَاتَّبِعْ هَوَاؤَهُ  
 اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ یعنی سرداران قریش کے لئے آپ کی مجلس سے غریب مسلمانوں کو نکال دینے کا خواستگار ہوتا ہے۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کی اس درخواست کا موجب دو باتیں ہیں (۱) اس کا دل اللہ کی یاد سے غافل سے (اللہ کا تصور ہی اس کے دل میں نہیں بلکہ خدا کی طلب ہی اس کو نہیں)۔ (۲) کو نبوی لذتوں میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ شرافت کا مدار ذلیل باتوں سے نفس کو پاکیزہ رکھنے، دل کو باطنی رذائل کی کثافت سے صاف رکھنے اور انوار معروف سے منور کرنے پر ہے جسمانی آرائش پر نہیں ہے جو اس کے کہے پر چلے گا وہ بھی غفلت اور حماقت میں اسی کی طرح ہوگا۔

فرقہ معتزلہ کے نزدیک قبیح افعال کو پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف کرنی درست نہیں اور اس جگہ لفظ أَعْفَلْنَا میں غافل بنانے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ أَعْفَلْنَا کا معنی غافل بنانا نہیں ہے بلکہ غافل بنانا ہے، ہم نے اس کے دل کو غافل پلایا غفلت کی نسبت اس کے دل کی طرف کر دی، یعنی غافل چھوڑ دیا، عرب کہتے ہیں أَعْفَلَ إِبِلَهُ اس نے اپنے اونٹوں کو بغیر نشان زد کئے چھوڑ دیا۔

لَلْ سُنْتِ كَيْتِي هِي كَمَا كُنَّا فِي اللَّهِ كِي طرف غافل کر دینے کی نسبت اور اتبع هَوَاؤُهُ میں اتباع ہوا کی بندے کی طرف نسبت بتا رہی ہے کہ بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار کامل بلکہ بین بین ہے (خالق، اللہ ہے اور کاسب، بندہ)  
 وَكَانَ أَمْرًا مُرْتَضًا ۝  
 اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ اور مجاہد نے فرطاً کا ترجمہ ضیاعاً یعنی ضائع شدہ کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا اس کا امر ضائع ہو گیا اور زندگی کے دن رات کا گئے۔ بعض نے فرطاً کا معنی ندامت بیان کیا ہے۔ مقاتل بن حبان اور انخس نے ترجمہ کیا حد سے آگے بڑھا ہوا، کسی نے باطل، کسی نے مخالف حق ترجمہ کیا ہے، فراء نے متردک کہا ہے، بیضاوی نے لکھا ہے حق کو پس پشت پھینک دینے والا۔ جو گھوڑا سب سے آگے نکل جائے اور سب گھوڑے اس کے پیچھے رہ جائیں اس کو فرطاً فرطاً کہا جاتا ہے فرطاً (پیش خیمہ، ہر لول) اسی سے بنا ہے۔

وَقِيلَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ  
 (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں حق (وہ ہے جو) تمہارے رب کی جانب سے ہے۔

یعنی حق وہ ہے جس کو اللہ نے حق قرار دیا ہو۔ اقتضاء خواہشات حق نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ یہ یعنی قرآن یا اسلام حق ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے۔



فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ

اب جو (ایمان لانا) چاہے ایمان لے آئے اور جو

(کافر رہنا) چاہے وہ کافر رہے۔ یہ کلام وعید آئیں ہے۔ ایمان و کفر دونوں کا اختیار دیا گیا ہے جو اپنے اندر ایک خاص تمہید رکھتا ہے۔ گویا عینہ کی درخواست کا جواب ہے۔ عینہ نے کہا تھا ان لوگوں کے لباس اور بدن کی بدبو سے کیا آپ کو تکلیف نہیں ہوتی، ہم قبیلہ مضر کے شرفاء اور سردار لوگ ہیں ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، اگر ہم مان لیں گے تو سارے لوگ ایمان لے آئیں گے، مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں اور آپ کی بات سنیں اور آپ پر ایمان لے آئیں، اللہ نے اس کے جواب میں غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کو پاس بٹھانے کی رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرمائی اور اپنی مجلس سے ان کو نکال دینے کی ممانعت کر دی اور صاف صراحت کر دی کہ حق رب کی طرف سے آگیا، ماننا چاہو اس کو مانو، نہ ماننا چاہو نہ مانو، اللہ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں، ہر شخص کا اپنا نفع و نقصان ہے جو مان لے گا اسی کو ایمان کا فائدہ پہنچے گا نہ مانے گا تو کفر کی مضرت اسی پر پڑے گی۔

اور ظالموں یعنی کافروں کے لئے

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهَا صُرَادُ قَهَاطٍ

ہم نے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قاتیں ان کو گھیر لیں گی۔ متعدد چھوٹے ڈیروں اور حیموں کے گرد اگر دو احاطہ بازہ کی طرح گھیر دیا جاتا ہے اس کو صُرَادِیْق کہتے ہیں۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے دیوار ہو یا خیمہ یا کچھ اور چیز بہر حال جو بازہ کی طرح کسی چیز کو گھیرے ہوئے ہو وہ صُرَادِیْق ہے، صُرَادِیْق معرب لفظ ہے اور مفرد ہے۔ معرب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں کوئی مفرد لفظ ایسا نہیں جس کے ابتدائی دو حرفوں کے بعد تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف لور ہوں۔ بعض کے نزدیک صُرَادِیْق، صُرَدِیْق کی جمع ہے۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صُرَادِیْقُ النَّارِ (دو ذرخ کی قاتیں) چار دیواریں ہوں گی (ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی) ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی راہ کے برابر ہوگی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ صُرَادِیْقُ النَّارِ آگ کی دیوار ہوگی (جو محیط ہوگی) کلبی نے کہا آگ کی لپٹ ہوگی جو کافروں کو ہر طرف سے بازہ کی طرح گھیرے ہوگی۔ بعض علماء نے کہا ایک دھواں ہوگا جو کافروں کو محیط ہوگا، اللہ نے اسی کا ذکر آیت اِنْطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلِّ ذِي نُلُوفٍ شُعْبٍ میں کیا ہے۔

اور اگر (شدت پیاس کی وجہ) سے وہ پانی

وَأَنْ يَسْتَنْعِفُوا يُعَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ

مانگیں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو مہل کی طرح ہوگا۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آیت بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن ابی الدنیا، اور بیہقی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَنُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ کی تشریح میں فرمایا، وہ سامنے لایا جائے گا تو دوزخی کو سخت ناگوار ہوگا پھر منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی اور سر کی کھال جل بھن کر گر پڑے گی جب اس کو پیے گا تو انتڑیاں کٹ کر در سے نکل جائیں گی، اللہ فرماتا ہے وَإِنْ يَسْتَنْعِفُوا يُعَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ۔ ابن ابی حاتم نے ابو طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول کَالْمُهْلِ کی تشریح کے متعلق نقل کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، وہ سیاہ ہوگا جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول بغوی کی روایت میں یہ آیا ہے وہ گاڑھاپانی ہوگا، زیتون کے تیل کی گاڑھی طرح۔ مجاہد نے مہل کا ترجمہ کیا ہے، لہو، پیپ، خون۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ترجمہ دریافت کیا گیا تو آپ نے کچھ سونا چاندی منگوا کر بکھلایا، جب پکھل گیا تو فرمایا یہ مہل کی طرح ہے اس کے ہم شکل ہے۔

يَسْبُوِي الْجَوْوَاكَا

وہ چروں کو بھون ڈالے گا، یعنی جب وہ منہ کے قریب لایا جائے گا تو اتنا گرم ہوگا کہ

اس کی گرمی سے چرے بھن جائیں گے۔

يَسْنُ الشَّرَابُ

(دو سہل) برا مشروب ہوگا۔

وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا

اور (آگ) بری آرام گاہ ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرود گاہ، مجاہد نے مقام اجتماع، عطاء نے قرار گاہ اور قیس نے مجلس کیا ہے۔ اِرتِفَاقٌ کالغوی معنی ہے۔ کئی کھڑی کر کے اس پر رخسار ٹیکنا، پس لغت کے لحاظ سے مُرْتَفَقًا اسم ظرف کا ترجمہ ہو ایک

کی جگہ، آرام گاہ۔ دوزخ کوئی آرام گاہ نہیں ہے لیکن جنت کو آگے آرام گاہ فرمایا ہے تقابل کے طور پر ہمار کو بھی مُرْتَفَقٌ فرمادیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَهُمْ مِنْ اَحْسَنِّ عَمَلًا ۙ اُوْلٰئِكَ لَهُمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جنہوں نے اچھی طرح کام کئے، ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

عَدْنٌ قیام کرنا، ٹھیرنا۔ عَدْنُ الْمَاءِ بِالْمَكَانِ پانی فلاں جگہ ٹھہر گیا۔ جَنَّتٌ عَدْنٌ وہ باغ اور جنتیں جہاں مومن ہمیشہ قیام کریں گے۔

يَجْلُوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

وہاں اہل جنت کو سونے کے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا۔ سَوَارٌ کنگن اس کی جمع اَسْوَارٌ ہے اور اَسْوَارٌ یا اَسْوَرَةٌ کی جمع اَسَاوِرٌ ہے۔

اَسْوَارٌ اور ذہب کو نگرہ لانے سے اس طرح اشارہ ہے کہ وہ کنگن اور سونا زلی شان کا ہوگا کہ اس کے حسن کا کوئی احاطہ نہیں کر سکا۔ طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے اچھی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوئی جنتی کے ادنیٰ زیور کا تمام دنیا کے زیوروں سے موازنہ کیا جائے تو جو ادنیٰ زیور آخرت میں اللہ جنتی کو عطا کرے

گا وہ دنیا کے تمام زیوروں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

ابو الشیخ نے العظمت میں کعب احبار کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ جو اپنی پیدائش کے آغاز سے اہل جنت کے زیور ڈھال رہا ہے اور قیامت تک ڈھالتا رہے گا اگر اہل جنت کا ایک زیور بھی سامنے لے آیا جائے تو اس کے مقابلے میں سورج کی روشنی مانند بڑ جائے۔

وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خَضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاَسْتَرَبَرٍّ وَفِيْهَا عَلَى الْاَكْمَامِ يَكِيْتُ نِعْمَ الثَّوَابُ ۙ وَحَسُنَتْ

مُورْتَفَقًا ۙ

پہنیں گے (اور) وہاں مسریوں پر نیکی لگائے بیٹھے ہوں گے کیسا اچھا صلہ ہوگا اور جنت کیا ہی اچھی آرام گاہ ہوگی۔

ابن السنی اور ابو نعیم نے طب النبی ﷺ میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے پسندیدہ رنگ سبز تھا۔

سُنْدُسٌ باریک ریشمی کپڑا۔ اَسْتَرَبَرٌّ دیزر ریشمی کپڑا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جنت کے کپڑوں کے دیزر ہونے سے مراد ہے ہلاوت کی مضبوطی۔ عمر حربی نے کہا سندس زریفت کو کہتے ہیں۔

نسائی، ابو داؤد، بزار اور بیہقی نے سند حسن حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد فرمائیے اہل جنت کے کپڑے کس قسم کے ہوں گے، کیا (بے بنائے) پیدا شدہ ہوں گے یا بنے ہوئے ہوں گے جن کو بن کر تیار کیا گیا ہوگا۔ یہ بات سن کر ایک شخص کو ہنسی آگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک ناواقف جب کسی جانے والے سے

پوچھتا ہے تو تم لوگ ہنستے ہو، پھر دوبارہ فرمایا جنت کے پھلوں سے ان کے پھیننے پر (تیار شدہ) برآمد ہوں گے۔ بزار، ابو یعلیٰ اور طبرانی نے جابر کی روایت سے حضرت ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس آگتا ہے جنتیوں کا لباس اسی کا ہوگا۔

الْأَزْأِئِکَ، الْأَزْأِئِکَ کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اگر چاروں طرف پردہ ہو اور اندر لیٹنے کی مسہری نہ ہو یا چارپائی لیٹنے کی ہو اور گرد آگرد پردہ نہ ہو تو اس کو ایکہ نہیں کہتے اور ایکہ پردہ والی مسہری کو کہتے ہیں۔ یہی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مسہریاں موتی اور یاقوت کی ہوں گی۔

ثواب صلہ یعنی جنت اور اس کی نعمتیں، مرتفق بیٹھنے کی جگہ اور قرار گاہ۔ یعنی جنتیں یا مسہریاں کیسی اچھی قرار گاہ ہوں گی۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا لِّوَجُلُوبِ بْنِ مَخْرُومٍ كَيْفَ رَجَعَتْ بَنَاتُهَا رِجَالًا مِّنْ دُونِ مَا كَانَتْ يَتَرَبَّصْنَ فِيهِ فَسَاءَ لِمَن يَصْنَعُ الْإِنْسَانُ

اور ان سے دو آدمیوں کا حال بیان کرو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مکہ میں قبیلہ بنی مخروم کے دو بھائی رہتے تھے ایک مومن تھا، دوسرا کافر، مومن کا نام ابو سلمہ عبد اللہ (ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے سابق شوہر) بن عبد الاسود بن عبد یاسیل تھا اور کافر کا نام اسود بن عبد الاسود بن عبد یاسیل۔ انہی دونوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں کے احوال اور حضرت سلمان کے حال کو بطور تمثیل بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کے احوال سے تشبیہ دی ہے، جن میں سے ایک کا نام بر قول ابن عباسؓ بود اور بر قول مجاہد تحلیہ تھا اور دوسرے کا نام قطردس اور بقول وہب قططر تھا، اول مسلمان تھا دوسرا کافر۔ سورۃ الصافات میں بھی انہیں کا قصہ بیان کیا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک نے بروایت معمر عطاء خراسانی کا بیان ان دونوں کے متعلق حسب ذیل نقل کیا ہے۔

ایک شخص کے دو بیٹے تھے، دونوں کو باپ کی وراثت سے آٹھ ہزار دینار ملے، دونوں نے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیا، ایک بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی، دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر دیے اور کہا اے اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار کی زمین خریدتا ہوں، اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا، دوسرے نے ہزار دینار غریبوں کو تقسیم کر کے دعا کی، اے اللہ اس نے ہزار دینار خرچ کر کے مکان بنایا ہے میں تجھ سے جنت کے اندر ہزار دینار کا مکان خریدتا ہوں، پھر اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کر لی۔ اور دوسرے نے ہزار دینار راہ خدا میں دے کر کہا اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جنت کے اندر کسی عورت سے میرا نکاح کر دے، پھر اول شخص نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے باندی، غلام اور گھر کا سامان خرید اور دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر کے اللہ سے جنت کے اندر خدام اور سامان ملنے کی درخواست کی۔

جب یہ دوسرا شخص سب مال خیرات کر چکا تو کچھ مدت کے بعد مال کی کوئی سخت ضرورت پیش آئی اور دل میں خیال کیا مجھے بھائی کے پاس جانا چاہئے شاید اس کی طرف سے مجھے کچھ مل جائے، یہ سوچ کر بھائی کے راستہ پر ایک طرف کو جا بیٹھا، اس طرف سے دولت مند بھائی اپنے خادموں کے جھرمٹ میں گزر اور بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کیا حال ہے اس شخص نے کہا مجھے ایک حاجت درپیش ہے اور مفلس ہو گیا ہوں، آپ کے پاس کچھ بھلائی کی امید لے کر آیا ہوں، دولت مند بھائی نے کہا تمہارا مال کیا ہوا، تقسیم کے وقت تم نے اپنا حصہ تو لے لیا تھا، غریب بھائی نے اپنی سرگزشت بیان کر دی، دولت مند بھائی بولا، اچھا تو تم خیرات کرنے والوں میں شامل ہو گئے، حلے جاؤ، میں کچھ نہیں دوں گا، غرض اس نے غریب کو دھکا دیا، آخر دونوں مر گئے اور ان ہی کے متعلق آیت فَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مال دار بھائی غریب بھائی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مال کی سیر کرانے لے گیا اور گھما پھر آکر سب طرح کا مال دکھایا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا لِّوَجُلُوبِ مَخْرُومٍ كَيْفَ رَجَعَتْ بَنَاتُهَا رِجَالًا مِّنْ دُونِ مَا كَانَتْ يَتَرَبَّصْنَ فِيهِ فَسَاءَ لِمَن يَصْنَعُ الْإِنْسَانُ

سے مراد ہیں وہ دو آدمی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے (حضرت ابو سلمہ مخزومی اور اسود مخزومی) یا جو کبھی پہلے گزر گئے

تھے (یعنی دوسرا ایسی بھائی بیوہ اور قطروں) کوئی مقرر شخص مر لو نہیں ہے بلکہ دو شخص جن میں مندرجہ آیت لوصاف ہوں (عبرت دلانے اور نصیحت کرنے کے لئے) فرض کر لئے گئے ہیں اور ان کی حالت بیان کر دی گئی ہے۔

جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۝

ان دو شخصوں میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے اور ان دونوں باغوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا اور ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی پیدا کر دی تھی۔

أَحَدُهُمَا سے مراد کافر ہے۔ انگوروں کے باغوں سے مراد ہیں انگور کے درختوں کے باغ، حَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ یعنی انگور کے باغوں کے گرد اگر دباڑھ کی طرح کھجور کے درخت تھے، انگور کے باغ کھجور کے درختوں کے باڑھ کے اندر تھے۔ حَفَفْنَا الْقَوْمَ اس کو قوم نے گھیر لیا۔ حَفَفْنَاهُمْ يَقُومُ میں نے اس کو قوم سے گھیر دیا، اس کے گرد اگر تو قوم کا گھیر اڑال دیا۔ اس صورت میں يَقُومُ میں ب زائد ہوگی کیونکہ حَفَفْتُ خود متعدی بدو مفعول ہے جن میں دوسرا مفعول قائل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا یعنی دونوں باغوں کے درمیان واقع ہونے والی زمین بھی بجز نہ تھی بلکہ اس میں کھیتی تھی، اس طرح ان باغوں میں پھل بھی تھے اور غلے کی پیداوار بھی تھی اور ترتیب بھی عمدہ تھی۔

كَلَّمْنَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهُمَا وَكَمْ نَظَلِمُنَّهُنَّ شَيْئًا ۝ پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہ تھی، یعنی باغوں کے پھلوں اور پیداوار میں وہ کمی نہ تھی جو معمولاً عام باغوں میں ہو کرتی ہے کہ ایک سال پھل خوب آتے ہیں اور دوسرے سال کم۔

وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا ۝ وَكَانَ لَهُ ثَمْرًا ۝ اور دونوں باغوں کے اندر ہم نے نہر چلا رکھی تھی اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا۔

فَجَّرْنَا یعنی زمین سے چشمے نکال کر بہا دیے، تاکہ باغوں میں تروتازگی اور شادابی باقی رہے۔ لَهُ ثَمْرًا ازہری نے کہا ثَمْرًا کی جمع ثَمَرٌ ہے اور ثَمْرًا کی جمع ثَمَارٌ اور ثَمَارٌ کی جمع ثَمَرٌ۔

قاسوس میں ہے ثَمْرًا درخت کے پھل اور مختلف انواع کا مال، ثَمْرًا اور ثَمْرًا واحد ہے اس کی جمع ثَمَارٌ ہے اور ثَمَارٌ کی جمع ثَمَرٌ اور ثَمَرٌ کی جمع ثَمَارٌ۔ سونے چاندی، مویشی اور لولاد کو بھی ثَمْرًا کہا جاتا ہے۔

مذکورہ آیت کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ دو باغوں کے مالک کے پاس باغوں کے علاوہ اور بھی طرح طرح کا بکثرت مال تھا۔ ثَمْرًا اس کا مال ہوتی ہو گیا۔ مجاہد نے کہا ثَمْرًا سے مراد سونا چاندی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے ثَمْرًا بیج ہیں جن لوگوں نے پڑھا ہے تو ان کے نزدیک یہ ثَمْرًا کی جمع ہوگی اور مراد ہوں گے درختوں کے پھل جو کھائے جاتے ہیں اور جن لوگوں نے ثَمْرًا پڑھا ہے ان کے نزدیک طرح طرح کا شیرمال مراد ہوگا۔

فَقَالَ لِمَا جِئْتَهُ وَهُوَ يُجَاوِرُكَ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝

سو اس نے اپنے سامنے سے دوران گفتگو میں کہا میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتنا بھی میرا زبردست ہے۔ یعنی باغوں والے نے ہمارے مومن سے دوران گفتگو میں کہا، میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور میں نوکروں چاکروں کے اعتبار سے بھی تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔ نَفْرًا سے مراد ہیں نوکر چاکر خدمت گزار بعض نے کہا زینہ لولاد مراد ہے کیونکہ مومن نے اس کے جواب میں کہا تھا۔ إِنَّ تَرَبُّنَ إِنَّا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۝ اگرچہ تو مجھے اپنے مقابلے میں کم مالدار اور قلیل الاولاد دیکھ رہا ہے۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۝ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۝

اور اپنے لو پر جرم قائم کرتے ہوئے اپنے باغ میں پہنچا کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ کبھی بھی تباہ ہوگا۔ یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے، دماغ پر غفلت کے پردے پڑ جانے اور شوق و ہوس کی ہمہ گیری کے سبب وہ خیال کرنے لگا کہ جو کچھ

میرے پاس ہے، وہ زندگی بھر میرے پاس رہے گا، کبھی برباد نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان نعمتوں کے ساتھ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا کیونکہ کسی کافر کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ موت سے ہمیشہ محفوظ رہوں گا کبھی نہیں مروں گا۔ ہاں قول سے مراد اگر دلالت حال لی جائے تو مؤخر الذکر مطلب بھی ہو سکتا ہے، جو لوگ دنیا اور دنیا کی لذتوں میں غرق ہوتے ہیں ان کے اعمال اور خیالات زبان حال سے پکار کر کہتے ہیں کہ ایسے اعمال و خیالات رکھنے والے اپنی زندگی کو دوامی سمجھے ہوئے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ کبھی موت نہیں آئے گی اور دنیا کی یہ لذتیں ان کو ہمیشہ حاصل رہیں گی۔

وَمَا أَظُنُّ الشَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَكِنَّ رُؤُوسَ الْبُحْرِ رَاكِبِينَ ﴿١٥﴾

اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت پہاڑوں والی سے اور بالفرض اگر مرنے اور جی اٹھنے کے بعد مجھے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا جیسا کہ تمہارا خیال ہے تو یقیناً اس سے بہتر نتیجہ مجھے (وہاں) ضرور ضرور ملے گا۔ مُنْقَلَب، مقام واپسی، نتیجہ، اس کا خیال تھا کہ اللہ کی نظر میں میری عزت زائد ہے اس نے جو کچھ مجھے دیا ہے میری عزت کی وجہ سے دیا ہے اس لئے قیامت کے بعد بھی وہ مجھے ان باغوں سے بہتر مقام و مرتبہ عنایت کرے گا۔

قَالَ لَهُ صَاحِبُنَا وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ أَنْطَقَكَ ﴿١٦﴾

اس کے مومن ساتھی نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کیا تو اس خدا کو نہیں مانتا جس نے خاک سے تجھے پیدا کیا پھر (باپ کے) نطفہ سے (پیدا کیا) پھر تجھے پورا ٹھیک مرد بنا دیا۔ مٹی ہر شخص (کے بدن) کا مادہ ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر شخص خاک سے بنایا گیا ہے یا یہ کہ حضرت آدم کا پتلا خاک سے بنایا گیا تھا نطفہ ہر انسان کا مادہ قریبیہ ہے، (مٹی سے غذائاتی و حیوانی پیدا ہوتی ہے اس لئے مٹی بعد مادہ ہے ہر غذا سے خون بنتا ہے خون بھی مادہ بعیدہ سے پھر خون سے نطفہ اور نطفہ سے انسان، پس نطفہ مادہ قریبیہ ہے۔ مترجم) سَوَّأَكَ تجھے ٹھیک کر کے پورا انسان بنا دیا، رَجُلًا یعنی پورا بالغ مرد۔ وجود قیامت میں شک ہونے کی بنیاد ہے اللہ کی قدرت کا انکار تو گویا انکار قیامت حقیقت میں انکار خدا ہے جو شخص اللہ کی قدرت کی ہمہ گیری کو مانتا ہے وہ جانتا ہے کہ جس خدا نے آدمی کو اپنے علم و ارادہ کے ساتھ خاک سے پیدا کیا وہ وہ بارہ بھی پیدا کر دے گا۔

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿١٧﴾

لیکن (میں تو کہتا ہوں کہ) اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ (عبادت و ربوبیت میں) کسی کو ساجھی نہیں قرار دیتا۔ بقول بغوی، کسائی نے بیان کیا کہ کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے، اصل کلام تھا لَكِنَّا هُوَ رَبِّي اس صورت میں (میں کہتا ہوں کہ جملہ محذوف مانتے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) لَكِنَّا كَالْفَزَائِدِ ہوگا۔

وَلَوْ لَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ﴿١٨﴾

اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تھے (اور پھلوں سے لدے درخت تھے) تو مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کیوں نہیں کہا۔ لَوْ لَا إِذْ دَخَلْتَ یعنی داخل ہوتے وقت تم نے کیوں نہیں کہا۔ مَا شَاءَ اللَّهُ یعنی اللہ جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، باغ میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے اگر وہ چاہے گا، باقی رکھے گا، باقی رکھنا چاہے گا برباد کر دے گا۔

لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ یعنی تو نے اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا اقرار کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس کو محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، جو کچھ مجھے اس باغ کو لگائے، پرورش کرنے اور انتظام کرنے کی سہولت حاصل ہوئی ہے وہ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے حاصل ہوئی ہے۔ یہی نے شعب الایمان میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی چیز دیکھی اور اس کے دل کو پسند آئی اور اس نے مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کہہ دیا تو پھر اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا (نہ نظر لگے گی، نہ غیبی حوادث اس چیز پر آئیں گے) ابن السنی کی روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس کو نظر نہیں لگے گی۔



حزہ اور کسائی کی قرأت الْوَلَايَةِ بکسر و او بمعنی غلبہ آیا ہے اور جمہور کی قرأت الْوَلَايَةِ بفتح و او ہے، جس کا معنی ہے دوستی، مدد۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں بھی یہی مضمون ولایت (یعنی مدد اور نصرت) ظاہر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے کہا وَلَا يَتَّكِفُ كَا مَعْنٰی ہے رُبُوْبِيَّتِ اور وَلَا يَتَّكِفُ كَا مَعْنٰی ہے حُكُوْمَتِ۔

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ نے کافر کا یہ قول اسی وقت کا نقل کیا ہو جب اس نے اپنے باغوں کو تباہ دیکھ کر اظہارِ پشیمانی کیا تھا اور شرک سے توبہ کر لی تھی یا اپنے مومن بھائی کی نصیحت سن کر اور باغ کی اجڑی حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ ساری مصیبت شرک کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ حقیقت سمجھ کر اس نے بے اختیار بے تابی کی حالت میں شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا (مولانا اشرف علی نے اسی مطلب کے موافق ترجمہ کیا ہے اور شرک سے بیزاری کی تمنا کو اسی وقت اور اسی موقعہ کا قول قرار دیا ہے جب اس کافر نے اپنے سامانِ ثَمَل کو برباد اور باغ کو اجڑا ہوا دیکھا تھا) یعنی اس موقعہ پر اس اضطرابی حالت میں اس کو یقین ہو گیا کہ نصرت یا حکومت اللہ برحق کی ہی ہے۔

اسی کا ثواب سب سے بہتر اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے۔

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عَقْبًا ۝

یعنی اللہ اپنے اطاعت نذاروں کو سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے، کیونکہ دوسرے لوگ جو اطاعت کا دنیا میں بدلہ دیتے ہیں، وہ حقیر اور فنا پذیر ہوتا ہے اور اللہ دنیا میں تو اپنی حکمت کے مطابق اچھا بدلہ دیتا ہی ہے آخرت میں عظیم الشان لازوال ثواب عطا کرتا ہے۔

وَاصْرَبْ لَهُمْ مَثَلِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٌ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيْحُ

اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت

بیان کیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو، پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا میں اڑائے پھرتی ہوں.... یعنی دنیوی زندگی کی رونق اور اس کی زوال پذیری کی کیفیت بیان کر دیا۔ حیات دنیا کی عجیب حالت بیان کر دو (مثل کا معنی عجیب کیفیت بھی ہے اور اس حالت کو بھی مثل کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی حالت کے مشابہ ہو خواہ اس میں کوئی ندرت نہ ہو مگر غرض تشبیہ پوری ہو رہی ہو اور مشبہ کی حالت مشبہ بہ کی حالت کے مماثل و مشابہ ہو۔ اس جگہ حیات دنیا اور بارش کے پانی سے پیدا ہونے والے سبزہ کے درمیان مشترک صفت رونق آگئی اور پھر جلد رونق کا فنا ہو جانا ہے۔ مترجم)

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ یعنی پانی کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو گیا اور اتنا زیادہ ہوا کہ باہم گتہ گیا، یا یہ مطلب ہے کہ پانی نے سبزہ کو متاثر کیا اور سبزہ پانی سے سیراب و شاداب ہو گیا۔

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا پھر تھوڑی ہی مدت میں سبزہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

تَذْرُوْهُ الرِّيْحُ ابو عبیدہ نے کہا ہوا میں اس کو ادھر ادھر لوہر منتشر کرنے لگیں۔ آیت میں تشبیہ مفرد مفرد نہیں ہے نہ پانی مشبہ بہ ہے نہ پانی کی حالت۔ بلکہ مشبہ بہ وہ کیفیت ہے جو مجموعہ سے متزع ہوتی ہے (یعنی پانی سے سبزہ کا پیدا ہونا گھنا اور شاداب ہونا، پھر خشک ہو جانا اور اس کو ہوا میں کا ادھر ادھر اڑائے پھر نا، ان تمام چیزوں سے ایک خاص نمونہ اور فنا کی کیفیت متزع ہوتی ہے، اس سے حیات دنیا کی ترقی پذیر اور پھر عنقریب فنا آگئی کیفیت کو تشبیہ دی ہے۔ مترجم)

اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (یعنی قابو پائے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝)

ہوئے ہے کامل اقتدار رکھتا ہے۔ مترجم)

الْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَقِيْعَةُ الطَّيْلُوحُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ اَمَلًا ۝

مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالح باقی رہنے والے ہیں وہ

آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بدرجہا بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بھی سب سے افضل ہیں۔

یعنی وہ مال و ولولاد جس پر عینہ بن حصین اور اس جیسے دوسرے دولت مندوں کو فخر ہے محض دنیوی رونق کی چیزیں ہیں آدمی ان پر فخر کرتا ہے، پھر یہ چیزیں عنقریب فنا ہو جاتی ہیں یہ زلو آخرت نہیں ہیں، لیکن وہ اعمال صالحہ جن کا اچھا نتیجہ دوائی اور غیر فانی ہے وہ اللہ کے نزدیک اس دنیوی مال و ولولاد سے ہزاروں درجہ بہتر ہیں اور سب سے بڑی تمنا کے قابل چیز ہے (دنیوی چیزوں کی امید و تمنا فانی کی تمنا ہے اور اعمال صالحہ کے ثواب کی تمنا باقی کی تمنا اور باقی فانی سے بدرجہا افضل ہے۔ مترجم)

بنوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا مال اور ولولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کے لئے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، عمرؓ اور مجاہدؓ نے فرمایا، باقیات صالحات سبحان اللہ اور الحمد لله لا اله الا الله اور الله اکبر ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، باقیات صالحات کو زیادہ پڑھا کرو۔ عرض کیا گیا رسول اللہ ﷺ باقیات صالحات کیا ہیں، فرمایا سبحان اللہ، لا اله الا الله، الحمد لله، الله اکبر، لا حول ولا قوة الا باللہ۔ پڑھا۔ رواہ احمد و ابن حبان و الجاحم۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے لا حول ولا قوة الا باللہ کا ذکر بہت کیا کرو، اس سے ضرر کے ننانوے دروازے بند ہو جاتے ہیں جن میں سے لوئی دروازہ گم ہے۔ رواہ العقلمی۔ عقلی نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے سبحان اللہ والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ہی باقیات صالحات ہیں۔ طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت سعد بن عبادہؓ کی روایت سے بھی نقل کی ہے۔

سعید بن جبیر، مسروق اور ابراہیم غمی کے نزدیک باقیات صالحات سے مراد پچکانہ نمازیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ باقیات صالحات اعمال صالحہ ہیں، قنادہ کا یہی قول ہے۔

وَيَوْمَ نُسِطِرُ الْجِبَالِ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزًا كَالدَّخَانِ وَحَشْرٌ يُهْرَمُونَ فَكَلِمًا نُّفَاذِرُ مِنْهُمُ أَحَدًا ۖ وَعَوِضُوا عَلٰى رِبَابِكُمْ صَفًا ۚ

اور یاد کرو اس دن کو جب ہم پہاڑوں کو ہٹادیں گے اور آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے اور ہم ان سب کے سب کو (قبروں سے اٹھا کر) جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور وہ آپ کے رب کے روبرو برابر برابر کھڑے کر کے پیش کئے جائیں گے۔ یعنی ہم پہاڑوں کو اکھاڑ کر خاک بنا دیں گے جو فضا میں اڑی اڑی پھرے گی۔

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً لُورِزِمِينَ چٹیل میدان کھلی ہوئی صاف نظر آئے گی نہ اس پر کوئی عمارت ہوگی، نہ پہاڑی، نہ درخت۔ ابن ابی حاتم نے قنادہ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے لیکن عطاء نے بارزہ کی تشریح میں کمازین کا اندرونی حصہ لوپر آجائے گا جو مردے وغیرہ اس کے اندر ہوں گے وہ برآمد ہو جائیں گے۔

وَحَشْرٌ يُهْرَمُونَ اور ہم لوگوں کو قبروں سے اٹھائیں گے۔ فَكَلِمًا نُّفَاذِرُ لُورِزِمِينَ سے کسی کو قبر سے اٹھائے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ غَاذِرُ بَابُ مَفْعَلٍ لُورِزِمِينَ بَابُ ضَرْبٍ دُونُوں كَامْتَحِنُ ہے چھوڑ دیا، دفاع وعدہ کے ترک کو بھی اسی مناسبت سے غَاذِرُ کہا جاتا ہے۔

وَعَوِضُوا جیسے بادشاہ کے سامنے اس کی فوج لائی جاتی ہے، اسی طرح اللہ کے سامنے سب لوگوں کو صف بند شکل میں لایا جائے گا، لیکن بادشاہ کی پیشی معاینہ اور شناخت کے لئے ہوتی ہے، اور اللہ کی پیشی حکم جاری کرنے کے لئے ہوگی۔ صَفًا یعنی سب ایک قطار میں سامنے آئیں گے، کسی سے کسی کی رکاوٹ نہیں ہوگی، کوئی دوسرے کے سامنے آنے سے مانع نہ ہو سکے گا۔

لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ سَمِيعًا

تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یعنی جس طرح ہم نے تم کو پہلے بدن، برہنہ پا، غیر محتون پیدا کیا تھا، پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال و دولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج نادر، برہنہ، غیر محتون۔ ہم نے تم کو قبروں سے اٹھائے۔ تیغین سے صحیحین میں اور ترمذی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوئے



اور فرمایا لوگو تم کو قبروں سے اٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن، برہنہ پاؤں اور غیر محتون حالت میں لے جایا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَّعِيدُهُمْ پھر سب مخلوق سے پہلے ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔

تیسرے صحیحین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تم کو برہنہ پاؤں، برہنہ بدن، غیر محتون اٹھایا جائے گا، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا مرد بھی ہوں گے، عورتیں بھی۔ کیا ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ فرمایا عائشہؓ! اس وقت کا معاملہ بہت سخت ہوگا۔ یعنی کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا۔

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس روایت کے آخر میں کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا، یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے بعض بعض کو برہنہ دیکھیں گے، فرمایا لوگ اپنے ہی شغل میں ہوں گے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا وہ کس شغل میں ہوں گے، فرمایا اعمال نامے کھول کر سامنے لائے جائیں گے جن کے اندر چھوٹی چھوٹی کے برابر اور رانی کے دانہ کے برابر بھی اعمال کا اندراج ہوگا، بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بی بی نے کہا، ہم میں سے بعض بعض کی برہنگی کو دیکھیں گے، فرمایا، اری اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

طبرانی نے حضرت سہیل بن سعد کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور حضرت امام حسن کی روایت سے مرفوعاً یہ حدیث آئی ہے جس میں مذکور ہے کہ بی بی کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا ہم میں سے بعض بعض کو کیسے دیکھیں گے، نہ نکھیں تو پھٹی ہوئی اویر کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں گی، یہ بیان کرتے وقت حضور ﷺ نے اپنی نظر اوپر کی طرف اٹھائی۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت سوہہ بنت زمعہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پاؤں، برہنہ بدن، غیر محتون اٹھایا جائے گا، پسینہ کا سیلاب کسی کے منہ تک لگام کی طرح آیا ہوگا اور کسی کے کانوں کی لوتک۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے ایک دوسرے کو برہنہ دیکھے گا، فرمایا لوگ اپنی ہی حالت میں متلا ہوں گے ان کی اپنی حالت دوسرے کی طرف دیکھنے نہ دے گی، اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

قرطبی نے لکھا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی تو حدیث میں آیا ہے کہ مردے اپنی قبروں میں کفن پہنے ہوئے باہم ملاقات کرتے ہیں اور احادیث مذکورہ میں برہنہ اٹھائے جانے کی صراحت ہے دونوں میں کھلا ہوا تعارض ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں احادیث مذکورہ میں قیامت کے دن برہنہ اٹھایا جانا مذکور ہے اور اس حدیث کے اندر عالم برزخ میں کفن پوش ہونے کی حالت میں باہم ملاقات کا ذکر ہے، ہاں احادیث مذکورہ بالا کا تعارض مندرجہ ذیل احادیث سے ضرور ہوتا ہے۔ ابو داؤد، حاکم، ابن حبان اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے طلب فرما کر پہنے اور فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے جن کپڑوں میں مردہ مرتا ہے انہی کپڑوں میں اسے اٹھایا جائے گا۔

ابن ابی الدنیانے حسن سند سے بیان کیا کہ حضرت معاد بن جبل نے اپنی ماں کو نئے کپڑوں کا کفن دے کر کفن کیا اور فرمایا اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ ان کپڑوں میں (ان کو اٹھایا جائے گا۔)

سعید بن منصور نے سنن میں بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا، اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ قیامت کے دن انہی (کفن کے کپڑوں) میں ان کو اٹھایا جائے گا۔ قرطبی نے کہا کچھ علماء نے تو ان احادیث کے ظاہر (یعنی حکم کے عموم) کا اعتبار کیا ہے اور ہر مردہ کو اچھا کفن دینے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے ان احادیث کے حکم کو شہیدوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے کیونکہ شہیدوں کو انہی کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم ہے جن کو پہنے ہوئے وہ شہید ہوئے ہوں۔ حضرت ابو سعیدؓ نے (مجھنے میں

کچھ غلطی کی) شہید کے مطلق حکم سنا اور عام لوگوں کے واسطے عمومی حکم سمجھ گئے۔  
 یہی نے مختلف روایات کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا کہ بعض کو برہنہ اٹھایا جائے گا، پور بعض کو کپڑے پہنے  
 ہوئے۔ میں کہتا ہوں یہ تاویل اچھی ہے۔ رضی آیت مذکورہ بالا تو یہ صرف کفار کے لئے ہے کیونکہ آگے جملہ میں کفار ہی کو  
 خطاب کیا گیا ہے۔

بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَنْ تَجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ﴿۱۰﴾  
 لئے کوئی وقت موعود نہیں لائیں گے۔

مَوعِد وعدہ حشر پورا کرنے کا وقت۔ لفظ بَلْ اس جملہ میں انتقال بیان کو ظاہر کر رہا ہے۔ ایک بیان سے دوسرے بیان  
 کی طرف منتقل ہونے کا اظہار لفظ بَلْ سے ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ برہنہ حالت میں اٹھایا جانا لوگوں کے  
 لئے مخصوص ہو گا جو صلحاء نہ ہوں کافر ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے الْاَبْصَارِ شَاخِصَةً (نظر میں لوپر کو اٹھی ہوں گی) فرمایا اور اللہ نے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ  
 يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ دونوں جگہ کافر ہی مر لو ہیں خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پھٹ جانا اور لوپر کو حیرت سے دیکھتے رہنا کفار کی،  
 خصوصیت ہو گی صلحاء کا یہ حال نہ ہو گا۔ البتہ یہ شبہ اس تاویل کے باوجود باقی رہتا ہے کہ اگر صلحاء عریاں نہیں اٹھیں گے تو پھر  
 اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ سب مخلوق سے پہلے ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا، اس کے ازالہ کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس  
 حدیث میں قبر سے برآمد ہونے سے پہلے کی حالت کو ظاہر کیا گیا ہے قبروں کے اندر صلحاء کو عزت افزائی کے لئے لباس پہنادیا  
 جائے گا اور حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے پہنایا جائے گا۔ یہ جواب ضعف سے خالی نہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ مردہ کو اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس میں وہ مرنے کے وقت ہو گا  
 اس حدیث میں لباس سے مراد اعمال ہیں یعنی مرتے وقت جو عملی حالت اس کی ہو گی، اسی حالت پر اس کو اٹھایا جائے گا۔ دیکھو  
 اللہ نے آیت وَلِبَاسٍ التَّوْبَىٰ ذٰلِكَ خَيْرٌ مِّنْ تَوْبَىٰ لِبَاسٍ فرمایا ہے۔

وَوَضِعَ الْكِتٰبَ  
 اور اعمال نامے رکھے جائیں گے۔ الْكِتٰب میں الف لام جنسی ہے (جس کا اطلاق کثیر پر  
 بھی ہوتا ہے اور یہاں کثیر مراد ہیں) لوگوں کے دائیں بائیں ہاتھوں میں یا میزان میں یا اللہ کے سامنے اعمال نامے رکھ دیئے  
 جائیں گے۔

فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مَشْفِقِينَ مَتَّافِيهِ وَيَقُولُونَ لَوْنَلْنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً اِلَّا  
 احصاها

پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہو گا اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ مائے بہاری تم بخنق اس نامہ  
 اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بغیر لکھے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا۔

الْمُجْرِمِينَ یعنی وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔  
 مَتَّافِيهِ ان گناہوں سے جو اعمال نامے میں لکھے ہوں گے۔

لَوْنَلْنَا وِل، بمعنی ہلاکت وہ اپنی خاص ہلاکت کو پکاریں گے، پکارنے کا مقصد موت کو بلانا نہیں ہو گا بلکہ بے  
 قراری کا اظہار اور دوسروں کو اپنے لوپر نازل ہونے والی مصیبت سے آگاہ کرنا مقصود ہو گا۔

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ یہ سوال (حقیقہ استفہام کے لئے نہ ہو گا بلکہ) اظہار تعجب کے لئے ہو گا۔

لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا صغیرہ (بے جا) تبسم اور بیدار قبضہ۔  
 جبیر نے کہا صغیرہ (نامحرم کا) چھوینا، بوسہ لینا اور کبیرہ (تاسے۔ دونوں بزرگوں نے صفار و کبار کی مثالیں دی ہیں، یہ تصدیق  
 ہے کہ اس آیت کی یہ تفسیر ہے۔ سورہ نساء کی آیت اِنْ تَجَسَّبُوا كَبٰرًا مَّا تُنْفِخُوْنَ عَنْهُ تُكْفِرْ عَنْكُمْ سَبَابِكُمْ کی تفسیر



ہے کہ قنادہ نے بیان کیا جو شخص دنیا میں پڑھانہ ہو گا وہ بھی اس وقت نامہ اعمال پڑھ لے گا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ  
 اور یاد کرو اس واقعہ کو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے۔ قرآن مجید میں مختلف متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کی تمہید کے طور پر فرشتوں کو آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اور ملائکہ کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ بھی خاص مقصد کے لئے اس واقعہ کا تذکرہ کیا (مال دنیا اور شرافت نسب اور عزت قوی پر) فخر کرنے والوں کی جب آیات مذکورہ بالا میں مذمت کی اور ان کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا تو اس کو پختہ کرنے کے لئے ابلیس کے انکار اور فرشتوں کی تعمیل امر کا تذکرہ کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں غرور کرنا ابلیس کی حرکت ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیا کے شیفتہ اور فریفتہ ہیں اور اس فریب خوردگی کا سبب ہوا نفس اور اغواء ابلیسی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے دنیوی جمال ظاہری کی طرف سے ان کو نفرت دلائی اور اس کی فتنہ پیری و ناپائیداری کی طرف اشارہ کر کے اعمال صالحہ کی پائیداری و بقاء کو ظاہر فرمایا، پھر قدیمی دشمنی کا ذکر کر کے شیطان کے اغواء سے بچنے کی درپردہ ہدایت کی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سجدہ ملائکہ اور انکار ابلیس کا بار بار تذکرہ اسی حکمت کا حامل ہے۔

كَانَ مِنَ الْجِنَّةِ  
 وہ تھاجنات میں سے یعنی اس نے سجدہ نہیں کیا اس لئے کہ وہ جنات میں سے تھا۔

فَفَسَّقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ  
 پس وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اس کی اطاعت سے باہر ہو گیا۔ لفظ امر بتدہا ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے پر مامور تھا۔ فَفَسَّقَ میں فاء سمیت کے لئے ہے (یعنی ابلیس کا جنات میں سے ہونا نافرمانی کا سبب تھا۔ مترجم) اس لفظ سے (بطور مفہوم مخالف) یہ بات ظاہر ہوئی کہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، ابلیس نے جو نافرمانی کی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ جنات میں سے تھا۔ (ملائکہ میں سے نہ تھا)

بنوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابلیس ملائکہ کے ہی ایک گروہ میں تھا اس گروہ کو جن کہا جاتا تھا، اور اس کی تخلیق لپٹ والی آگ سے ہوئی تھی۔ اس قول پر لاء ابلیس میں استثناء متصل ہو گا۔ (کیونکہ ابلیس نوع ملائکہ سے قرار پائے گا۔ مترجم) حسن بصری نے کہا ابلیس ملائکہ میں سے نہیں تھا جنات میں سے تھا اور جس طرح آدم تمام انسانوں کی اصل ہیں اسی طرح ابلیس تمام جنات کی اصل تھا اس قول پر استثناء منقطع ہو گا لیکن یہ قول بہت بعید از عقل ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ یہ آیت اور سورہ رحمن اور سورہ جن کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرح کچھ جن مومن صالح ہیں اور کچھ ظالم، کافر، جنم کا ایندھن اور ابلیس اور اس کی نسل کے تمام افراد اعداء خدا ہیں اور اعداء اولیاء خدا ہیں پھر ابلیس تمام جنات کی اصل کیسے ہو سکتا ہے۔

أَفَتَكْفُرُونَ وَنَحْنُ أَوْلِيَاءُ مِنَ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ  
 اس پر بھی کیا تم لوگ اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا (اپنا) رفیق دوست بناتے ہو حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ استفہام انکاری ہے یعنی تم کو ایسا کرنا چاہئے کہ اپنے کھلے ہوئے دشمنوں کو میرے بجائے اپنا دوست قرار دو اور میری اطاعت کی جگہ ان کی اطاعت کرو۔

يُشَسِّسُ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا  
 یہ ظالموں کے لئے بہت برابدل ہے۔

یعنی کافروں نے جو اللہ کے بجائے ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست بنا رکھا ہے تو اللہ کے عوض کافروں کا ابلیس اور اس کی ذریت کو اختیار کرنا برابر بدل ہے۔ بنوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے شعیبا کا بیان نقل کیا، شعیبی نے کہا میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا کیا ابلیس کی بیوی ہے، میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں، لیکن پھر مجھ سے پوچھا آیا کہ اللہ نے فرمایا ہے أَفَتَكْفُرُونَ وَنَحْنُ أَوْلِيَاءُ لَوْلَادِ بَعِثْنَا لِي بِي كَيْفَ يَكُونُ لَكَ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً اللہ کے لولاد کہاں سے ہو سکتے ہیں جب کہ اس کی بی بی نہیں ہے (مفسر رحمۃ اللہ) یہ یاد آنے کے بعد میں نے کہہ دیا

ہاں (ابلیس کی بی بی ہے)

قائد نے کہا شیاطین میں آدمیوں کی طرح تو والد و تاسل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ ابلیس خود اپنی دم اپنے در میں داخل کر لیتا ہے اس سے انڈا پیدا ہو جاتا ہے اور ایک انڈا پھٹ کر شیطانوں کی ایک جماعت نکل پڑتی ہے۔ مجاہد نے کہا ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں۔ لاقین، ولہمان، ہخاف، مرہ، ذلنور، اعور، مطوس، یثور، داسم۔ ولہمان وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ مرہ ہی کے نام سے ابلیس کی کنیت ابو مرہ مشہور ہے۔ ذلنور بازوؤں میں جھوٹی قسمیں کھلواتا اور صاحب مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔ اعور زنا پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔ مرد کے عضو تاسل اور عورت کے سرینوں میں پھونک مار دیتا ہے۔ مطوس جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ یثور مردہ کے وارثوں کو منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ داسم وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں جاتا ہے اور کسی کو سلام نہیں کرتا اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا ہے (جس سے آدمی کو غصہ آجاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت ست کہنے لگتا ہے) اور بغیر بسم اللہ کے آدمی کھانے لگتا ہے تو داسم بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ اعش نے کہا بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور اندر جا کر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے (بے جگہ رکھا ہوا) لوٹنا نظر آیا میں نے کہا اس کو یہاں سے اٹھاؤ پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا لیکن پھر مجھے یاد آ گیا اور میں نے کہا یہ داسم ہے، داسم ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وضو (میں بہکانے والا) ایک شیطان ہے جس کو ولہمان کہا جاتا ہے تم لوگ پانی (کے استعمال) کے دوسو سے بچتے رہو۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اہل حدیث کی نظر میں اس کی سند قوی نہیں ہے۔ خارجہ بن مصعب راوی ضعیف ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شیطان میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان دخل انداز ہو جاتا ہے اور نماز کو مشتہ بنا دیتا ہے (مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں) فرمایا یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے جب تم ایسا محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو (یعنی اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھو) اور بائیں طرف کو تین بار تھکار دو، حضرت عثمان کا بیان ہے، میں نے اس کے بعد ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ رواہ مسلم۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے دستوں کو (اطراف عالم میں کرواتا ہے) ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آکر کہتا ہے میں نے یہ یہ کام کئے۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے میں نے میاں بی بی میں علیحدگی کر دی، ابلیس کہتا ہے تو نے اچھا کام کیا پھر اس کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ اعش کا بیان ہے میرا خیال ہے رولوی نے یہ بھی کہا، پھر ابلیس اس کو چٹا لیتا ہے۔ رواہ مسلم۔

میں نے ان کو (یعنی

مَا أَنشَأَهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلَقَ اَنْفُسَهُمْ ۗ

ابلیس اور اس کی ذریعات کو) نہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا اور نہ خود ان کو پیدا کرنے کے وقت۔

مقصود یہ ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں، میں نے ان سے مدد نہیں لی کہ وہ عبادت و اطاعت کے مستحق ہو جائیں۔ عبادت کا استحقاق اسی کو ہو سکتا ہے جو خالق ہو اور عبادت میں شرک کا معنی یہ ہے کہ خالقیت میں شرکت ہو اور خالقیت میں اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہیں تو معبودیت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

اور میں ایسا (عاجز) نہ تھا گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصُدًا ۝۱

(یعنی مددگار) بنا تا۔

الْمُضِلِّينَ (گمراہ کرنے والے) سے مراد ہیں شیاطین۔ عَصُدًا (بازو) یعنی مددگار۔

الْمُضِلِّينَ صراحت کے ساتھ کہا ضمیر غائب ذکر نہیں کی اس سے شیاطین کی مذمت کا اظہار ہو رہا ہے۔

بعض علماء نے کہا مَا أَشْهَدُ تَهُمَ میں بُنْم ضمیر (شیاطین کی طرف راجع نہیں) مشرکوں کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی مشرکوں کو میں نے تخلیق اشیاء کا شاہد نہیں بنایا اور وہ علم عطا نہیں کیا جو دوسروں کو نہ دیا ہو۔ پھر ان کی خصوصیت ہی کیا ہے اگر ان کو خصوصی علم عطا کیا گیا ہو تا تو اس وقت یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے (اب تو ان کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے) اس لئے آپ ان کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ دیں اور ان سے دین میں مدد کرنے کی امید ہی نہ رکھیں۔ میں اپنے دین کا مددگار ایسے گمراہ کرنے والوں کو بنانے والا نہیں۔

کلبی نے کہا بُنْم ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے یعنی میں نے ملائکہ کو تخلیق عالم میں شریک نہیں کیا تھا کہ ان کی پوجا کی جانے لگے اور ان کو اللہ کی بیٹیاں سمجھا جانے لگے۔ اس صورت میں وَمَا كُنْتُمْ تُخَدُّونَ الْمُضِلِّينَ عَصُدًا علیحدہ جملہ ہو گا اور اس دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے تخلیق عالم میں شیاطین سے مدد نہیں لی تھی۔ خلاصہ یہ کہ نہ میں نے ملائکہ سے مدد لی، نہ شیاطین سے۔

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿۵۷﴾

جس روز اللہ فرمائے گا پکارو میرے ان (مفروضہ) شریکوں کو جن کو تم (میرے شریک) خیال کرتے تھے وہ ان کو پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ کر دیں گے۔

زَعَمْتُمْ یعنی تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں یا سفارش کر کے میرے عذاب سے تم کو بچالیں گے۔ بعض علماء کے نزدیک شُرَكَاءِ سے مراد ہیں ابلیس اور اس کی ذریعات۔

فَدَعَوْهُمْ پس وہ ان کو فریاد رسی کے لئے پکاریں گے۔

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ لیکن وہ فریاد رسی نہیں کریں گے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا اور ہم کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان کر دیں گے۔

مَوْبِقًا ہلاکت کا مقام اَوْبِقَةٌ اس کو ہلاک کر دیا۔ عطاء اور ضحاک نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَوْبِقٌ دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ مجاہد نے کہا گر مپانی کی ایک وادی ہے۔ عکرمہ نے کہا مَوْبِقٌ آگ کا ایک دریا ہے جس میں آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ خجروں کے برابر سانپ ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور حاجب ہو اس کو مَوْبِقٌ کہتے ہیں۔

بعض کے نزدیک مَوْبِقٌ مصدر ہے۔ فراء نے کہا بئین کا معنی ہے وصل یعنی دنیا میں جو کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان ملاپ اور جوڑ تھا قیامت کے دن ہم اس کو ہلاکت بنا دیں گے۔ یہی مضمون دوسری آیت میں آیا ہے لَقَدْ نَقَطَعَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ الْوَسْطَانَ الَّذِي أَوْسَدَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْوَسْطَانَ فَبِعِزَّتِ اللَّهِ لَيَصِلَنَّ إِلَى اللَّهِ ﴿۵۸﴾

وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرًا ﴿۵۹﴾

اور اس وقت مجرم دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی بچنے کی راہ نہیں پائیں گے۔

الْمُجْرِمُونَ سے مراد ہیں مشرک۔ فَظَنُّوا یعنی وہ یقین کر لیں گے۔ مُوَاقِعُوهَا یعنی اس کے اندر گرنے والے ہیں۔ امام احمد نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا کی تشریح میں فرمایا، کافر کو پچاس ہزار برس کے بقدر (یعنی قیامت کے سارے دن) کھڑا رکھا جائے گا جیسے کہ دنیا میں اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا اور

وہ جہنم کو دیکھتا ہے گا اور چالیس برس کی مسافت سے بھی یہی خیال کرے گا کہ میں دوزخ میں گر جا رہا ہوں۔ مَصْرُ فَإِنَّمَا مَصْرٌ هُوَ لَوْثًا، واپس ہونا یا اسم ظرف ہے یعنی کوئی ایسا مقام جس کی طرف وہ لوٹ سکیں (اور دوزخ سے بچ جائیں) وَلَقَدْ صَدَقْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْئًا جَدَلًا ۝

پورہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے ہر قسم کے (ضروری) عمدہ

مضامین طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور اس پر بھی انسان جھگڑا کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ بقول حضرت ابن عباسؓ الْإِنْسَانُ سے مراد ہے نصر بن حارث اور بر قول کلبی ابی بن خلف جمحی۔ بعض کے نزدیک عام کافر مراد ہیں اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ۔ بعض کے نزدیک عام انسان مراد ہیں (کافر ہوں یا مومن) حضرت علیؓ کا بیان ہے ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے لور اپنی صاحبزادی کے پاس آئے اور فرمایا تم دونوں رات کو نماز نہیں پڑھتے ہو (یعنی تہجد کی نماز یا نفل نماز) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جب ہم کو اٹھانا چاہتا ہے ہم کو اٹھا دیتا ہے۔ میری اس گزارش کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے، مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت پھیری ہی تھی کہ میں نے سنا کہ رات پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے، وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْئًا جَدَلًا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأُولَىٰ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝

اور لوگوں کے بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے (گناہوں کی لور کفر کی) معافی مانگنے سے اور کوئی مانع نہیں رہا۔ بجز اس کے کہ ان کو انتظار ہو کہ گزرے ہوئے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آجائے یا اللہ کا عذاب ان کے سامنے آکر آہو۔

الْهُدَىٰ سے مراد ہے قرآن اور اسلام اور اللہ کی طرف سے بیان۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی ذات مراد ہے یعنی حق واضح ہونے کے بعد۔

سُنَّةُ الْأُولَىٰ یعنی اللہ کے عذاب کا وہ طریقہ جو گزشتہ کافروں کے لئے استعمال کیا گیا کہ ان کی جڑا کھڑ گئی۔ قُبُلًا کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک ہے رودرو، آمنے سامنے۔ مجاہد نے ترجمہ کیا ناگمانی۔

لور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۝ (ثواب و جنت کی مومنوں کے لئے) بشارت دینے والے اور (کافروں کو عذاب و دوزخ سے) ڈرانے والے (بناکر) یعنی پیغمبروں کو ہم نے اس بات پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ کافر جو معجزات طلب کریں وہ پیش کر دیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے پیغمبروں کو اس امر پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ وہ ساری مخلوق کو ہدایت یا نذر بنا دیں۔

وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۝

پکڑ پکڑ کر جھگڑے نکالتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے حق بات کو بچلا دیں۔

مثلاً کافر کہتے ہیں أبعث الله بشاراً رسولاً كما بعث الله في آدَمَ كَوْنًا نَبِيًّا كَمَا بَعَثَ فِي نُوْحٍ الْبَشَرَ لِيُنذِرَهُمْ وَأَنبَأَهُمْ أَنَّ لَهُمْ لِيَوْمَ تُنْفَخُ الْأَسْفَادُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ (قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ یہ بھی کافروں نے کہا تھا کہ تم جو ذبح کرتے ہو وہ ذبیحہ تو حلال ہو اور جس کو اللہ (تمہارے ذبح کئے بغیر) مار ڈالتا ہے وہ حرام ہو۔ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ (جس پھل جانا ڈھا حاص) (باب افعال) پھسلا دینا یعنی باطل کے ذریعہ سے جھگڑا کر کے حق کو اس کی جگہ سے مٹا دیں۔

اور انہوں نے میری آیتوں کو لور جس عذاب سے

وَ اتَّخَذُوا آلِهَتِي وَمَا آتَانِي رُوحًا ۝





لَمَّا ظَلَمُوا جَابِ انہوں نے ظلم کیا یعنی کفار قریش کی طرح انہوں نے کفر کیا (ظلم سے مراد ہے کفر و معصیت) سہلک (مصدر مہی) ہلاک ہونا یا ہلاک کرنا۔

مَوْعِدًا یعنی معین مقرر وقت جس سے کوئی بھی آگے بڑھ سکا نہ پیچھے ہٹ سکا۔ یعنی جس طرح گزشتہ اقوام ہالکہ کے ہلاک کرنے کا اللہ نے ایک وقت مقرر کر دیا تھا جو اہل تماسی طرح کفار قریش کے لئے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے جو اہل ہے یہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتے نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

وَلَاذُ قَالَ مُوسَى لِفَتْنِهِ لَا آتِيكُمْ حَتَّىٰ آتِيَكُمْ مَجْمَعَةَ الْبَحْرَيْنِ (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں (اس سفر میں) برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔ حضرت موسیٰ کے باپ کا نام عمران تھا، صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ فتیٰ سے مراد ہیں یوشع بن نون بن افراسیم بن یوسف علیہ السلام (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید یوشع کے باپ نون، افراسیم کے نسل میں سے تھے (بیٹے میں تھے) کیونکہ افراسیم کا زمانہ نون کے زمانہ سے بہت پہلے تھا۔ لَا آتِيكُمْ یعنی برابر مسلسل چلتا رہوں گا۔ مَجْمَعَةُ الْبَحْرَيْنِ دو سمندروں کا سنگم یعنی مشرقی جانب خلیج فارس و بحر روم کا سنگم (قنادہ) محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد طنجہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب کے نزدیک افریقیہ مراد ہے۔

أَوْ أَمْضِي حَقْبًا ⑤ یا یونہی زمانہ اور از تک چلتا رہوں گا۔ حَقْبًا یعنی طویل زمانہ تک۔ قاموس میں ہے حقبہ اسی سال یا اس سے زیادہ کی مدت، زمانہ طویل، سال، بہت سال۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے حقب طویل زمانہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا حقب اسی سال۔ بعض کے نزدیک ستر سال کو ایک حقب کہتے ہیں۔

بخاری اور مسلم نے لکھا ہے سعید بن جبیر نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا نوحؑ بکالی کا خیال ہے کہ خضر والے موسیٰ بنی اسرائیل والے موسیٰ نہ تھے (دونوں الگ الگ تھے) فرمایا دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم سے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ (ایک روز) موسیٰ بنی اسرائیل کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے، کسی نے سوال کر لیا (آج) سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا میں۔ اللہ کو موسیٰ کی یہ بات ناپسند ہوئی کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف جاننے کی نسبت نہیں کی (اور یوں نہیں کہا کہ اللہ جاننے کون سب سے بڑا عالم ہے) اللہ نے وحی بھیجی، موسیٰ تم سے زیادہ عالم میرا ایک لور بندہ ہے جو دو سمندروں کے سنگم میں ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا میرے رب اس سے میری ملاقات کسے ہوگی۔ اللہ نے فرمایا ایک ٹوکری میں اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو (اور کنارے کنارے چل دو) جہاں مچھلی (اچھل کر پانی میں چل جائے اور) غائب ہو جائے وہیں تمہاری ملاقات ہوگی موسیٰ توشہ دن یا ٹوکری میں ایک مچھلی (جو بھنی ہوئی تھی) لے کر چل دیئے لور ان کے خادم یوشع بن نون بھی ساتھ ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک پتھر کے قریب پہنچے، وہاں ٹھہر گئے اور پتھر پر سر رکھ کر دونوں سو گئے، مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکل کر دریا میں جاگری اور پانی کے اندر اس نے اپنا راستہ (سرنگ کی طرح) بنا لیا۔ اللہ نے پانی کی رفتار کو روک دیا اور پانی کی محراب بن گئی (اس واقعہ کے وقت یوشع بیدار تھے اور ان کی نظر کے سامنے مچھلی سمندر میں جاگری تھی) موسیٰ بیدار ہوئے تو دن کے باقی حصہ میں بھی چلتے رہے (یعنی سو کر اٹھے اور پھر چل دیئے اور شام تک چلتے رہے) یوشع اس واقعہ کا حضرت موسیٰ سے ذکر کرنا بھول گئے۔ موسیٰ دن بھر چلتے رہے اور رات بھر بھی چلتے رہے دوسرے دن کی صبح ہوئی تو یوشع سے کہا ہم اس سفر سے تھک گئے کھانا لاؤ، جب تک موسیٰ مچھلی کے تڑپنے کے مقرر مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے، آپ کو تھکان نہیں ہوتی تھی، جب اس جگہ سے آگے بڑھے تو تھکان کا احساس ہوا، یوشع نے کہا حضرت جب ہم پتھر کے پاس ٹھہرے تھے (وہاں مچھلی تڑپ کر سمندر میں جاگری تھی) میں آپ سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ مچھلی نے تو سمندر کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ لے لیا تھا۔ موسیٰ نے

کہا اسی (جگہ) کی تو ہم تلاش میں تھے۔ پھر دونوں اپنے نقش قدم پر لوٹ پڑے، یہاں تک کہ مقررہ پتھر کے مقام پر آگئے، وہاں ایک آدمی ملا جو کپڑے سے منہ چھپائے ہوئے تھا موسیٰ نے اس کو سلام کیا۔ خضر نے کہا تمہاری اس زمین میں سلام کا طریقہ کہاں ہے۔ موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ خضر نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ۔ موسیٰ نے کہا جی ہاں۔ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو علم آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی بتائیں۔ خضر نے کہا، موسیٰ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے، مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابرا پائیں گے، میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ خضر نے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ مجھ سے (کسی پیش آنے والے واقعہ کے متعلق) کچھ دریافت نہ کریں۔ عہد و پیمانہ کے بعد دونوں چل دئے۔ چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے۔ ادھر سے ایک کشتی گزری۔ کشتی والوں سے ان بزرگوں نے سوال کر لینے کے لئے کہا، کشتی والے خضر کو پہچانتے تھے، انہوں نے بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔ سوار ہو گئے (اور چل دیئے تو انشاء راہ میں) اچانک موسیٰ نے دیکھا کہ خضر بسولے سے کشتی کا ایک تختہ توڑ رہے ہیں۔ کہنے لگے آپ یہ عجیب حرکت کر رہے ہیں ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ ان کی کشتی کو بھاڑ رہے ہیں کہ سب کشتی والے ڈوب جائیں۔ خضر نے کہا کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰ نے کہا میں بھول گیا تھا آپ بھول چوک پر میری پکڑ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر سختی اور دشواری نہ ڈالئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ موسیٰ سے پہلی حرکت بھول کر ہوئی تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصد ابالارادۃ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور چونچ ڈال کر دریا سے اس نے پانی لیا۔ خضر نے موسیٰ سے کہا میرا اور آپ کا علم، علم خدا کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے چونچ سے سمندر کا پانی لیا۔ اس چڑیا نے چونچ میں پانی لے کر سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں کر دی (میرا اور آپ کا علم بھی اللہ کے علم کے بحرے کراں میں کوئی کمی نہیں کر سکتا) پھر (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے خضر کو راستہ میں ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر نے اس کو پکڑ کر اس کا سر اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دیا اور قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے یہ بری حرکت کی ایک معصوم کو بے تصور قتل کر دیا، خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رک نہیں سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خضر کی یہ حرکت پہلی حرکت سے زیادہ سخت تھی (اس لئے موسیٰ نے پیٹا ہو کر دریافت کر ہی لیا) موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، آپ کے لئے میری طرف سے معذرت کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اس کے بعد پھر دونوں چل دیئے ایک گاؤں میں پہنچے، بستی والوں سے کھانا مانگا، انہوں نے کچھ کھانے کو نہیں دیا۔ وہاں ایک دیوار نظر آئی جو کرنے ہی والی تھی، خضر نے اپنے ہاتھ کے اٹارے سے اس کو ٹھیک کر دیا، موسیٰ نے کہا ہم اس بستی میں آئے بستی والوں سے کھانا مانگا، کسی نے کھانا نہیں دیا نہ ہماری میزبانی کی (اور آپ نے ان کی دیوار ٹھیک کر دی) اگر آپ چاہتے تو اس کی مزدوری ان سے لے سکتے تھے، خضر نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے (اس کے بعد اپنی تینوں حرکتوں کی مصلحت و حکمت بیان کی) اور کہا یہ ان باتوں کی تشریح ہے جن کو پوچھے بغیر آپ رہ نہ سکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش موسیٰ صبر کئے رہتے اور آئندہ اور واقعات ظہور پذیر ہوتے) یہاں تک کہ اللہ ہم کو ان کی تفصیل سے آگاہ فرماتا۔

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے دریافت کیا (اے اللہ) مجھے اپنے بندوں میں کون بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ نے فرمایا (مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے) جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا سب سے اچھا حاکم تیرے بندوں میں کون ہے۔ اللہ نے فرمایا جو نفسانی میلان پر نہیں چلتا، حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے موسیٰ نے عرض کیا تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے فرمایا جو اپنے علم کے ساتھ دوسرے لوگوں کا علم بھی ملا لیتا ہے (یعنی اپنے علم میں دوسروں سے پوچھ کر یا دوسروں سے

سکھ کر اضافہ کر لیتا ہے) اس غرض سے کہ شاید اس کو کوئی بات ایسی معلوم ہو جو ہدایت کا راستہ بتادے اور ہلاکت (کے راستہ) سے موڑ دے۔ موسیٰ نے کہا تیرے بندوں میں اگر کوئی مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو تو مجھے اس کا پتہ اور راستہ بتادے، اللہ نے فرمایا، تجھ سے زیادہ عالم خضر ہے، موسیٰ نے کہا میں خضر کو کہاں تلاش کروں، اللہ نے فرمایا پتھر کے قریب سمندر کے کنارے پر۔ موسیٰ نے کہا مجھے اس کا نشان کیسے معلوم ہوگا، اللہ نے فرمایا ایک مچھلی لے کر (بھون کر) ٹوکری میں رکھ لے جہاں وہ مچھلی کھو جائے اسی جگہ خضر ملے گا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا جس جگہ مچھلی کھو جائے مجھے بتادینا، اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کا خادم دونوں چل دیئے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا ۖ  
پس جب دونوں مجمع البحرین پر پہنچے (دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے) یعنی مقرر پتھر تک پہنچ گئے۔ موسیٰ وہاں سو گئے اور بھونی ہوئی مچھلی تڑپ کر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔

سفیان نے کہا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس پتھر کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا (جس کی خاصیت یہ تھی کہ جس چیز پر (یعنی جس مردہ پر) اس کا پانی لگ جاتا تھا وہ زندہ ہو کر سمندر میں جا کودتی تھی۔ کلبی نے کہا یوشع بن نون نے آب حیات سے وضو کر کے ٹوکری میں رکھی ہوئی نمکین مچھلی پر چھینٹا دیا جس سے مچھلی زندہ ہو کر پانی میں جا کودی اور پانی کے اندر دم مارتی چلی گئی پانی کے جس حصہ پر وہ دم مارتی تھی پانی خشک ہو (کر راستہ بن) جاتا تھا۔

نَسِيًا هُوَ نَهْمًا  
تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے یعنی موسیٰ مچھلی مانتا اور دریافت حال کرنا بھول گئے اور یوشع مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جا کرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

بغوی نے لکھا ہے مچھلی یوشع کے پاس تھی حقیقت میں وہ ہی مچھلی کا تذکرہ کرنا بھولے تھے لیکن چونکہ دونوں نے زلورہ کے لئے اس کو رکھا تھا اس لئے بھولنے کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں لوگ سفر کو نکلے اور کھانے کے لئے انہوں نے کھانا ساتھ لے لیا حالانکہ ساتھ لینے والا اور اٹھانے والا صرف ایک آدمی ہوتا ہے لیکن رکھنے والے سب ہوتے ہیں اس لئے سب کی طرف ساتھ لینے اور اٹھانے کی نسبت کر دی جاتی ہے۔

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۖ  
اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی یعنی بحکم خدا مچھلی نے سمندر کے اندر اپنا راستہ بنا لیا۔ سَرَبٌ چلنے کا راستہ سَرَابٌ بِالنَّهَارِ دُنًى مِثْلُ نَارٍ لَيْلًا۔ بعض اہل لغت نے کہا سَرَبٌ کا معنی ہے لمبائی میں چیرنا (یعنی مچھلی نے پانی کو چیر کر راستہ بنا لیا) صحیح روایت میں آیا ہے کہ مچھلی پانی میں گھسی تو اللہ نے پانی کی رفتار کو اس کے گرد پیش سے روک دیا اور پانی کے اندر عراب سی بن گئی۔ یہ روایت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِقَتُنِي أُتْبَانُ غَدًا عَرَبًا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۖ  
اس کے بعد جب دونوں (مجمع البحرین سے) آگے بڑھے (اور دوسرے دن دو پہر تک چلتے رہے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کھانا لاؤ، اس سفر میں ہم بہت تھک گئے۔

غَدًا صَبْحٌ مِثْلُ عَشَاءٍ شَامٌ مِثْلُ عَشَاءٍ شَامٌ مِثْلُ عَشَاءٍ شَامٌ۔ جب حضرت موسیٰ مقررہ پتھر سے آگے بڑھے تو اللہ کی طرف سے آپ پر بھوک کا دورہ پڑا، تاکہ کھانے کی خواہش ہو اور مچھلی یاد آجائے اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مقررہ مقام سے حضرت موسیٰ آگے نہیں بڑھے تھے آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔

قَالَ ارْعَيْتَ إِذْ أَوْيَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحَوْتَ وَمَا أَنَسْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ  
خادم نے کہا دیکھیے تو جب ہم اس پتھر کے پاس قیام پذیر ہوئے تھے تو مچھلی (کا تذکرہ کرنا اور زندہ ہو کر دریا میں جا کودنا) میں بھول ہی گیا اور (یہ حرکت صرف شیطان کی ہے) شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا۔

أَنْ أَدْرُكَهَا ۖ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۖ  
کہ اس کا تذکرہ آپ سے کرنا اور (بیان

کر تاکہ) مچھلی نے سمندر کے اندر (کوڈ کر) اپنا راستہ عجیب طرح سے بنا لیا۔

الصَّخْرَةَ یعنی وہ پتھر جس کے پاس ہم سوئے تھے۔ بغوی نے بقل بن زیاد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ پتھر وہی تھا جو دریاء زہر سے ورے تھا۔

نَسِيتُ الصُّورَ اس کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ایک مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کر دیا گیا کہ میں آپ سے مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ دوسرا ترجمہ نَسِيتُ کا تَرْكُوتُ ہے یعنی میں نے مچھلی کھودی، مچھلی چھوڑ آیا، بغوی نے لکھا ہے یوشع نے مچھلی کو جب کوڈ کر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت موسیٰ کی بیداری کے بعد ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے، یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ لی اور حضرت موسیٰ نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔ اِلَّا الشَّيْطَانُ یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی اور اغواء قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوشع آیات قدرت کے مشاہدے میں غرق ہو گئے تھے، مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ گھنچ گئی تھی اور اسی مقام فنا میں پہنچ جانے سے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا لیکن فرود تھی اور انکار طبع کی وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے (یعنی شیطانی اثر اندازی) کی نسبت شیطان کی طرف کی۔

عَجَبًا کا موصوف محذوف ہے یعنی سَبِيلاً عَجَبًا يَلْتَحَادُ عَجَبًا۔ بعض نے کہا لفظ عَجَبًا حضرت موسیٰ نے کہا تھا یوشع نے جب ان سے مچھلی کا تذکرہ کیا اور سمندر میں اپنی راہ لینے کا اظہار کیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا، عجیب، بعض نے کہا اِتَّحَدُّ کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے یعنی مچھلی کا سمندر کے اندر اپنا راستہ اختیار کرنے کو موسیٰ نے عجیب قرار دیا۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِيْهِ فَاَرْتَدَّا عَلٰى اٰكْرِهِمَا قُصَصًا ﴿۱۷﴾  
ہے جس کے ہم خواستگار تھے چنانچہ دونوں نقش قدم پر لوٹ پڑے یہاں تک کہ مقرر پتھر تک آگئے۔ وہی مقام حضرت خضر سے ملاقات کے لئے مقرر تھا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا  
(وہاں) ان دونوں نے ہمارے ایک بندہ کو پایا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ خضر تھے۔ صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ خضر کا نام بلیا بن ملکان یا الیسع یا الیاس کہا گیا ہے خضر لقب تھا اس لقب کی وجہ بغوی نے ہمام ابن سعید کی روایت کو قرار دیا ہے۔ ہمام راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا خضر کو خضر کہے کی یہ وجہ تھی کہ خضر جب خشک زمین یا خشک گھاٹ پر بیٹھ جاتے تو وہ سر سبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ مجاہد نے کہا جس جگہ خضر نماز پڑھتے تھے اس کے گرد اگر گد سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا تھا۔

بغوی نے خضر کو اسرائیلی نسل سے قرار دیا ہے کسی نے کہا شاہزادہ تھے جو تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خضر اسرائیلی نہیں تھے ورنہ موسیٰ کا اتباع کرنا ان پر لازم ہوتا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ صحیح حدیث بھی لو پر ذکر کی جا چکی ہے کہ خضر کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں خضر نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ حضرت موسیٰ نے کہا جی ہاں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے چت لینا ہے کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت خضر وسط سمندر میں ایک جھار دار سبز مند بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔

جس کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت (یعنی نبوت اور وحی عطا کی تھی)۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ كُنَّا عَلَّمْنَا ﴿۱۸﴾  
اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا تھا یعنی ایسا علم دیا تھا جو صرف ہمدے لئے خاص تھا، بغیر ہماری توفیق کے اس کا حاصل ہونا ممکن تھا، اس جگہ علماء سے مراد ہے ذات و صفات کا علم۔ بغوی نے

لکھا ہے اکثر علماء خضر کو نبی تسلیم نہیں کرتے، (حضرت مفسر نے فرمایا) میرے نزدیک علماء کا یہ قول غور طلب ہے کیونکہ اولیاء کو جو علم الہام سے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے یعنی نہیں ہوتا (قرینہ سے اس کو الہام رحمانی کہا جاسکتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے وہ القاء شیطانی ہو خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ تعلیم شریعت کے خلاف ہو اس صورت میں تو اس کا القاء شیطانی ہونا تقریباً یقینی ہوتا ہے مترجم) یہی وجہ ہے کہ الہامی علوم باہمی متعارض اور مختلف ہوتے ہیں، اب اگر خضر کا نبی نہ ہونا مان لیا جائے تو کیا جواب ہو گا معصوم بچہ کو بے قصور قتل کر دینے کا شخص اس وجہ سے کہ خضر کو الہام سے معلوم ہو گیا کہ ماں باپ اس کی محبت میں پڑ کر گناہ گار اور بے راہ ہو جائیں گے اس لئے اس کو قتل کر دیا جائے (یہ الہام تو شریعت کے خلاف تھا پھر خضر نے اس پر عمل کیوں کیا مترجم)

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَنِي رُشْدًا ۖ ﴿۱۵﴾

موسیٰ نے اس سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ اللہ کی طرف سے جو علم مفید آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ آپ مجھ کو بھی سکھادیں۔ اصل کلام اس طرح ہونا چاہئے کہ موسیٰ نے کہا میں آپ کے پاس آپ کے ساتھ رہنے کے لئے آیا ہوں تاکہ ساتھ رہ کر آپ سے کچھ علم حاصل کروں لیکن (ادب و تہذیب کو پیش نظر رکھ کر) طلب اجازت کے طور پر کلام کارنگ بدلا اور سوالیہ طرز اختیار کیا۔

رُشْدٌ خیر کو پانا، رُشْدًا اور رُشْدًا دونوں ہم معنی ہیں۔ رُشْدًا تَعَلِّمْنِي کا مفعول دوئم ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَتَّبِعُكَ کا مفعول (علت) ہو۔ آیت بتا رہی ہے کہ بعض چیزوں میں مفعول کو فاصل پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اگر مفعول کے اندر کوئی کمال ایسا ہو جو فاضل میں نہ ہو تو اعلیٰ کے لئے مناسب ہے کہ اپنے سے کم درجہ والے سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لئے کسر شان نہ سمجھے۔ آیت کی تفسیر میں اوپر حدیث نقل کر دی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ نے سوال کیا سب سے بڑا عالم کون ہے تو اللہ نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا عالم ہے جو دوسروں کا علم لے کر اپنے علم میں اضافہ کر لے، ممکن ہے اس کو کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو جاہلی سے بچالے یا سیدھا راستہ دکھا دے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے اچھی سند سے بروایت ابو ہریرہ اور ابن عساکر نے حضرت علیؑ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حکمت کی بات مومن کی گم شدہ (کھوئی ہوئی امانت) ہے جہاں ملے مومن اس کا سب سے بڑا مستحق ہے (نوراً لے لے)

رسول اللہ ﷺ سے جو درود منقول ہے (جس میں حضور ﷺ نے اپنے اور اپنی آل کے لئے دہر رحمت طلب کی ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو عطا کی گئی تھی) کوہ بھی اسی (گمشدہ رحمت) کے ذیل میں داخل ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ موسیٰ نے خضر سے جب یہ بات کہی (یعنی ساتھ رہنے کی درخواست کی) تو خضر نے کہا علم کے لئے توریت کافی ہے اور عمل کے لحاظ سے بنی اسرائیل (کی ہدایت) کا مشغلہ کافی ہے (مزید علم و عمل کی آپ کو ضرورت نہیں) موسیٰ نے کہا اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے (کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم میں اضافہ کروں) حضرت موسیٰ نے اپنے اس کلام میں ادب و تہذیب کو ملحوظ رکھا اور بطور انکسار اپنے کو بے علم قرار دیا اور خضر سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے اور جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی بتائیے۔

یہ امر یقینی ہے کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں  
قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۱۶﴾  
کر سکیں گے خضر نے استطاعت صبر کی نفی سخت تاکید کی طور پر کی (اِنَّ لَنْ وَغِيْرَهٗ نَفْيٌ مِّنْ زَوْرٍ پيدا کر رہے ہیں) اس کے آگے خود ہی حضرت موسیٰ کے معذور ہونے کی تصویر کشی بھی کر دی (تاکہ حضرت موسیٰ کی شان میں سوء ادب اور گستاخی کا تصور بھی نہ ہو سکے، مترجم)

اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ صبر  
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۱۷﴾

کیسے کر سکتے ہیں۔ خیر اکا معنی ہے علم، اطلاع، امتیاز۔ خضر کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جو (بظاہر) ممنوع اور برے ہوں گے اور انبیاء امور ممنوعہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتے جب تک ان کے جواز کی کوئی وجہ ان پر ظاہر نہ ہو جائے۔

میں کہتا ہوں وہ انبیاء اور رسل جن کو اصلاح عامہ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ان کی شریعتوں کے احکام ایسے اصول اور ضوابط پر مبنی ہوتے ہیں جن کی اصلاحات کا تعلق عوام سے ہوتا ہے، اس لئے ان کی حکمت و مصلحت عوام کے ذہنوں پر منکشف ہو جاتی ہے اور ہونا چاہئے بھی لیکن جو انبیاء کسی امت کی اصلاح کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ان کے پاس وحی کے ذریعہ سے آنے والے احکام کا مقصد صرف انبیاء کے نفوس کی اصلاح یا اللہ کے ساتھ انبیاء کے معاملات کی براہ راست درستی ہوتا ہے۔ موسیٰ (نبی و عورت تھے ان) کے انکار اور خضر کے فعل پر اعتراض کی وجہ یہی تھی کہ خضر کا عمل شریعت موسویٰ کے خلاف تھا دونوں کا مسلک جدا جدا تھا۔ احماد و مسک لور ترک اعتراض استفادہ کے لئے ضروری ہے۔ موسیٰ کو اسی لئے خضر بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گی یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سود مند نہ ہوگی۔ اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اسکے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلاف مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کئے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی محبت ترک کر دے (یعنی مرید پیر کے ظاہر شریعت کا غلبہ ہو اور خلاف شرع بات دیکھ کر وہ رد کئے ٹوکنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تو پیر کو کامل العرفان سمجھنے کے باوجود اس کو پیر کی محبت سے ہٹ جانا چاہئے۔ مترجم)

### ..... ایک شبہ .....

شریعت محمدیہ عام ہے قیامت تک اس کے احکام میں کوئی تبدیلی و تنسیخ ممکن نہیں (نہ کوئی دوسرا نبی آئے گا کہ براہ راست اس کا تعلق اللہ سے ہو اور راست تعلق کی وجہ سے وہ اسلامی شریعت کے خلاف کر سکے۔ پھر پیر کو شریعت کے خلاف کرتے دیکھ کر کامل العرفان سمجھنا کسی کامل عارف کا شریعت کے خلاف کرنا کیسے ممکن ہے۔ اولیاء و عرفاء کو انبیاء پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے، انبیاء براہ راست مامور ہوتے ہیں اور اولیاء کا شرعی تعلق اللہ سے براہ راست نہیں ہوتا۔ مترجم)

### ..... جواب .....

پیشک منصوص، محکم احکام کی خلاف ورزی کرنا اور خلاف ورزی کے ثبوت میں اپنے ذاتی الہام کو پیش کرنا جائز نہیں، خضر نے لڑکے کو قتل کر دیا ان کے لئے جائز تھا۔ لیکن شریعت محمدیہ کو ماننے والے اولیاء امت ایسا نہیں کر سکتے، الہام کو بہانہ بنا کر کسی کو بے قصور قتل نہیں کر سکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس بے قصور کو اس لئے مار ڈال تاکہ آئندہ اس کے والدین اس کی محبت کی وجہ سے جہنم نہ ہو سکیں، لیکن اختلافی مسائل میں مثبت منفی ہر پہلو کی ایک وجہ ہوتی ہے اگر اللہ کا کوئی ولی اور عارف کسی ایک قول کو اختیار کرے (جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہو) تو اس کو حکم شریعت کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جبری ذکر اور سماع و غناء کے مسائل اسی طرح کے ہیں۔ (مجوزین کے پاس بھی کوئی علت جواز ہے) اگر اللہ کا کوئی عارف سماع یا جبری ذکر کا شغل کرتا ہے تو نکتہ چینی نہ کرنی چاہئے۔ بعض چیزیں بظاہر ممنوع نظر آتی ہیں لیکن واقع میں ایسی نہیں ہوتیں۔ ایک شخص گلاس میں شراب نما شربت پیتا ہو اور لوگوں کو دکھاتا ہو کہ یہ شراب ہے اور اس کی غرض صرف یہ ہے کہ لوگوں کا جو دم بدگمان ہو کر اس کے پاس سے چھٹ جائے تاکہ اس کے ذکر و فکر میں خلل نہ پڑے تو اس میں کیا خرابی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ولی کامل اور عارف ہونے کے کسی صغیرہ گناہ کا اس سے صدور ہو جائے اور وہ اس کے گناہ ہونے کا اثر لہ بھی کر رہا ہو۔ عصمت تو انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پھر بدگمانی اور نکتہ چینی کی کیا وجہ، مرید پر لازم ہے کہ اگر اس

کے شیخ سے کوئی اس قسم کی کوئی حرکت صادر ہو رہی ہے تو خود اس کا مرتکب نہ ہو لیکن شیخ کی تردید بھی نہ کرے۔ اور اسکے عارف کامل ہونے میں شک نہ کرے۔

اولیاء اللہ (جیسے شیخ بن عربی، ابن سبعین، ابن فارض وغیرہ) کے بعض مقالات مشابہہ اور کشف پر جنی جس (اور شریعت کے خلاف نظر آتے ہیں) مناسب ہے کہ ان کی کوئی شیخ تاویل کی جائے اور شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے اور بدگمانی کو راہ نہ دی جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتٌ أَنْ تُؤْمِنُوا بِهِمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ كَاذِبِينَ۔ تو لو لیا اللہ جو اللہ کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں ان کے اس غلبہ حال کے مقالات کیسے قابل گرفت ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے ان کے مقالات کا مرادوی مطلب ہی نہ سمجھے ہوں ان کی اصلی مراد کچھ اور ہو، رسنے پڑھنے والے کچھ اور سمجھ جائیں۔ بات یہ ہے کہ تمام عبادات محسوس معانی یا محسوس معانی سے استنباط کئے ہوئے عقلی معانی کے بیان پر موقوف ہیں انہی محسوس یا مستحب از محسوس معانی کے اظہار پر تمام عبادات کا انحصار ہے لیکن جب ذات و صفات لہیہ کی ایسی (جن کی نہ کوئی محسوس نظیر ہو نہ شبیہ) کا کسی عارف کے دل پر تو پڑ رہا ہو اور وہ ان کو بیان کرنا چاہے لیکن یہی ساذہ غیر محسوس حقائق کے اظہار کے لئے کسی زبان میں الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے ہیں، پھر کس طرح سوائے استعارہ، مجاز اور تاقص تشبیہ کے واردات قلب بیان کرے، ایسی تعبیر کو سن کر سننے والے کے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اس تعبیر کا ظاہری معنی مراد لے کر عقائد اہل سنت کے خلاف قرار دیدے، مناسب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام میں مشابہات کا جس طرح استعمال کیا گیا ہے (جن کی حقیقت ناقابل فہم و افہام ہے) اسی طرح صفات و ذات کی جلوہ بازیوں کا الفاظ میں اظہار بھی ظاہری الفاظ کی تعبیر میں بطور استعارہ و مجاز کیا جاتا ہے (حقیقی وضعی معنی مراد نہیں ہوتے) اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ الْمُسْتَوٰی اَوْرَیْدُ اللّٰہُ فَوْقَ اَبْدَانِهِمْ عَرْشٌ بِرُھْمِکَ مُھَمِّکَ مَعْمَمٌ ہُوَ مَیْمَا اللّٰہُ کَاہَا تَھ ان کے ہاتھوں پر ہے) دونوں آیات قرآن کی ہیں جو ان کو آیات قرآن نہ کہے وہ کافر ہے (لیکن ان کے ظاہری الفاظ سے تو اللہ کا جسم ہونا ثابت ہوتا ہے) اور اللہ کے جسم ہونے کا عقیدہ رکھنا قریب قریب کفر کے ہے اسی طرح بعض اولیاء اللہ کا کلام بھی اگر بظاہر شرع کے خلاف ہو تو ظاہری معنی مراد لئے جائیں اور ان کی تردید بھی نہ کی جائے۔

حضرت موسیٰ کو اپنے صابر رہنے کا چونکہ قطعی اعتماد نہ تھا اس لئے اللہ کی مشیت کے ساتھ اپنے اپنے صابر رہنے کو شرط کر کے جواب دیا۔

قَالَ سَجِدْنَا اِنْ سَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِي لَكَ اَمْرًا ﴿۱۰﴾  
انشاء اللہ مجھے آئندہ صابر رہیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ نے صابر رہنے کا وعدہ کیا۔ کیونکہ صحبت حضرت اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی تھی، جب موسیٰ خضر کے فعل پر اعتراض نہ کرتے اور خضر کے ساتھ رہنے کا حکم اللہ سے مل چکا تھا لیکن ان کو اپنے صابر رہنے میں شک تھا کیونکہ حضرت خضر کے مسلک سے آپ کا مسلک جدا تھا اور اختلاف مسلک صابر نہ رہنے اور اعتراض کر بیٹھنے کا موجب تھا اسی لئے۔

قَالَ فَاِنْ اَتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ وَّحَتّٰى اُحَدِّثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۱۱﴾  
خضر نے کہا اگر میرے ساتھ آپ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق (پہلے سے) نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کے متعلق ابتدائے ذکر نہ کر دوں۔

یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناپسند ہو تو جب تک میں خود ہی ابتدائے اپنی طرف سے اس کا ذکر آپ سے نہ کروں آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ سوال کرنے سے اعتراض کرنے کا گمان ہوتا ہے اور اعتراض کرنے سے استفادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

فَانطَلَقَانَا ۱۰ پس دونوں چل دیئے یعنی ساحل پر کشتی پر سوار ہونے کے ارادے سے کشتی کی تلاش میں چل دیئے، وہاں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے جو لوگ کشتی میں سوار تھے، انہوں نے کہا یہ دونوں چور ہیں ان کو کشتی سے نکال دو، کشتی کے مالک نے کہا یہ لوگ چور نہیں ہیں مجھے ان کے چہرے انبیاء کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے مجین کی حدیث ہم نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک کشتی ان کی طرف سے گزری موسیٰ اور خضر نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا اور بلا کر یہ دونوں کو سوار کر لیا۔

حَتَّىٰ إِذَا رَكِبُوا فِي السَّفِينَةِ خَرَقْتَهَا ۱۱ یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ مجین کی روایت میں آیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں کہ خضر نے کشتی کا ایک تختہ بسولے سے اکھاڑ دیا (یعنی پھاڑنے سے مراد ہے اکھاڑ دینا)

قَالَ آخَرُفْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۱۲ موسیٰ نے کہا کیا کشتی والوں کو ڈوبنے کے لئے آپ نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ انہوں نے تو ہم کو بلا کر یہ سوار کر لیا اور آپ نے کشتی کو توڑ دیا۔ اسپانی اندر آجائے گا اور سب ڈوب جائیں گے۔

لَقَدْ جِئْتَنَا شَهِيدًا مَّرًّا ۱۳ آپ نے یہ بڑی (بری) حرکت کی۔

بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں اِسْر کا معنی ہے بڑی مصیبت، ہر بڑی سخت چیز۔ اِسْرُ الْأُمْرِبَاتِ بڑی سخت ہو گئی، معاملہ بڑا ہو گیا۔ نبی نے اِسْرًا کا ترجمہ کیا ہے عجیب۔ بغوی نے لکھا ہے خضر نے ایک بڑا شیشے کا پالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا پالہ سوراخ میں اڑ گیا (لورپانی اندر نہ آسکا) جلال الدین محلی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ کشتی کے اندر پانی نہیں آیا یعنی یہ خضر کا معجزہ تھا۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۱۴ خضر نے کہا کیا آپ سے میں نے (پہلے ہی) نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ یہ گزشتہ واقعہ کی حضرت خضر کی طرف سے یاد دہانی ہے حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ سوراخ سے کشتی میں سوار ہونے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، پانی اندر داخل ہی نہیں ہوا تو۔

قَالَ لَا تَأْوِيْنَا إِذْ نَبِيْنَا نَسِيْنَا ۱۵ کہنے لگے (میں بھول گیا تھا) بھول پر آپ میری گرفت نہ کریں یعنی میں معاہدہ بھول گیا تھا مجھے یاد ہی نہ رہا کہ سوال نہ کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کر لیا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نسیان سے مراد ہے یعنی میں نے آپ کی پہلی نصیحت پر جو عمل نہیں کیا اس کا آپ مواخذہ نہ کریں، حضرت ابی بن کعب کی روایت کردہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا موسیٰ کی پہلی حرکت اذروئے نسیان تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصد حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ بھولے نہ تھے، نسیان کا ذکر ضمنی طور پر آگیا ہے، گویا حضرت موسیٰ کچھ اور بھولے تھے (اپنے سابق معاہدہ کو نہیں بھولے تھے)

وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۱۶ اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے یعنی تنگی اور مواخذہ کر کے مجھ پر مشقت اور دشواری نہ ڈالئے، مطلب یہ ہے کہ آپ کے اس سلوک سے میرے لئے آپ کے ساتھ رہنا دشوار ہو جائے گا۔ رَهْقَةٌ (علائی مجرد) اس کو ڈھانک لیا اَرْهَقَهُ اِيَّاهُ اس پر کسی چیز کو ڈھانک دیا۔ بعض نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ میرے ساتھ تنگی کا برتاؤ نہ کیجئے، آسانی کا سلوک کیجئے۔

فَانطَلَقَانَا ۱۰ اس کے بعد (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے۔

حَتَّىٰ إِذَا الْقِيَامُ غُلَمًا فَقَتَلَهُ ۱۱ یہاں تک کہ جب دونوں کو ایک لڑکا ملا تو خضر نے اس کو مار ڈالا۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک لڑکا کھیل رہا تھا جو خوش کلام اور حسین تھا۔ سدی نے کہا وہ سب سے زیادہ حسین تھا اس کا چہرہ چمکیلا تھا خضر نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا۔ بعض علماء نے کہا پھاڑ کر چھری سے ذبح کر دیا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ پکڑ کر اس



کاسر گردن کی جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پتھر مار کر اس کاسر چل دیا۔ کسی نے کہا اس کاسر اکھاڑ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور اکثر مفسرین کے نزدیک وہ لڑکا نابالغ تھا۔ قرآن مجید کے لفظ غلام سے یہی مستفاد ہو رہا ہے۔ نابالغ ہونے کے بعد لفظ غلام کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے کہا تھا اَقْتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً آپ نے معصوم جان کو قتل کر دیا، اگر وہ نابالغ بچہ نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ نَفْسًا زَكِيَّةً نہ فرماتے۔ حسن نے کہا وہ پورا مرد تھا، کلیبی نے کہا نوجوان تھا جو راستہ لوٹا تھا اور پھر اپنے والدین کے پاس پناہ گزین ہو جاتا تھا۔ ضحاک نے کہا لڑکا تھا جو بگاڑ کے کام کرتا تھا اور ماں باپ اس سے دکھ پاتے تھے۔ مسلم نے حضرت ابنی بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا وہ سرشتی کافر تھا اگر زندہ رہتا تو ماں باپ کو اللہ کی نافرمانی اور کفر میں مبتلا کر دیتا۔ فَتَقْتُلُهُ فِي فِتْنَةٍ بَدِئَ بِهَا رَبِّي فَتَقْتُلُهُ خَضِرٌ جَوْ نِي لُزَّكَ كُو دِي كَهَا فَوْرًا تَفْتِيْشِ حَالِ كِي بَغِيْر قَتْلِ كَرِيْدِي۔

قَالَ اَقْتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿۱۵۴﴾ موسیٰ نے کہا کیا آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر جرم قصاص کے مار ڈالا۔ آپ نے بلاشبہ یہ ناجائز کام کیا۔

بعض روایات میں زَاكِيَّةً آیا ہے۔ عام قراء کوفہ اور ابن عامر کی قرات میں زَكِيَّةً اور باقی قراء کی روایت زَاكِيَّةً آیا ہے۔ کسائی اور فراء نے کہا دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا زَاكِيَّةً وہ نفس معصوم جس نے بھی گناہ نہ کیا ہو اور زَكِيَّةً وہ نفس جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی ہو۔ بِغَيْرِ نَفْسٍ کا یہ مطلب ہے کہ اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو موجب قتل ہو۔ یعنی نہ وہ قاتل ہے نہ مرتد۔ نُّكْرًا وہ امر جو شرعاً ناجائز ہو۔ قَادِه نے کہا نُّكْرًا کی برائی ایشر سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ نے ایشرؓ کو توڑنے سے لوگوں کے ڈوبنے کا خطرہ تھا اور دوسری مرتبہ نُّكْرًا فرمایا کیونکہ حقیقت میں قتل کا صدور ہو چکا تھا۔ بعض نے کہا ایشر کا درجہ نُّكْرًا سے بڑھ کر ہے، کشتی توڑنے سے ایک جماعت کے ڈوبنے کا خطرہ تھا اس لئے وہاں ایشرؓ کا اور دوسری بار صرف ایک شخص کا قتل تھا اس لئے نُّكْرًا کہل۔



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## پارہ

## ﴿..... قال الم اقل لك .....﴾

قَالَ الْمِ اَقْلُ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝

خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں رکھ سکیں گے۔ اس مرتبہ خضر نے اپنے کلام میں لگت بڑھا دیا تاکہ خطاب سے ترک معاہدہ پر عتاب کا اظہار پُر زور طور پر ہو جائے۔

قَالَ اِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّيْ عُذْرًا ۝

موسیٰ نے کہا اس (مرتبہ) کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا (مجھ سے الگ ہو جانا) آپ بے شک میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہنچ گئے کہ تین بار مجھ سے آپ کے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو چکی ہے۔ مسلم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم پر اور موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب (واقعات) دیکھتے لیکن ان کو اپنے ساتھی سے شرم آئی اور انہوں نے اِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّيْ عُذْرًا فرمایا۔ ابن مردویہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں میرے بھائی موسیٰ پر اللہ رحمت فرمائے ان کو شرم آگئی اور انہوں نے یہ بات کہہ دی اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ٹھہرے رہتے تو بڑی عجیب باتیں دیکھتے۔

فَانْطَلَقْنَا حَتَّىٰ اِذَا اَتَيْنَا اَهْلَ قَرْيَةٍ

پھر دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ بستی اٹاکیہ تھی۔ ابن سیرین نے کہا ایک تھی۔ کسی نے اس کا نام برقہ کہا ہے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا وہی مراد ہے۔

بِاسْتِطْعَامِ اَهْلِهَا فَاَبْوَا اَنْ يُصَيِّفُوْهُمْ

تو دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا مگر انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا (کھانا نہ دیا) بغوی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کجس تھے۔ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے نہیں دیا، حق مہمانی طلب کیا تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا۔ قنادہ کا قول ہے وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا لیکن کسی نے نہیں دیا، آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دیدیا اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت (کی بد دعا) کی۔ یہ عورت مرد والوں میں سے تھی۔

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا اَنْزِلُوْا اَنْ يَنْقُصَ فَاَقَامُوْا

پھر دونوں کو وہاں آئی اور ملی جو لڑا چاہتی تھی، خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، اس لئے مجازی معنی مراد ہے یعنی گرنے سے قریب تھی (بست

جھی ہوئی تھی) عرب بولتے ہیں میرا گھر اس کے گھر کو دیکھتا ہے یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں۔

بغوی نے حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا حضرت نے ہاتھ کے اشارے سے دیوار کو سیدھا کر دیا۔ سعید بن جبیر نے کہا دیوار کو ہاتھ لگا دیا اور ادیوار سیدھی ہو گئی۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ حضرت نے اس دیوار کو ڈھا کر دوبارہ بنا دیا۔ سدی نے کہا گار اہنا پھر دیوار کو بنا دیا۔

موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے

تھے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضرؑ کو اجرت طلب کرنے کی ترغیب دی تاکہ مزدوری کی رقم سے دونوں کے کھانے کا کچھ سامان ہو جائے اس کلام سے درپردہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی نظر میں خضرؑ نے بیکار کام کیا۔ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت خضرؑ نے دیوار کو بڑی محنت رکے ٹھیک کیا تھا اگر محنت کا کام نہ کرتے تو اجرت کے مستحق نہ قرار پاتے اگر بطور معجزہ دیوار کو ٹھیک کر دیتے تو اجرت کس طرح طلب کر سکتے تھے بلکہ لینے کا بھی استحقاق کیسے ہوتا۔

خضر نے کہا یہ (تیسرا اعتراض) میرے اور آپ کے درمیان جدائی

قَالَ هَذَا إِفْرَاقٌ بَيْنِي وَبَيْنِكَ

(کاسب) ہے۔

تیسرے اعتراض میں خواہش نفس کا کسی قدر دخل تھا جو سابق دونوں اعتراضوں میں نہ تھا اس لئے حضرت خضرؑ نے تیسرے اعتراض کو موجب فراق قرار دیا۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہونے کا وقت آیا۔ کیونکہ آپ نے ایک ایسا اعتراض کیا جس میں خواہش نفس کا دخل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جُذَا سے اشارہ اس فراق کی جانب ہو جس کی صراحت اِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْئِي بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّحْنِي میں کی گئی ہے۔

اب میں آپ کو ان چیزوں کی اندرونی

سَأَلْتُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا

تشریح بتاتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا تھا۔ کیونکہ بظاہر وہ خلاف شریعت نظر آتی تھیں حالانکہ واقع میں مال اور انجام کے لحاظ سے وہ بری اور غلط نہ تھیں۔ بغوی نے لکھا ہے بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت خضرؑ کا دامن پکڑ لیا اور کہا ان واقعات کا جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے جدا ہونے سے پہلے مجھے بھی بتائیے۔ اس پر حضرت خضرؑ نے کہا۔

أَنَا السَّفِينَةُ كُنْتُ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ

سَفِينَةٍ غَصْبًا

غریبوں کی جو دریا میں کمانی کرتے تھے (لوگوں کو دریا کی سز کراتے اور کرایہ لیتے تھے) میں نے کشتی کو (توڑ کر) عیب دار کرنا چاہا

(اور عیب دار کر دیا) کیونکہ ان سے پرے (راستہ میں) ایک بادشاہ تھا جو ہر (عمدہ سالم اچھی) کشتی کو چھین لیتا ہے۔

کعب نے کہا یہ کشتی دس غریبوں کی تھی جو بھائی بھائی تھے، پانچ تو پانچ تھے اور پانچ کام کرتے تھے۔ آیت بتا رہی ہے کہ

مسکین کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس کے پاس مال تو ہو مگر ناکافی ہو۔ بقدر ضرورت نہ ہو یا اصلی ضرورتوں سے زائد نہ

ہو۔

وَرَاءَ سے مراد ہے سامنے جیسے مِنْ وَرَائِهِمْ حَوْثِهِمْ میں وَرَاءَ سے مراد ہے آگے۔ بعض کے نزدیک وَرَاءَ سے

بعض عالی صوفیاء نے بھی یہی کہا ہے حضرت مفسر نے انہی کا اتناغ کیا اور طلب اجرت کو خواہش نفس کی آمیزش قرار دیا لیکن

صاحب کتاب جلیل القدر معصوم پیغمبر کی شان میں یہ غلط فہمی سوء ادب ہے۔ بعض اہل تفسیر کو بھی حضرت ابن عباسؓ کے ایک اثر کی بنا پر

یہ غلط فہمی ہوئی ہے اور تیسرے سوال میں انہوں نے حضرت موسیٰ کی خواہش نفس کا دخل قرار دیا ہے۔ مگر صاحب روح المعانی نے اس کو

یہی بے بنیاد قرار دیا ہے۔ زحشری مفسر کشاف نے ان اہل تفسیر کی تردید کی ہے جو تیسرے اعتراض کے اندر خواہش نفس کو دخل سمجھتے

ہیں۔ معتزلہ باوجودیکہ عصمت انبیاء کے قائل نہیں لیکن زحشری نے باوجود معتزلی ہونے کے اس جگہ خواہش نفس کو دخل ہونے کی

تردید کی ہے۔ واللہ اعلم

مر لو پیچھے ہے۔ واپسی میں اس ظالم بادشاہ کے حدود سے ان مسکینوں کو گزرنا تھا۔ اول تفسیر صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس کی قرأت میں وَقَفَانَهُمْ کی جگہ اَسَاءَهُمْ (ان کے آگے) آیا بھی ہے۔

کُلُّ سَفِيْنَةٍ سے مراد ہے ہر عمدہ سالم اچھی کشتی۔ خضر نے کشتی کا تختہ پھاڑ کر عیب دلہ کر دیا تاکہ ڈاکو بادشاہ اس کو نہ چھین لے۔ اس شخص کا نام جلیدی بن کر تھا۔ محمد بن اسحاق نے سولہ بن جلیدہ ازدی لکھا ہے اور شعیب جبائی نے ہد بن ہد کہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت خضر نے کشتی توڑنے کی وجہ بطور معذرت کشتی والوں کے سامنے بیان کی اور ظالم غاصب بادشاہ کے واقعہ کی اطلاع دی۔ خضر کے بتانے سے پہلے ان کو کچھ معلوم نہ تھا۔ جب اس بادشاہ کی حدود سے کشتی والے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے کشتی کو درست کر لیا۔ کسی نے کہا دغیر کا پالش کر لیا (یارال سے جوڑ دیا) کسی نے کہا سوراخ میں شیشی اڑا دی، قوم کے سامنے حضرت خضر کی معذرت کی روایت عبارت قرآن کے خلاف ہے، قرآن کی صراحت ہے کہ اپنے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے اس وقت بیان کیس جب کشتی سے اتر کر لڑکے کو قتل کر کے دیوار کو سیدھا کر چکے تھے اور دونوں کے الگ ہونے کا وقت آ گیا تھا اگر حضرت خضر کشتی والوں کو کشتی کے اندر ہی اپنے فعل کی وجہ بتا چکے ہوتے تو حضرت موسیٰ بھی اس سے ضرور واقف ہو جاتے، پھر دوبارہ موسیٰ سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

وَأَمَّا الْعُلَمَاءُ فَكَانَ أَبُوكَ مُؤْمِنًا فَأَخْبَرْنَا أَنَّ يُرْهِقُهُمَا طَعْيَانًا وَكُفْرًا ۝

اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ ان پر سرکشی اور کفر کا اثر (نہ) ڈال دے۔ یعنی اپنی نافرمانی اور بدسلوکی کی وجہ سے ماں باپ پر چھا جائے گا اور بے چارے والدین دکھ اور مصیبت میں پڑ جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ماں باپ کے ایمان کے ساتھ اپنے کفر اور طغیان کو جمع کر دے گا۔ ایک ہی گھر میں ماں باپ کا ایمان بھی ہو گا اور بیٹے کا کفر و طغیان بھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ماں باپ پر ایسا غلبہ پالے گا کہ زبردستی ان کو کافر بنا دے گا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ ماں باپ بیٹے کی محبت کی وجہ سے آئندہ گمراہ اور کافر ہو جائیں گے۔ سعید بن جبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ محبت لولاد موسیٰ والدین کو تبدیل مذہب تک لے جائے گی ہم کو اس کا اندیشہ تھا اس لئے ہم نے لڑکے کو قتل کر دیا۔ حضرت خضر کا یہ اندیشہ محض عقلی نہ تھا (جس کے خلاف ہونا بھی ممکن تھا) بلکہ اللہ کی طرف سے خضر کے پاس وحی آگئی ہوگی کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اس کے موسیٰ ماں باپ گمراہ ہو جائیں گے اور یہ دونوں کو گمراہ ہو جانے پر مجبور کر دے گا۔

ابن ابی شیبہ نے زید بن ہر مز کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نجدہ خارجی نے حضرت ابن عباس کے پاس ایک تحریر بھیجی جس میں سوال کیا کہ حضرت خضر نے لڑکے کو کیسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو لڑکوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے (کیا پہلے بچوں کا قتل جائز تھا) حضرت ابن عباس نے جواب میں لکھا اگر تجھے لڑکوں کی آئندہ حالت کا ویسا ہی علم ہو جائے جو موسیٰ کے علم والے ساتھی کو تھا تو تیرے لئے بھی بچوں کو قتل کرنا جائز ہو جائے گا، آپ کی مراد یہ تھی کہ عام مسلمانوں کے پاس تو وحی نہیں آتی (اور براہ راست اللہ کی طرف سے ان کو بچوں کے احوال بذریعہ وحی بتائے نہیں جاتے) رسول اللہ ﷺ کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہو چکا ہے اس لئے اب امت اسلامیہ کے لئے بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں (عقلی قرآن اور الہام وجہ جواز نہیں ہو سکتے) اور حضرت خضر کے پاس وحی آئی تھی اور ان کو حکم دیا گیا تھا پس رسول اللہ ﷺ کی ممانعت حضرت خضر پر لاگو نہیں ہے۔

### ایک شبہ

علم معلوم کے تابع ہوتا ہے صحیح علم کے لئے معلوم کا خارج میں وجود اور تحقق ہونا ضروری ہے، اللہ جانتا تھا کہ وہ لڑکا اگر زندہ رہا تو کافر سرکش ہو گا لیکن وہ لڑکا زندہ ہی نہیں رہا نہ کفر و طغیان اس سے سرزد ہوا، خضر نے اس کو جوان ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کا علم معلوم خارجی کے مطابق نہیں ہوا کیونکہ معلوم کا تحقق خارج میں ہوا ہی نہیں پھر کس طرح ایسے علم کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے جو معلوم خارجی کے مطابق نہیں تھا۔

## جواب

مخلوق کا علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ معلوم خارجی سے مستفاد ہوتا ہے لیکن اللہ کا علم اس کے برعکس ہے وجود اشیاء اللہ کے علم کے تابع ہے اللہ کا علم اصل ہے اور معلوم خارجی اس کا تابع۔

## حضرت مفسر نے فرمایا

یہ جواب غیر مفید ہے اس سے اعتراض دفع نہیں ہوتا، علم تابع ہو اور معلوم اس کا متبوع یا معلوم تابع ہو اور علم متبوع، بہر صورت صحت علم کے لئے علم اور معلوم کی مطابقت ضروری ہے اور جب معلوم کا خارج میں وجود ہی نہ ہو تو مطابقت کا تصور ہی کس طرح ہو سکتا ہے۔ قضیہ شرطیہ کا خارج میں وجود ہی نہیں ہوا، لڑکا پانچ نہیں ہو اکفر و طغیان کا اس سے صدور نہیں ہوا تو ایسے معلوم سے جس کا خارجی وجود ہی نہیں ہوا علم کا صحیح تعلق کس طرح ممکن ہے۔ اس لئے صحیح جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ کا صدق اور اس سے علم کا صحیح تعلق صرف علاقہ لزوم پر موقوف ہے اگر شرط و جزا میں علاقہ لزوم ہے تو قضیہ سچا ہو گا خواہ شرط کا وجود محال ہی ہو اور جزا کا بھی وقوع نہ ہو اور صرف تعلق لزوم صحیح ہو جیسے آیت لَوْ كَانَتْ فِيهِمَا إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا قَضِيَّةً شرطیہ ہے اور صادق ہے اگر چند الہ ہوں گے یا ہوتے تو ضرور آسمان وزمین کی بربادی ہو جانی یا ہو جائے گی۔ اس قضیہ کی سچائی میں آیت کا نہ ہونا اور آسمان وزمین میں تاہی واقع نہ ہونا مانع نہیں کیونکہ وجود آیت اور وقوع فساد کے درمیان تعلق صحیح ہے۔ بیان كَانَتْ الشَّمْسُ طَالِعَتُمْ فَالْتِهَارُ مَوْجُودٌ فِي عِلَاقَةِ مَلَاذِمَتِ صِحْحٍ ہے۔ جب سورج نکلے گا دن ہو جائے گا لیکن اس قضیہ شرطیہ کی صداقت نہیں چاہتی کہ سورج کبھی ضرور نکلے یا دن ضرور موجود ہو، طلوع آفتاب کبھی نہ ہو اور دن کبھی موجود نہ ہو تب بھی یہ قضیہ سچا ہو گا کیونکہ طلوع آفتاب اور وجود نہار میں تعلق لزوم صحیح ہے۔

## ایک جدید شبہ اور اس کا جواب

دو چیزوں میں اگر لزوم کا تعلق ہو تو اس کا تقاضا ہے کہ ایک چیز کا وجود دوسری چیز کے وجود کی علت تامہ ہو (جیسے طلوع آفتاب وجود نہار کی علت ہے) یا دونوں کسی تیسری علت کے محتاج اور معلول ہوں اور اس تیسری علت نے ان دونوں کے درمیان لزوم پیدا کر دیا ہو (جیسے دو اینٹیں محرابی شکل بنا کر کھڑی کر دی جائیں تو ہر اینٹ دوسری اینٹ کے سہارے سے قائم ہوتی ہے اگر دونوں میں سے کسی اینٹ کو ہٹا دیا جائے اور سہارا ختم ہو جائے تو دوسری اینٹ گر پڑے گی، مگر دونوں اینٹوں میں سے کسی کی بقاء بذات خود دوسری پر موقوف نہیں ہے بلکہ کسی معمار نے ان دونوں کو اس طرح کھڑا کر دیا ہے کہ ہر ایک دوسری کے سہارے سے قائم ہے۔ یہ معمار دونوں میں لزوم پیدا کرانے کے علت ہے) اب بتاؤ اس لڑکے کے زندہ رہنے اور کفر کرنے میں لزوم کس طرح کا تھا۔ لڑکا خود کفر کی علت تامہ نہیں ہو سکتا اور نہ کسی تیسرے نے ان دونوں کے درمیان لزوم کا تعلق پیدا کر لیا کہ لڑکا زندہ ہی بغیر کفر کے نہ رہ سکتا ہو۔

اس کے جواب کے لئے ہم کو اہل تصوف کی تحقیقات سے استفادہ کرنا ہو گا۔ لہل تصوف کہتے ہیں کہ اشیاء کے وجود خارجی سے مقدم اور اصل اشیاء کی ماہیات کا ثبوت ہے ان ہی ماہیات ثابتہ کو حقائق امکانیہ اور اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔ اعیان ثابتہ اللہ کی صفات کا عکس پر تو اور ظل ہیں اور اشیاء کا وجود خارجی اعیان ثابتہ کا پر تو اور ظل ہے، اعیان ثابتہ کا مبداء اور اصل اللہ کی صفات ہیں اور اللہ کی صفات مختلف اور متعدد ہیں۔ ہادی ہونا اور گمراہ کرنا بھی اللہ کی صفات ہیں۔ اعیان ثابتہ میں سے جس عین ثابتہ پر صفت ہدایت اثر انداز ہوتی ہے وہ ہدایت یاب ہوتا ہے اور جس پر صفت اضلال پر تو قفل ہوتی ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اور اسی پر اشیاء کے وجود خارجی کی بنا ہوتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم الہی میں معلوم تابع ہوتا ہے اور علم متبوع (جیسا علم ہوتا ہے خارجی وجود ویسا ہی ہو جاتا ہے علم اصل ہے اور موجودات خارجیہ اس کا فوٹو اور کاپی) پس جن اشیاء کا مبداء تعین صفت اضلال ہے اور وہ صفت اضلال کی پر تو ہیں ان کا گمراہ ہونا اور گمراہی کا ان سے ظاہر ہونا لازم ہے اور جن اشیاء کا مبداء تعین صفت

ہدایت ہے ان کا ہدایت یاب ہونا ضروری ہے۔ صفت اضلال کے مظہر کا گمراہ اور شقی ہونا اور صفت ہدایت کے مظہر کا ہدایت یاب اور سعید ہونا لازم ہے، یہی مطلب ہے اس فرمان نبوی ﷺ کا جس کے راوی حضرت علیؓ ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ہر ایک کے لئے وہی (راہ) آسان کر دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو شخص اللہ سعادت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اللہ سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں (اللہ سعادت کے عمل کی اس کو توفیق دیدی جاتی ہے) اور جو اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل شقاوت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے (اللہ شقاوت کے اعمال کی توفیق دیدی جاتی ہے) متفق علیہ۔

اس لڑکے کی تخلیق کفر پر ہونے کا یہی معنی ہے کہ اس کا مبداء تعین ضلال تھا (لا محالہ اس کو گمراہ ہونا تھا) ظہور ضلالت سے پہلے اس کا مر جانا اس کے لئے بھی مفید تھا اور اس کے والدین کے لئے بھی اور یہ سب کچھ اللہ کی مہربانی سے ہوا۔ اللہ پر لازم نہیں کہ بندہ کے لئے جو زیادہ مفید ہو وہی کام کرے۔ یہ مسلک تو معتزلہ کا ہے جو جو باصلاح کے قائل ہیں۔ اگر اللہ پر زیادہ مفید کام کو واجب قرار دیا جائے گا تو آئندہ ہونے والے ہر کافر کو بچپن میں مار ڈالنا ہی اللہ پر واجب قرار پائے گا۔ حقیقت میں یہ اللہ کی مہربانی ہے جو واجب نہیں کہ بندہ کے لئے جو بات زیادہ مفید ہو اللہ وہی کرے۔ واللہ اعلم

پس ہم نے چاہا، حضرت خضر نے جمع کا صیغہ بول کر اپنے ساتھ ارادہ کرنے میں اللہ کو شریک بنا لیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو سکتا ہے، لیکن خضر کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو جائے یا ناممکن ہے خضر کے ارادے سے اللہ کا فعل نہیں ہو سکتا اس لئے ارادہ کا معنی اس جگہ حقیقی نہیں بلکہ چاہنا مراد ہے۔

ان یبدل لہما ربہما  
کہ ان کا رب (اس لڑکے کا) عوض عطا فرمادے۔ اول لڑکے کو ہلاک کرنے کی جگہ دوسرے لڑکے کو پیدا کر دینا، پہلے لڑکے کے ہلاک ہونے کا عوض اور بدل تھا اور ہلاک کرنے کے مرتکب حضرت خضر تھے مگر دوسرے لڑکے کو پیدا کرنا خالص اللہ کا کام تھا اس میں حضرت خضر کے فعل کو دخل نہ تھا اس لئے یبدل فعل کی نسبت خالص اللہ کی طرف کی۔ یبدل کی بجائے یبدل بھی متواتر قرأت ہے۔ ابدال اور تبدیل دونوں ہم معنی ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ تبدیل عام ہے۔

لغس شی کو ہی بدل دینا یا اس کی حالت کو بدل دینا دونوں کو تبدیل کہتے ہیں اور ابدال اصل شی کے بدلنے کو کہتے ہیں مگر بغوی کی یہ تحقیق غلط ہے اگر ایسا ہو تا تو دوسری قرأت متواتر نہ ہوتی دونوں قرأتوں کو جمع کرنا ناممکن ہو جائے گا (کیونکہ اختلاف قرأت سے معنی میں تغیر آجائے گا)

جو اس سے زیادہ (گناہوں اور بد کاریوں سے) پاک ہو۔  
وَأَقْرَبٌ رَّحْمًا ⑩  
ہو۔ رحم بمعنی رحمت ہے۔

بعض علماء نے رحم کو رحم سے مشتق مان کر قرابت ترجمہ کیا ہے۔ قتادہ نے کہا بڑا اصل رحم کرنے والا اور ماں باپ کا بڑا فرماں بردار خدمت گزار بغوی نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض اس کے والدین کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا جس نے ایک امت کو ہدایت یافتہ بنا لیا۔ حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا اللہ نے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی نسل سے ستر پیغمبر پیدا ہوئے۔ ابن جریر نے کہا اس کے عوض اللہ نے ایک فرماں بردار مسلم لڑکا عطا کیا۔ ابن ابی شیبہ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک لڑکی اللہ نے ان کو دی جس کے بطن سے پیغمبر پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے۔ ابن المنذر نے دوسری سند سے یوسف بن عمر کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے بہت پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ قول بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ترمذی و حاکم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور

حاکم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

مطرف نے کہا جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے پھر جب وہ قتل ہو گیا تو والدین کو غم ہوا اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی کی نشینی تھی۔ آدمی کو چاہئے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اللہ مومن کے لئے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے تب بھی مومن کے لئے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند دونوں میں اللہ کی تحفی تدبیر سے ڈرتا ہے اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اسی سے پناہ کا طلب گار رہے، اللہ کے حکم پر اعتراض نہ کرے، ہر حال میں اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا

اور دیوار کا قصبہ یہ تھا کہ وہ بستی کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ان دونوں لڑکوں کے نام اصرم اور صرم تھے۔ کنز کا ترجمہ عکرمہ نے مال کیا ہے۔ حضرت ابو درداءؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا سونے چاندی کا خزانہ تھا۔ یہ حدیث بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے بیان کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح بھی کہا ہے۔ طبرانی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ان کیلئے کنز (نامعلوم دینے) حلال کر دیئے گئے تھے اور مال غنیمت حرام کر دیا گیا تھا اور ہمارے لئے کنز حرام کر دیئے گئے اور مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں ہمارے لئے کنز حرام کر دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ سونا چاندی بغیر زکوٰۃ ادا کئے جمع کر کے رکھنا ہمارے لئے حرام کر دیا گیا ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّقُوا اللَّهَ فَنَسِيبَ اللَّهِ فَيَسْخَرُهُمْ يُعَذِّبُ آلِهِمْ لَوْ جَؤُودًا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے ان کو دکھ والے عذاب کی خوش خبری دیدو۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا جس مال کی زکوٰۃ دیدی جائے وہ کنز نہیں ہے، خواہ اس کو دینے بنا کر ہی رکھا جائے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو وہ کنز ہے خواہ اس کو زمین میں دفن نہ کیا گیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی والوں پر زکوٰۃ فرض نہ تھی جب ہی تو حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ ان کے لئے مال کو کنز بنا کر رکھنا حلال کر دیا گیا تھا۔

بغوی نے سعید بن جبیرؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کنز کچھ صحیفوں کی شکل میں تھا جس میں علم تھا (گویا علمی خزانہ تھا) حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کنز سونے چاندی کا نہ تھا بلکہ علمی صحیفے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ بروایت بغوی حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول آیا ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا، تعجب ہے کہ جس کو رزق (مقدر) ملنے کا یقین ہو وہ (حلاش رزق میں) تھکتا کیوں ہے (کیوں کمائی کے لئے سرگرداں پھرتا ہے) تعجب ہے کہ جس کو (آخرت کے) حساب پر یقین ہے وہ غافل کیسے رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ جو زوال دنیا کا یقین رکھتا ہے وہ (حاصل شدہ) کو نیا پر مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ جاتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ تختی کے دوسری طرف لکھا تھا میں ہی اللہ ہوں میں اکیلا ہوں میرا کوئی سا جہی نہیں۔ میں نے خیر و شر کو پیدا کیا خوشی ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کر لیا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔ بزار نے یہ حدیث ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ ابن مردویہ نے بھی حضرت علیؓ کی روایت سے اس کو مرفوع قرار دیا ہے لیکن خرابی نے قبح الحرس میں اس کو حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا ہے۔ زجاج نے کہا لفظ کنز اگر بے قید (بغیر مضاف الیہ کے) بولا جاتا ہے تو اس سے مالی خزانہ مراد ہوتا ہے اور قید (مضاف الیہ) کے ساتھ بولا جاتا ہے تو دوسری چیزوں کا خزانہ بھی مراد ہوتا ہے جیسے كَنْزُ الْعِلْمِ علم کا خزانہ اور تختی میں دونوں باتیں تھیں (وہ سونے کی بھی تھی اور وہ علم کا خزانہ بھی تھی)

وكان ابوهم صلياً اور ان دونوں یتیموں کا باپ نیک تھا۔ بعض اہل علم نے اس شخص کا نام کاٹھ بیان کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا باپ کی نیکی کی وجہ سے (اللہ کی طرف سے) دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے یتیموں کی حفاظت کے لئے اللہ نے دیوار درست کر دینے کا حکم خضر کو دیا۔ محمد بن منکدر کا قول ہے کہ بندہ کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھاتا ہوں (تاکہ میری نماز کی وجہ سے اولاد کی حفاظت رہے)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مرد صالح دونوں یتیموں کا باپ نہیں تھا بلکہ ساتواں دادا تھا (یعنی سات نسلوں تک ایک شخص کی نیکی کا اثر بانی رہا) ابن ابی حاتم نے سلیمان بن سلیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ کسی نیک کی نیکی کی وجہ سے سات صدیوں تک (اس کی نسل اور قوم کی) حفاظت کرتا اور (کسی کی بد کرداری کی وجہ سے) سات صدیوں تک تباہی قائم رکھتا ہے۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان کے فائدے کے لئے امکانی کوشش مسلمانوں پر لازم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کافر اور اللہ سے سرکش نہ ہوں اگر کافر یا سرکش ہوں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہیں دوسرے لوگوں کی سرکش اولاد سے صلحاء کی طاغی اولاد پر زیادہ سختی کی جائے۔ حضرت خضر کا اس لڑکے کو قتل کر دینا جس کے آئندہ کافر ہونے اور ماں باپ پر وبال پڑنے کا اندیشہ تھا اس قول کی تائید کر رہا ہے۔

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا جائیں۔ اشد کا معنی ہے پوری پوری سوجھ بوجھ (کمال رشد) اور قوت۔ کہا گیا ہے کہ اشد کی عمر ۱۸ سال ہے۔ امام ابو حنیفہ کا ظاہر قول یہ ہے کہ بچپن کی عمر میں آدمی حد اشد (کمال رشد) کو پہنچ جاتا ہے (یعنی اس کے بعد کمال رشد کو پہنچنے کی امید نہیں رہتی اگر بچپن سال تک کوئی کمال رشد کو نہیں پہنچا تو پھر اس سے زیادہ عمر میں بھی اس کو پورا رشد حاصل نہیں ہوگا) اسی لئے اگر کسی سادہ لوح سبک سر کی عمر بچپن سال ہو جائے (سمجھا جائے گا کہ اس کو جتنی سمجھ بوجھ ملنی تھی مل گئی آئندہ انتظار غیر ضروری ہے) اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَاِنْ اَنْتُمْ مِّنْهُمْ رُّشِدًا فَاَوْفَعُوا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک چالیس سال کی عمر میں آدمی حد اشد کو پہنچتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدُّهُ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً

اور اپنا دینیہ نکال لیں میں نے یہ سارے کام آپ کے رب کی مہربانی (یعنی الہامی) سے کئے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے حضرت خضر نے کشتی کو عیب دار بنانے کے ارادے کی نسبت صرف اپنی ذات کی طرف کی، کیونکہ عیب دار بنانا انہی کا فعل تھا، اپنے فعل کا ارادہ خود انہوں نے ہی کیا تھا اس کے بعد اَرَادَ اَنْتُمْ میں اپنے ساتھ اللہ کو بھی فاعل ارادہ قرار دیا۔ کیونکہ ہلاک یعنی قتل کرنا حضرت خضر کا فعل تھا۔ قتل کے فاعل وہ خود تھے اور مقتول لڑکے کی جگہ دوسری اولاد کو پیدا کرنا اللہ ہی کا کام تھا اور اللہ کے کام کا ارادہ اللہ کے سوا کون کر سکتا ہے، اسی لئے تیسری جگہ فَاَرَادَ رَبُّكَ میں ارادہ کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی کیونکہ یتیم لڑکوں کے بالغ اور جوان ہونے میں اللہ کے ارادہ کے علاوہ کسی اور کا دخل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ بابوں کہا جائے کہ کشتی تو زانی تقصیر ہے (اگر اس میں خیر تھی تو اضافی تھی) اس لئے اپنی ذات کی طرف نسبت کی اور تیسرا فعل سر اسر خیر ہے اس لئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی اور دوسرے فعل میں سر اور خیر مخلوط تھی اس لئے اپنے ساتھ اللہ کی طرف بھی نسبت کی۔ بابوں کہا جائے کہ اسباب و وسائل کی طرف توجہ کرنے میں عارف کا حال مختلف ہوتا ہے (کبھی خالص و وسائل کی طرف توجہ ہوتی ہے کبھی و وسائل سے بالکل منہ موڑ لیتا ہے، کبھی مخلوط التفات ہوتی ہے)



اور (جو کچھ آپ نے دیکھا) میں نے اس میں سے کوئی حرکت اپنی رائے سے

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي

نہیں کی۔ بلکہ اللہ کے حکم سے کی۔

یہ تشریح ہے ان باتوں کی جن پر آپ

ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝

صبر نہیں کر سکتے تھے۔

بغوی کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ حضرت خضرؑ سے جدا ہونے لگے تو فرمایا مجھے کچھ نصیحت کیجئے، حضرت خضرؑ نے کہا علم کی طلب لوگوں سے بیان کرنے کے لئے نہ کرنا بلکہ عمل کرنے کے لئے علم کی طلب کرنا۔ بضاوی نے لکھا ہے اس قصہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آدمی کو اپنے علم پر غرور نہ کرنا چاہئے اور جو بات پسند نہ آئے اور صحیح نہ معلوم ہو اس کے انکار میں عجلت نہ کرے ممکن ہے اس کی تہ میں ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ہو جس سے یہ شخص ناواقف ہو۔ میں کہتا ہوں جس شخص کی بات کو صحیح نہ سمجھا جا رہا ہو، اگر وہ عالم ہو دیندار ہو اور متقی ہو تب تو اس کے فعل کا فوری انکار کر دینا اور بھی نامناسب ہے۔ اس سے برابر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، معلم کا ادب کیا جائے، گفتگو میں تمذیب رکھی جائے۔ قصور وار کو اس کے قصور پر متنبہ کرنا اور پھر معاف کر دینا چاہئے اور جب اس سے بار بار قصور سرزد ہو تو اس سے جدائی اختیار کر لی جائے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کے اس قصہ سے ان تمام امور کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے۔

کیا حضرت خضرؑ اب بھی زندہ ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے خضرؑ والیاس دونوں زندہ ہیں، ہر سال حج میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے، خضرؑ نے آب حیات پی لیا تھا، ذوالقرنین جب آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں داخل ہوا تو خضرؑ کو اپنے ساتھ لے گیا، خضرؑ ہر لول دستہ میں آگے آگے تھے، چلتے چلتے خضرؑ چشمے پر پہنچ گئے اتر کر انہوں نے چشمہ کے پانی سے غسل کیا اور کچھ پی لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا، ذوالقرنین راستہ بہک گیا اور نامراد واپس آ گیا۔

(اکثر) علماء کا خیال ہے کہ خضرؑ وفات پا چکے، اللہ نے فرمایا ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اب سے پہلے ہم نے کسی انسان کو بقاء دوامی نہیں دی۔ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بات دکھادی گئی (اب سے) (آئندہ) سو برس کی انتہا تک ہر وہ شخص جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہے (مر جائے گا) زندہ نہیں رہے گا۔ مولف حصن حصین نے الصریح میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک (اجنبی) شخص آگیا، سپید داڑھی، کھلتا ہوا رنگ، جسامت میں بھاری آتے ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا آگے بڑھ گیا اور رونے لگا۔ پھر صحابہ کی طرف رخ کر کے کہا ہر مصیبت کی تسلی اور ہر فوت شدہ کا عوض اور ہر مرنے والے کا جانشین اللہ ہی کے پاس ہے اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تمہاری اس مصیبت میں تم کو دیکھ رہا ہے۔ تم انتظار کرو دکھ ایسے شخص کا ہے جس کی تلانی نہیں ہو سکتی اس کے بعد وہ آدمی واپس چلا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا۔ یہ حضرت خضرؑ علیہ السلام تھے۔

حضرت خضرؑ سے اولیاء کرام کی ملاقات اور تحصیل فیض کی حکایتیں تو مشہور ہی ہیں، یہ روایات بتاتی ہیں کہ خضرؑ زندہ ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ خضرؑ اگر زندہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے کنارہ کش نہ رہتے۔ حضور ﷺ کی بعثت تو سب ہی لوگوں کے لئے تھی۔ خضرؑ کسے مستثنیٰ ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اگر موسیٰؑ میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر ان کے لئے بھی کوئی چارہ نہ ہوتا (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن جابر بن عبد اللہ) آسمان سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ بھی امت اسلامیہ ہی کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھیں گے (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے) رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ و جابر بن عبد اللہؓ

اس مسئلہ کا واحد حل حضرت مجدد کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب سے جب حضرت خضرؑ کے زندہ یا

مردہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اللہ کی طرف توجہ کی اور بارگاہ قدس سے اس کا جواب ملنے کی دعا کی۔ چنانچہ عالم مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ خضر سامنے آگئے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نے حضرت خضرؑ سے خود ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت خضر نے فرمایا میں اور ایسا دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرمادی ہے کہ ہم جسم کا لباس پہن کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اگر اللہ چاہتا ہے (بعض لوگوں کو) علم لدنی بھی تعلیم کرتے اور نسبت بھی عطا کرتے ہیں۔ ہم کو اللہ نے قطب مدار کا مدگار بنایا ہے۔ قطب مدار کو اللہ نے مدار عالم بنایا ہے انہی کی برکت سے یہ عالم قائم ہے، ہم ان کی مدد کرتے ہیں اس زمانہ میں ان کا مسکن ملک یمن ہے، وہ فقہ شافعی کے پیرو ہیں، ہم بھی قطب مدار کے ساتھ شافعی فقہ کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ ط  
 لورودہ (یسودی یا مکہ کے مشرک بطور امتحان) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ بغوی نے کہا ہے بعض علماء کے نزدیک ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مرزیہ تھا یہ یونانی تھا اور یاقوت بن نوح کی نسل میں سے تھا بعض نے کہا وہ رومی تھا سکندر بن قلیس بن قلیس نام تھا میرے نزدیک مؤخر الذکر قول زیادہ صحیح ہے۔ شیرازی نے الاقواب میں لور ابن اسحاق و ابن المذروا بن ابی حاتم نے وہب بن منبہ یعنی کا بیان نقش کیا ہے وہب بن منبہ گزشتہ واقعات تاریخی کا بڑا عالم تھا کہ ذوالقرنین رومی تھا ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا تھا، بڑھیا کی کوئی اور اولاد نہ تھی ذوالقرنین کا نام سکندر تھا۔ ابن المذروا نے قنادہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکندر ہی ذوالقرنین تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ذوالقرنین نبی تھا نہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے کچھ لوگ کہتے ہیں نبی تھا ابو الطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا کہ وہ نبی تھا یا بادشاہ تھا، حضرت علیؑ نے فرمایا، نہ وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا، ایک ایسا بندہ تھا جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت کرتا تھا اس نے اللہ کی فرمانبرداری خلوص سے کی اللہ نے اس کو خیر عطا فرمائی۔ ابن مردودہ نے سالم بن ابی الجعد کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا، کیا ذوالقرنین نبی تھا۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ ذوالقرنین اللہ کا مخلص فرماں بردار بندہ تھا۔ اللہ نے بھی اس کے خلوص کی قدر دانی کی۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سنا ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر رکار رہا ہے۔ فرمایا پیغمبروں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے پر تم نے قناعت نہیں کی کہ اب فرشتوں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے لگے، اکثر علماء کا خیال ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل نیک بادشاہ تھا۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کیا تھی۔ بغوی نے اس کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

(۱) آفتاب کے دو کنارے ہیں مشرق اور مغرب ذوالقرنین دونوں کناروں تک جا پہنچا تھا۔

(۲) روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔

(۳) روشن دنیا میں بھی وہ رہا اور ظلمات میں بھی داخل ہوا (شاید یہ مراد ہے کہ افریقہ بلاد سوڈان اور روم دونوں جگہ

گیا۔ نور سے مراد گوروں کا ملک اور ظلمت سے مراد کالوں کا ملک)

(۴) اس نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب کے دونوں کنارے اس نے پکڑ لئے ہیں۔

(۵) اس کے دو خوبصورت گیسوتھے (قرن گیسویازلف)

(۶) اس کے دو سینگ (یعنی سر میں دو ابھار) تھے جن کو عمامہ سے چھپائے رکھتا تھا۔ ابن عبدالحکم نے یونس بن عبید کی

روایت سے لور شیرازی نے الاقواب میں قنادہ کے حوالہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

(۷) ابو الطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے

کی نصیحت کی، قوم نے اس کے سر کے دائیں طرف ایسی چوٹ ماری کہ وہ مر گیا پھر اللہ نے اس کو زندہ کر دیا اور اس نے قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی، قوم نے پھر اس کے سر کے بائیں جانب ایسی ضرب لگائی کہ وہ مر گیا، مگر اللہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا

(قرن کھوپڑی کا دایاں بائیں ابھار یا پیشانی کا دایاں بائیں رخ)

احمد نے الزہد میں اور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے العظمت میں ابوالور قاء کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا۔ ذوالقرنین کے دو سینگ کیسے تھے فرمایا تم خیال کرتے ہو گے کہ سونے یا چاندی کے دو سینگ تھے ایسا نہ تھا بلکہ وہ نبی تھے اللہ نے امت کو ہدایت کرنے کے لئے ان کو مبعوث فرمایا تھا انہوں نے امت کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے بائیں جانب ایسی چوٹ ماری کہ وہ مر گئے پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا اور دعوت کا حکم دیا انہوں نے قوم کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے دائیں جانب ایسی ضرب رسید کی کہ وہ مر گئے اور اللہ نے ان کا نام ذوالقرنین رکھ دیا۔

قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ قِصَّةً ذَكَرَهَا ﴿١٦﴾  
آپ کہہ دیجئے (اے سانلو) میں اس کے حال کا کچھ  
تذکرہ تمہارے سامنے (اللہ کا بیان کیا ہوا) تلاوت کرتا ہوں۔

ہم نے ہی اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا۔ وہ جس طرح چاہتا تھا حکم چلاتا تھا۔  
إِنَّمَا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ  
بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنا دیا گیا تھا، اُپر پر وہ سوار ہوتا تھا اس کے ذرائع و راز کر دیئے گئے تھے، اس کے لئے روشنی پھیلا دی گئی تھی (یعنی رات بھی اس کے لئے روشن کر دی گئی تھی) رات دن اس کے لئے برابر تھے تَمَكِّنْ فِي الْأَرْضِ کا یہی معنی ہے، مطلب یہ ہے کہ زمین پر رفتار اس کے لئے آسان کر دی گئی اور سارے راستے اس کے لئے کھول دیئے گئے تھے (راستے آسان کرنے کا شاید یہ مقصود ہو کہ ہر طرح کی سواری اس کو میسر تھی اور رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر انداز نہ ہوتا تھا)

قَالَ تَيْنُهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿١٧﴾  
لور ہر قسم کا سامان ہم نے اس کو عطا کر دیا تھا یعنی جو چیز وہ  
چاہتا تھا اور جس طرف رخ کرتا تھا اس کا علم، قدرت اور دوسرے کار بر آری کے ذرائع ہم نے اس کو عطا کر دیئے تھے۔ یا یہ  
مطلب ہے کہ مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ذوالقرنین کو اس کے حصول کے ذرائع ہم نے دیدیئے تھے یا یہ مقصد ہے  
کہ بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دیدی  
تھیں۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ زمین کے کناروں کو ہم نے اس کے لئے قریب کر دیا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے حسن  
بصری نے سَبَبًا کا ترجمہ بَلَاغًا کیا ہے یعنی مقصد تک پہنچانے والے اسباب ہم نے ذوالقرنین کو دیدیئے تھے۔

قَاتَبِعَ سَبَبًا ﴿١٨﴾  
سو وہ ایک راہ پر ہولیا۔  
أَتَّبَعُ بَهْنَجًا كَيْفَ اتَّبَعْتُهُ حَتَّى اتَّبَعْتُهُ مِثْلَ مَا زِلْتُ اتَّبَعْتُهُ فِي نَجْمِ الْبَهْنَجِ كَيْفَ كَذَرْتُهُ عَنِ  
الاصمعی۔ سَبَبًا سے اس جگہ مراد ہے راستہ یعنی مغرب کی طرف، حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا فرد گاہ، منزل۔  
یہاں تک کہ جب وہ (ارض مسکونہ کے انتہائی چبھی جانب) آفتاب  
جَحْتِي إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ  
غروب ہونے کے مقام پر پہنچا۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنِ حِمَّةٍ ﴿١٩﴾  
تو لدلی چشمہ میں سورج کو ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔ حِمَّةٌ سیاہ  
دل۔ حِمَاتِ الْبَيْرُكُنُوسِ میں کالی کیچڑ ہو گئی۔ بغوی کا بیان ہے حضرت معاویہؓ نے کعب احبار سے پوچھا سورج کیسے غروب  
ہوتا ہے تو ریت میں تم نے اس کے متعلق کیا پڑھا، کعب نے کہا ہم نے تو ریت میں پایا ہے کہ سورج پانی اور کیچڑ میں غروب ہوتا  
ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے شاید ذوالقرنین سمندر کے کنارے پہنچ گیا ہو گا اور وہاں اس کو ایسا لگا ہو گا جیسے سورج دلدل میں غروب  
ہو رہا ہے کیونکہ جہاں تک اس کی نظر پہنچی ہو گی پانی اور کیچڑ ہی دکھائی دی ہو گی۔ اسی لئے اللہ نے وَجَدَهَا تَغْرُبُ (سورج کو  
دلدل میں ڈوبتا محسوس کیا) فرمایا کَأَنْتَ تَغْرُبُ (سورج دلدل میں ڈوبتا تھا) نہیں فرمایا۔ كَذَا قَالَ الْقَتَيْبِيُّ۔

قَوْلًا يَذَّالِقَرْنَينَ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٢٠﴾  
اور اس چشمے کے پاس ذوالقرنین نے ایک قوم کو پایا۔ بیضاوی نے کہا وہ لوگ کھال کا  
لباس پہنتے تھے اور کافر تھے اور سمندر جو مردہ مچھلیاں یا دوسرے بحری جانور کنارے پر پھینک دیتا تھا وہی ان کی غذا تھی۔

قَوْلًا يَذَّالِقَرْنَينَ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٢٠﴾

ہم نے کہا ہے ذوالقرنین تو (چاہے تو) ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کے معاملے میں نرمی کا سلوک کرے (تجھے دونوں طرح کا اختیار ہے)

یعنی پہلے اس قوم کو توحید کی دعوت دو اگر نہ مانیں اور کفر پر جتھے رہیں تو ان کو سزا دو قتل کر دو، اگر توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو ان کی عزت کر دو، ہدایت کرو، شراعت لہیہ سکھاؤ۔ اس جگہ لانا تقسیم کے لئے ہے (تردید کے لئے نہیں ہے) جیسے آیت ذیل میں لفظ اَوْ تَقْسِمُ کے لئے ہے اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأُزْجُلِهِمْ مِنْ خِلَافِ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ (یعنی مختلف حالات کے لئے مختلف احکام ہیں توبہ کر لیں تو در گزر کر دو، کفر پر جتھے رہیں تو عذاب دو) بعض علماء کے نزدیک اِنَّمَا تخیر کے لئے ہے یعنی اللہ نے ذوالقرنین کو اختیار دے دیا کہ تم چاہو تو ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ان کو قتل کر دو اور چاہو تو ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اسلام کی دعوت ہی اَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا سے مراد ہے۔ بعض نے کہا ذوالقرنین کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ چاہیں تو ان لوگوں کو قتل کر دیں اور چاہیں تو قید کر لیں، قتل کرنے کے مقابلہ میں قید کر دینا حسن سلوک ہے، اول الذکر دونوں مطلوبوں کی تائید آئندہ آیات سے ہو رہی ہے۔

قَالَ اِمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نَعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُہٗ عَذَابًا نَّكَرًا ۗ وَاِمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَهٗ جِزَآءًا بِاِلٰحْسَانِيۃٍ

ذوالقرنین نے کہا جو ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر اس کو اس کے رب کے پاس لوٹا کر لے جایا جائے گا وہ اس کو سخت ترین سزا دے گا اور جو ایمان لے آئے گا اور اچھے کام کرے گا اس کے لئے نیکی کا اچھا بدلہ ہوگا، یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں یا اللہ کی طرف سے اختیار لینے کے بعد جب اس نے دعوت اسلام دیدی تو کہا کہ میری اس دعوت کے بعد جو کوئی کفر پر جمارا اور شرک کی صورت میں اپنے اوپر خود ظلم کرتا رہا تو میں اور میرے ساتھی اس کو قتل کر دیں گے اور آخرت میں اللہ اس کو ایسا عذاب دے گا جو کسی کے ظلم میں نہیں، وہ اتنا عظیم ترین اور غیر معمولی ہوگا کہ اس دنیا میں کسی کے سامنے نہیں آیا۔ نیک کام کرنے سے مراد ہے تقاضاء ایمان کے موافق عمل کرنا۔

وَسَنُقُولُ لَكَ مِنْ آمْرِئَا يُسْرًا ۗ اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کے لئے آسان بات کہیں گے۔

یُسْرًا آسان سہولت والا جو دشوار نہ ہو۔ مجاہد نے یُسْرًا کا ترجمہ کیا مَعْرُوفًا اچھا بھلا۔ اللہ نے ذوالقرنین کو (براہ راست) خطاب کیا اور وحی بھیجی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبی تھا، صاحب وحی تھا۔

بعثی نے لکھا ہے صحیح ترین بات یہ ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھا اور وحی سے مراد اس جگہ الہام ہے (جیسا کہ اولیاء اللہ کو ہوتا ہے)

میں کہتا ہوں ممکن ہے کسی پیغمبر کی معرفت ذوالقرنین کو یہ پیام ملا ہو اور بعض انبیاء بنی اسرائیل میں سے اس کے ساتھ بھی کسی نبی کو اس کی اصلاح اور درستگی قائم رکھنے کے لئے لگا دیا گیا ہو۔

ثُمَّ اَنْتَبَعَ سَبِيۡلًا ۙ پھر وہ (مشرق کی طرف جانے والے) راستہ پر پہنچ گیا۔

یہاں تک کہ جب (اس ارضِ معمورہ کے پورب کی طرف) سورج کے طلوع ہونے کے مقام تک پہنچ گیا۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سَبِيۡلًا ۙ تو سورج کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے سورج سے ورے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی یعنی ان کا کوئی لباس نہیں تھا، نہ مکان کی کوئی آڑ تھی وہاں کی زمین تعمیر کا بار اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔

كذٰلِكَ (ذوالقرنین کا واقعہ) یوں ہی تھا یعنی ذوالقرنین کی وسعتِ اقتدار، حکومت کی پہنائی اور اس کے مرتبہ کی

رفت اسی طرح تھی جس طرح ہم نے بیان کر دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کا اہل مشرق کے ساتھ سلوک ایسا ہی تھا جیسا مغرب والوں کے ساتھ تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح ذوالقرنین نے سورج کو دلدلی چشمہ میں ڈوبا محسوس کیا تھا اسی طرح دلدل سے برآمد ہوتے پایا تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح مغرب والوں کے لئے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں بنائی اسی طرح مشرق والوں کے لئے بھی سورج سے کوئی آڑ نہیں تھی۔

وَقَدْ أَحْطٰنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۱۶﴾ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ سامان تھا ہم کو اس کی پوری خبر تھی۔

یعنی ذوالقرنین کے پاس کتنی فوج تھی، کتنا مال و اسباب تھا اور کتنے آلات جنگ اور علمی ذرائع تھے۔ غرض اس کی ساری بیرونی اور اندرونی طاقت و وسوساں سے ہم واقف ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا لشکر اور سامان اور مال و اسباب تھا کہ کسی کو معلوم نہیں ہم ہی اس سے واقف ہیں۔ أَحْطٰنَا کے لفظ سے فوج کی کثرت اور سامان و حکومت کی وسعت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

ثُمَّ اتَّبَعَهُ سَبَبًا ﴿۱۷﴾ پھر ذوالقرنین ایک تیسرے راستہ پر چل دیا۔ یعنی مغرب و مشرق کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿۱۸﴾ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو دونوں پہاڑوں سے دورے اس کو ایک ایسی قوم ملی جو تقریباً کوئی بات بھی سمجھتی نہ تھی۔

سُد اور سَد ہم معنی ہیں، عکرمہ نے کہا انسان کی بنائی بندش کو سد کہتے ہیں اور قدرتی رکاوٹ و آڑ کو سُد۔ سَدَّيْنِ سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنا دی تھی تاکہ یاجوج و ماجوج پرے سے دیوار کے ورے نہ آسکیں، بیچ میں دیوار حائل ہو جائے۔ یہ دونوں پہاڑ آرمینیا اور آذربائیجان کے تھے۔ ابن اللذری نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ترکوں کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں۔ اس کے بالکل آخری شمال میں دو پہاڑ تھے جن سے پرے یاجوج و ماجوج تھے وہی دونوں پہاڑ مراد ہیں۔ یہ قول سعید بن منصور نے سنن میں اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے۔

مِنْ دُونِهِمَا یعنی دونوں پہاڑوں کے سامنے۔ لَّا يَفْقَهُونَ قَوْلًا یعنی کسی دوسرے کی بات نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کسی دوسرے کی بات سمجھتے تھے نہ کوئی دوسرا ان کی بات سمجھتا تھا۔

قَالُوا يَا لَيْدِي الْقَدْرَيْنِ إِنْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یا جوج و ماجوج ہمارے ملک میں آکر جا ہی چاتے ہیں۔ یعنی قتل و غارت کرتے اور ہماری کھیتوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ کلبی نے کہا موسم بہار میں یاجوج و ماجوج کھس آتے تھے، تمام سبز چیزوں (سبز کھیتوں اور پھلوں ترکاریوں) کو تو کھا لیتے تھے اور خشک چیزوں کو اٹھا کر اپنے ملک کو لے جاتے تھے، ان لوگوں کو ان سے بڑا دکھ پہنچتا تھا۔ بعض نے کہا وہ آدم خور تھے آدمیوں کو کھا جاتے تھے۔

یاجوج و ماجوج بھی لفظ ہیں، بعض کے نزدیک عربی ہیں، عرب بولتے ہیں آج الظلم یعنی آسّع۔ بغوی نے لکھا ہے یہ دونوں لفظ آجینج النار (آگ کا شعلہ، بھڑک، شرارہ) سے ماخوذ ہیں کثرت تعداد کی وجہ سے ان کو آگ کے شعلوں اور چنگاریوں سے تشبیہ دی گئی۔

بغوی نے لکھا ہے یاجوج و ماجوج یا قث بن نوح کی نسل سے ہیں۔ ضحاک نے کہا وہ ترکوں کی ایک نسل ہے۔ سدی نے کہا ترک یا جوج کا ایک فوجی دستہ تھا جو (پہاڑوں سے دورے) نکل آیا تھا، جب ذوالقرنین نے دیوار (سد) بنا دی تو وہ راستہ پہاڑوں سے ادھر ہی رہ گیا تمام ترک اسی کی نسل سے ہیں۔ قتادہ نے کہا یاجوج کے ۲۲ قبائل تھے ذوالقرنین نے سد بنائی تو ایک قبیلہ ادھر ہی

رہ گیا ۲۱ قابل اور ہر چلے گئے اسی ایک قبیلہ کو ترک کہا جاتا ہے کیونکہ سد سے ورے اس کو ترک کر دیا (چھوڑ دیا) گیا تھا۔  
اہل تاریخ نے لکھا ہے حضرت نوح کے تین بیٹے تھے سام، حام، یاقت۔ سارے عرب فارس اور روم والے سام کی نسل سے ہیں اور حام کی نسل سے حبش زنج اور نوبہ کے لوگ ہیں (یعنی سارا افریقہ حام کی نسل سے ہے) اور یاقت کی نسل سے ترک خرز صحالیہ اور یاجوج و ماجوج ہیں۔

حضرت ابن عباس کا قول عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ سارے آدمی تو ایک حصہ ہیں اور یاجوج و ماجوج دس حصے (یعنی یاجوج و ماجوج کی تعداد باقی انسانوں سے دس گنا زیادہ ہے)

حضرت حدیفہ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یاجوج (ایک الگ) قوم ہے اور ماجوج (دوسری) قوم ہے ہر ایک کی تعداد چار سو ہزار (چار لاکھ) ہے وہ سب آدم کی اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی پشت (یعنی نسل) سے پیدا شدہ ایک ہزار آدمی ایسے نہ دیکھ لے جو ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوں (یعنی جوان ہوں) یہ لوگ غیر آباد دنیا کی طرف پھلتے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب ذوالقرنین نے دیوار بنوائی تھی اور یاجوج و ماجوج کی ادھر آنے سے بندش کر دی تھی تو اس وقت ان کے دو گروہ تھے ہر گروہ کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی تھی اس کے بعد کتنی ہو گئی تو ظاہر ہے کہ جب ہر شخص اپنی نسل کے ایک ہزار آدمی چھوڑ کر مرتا ہے تو ان کی کتنی کون کر سکتا ہے۔

(یَسْبِرُونَ إِلَىٰ خُرَابِ الدُّنْيَا كَمَا يَكُونُ مَعْنَىٰ هِيَ) کہ (یَسْبِرُونَ إِلَىٰ خُرَابِ الدُّنْيَا كَمَا يَكُونُ مَعْنَىٰ هِيَ) کے قریب وہ سد کو توڑ کر نکلیں گے اور ویران دنیا کی طرف آئیں گے (یہ فقیر اس ترجمہ کو بعید از فہم جانتا ہے) واللہ اعلم۔

بغوی نے لکھا ہے یاجوج و ماجوج تین طرح ہیں ایک قسم تو درخت ارز کے برابر ہے، ان میں سے ہر شخص کا قد ایک سو بیس ہاتھ لمبا ہے۔ دوسری قسم کا طول و عرض برابر ہوتا ہے۔ ۱۳۰ ہاتھ لمبا اور اتنا ہی چوڑا، ان کے سامنے کوئی پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ تیسری قسم وہ ہے جو ایک کان بچھاتے اور ایک کان اوڑھتے ہیں (قیامت کے قریب جب یہ برآمد ہوں گے تو) جو گھوڑا یا خنزیر یا جنگلی وحشی جانور ان کے سامنے آجائے گا اس کو بغیر کھائے نہیں چھوڑیں گے ان میں سے جو کوئی مرتا ہے اس کو کھا لیتے ہیں ان کا اکلاد ستہ شام میں اور پچھلا حصہ خراسان میں ہوگا، مشرق کے تمام دریاؤں اور بحیرہ طبریہ (بحیرہ مردار) کا پانی پی جائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا ان میں سے بعض کا طول ایک باشت اور عرض ایک ہاتھ ہے اور بعض بہت زیادہ لمبے ہیں۔

کعب احبار نے کہا وہ اولاد آدم میں ایک عجیب مخلوق ہیں۔ ایک روز حضرت آدم کو احتلام ہوا اور نطفہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو گیا اس نطفہ سے اللہ نے یاجوج و ماجوج کو پیدا کر دیا وہ باپ کی طرف سے تو ہمارے (علاقائی) بھائی ہیں لیکن ہماری ماں کی نسل سے نہیں ہیں۔

بغوی نے وہب بن منبہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ذوالقرنین رومی تھا اور ایک بڑھیا کا بیٹا تھا جو ان ہو اتونیک مومن بندہ ہو اور اللہ نے اس سے فرمایا میں تجھے ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے بھیجوں گا جن کی زبانیں مختلف ہوں گی ان میں سے دو قومیں ایسی ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کے طول کا فاصلہ ہو گا ایک غروب آفتاب کے مقام پر ہوگی جس کو ناسک کہا جائے گا اور دوسری سورج نکلنے کے مقام پر ہوگی، جس کو منک کہا جائے گا اور دو قومیں اور ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کا عرض فاصلہ ہوگا جنوب کی طرف والی قوم کو ہادیل کہا جائے گا اور شمال والی کو قاقیل، باقی اقوام وسطا رض پر آباد ہوں گی جن میں جنات بھی ہوں گے، اور انسان بھی اور یاجوج و ماجوج بھی۔ ذوالقرنین نے عرض کیا پھر کس قوم کو ساتھ لے کر میں ان سے قوت اور

کثرت میں مقابلہ کروں گا اور کس زبان میں ان سے گفتگو کروں گا، اللہ نے فرمایا میں تجھے طاقت عطا کروں گا، تیری زبان میں پھیلا دوں گا اور تیرا بازو مضبوط کر دوں گا تجھے کوئی چیز خوف زدہ نہ کرے گی تجھے ہیبت کا لباس پہناؤں گا کہ تجھے کوئی شے رد نہ کر سکے گی، میں نور و ظلمت کو تیرا فرماں بردار بنا دوں گا اور دونوں کو تیرا مددگار کر دوں گا۔ نور تجھے آگے آگے راستہ دکھائے گا اور تاریکی پیچھے پیچھے سے تجھے گھیرے میں لیتی رہے گی۔ حسب الحکم ذوالقرنین چلے گا اور آفتاب کے غروب ہونے کے مقام تک پہنچ گیا، وہاں اس کو دشمنوں کی ایک جماعت ملی جو پیشار تھی ان کی گفتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ ذوالقرنین نے ظلمت سے مدد لے کر ان سے مقابلہ کیا سب کو ایک جگہ جمع کر کے اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دی کچھ لوگوں نے دعوت کو مان لیا کچھ کترا گئے جو لوگ رد گرداں ہو گئے، ان پر ذوالقرنین نے ظلمت کو مسلط کر دیا تاکہ ان کے پیٹوں اور گھروں کے اندر گھس گئی، آخر وہ ذوالقرنین کی دعوت میں داخل ہو گئے، اسی جگہ مغرب والوں کا ذوالقرنین نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو ساتھ لے کر ہایل (جنوبی قوم کے پاس پہنچ گیا اور یہاں بھی وہی سلوک کیا جیسا ناسک کے ساتھ کیا تھا پھر منک کی طرف گیا جو طلوع آفتاب کے مقام کے قریب آباد تھے، یہاں پہنچ کر ذوالقرنین اور اسکے لشکر نے وہی عمل کیا جو مذکورہ دونوں قوموں کے ساتھ کر چکا تھا، پھر قادیل (شمالی قوم) کی طرف رخ کیا اور ان سے بھی وہی معاملہ کیا جو مندرجہ بالا اقوام کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد وسطی اقوام کی طرف توجہ کی مشرقی جانب ترکوں کی سرحد پر پہنچا تو وہاں نیک ایمان دار آدمیوں کا ایک گروہ اس کے پاس آیا اور کہا ذوالقرنین ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مخلوق ایسی ہے جو بہائم (چوپایوں) کی طرح ہے اور درندوں کی طرح ان کے نوکیلے دانت اور کچلیاں ہیں، سانپوں اور بچھوؤں کو کھا جاتے ہیں اور گھوڑوں، گدھوں اور جنگلی جانوروں کو پھاڑ کھاتے ہیں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی مخلوق کی اتنی تعداد نہیں ہے اور اتنی ہی ان کی افزونی ہے کہ کسی مخلوق کی نہیں ہے، وہ ہماری سر زمین پر آجاتے ہیں، تسلط جماتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں، کیا ہم آپ کیلئے چندہ کر کے رقم جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند بنا دیں، ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جو مجھے طاقت (دولت وغیرہ) عطا فرمائی ہے وہ (تمہارے چندہ سے) بہتر ہے تم لوگ میرے لئے پتھر کی چٹانیں لور لو ہا اور تانبا فراہم کر دو لور میں جا کر ان کے حالات معلوم کرتا ہوں۔ یہاں سے ذوالقرنین ان لوگوں کے احوال دریافت کرنے کیلئے چلا اور ان کی بستیوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قد کے ہیں ہمارے متوسط القامت آدمی کے طول سے ان کا طول قامت آدھا ہے ان کے پنجے لور نوکیلے دانت لور کچلیاں درندوں کی طرح ہیں۔ اور سارے بدن پر سخت بال اتنی کثرت سے ہیں کہ جسم کو چھپائے ہوئے ہیں، سردی گرمی سے بچاؤ ان کو ان بالوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر شخص کے دو بڑے بڑے کان ہیں ایک کان بچھاتا ہے ایک اوڑھتا ہے۔ ان کانوں ہی سے موسم گرم اور سرما میں کام چلاتا ہے، جہاں جمع ہوتے ہیں آپس میں جانوروں کی طرح جماع کرتے ہیں۔ ذوالقرنین یہ کیفیت دیکھ کر لوٹ آیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان پہنچ کر اس نے پائش کی پھر پانی تک بنیاد کھدوا کر پتھر کی چٹانوں سے اس کو بھر دیا اور تانبا بچھلا کر اس سے مصالہ کا کام لیا، اس طرح دیوار مکمل ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے نیچے سے ایک پہاڑ پھوٹ آیا ہے (یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں۔ بیضاوی)

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۖ

سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی ردک بنا دیں (کہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں)

خَرْج لور خَرْج دونوں ہم معنی ہیں، مزدوری، اجرت، ابو عمرو نے کہا خَرْج وہ چیز ہے جس کا ادا کرنا تم پر لازم ہو لور خَرْج وہ چیز ہے جس کو دے کر تم دوسرے کو رغب بناتے ہو۔ بعض نے کہا خَرْج زمین کا ٹیکس اور خَرْج فی کس شخصی ٹیکس ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں اَدْخَرَجَ رَابِيكَ وَخَرَاجَ مَدْيَنِيَّتِكَ اپنی ذات کا خرچ (پرسن ٹیکس) ادا کرو لور اپنے شہر کا خرچ۔ بعض نے کہا جو چیز زمین پر لازم ہو یا شخصی طور پر وہ خَرْج ہے لور خَرْج مصدر ہے۔

سَدَّ اَعْيُنِي اِيسَى ديوار لور بندش کہ ياجوج و ماجوج پھر اوہرنہ آسکیں۔

قَالَ مَا مَلَكَتِي فِيهِ رَبِّي خَيْرًا اَعْيُنِي بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اَنْتَوْنِي زُبُرًا الْحَدِيدِ

ذوالقرنین نے کہا جس مال میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے (سوال کی تو مجھے ضرورت نہیں) البتہ ہاتھ پاؤں سے تم لوگ میری مدد کرو، میں تمہارے لور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا تم لوگ مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔  
مَا مَلَكَتِي یعنی مال اور دولت سے اللہ نے جو کچھ مجھے عنایت کیا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جو بطور معاوضہ تم مجھے دینے کو کہہ رہے ہو۔

قُوَّةٌ سے مراد معمار، مزدور، کارکن یا آلات

رَدْمًا بہت مضبوط دیوار (تہہ برتہ چنی ہوئی)

زُبُرًا الْحَدِيدِ لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے، زُبُرًا کا واحد زُبْرَةٌ ہے زُبْرَةٌ بڑا ٹکڑا۔

اَنْتَوْنِي زُبُرًا الْحَدِيدِ مجھے لوہے کے ٹکڑے لا دو، مطلب یہ کہ مالی مدد کی اور معاوضہ کی مجھے ضرورت نہیں، تم لوگ جسمانی اور آلامی مدد کرو۔ لوگ لوہے کی چادریں یا ٹکڑے لے آئے، لکڑیاں اور کونکے بھی ساتھ لائے۔ ذوالقرنین نے لوہے لکڑی اور کونکوں کو تہہ برتہ چنا لور لوہا پھر نیچے لکڑی پھر کونکے پھر لوہا پھر لکڑی۔

حَتَّىٰ اِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ اِنْفُخُوا حَتَّىٰ اِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اَنْتَوْنِي اَفْرَغْ عَلَيْهِ قَطْرًا ۝

یہاں تک کہ جب (ردے ملاتے ملاتے) ان کے دونوں سروں (کے بیچ کے خلا) کو برابر کر دیا تو کہا دھونکو (دھونکنا شروع ہو گیا، یہاں تک کہ جب (دھونکتے دھونکتے) اس کو لالہ انگارہ کر دیا تو کہا اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ کہ اس پر میں ڈال دوں۔

صَدَفَيْنِ دونوں کنارے صَدْفٌ جھکاؤ، میلان۔ تصادف آمنے سامنے ہونا۔ اَفْرَغْ میں ڈال دوں۔ اَفْرَاحٌ ہونا، بہادینا، قَطْرٌ پگھلا ہوا تانبہ۔ لوگ تانبہ لے آئے، پھر پگھلا ہوا تانبہ دھکتے ہوئے لوہے پر ڈال دیا گیا، آگ سے لکڑی اور کونکے جل گیا، پگھلے ہوئے تانبے نے اس کی جگہ لے لی اس طرح لوہے کی اینٹیں پگھلے ہوئے تانبے کے مصالحت سے باہم بیڑ ہو گئیں اور ایک آہنی دیوار پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئی۔ بغوی نے لکھا ہے اس دیوار کی چوڑائی، بچس ہاتھ، اونچائی سو ہاتھ اور لمبائی ایک فرسخ تھی۔ یہ کام تمام کاریگروں اور معماروں کا تھا، لیکن ذوالقرنین کی تدبیر اور حکم سے ہوا اس لئے آیت میں ذکر حیا کرنے کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔

فَمَا اسْتَطَاعُوا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا اِلَيْهِ نَقْبًا ۝

ماجوج (دیوار اونچی لور چکنی ہونے کی وجہ سے) اس پر چڑھ نہ سکے اور نہ (سخت مضبوط آواز) سے اس کو

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّي

رب کی (اپنے بندوں پر) رحمت ہے۔

فَاِذَا جَاءَ وَعَدُ رَبِّيٰ جَعَلَهُ دَكَّاءَ

پھر جب میرے

زمین کے ساتھ ہموار کر دے گا۔ وعدہ رب سے مراد ہے یا جوج و ماجوج کے لئے زمین کو ہموار کر دے گا۔

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيٰ حَقًّا ۝

اور میرے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین ظلمات میں گھس گیا پھر لوٹ کر آیا تو شہ زور میں اس



بعض کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی عمر کچھ اوپر تیس برس کی ہوئی۔

بنغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا مرفوع بیان نقل کیا ہے کہ یا جوج دما جوج روز دیوار کو کاٹتے ہیں اور اتنا کھود چکتے ہیں کہ سورج کی کرنیں (دوسری طرف کی) چمکنے کے قریب ہو جاتی ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے اب لوٹ چلو، باقی کل کو کھود لیں گے لوگ چلے جاتے ہیں۔ رات میں اللہ دیوار کو پھر حسب سابق کر دیتا ہے، دوسرے دن آکر وہ پھر کھودتے ہیں اور اتنا کھودتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے کے قریب ہو جاتی ہے تو سردار روک دیتا ہے اور کہتا ہے اب واپس چلو کل کو اس کی تکمیل کر لیں گے سب واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ رات میں پھر دیوار کو پہلے کی طرح کر دیتا ہے روزانہ ایسا ہی کرتے ہیں جب مقررہ وقت آجائے گا اور حسب معمول دیوار کو کھود کر اتنا کر دیں گے کہ ایک ورق رہ جائے گا۔ قریب ہو گا کہ پار کی روشنی نظر آجائے اور سرداران سے کہے گا اب واپس چلو کل کو انشاء اللہ ہم اس کو کھود دیں گے۔ انشاء اللہ کہنے کا یہ اثر ہو گا کہ واقعی دوسرے دن آکر دیکھیں گے کہ دیوار کو جس طرح (ورق کی برابر) چھوڑ کر گئے تھے ویسی ہی ہے۔ پس بقیہ دیوار کو بھی کھود دیں گے اور پار نکل آئیں گے۔ اور جہاں جہاں پانی ہو گا ان مقامات کی تلاش کر کے پہنچیں گے (سارے تالابوں، چشموں، کنوؤں اور جھیلوں دریاؤں کا پانی پی جائیں گے) لوگ ان کے خوف سے قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں گے وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور اللہ ان کے تیروں کو ایسا سرخ کر کے لوٹا دے گا جیسے وہ خون آلود ہوں (اور کسی شکار کے لگ کر واپس لوٹے ہوں) وہ خوش ہو کر کہیں گے ہم زمین والوں پر بھی غالب آگئے اور آسمان والوں پر بھی اس کے بعد اللہ ان کی گدیوں (گردنوں کے پچھلے حصہ) میں گلیاں (یعنی وہ کپڑے جو لونٹ، بکری وغیرہ کی ناک میں پیدا ہو کر باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور انسان کی گردن بغل وغیرہ میں داخل ہو کر گلیوں اور سرطانی زخموں کی شکل میں برآمد ہوتے ہیں) برآمد کر دے گا۔ سب مر جائیں گے۔

مسلم نے حضرت نواس بن سمعان کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار صبح کے وقت دجال کا ذکر کیا (دوران ذکر میں) حضور ﷺ کی آواز پست بھی ہو جاتی تھی اور اٹھ بھی جاتی تھی یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ دجال (یہیں) نخلستان میں موجود ہے۔ پھر (دوسرے وقت) جب ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے (خوف کا اثر ہمارے اندر پہچان لیا اور) فرمایا تم لوگوں کا کیا حال ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دجال کا تذکرہ کیا تھا اور حضور کی آواز میں پستی بھی تھی اور بلندی بھی اس سے ہمارا خیال ہوا کہ وہ کہیں (اس جگہ) نخلستان میں ہی ہے۔ فرمایا دجال کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو تمہارے لئے زیادہ خوفناک ہے دجال تو میری زندگی میں اگر برآمد ہو گیا تو تمہاری طرف سے میں اس کا مقابلہ کر لوں گا اور میں نہ ہوا تو اس وقت ہر شخص خود اپنی طرف سے اس کا مقابلہ کرے گا اور اللہ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے۔ دجال ایک ذلیلہ نوجوان ہو گا اس کی ایک آنکھ پٹ ہو گی۔ میرے نزدیک وہ عبدالعزیٰ بن قطن سے ملتا جلتا ہو گا، جو شخص اس کو پائے تو سورہ کف کی ابتدائی آیات اس کے سامنے پڑھے۔ وہ عراق اور شام کے درمیان برآمد ہو گا اور دائیں بائیں لوٹ اور تباہی مچائے گا۔ اللہ کے بندو تم (ایمان پر) ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا قیام زمین پر کتنی مدت رہے گا۔ فرمایا چالیس دن۔ جن میں ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا۔ ایک دن ایک مہینے کی برابر، ایک دن ایک ہفتے کی برابر اور باقی ایام تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا جو دن سال کے برابر ہو گا کیا اس میں ہمارے لئے صرف ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں مقدار کا اندازہ کر لینا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کی سرعت رفتار کی کیا حالت ہو گی، فرمایا جیسے بادل جس کے پیچھے آندھی ہو۔ کچھ لوگوں کی طرف سے اس کا گزر ہو گا۔ ان کو وہ اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے گا وہ مان لیں گے۔ دجال آسمان کو حکم دے گا ان پر بارش ہو جائے۔ فوراً بارش ہو جائے گی۔ زمین کو حکم دے گا سبزہ پیدا کر۔ فوراً زمین سرسبز ہو جائے گی۔ ان کے اونٹ جنگل سے چر کر واپس لوٹیں گے تو ان کے کوہن خوب اونچے، تھن خوب لمبے دودھ سے بھرے ہوئے اور کوٹھیں (چادر کھانے کی وجہ سے) پھولی ہوں گی۔ اس کے بعد دجال کا گزر ایک اور قوم کی طرف ہو گا اور وہ ان کو دعوت دے گا وہ لوگ دجال کی دعوت کو رد کر دیں گے۔ جب دجال ان کے پاس سے لوٹے گا تو فوراً وہ

سب قتل زدہ ہو جائیں گے۔ کوئی چیز ان کے دل میں سے باقی نہیں رہے گا۔ جہاں وہ رہنے کی طرف سے گزرے گا اور حکم دے گا اپنے دینے پر کہہ کر دے۔ فوراً وہ رہنے سے دینے لکل کر شد کی کھینوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو جائیں گے۔ پھر وہ جہاں ایک شخص کو طلب کرے گا جو جوتلی سے بھر پور ہو گا اور کھولے اس کے دو کھولے کر کے طحہ طحہ دو طرف کو سائی تیر کے قاصدے پر رکھ دے گا اور (اس شخص کو) کو توڑ دے گا (دونوں کھولے جڑ کر کوہ شخص زندہ ہو جائے گا، اور ہنستا کھٹکھٹاتا چلا آئے گا، وہ جہاں اسی حال میں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ، عیسیٰ بن مریم کو بھیج دے گا۔ آپ دمشق کے مشرقی جانب سفید میدانوں کے پاس (یا) مدینے پر کوہ فرشتوں کے بادلوں پر اپنے ہاتھ رکھے اتریں گے، سر جھکائیں گے تب لور سر اٹھائیں گے تب بسنے کے قطرے چاندی کے موتوں کی طرح آپ کے چہرے سے لڑھک کر گریں گے آپ کے سانس کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نگاہ پہنچے گی۔ حضرت عیسیٰ وہ جہاں کی تلاش کریں گے لور لد (ایک بستی کا نام جو فلسطین میں ہے) کے پاس پہنچ کر وہاں کو قتل کریں گے اس کے بعد آپ ان لوگوں کے پاس پہنچیں گے جن کو اللہ نے وہاں کے شر سے محفوظ رکھا ہو گا ان کے چہروں سے غبار صاف کریں گے اور جنت میں ان کے درجات جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں اس کی بشارت دیں گے، اسی دوران میں حضرت عیسیٰ کے پاس وحی آئے گی کہ میں (سداذہقرنین سے) اپنے ان بندوں کو نکال کر لے آیا ہوں جن سے لڑنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے (یعنی سداذہقرنین) گیا لور یا جوج و ما جوج اندر آگئے ہیں) آپ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر حصار بند ہو جائیں۔ حضرت عیسیٰ حکم کی تعمیل کریں گے یا جوج و ما جوج آجائیں گے ہر نیلہ کی آڑ سے لکل کر پھیل پڑیں گے ان کا اکھا کوہ بحیرہ طبریہ (بحیرہ مردار) پر پہنچ کر تھام پانی پی جائے گا۔ پچھلا کوہ جب بحیرہ طبریہ پر پہنچے گا تو وہ کے گا یہاں بھی پانی ضرور تھا (یعنی صرف کی کو دیکھ کر ان کی یہ رائے ہو گی کہ یہاں بھی پانی ضرور تھا) حضرت عیسیٰ اپنے ساتھیوں کو لئے حصار بند رہیں گے (لور پہاڑ پر اتنی غذائی قلت ہو جائے گی کہ) جتنی سود بیکری تم لوگوں کی نظر میں آج قیمت تھی اس سے زیادہ اس زمانہ میں گائے تیل کی ایک سری کی ان کی نظر میں قدر ہو گی۔ حضرت عیسیٰ لور آپ کے ساتھی اللہ سے دعا کرتے رہیں گے، آخر اللہ یا جوج و ما جوج کی گردنوں میں جراثیمی پھنسیاں پیدا کر دے گا جن کی وجہ سے وہ سب کے سب یکدم ایک آدمی کی طرح مر جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ ساتھیوں کو لے کر پہاڑ سے نیچے اتریں گے لیکن ان کو زمین پر ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں (یا جوج و ما جوج کی لاشوں کی) خون لور سزا نہ پھیلی ہوئی نہ ہو آپ لور آپ کے ساتھی دعا کریں گے اللہ ایسے پرندے بھیج دے گا جو تختی لونٹوں کی گردنوں جیسے ہوں گے یہ پرندے تمام لاشوں کو اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ کی مرضی ہو گی، پھر حکم خدا ایک عظیم بدش ہو گی جو ہر گھر میں پہنچے گی ڈیرہ، خیمہ ہو یا مٹی کا بنا ہو امکان بدش کو کوئی آرزو نہ سے کسی بدش سے سدا زمین دخل کر صاف چھٹی ہو جائے گی، پھر اللہ کے حکم سے زمین میں غلہ اور پھلوں کی خوب پیداوار ہو گی، حاصل مرضی میں بڑی برکت ہو گی اور یہ حالت ہو جائے گی کہ ایک اٹار ایک گروہ کے کھانے کے لئے کافی ہو گا۔ ایک جماعت کے لئے ساکن کا کام دے گا۔ دودھ میں بھی بڑی برکت ہو گی ایک لونٹنی کا دودھ چاریراں آدمیوں کے لئے کافی ہو گا اور ایک گائے کا دودھ پورے قبیلہ کو لور ایک بکری کا دودھ قبیلہ کی ایک شاخ کے لئے کفایت کرے گا۔ ان حالت میں اللہ ایک خوشبو لور ہو اچلا دے گا اور یہ ہو اہر شخص کے بغل کے نیچے (یعنی پسو پر) کے کسی جو من لور جسم پر ہو گا اس کی روح ہو اکا جہ نکالتے ہی پرواز کر جائے گی لور صرف برے لوگ زمین پر رہ جائیں گے جو کہ حوالہ کی طرح لڑتے رہیں گے انہی کی قیامت برپا ہو گی۔ مسلم کی دوسری روایت میں اتنا لور آتا ہے کہ طبرہ یہ جھیل پہنچ کر پچھلا کوہ لے گا یہاں بھی پانی تھا اس سے بعد یا جوج و ما جوج کوہ شر پر پہنچیں گے کوہ شریعت المقدس کے ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں تخیلی شخص کے نام سے زمین واہوں کو قتل کر دیا آداب آمان والوں کو قتل کریں یہ کہہ کر آسمان کی طرف پھوٹے تھے چینیوں کے اللہ ان سے تیراں و انوں سے زمین کر کے لور سے گا (تیراں کو خون سے رنگا ہو لور طحہ کوہ خوش ہو جائیں گے لور مذہبی روایت میں ہے کہ پرندے ان کی لاشوں کو اٹھا کر ان کو لور غاروں میں پھینک دیں گے لور مسلمان ان سے تیراں، کمانوں لور ترکشاں کو سات برتن تک ایندھن

کے طور پر جلائیں گے۔ بغوی نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا پھر ماجون و ماجون سمندر پر پہنچ کر اس کا پانی پی جائیں گے اور سارے سمندری چوبائے اور جانور کھا جائیں گے۔ یہاں تک کہ لکڑیاں اور درخت بھی اور جو آدمی ان کے پتے میں آجائے گا اس کو بھی کھا جائیں گے لیکن مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس میں نہیں پہنچ سکیں گے۔ بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماجون و ماجون کے بعد کعبہ کا حج اور عمرہ کیا جائے گا۔

اور ہم اس روز ان کی یہ حالت کریں گے کہ  
وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ  
ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے۔

بعض علماء نے کہا یہ واقعہ اس وقت ہو گا جب ماجون و ماجون سد کو توڑ چکے ہوں گے یعنی دیوار توڑ کر ماجون و ماجون پانی کی طرح لہریں مارتے داخل ہوں گے کثرت اور ریل ریل کی وجہ سے ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہے گا اور آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ بعض کا قول ہے کہ ایسا واقعہ اس وقت ہو گا کہ قیامت پھا ہو جائے گی اور لوگ قبروں سے باہر آجائیں گے۔ اور جنات بھی انسانوں کے ساتھ گڈمڈ ہو جائیں گے اور سب حیرت میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اس تفسیر کی تائید آئندہ آیت سے ہو رہی ہے۔

اور (قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھانے کے لئے) صور پھونکا جائے گا۔ یہ وقت  
وَنُفِخَ فِي الصُّورِ  
قیامت برپا ہونے کا ہو گا۔

اور (حساب و سزا و جزا کیلئے) ہم سب مخلوق کو ایک ہموار میدان میں جمع کریں گے۔  
فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا  
وَعَرْضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا  
اور اس روز جہنم کو ہم  
کافروں کے بالکل سامنے لے آئیں گے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیں گے۔

جن کی آنکھوں پر میری یاد کی طرف سے  
الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي  
پردہ پڑا ہوا تھا۔ غطاء کسی چیز کو چھپانے والا پردہ ذکر سے مراد ہے ان دلائل و براہین کو دیکھنا جن سے اللہ کی ذات و صفات کا ثبوت ہو رہا ہے (یعنی ان کی آنکھوں پر غفلت اور ضد اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان کو اللہ کی ذات و صفات کی توجیہ و عظمت دکھائی نہیں دیتی تھی)

اور (ان کے کانوں میں ڈاٹیں تھیں) وہ سن نہیں سکتے تھے  
وَكَاذِبُوا لَا يَسْمَعُونَ سَمْعًا

یعنی میری توحید، الوہیت اور ربوبیت کو یاد دلانے والے دلائل اور میرے کلام اور ہدایت آفریں بات کو سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ نے ان کے لئے شقاوت لکھ دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے امتیاز کی دشمنی اور عناد و ضد کو ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ کافروں کا میدان اللہ کا اسمِ مُضْمَل تھا (یعنی اسمِ مُضْمَل کا پرتوان پر پڑا تھا پس تخلیقاً وہ منظر منالیت تھے اس لئے ان کا ہدایت یاب ہونا ناممکن تھا مکمل تشریح ہم کئی مقامات پر کر چکے۔ تعین خلق کے مبادی صفات الہیہ ہیں۔ صفات الہیہ کا پرتو مخلوق پر پڑا ہے جس کی وجہ سے کوئی ہدایت یافتہ اور کوئی گمراہ ہو گیا، یہ تفصیل کئی جگہ کر دی گئی ہے)

أَتَحْسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَغَفَّرُوا عِبَادِي مِنْ دُونِ أَوْلِيَاءِهِمْ  
سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز (یعنی معبود و حاجت روا) قرار دیں۔

عبادی سے مراد ہیں فرشتے، مسیح، عزیز۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ شیطان مراد ہیں جن کی اطاعت اللہ کے سوا کفار کرتے ہیں۔ مقاتل کے نزدیک بت مراد ہیں بتوں کو اس جگہ اصنام کہا گیا اسی طرح جس طرح آیت إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ فِي سَمْعِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ یعنی کارساز، رب یا سفارشی، شفاعت کرنے والے۔ استفہام انکاری ہے یعنی کافر جیسا خیال کرتے ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے ان کے معبود ان کے دشمن ہیں قیامت کے دن ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے، نیک بندے تو کافروں کے دشمن ہی ہیں اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ رہے شیاطین اور بت تو یہ بھی

قیامت کے دن باہم تکفیر کریں گے، ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور اپنے پرستاروں سے سب اظہار نفرت و براءت کریں گے۔  
**اِنَّا اَعْتَدْنَا لِجَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝۱۵**  
 رکھا ہے۔

نزل مقام نزول یا طعام مسمانی۔ آیت میں کافروں کے لئے استہزاء کے طور پر جہنم کو طعام ضیافت قرار دیا گیا ہے۔  
**قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِينَ اَعْمَالًا ۝۱۶ الْكَافِرِينَ ۝۱۷ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ**  
**يَحْسِبُوْنَ صُنْعًا ۝۱۸**

آپ کہہ دیجئے کیا ہم تم کو بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھائے میں کون لوگ ہوں گے۔ سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے کہ دنیوی زندگی میں کی ہوئی ان کی ساری کوششیں (اکارت اور رایگاں) جائیں گی اور وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا آیت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں سے مراد ہیں عیسائی اور یہودی جو اپنے گروہ کو حق پر سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی۔ بعض کے نزدیک وہ تارک الدنیا خانقاہ نشین راہب مراد ہیں جو اپنے خیال میں آخرت کے طالب اور لذت دنیا سے روگرداں ہیں حالانکہ وہ شریعت اسلامیہ کے منکر ہیں ان کی یہ ساری کوششیں سراب اور ناکارہ ثابت ہوں گی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا حروراء والے (یعنی خارجی) مراد ہیں خارجیوں کا فرقہ ہی سب سے پہلا گروہ تھا جس نے صحابہ کرام اور صحابہ کے رفقاء کے خلاف بغاوت کی اور بغاوت کو حق سمجھا۔ حضرت علیؓ کے اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں بدعتی اور نفسانی میلانات کے پرستار مراد ہیں (جن کے سرگروہ اور موسس خارجی تھے) پس معتزلہ، روافض اور اہل سنت کے تمام مخالف اسی حکم میں داخل ہیں۔ میں کہتا ہوں آیت کا کھلا ہوا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں کفار مراد ہیں جو قیامت قائم ہونے اور دوسری جسمانی زندگی پانے کے منکر تھے اور دنیوی فائدہ ہی ان کا مقصود زندگی تھا اس زندگی کے منافع جن طریقوں سے وابستہ ان کو نظر آتے تھے انہی راستوں پر چلتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ اس دنیا کے سوا کوئی اور زندگی نہیں اگر کوئی شخص آخرت کی تمنا میں ایسے کام کرتا ہے جن سے دنیوی منافع میں نقصان ہوتا ہے تو ایسا آدمی بے وقوف ہے۔

یہ ہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب  
**اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِنَا وَلِقَآئِهِ**  
 کی آیات اور اللہ سے ملنے کا انکار کیا۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے منکر ہوئے۔ آیت میں (در پردہ ان لوگوں پر بھی) شیعہ ہے جو قیامت اور حشر و نشر کے تو قائل ہیں، لیکن اعمال دنیوی کو اعمال اخروی پر ترجیح دیتے ہیں، ہمیشہ ساری زندگی دنیا کو سنبھالنے اور سنوارنے میں لگائے رکھتے ہیں، آخرت کا ان کو تصور بھی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو شیدوہ آدمی ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے حکم کا تابع رکھا اور مرنے کے بعد (دالی زندگی) کے لئے کام کئے اور بے عقل وہ آدمی ہے جو نفس کا پیرو رہا اور اللہ پر اس نے (جھوٹی) آرزو بندی کی (یعنی اللہ کی تمنا سے اور عذاب دینے کی طرف سے غافل رہا اور جو دل چاہا وہ کیا اور یہ خیال کر لیا کہ اللہ رحیم ہے کریم ہے وہ یقیناً معاف کر ہی دے گا) رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم بسند صحیح عن انس۔

اگر آیت میں یہودی اور عیسائی مراد ہوں تو آیات رب اور ملاقات رب کے انکار کا یہ مطلب ہو گا کہ (اگرچہ یہ لوگ قیامت کا اقرار کرتے ہیں مگر) قیامت کی جو واقعی تشریح ہے اس کے منکر ہیں یا (اپنے گروہ کے لئے) عذاب پانے کے منکر ہیں۔  
**فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝۱۹**  
 سارے اعمال غارت ہو گئے قیامت کے روز ہم ان کے نیک اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔

**اَعْمَالُهُمْ** یعنی وہ کام جو دنیا کمانے کے لئے انہوں نے کئے تھے یا وہ اعمال جو اخروی ثواب کی خاطر انہوں نے کئے تھے، لیکن ثواب سے محروم رہیں گے، کیونکہ نیک اعمال قبول ہونے کی بنیادی شرط ایمان ہے اور وہ کافر تھے، وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ اللہ ان کے ان اعمال کا اعتبار نہیں کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) بعض بڑے موٹے آدمی ایسے آئیں گے کہ چھبر کے برکی برابر بھی اللہ کے نزدیک ان کا وزن نہ ہوگا (اس کی تصدیق کے لئے) پڑھو فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا رواہ البخاری و مسلم و فی الصحیحین۔

ابو نعیم اور اجزی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ بعض طاقت ور، مضبوط، پر خور آدمیوں کو (قیامت کے دن میزان (کے پلڑہ) میں رکھا جائے گا لیکن اس کا وزن جو برابر بھی نہ ہوگا، فرشتہ ایسے ستر بزار آدمیوں کو ایک ہی دھکا دے کر پھینک دے گا۔ یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کے اعمال تو لے کے لئے میزان قائم ہی نہیں کی جائے گی۔ ان کے اعمال کی وزن کشی ہی نہیں ہوگی بلکہ بغیر وزن کئے ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن اعمال کو وہ نیکیاں خیال کرتے ہیں میزان عدل میں ان اعمال کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

بغوی نے ابو سعید خدریؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال لے کر آئیں گے جو ان کی نظر میں اتنے بڑے ہوں گے جیسے تمامہ کے پہاڑ، لیکن تو لے کے بعد ان کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا، یہی مطلب ہے آیت فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔

سیوطی نے لکھا ہے کیا اعمال کی وزن کشی صرف اہل ایمان کیلئے ہوگی اور کافروں کے اعمال تو لے ہی نہ جائیں گے۔ یا کافروں کے اعمال کی ہی وزن کشی ہوگی۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ کچھ علماء بول قول کے قائل ہیں اور کچھ علماء وزن کشی کے عموم کے قائل ہیں۔ اول گروہ اپنے قول کی تائید میں آیت فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کو پیش کرتا ہے۔ دوسرا گروہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے اعمال تو لے نہیں جائیں گے بلکہ مجازی معنی مراد ہے یعنی ان کے اعمال قابل اعتبار نہ ہوں گے۔ کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے وَمَنْ حَقَّتْ مُوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ کیونکہ ان کے اعمال کا وزن نہ ہوگا (نہ ہر مومن کے اعمال کا نہ ہر کافر کے اعمال کا) جو لوگ بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے ان کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا (جب حساب ہی نہیں تو وزن کیسا) اسی طرح کچھ لوگ بلا حساب دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے ان کے اعمال کا بھی وزن نہ ہوگا۔ انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسَبِّحَاهُمْ الْخ۔ علامہ سیوطی نے فرمایا قرطبی کا یہ قول جامع ہے اور دونوں آیات میں تضاد کو دور کرتا ہے، جس فریق کو نوراً جنم میں بھیج دیا جائے گا اس کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا۔ باقی کافروں کے اعمال تو لے کیلئے میزان قائم کی جائے گی۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید جن کافروں کا آیت مذکورہ میں ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد منافق اور اہل کتاب ہوں۔ منافق تو قیامت کے دن (شروع میں چھٹائی سے پہلے) مسلمانوں کے گروہ میں شامل رہیں گے اور اہل کتاب کسی دوسرے معبود کی طرف مشرکوں کی طرح نہیں جائیں گے۔ ہر مشرک اس معبود کے پیچھے چلا جائے گا جس کو وہ پوجا کرتا تھا اہل کتاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝۱۶

(بلکہ ان کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔ ذٰلِكَ یعنی بات یہی ہے۔ بِمَا كَفَرُوا میں ما مصدری ہے اور با سببی یعنی کفر کرنے اور میرے احکام اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنانے کے سبب ان کی سزا جنم ہوگی۔ هُزُوًا وہ چیز یا شخص جس کا مذاق بنایا جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتُ الْاٰلِفٰرِدٰوْسِ نَزْوًا ۝۱۷

پیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ كَانَتْ لَهُمْ یعنی اللہ کے سابق حکم اور وعدہ میں جنات فردوس نیکو کار مومنوں کا مسکن ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے مانگا کرو تو فردوس ملنے کی دعا کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے وسط میں ہے اور دوسری

جنتوں سے اعلیٰ ہے، اس کے لوپر حُسن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سرسبز نکلتی ہیں۔ متفق علیہ۔  
ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان، فردوس  
جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے اسی سے جنت کی چاروں سرسبز نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہے جب اللہ سے تم (جنت ملنے  
کی) دعا کیا کرو تو فردوس کی دعا کیا کرو۔

بزار نے حضرت عرباض بن ساریہؓ کے حوالہ سے اور طبرانی نے حضرت ابولماتہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ  
نے فرمایا جب اللہ سے تم دعا کرو تو (جنت) فردوس مانگا کرو وہ دوسری ساری جنتوں سے اونچی ہے۔ حضرت ابولماتہؓ کی روایت میں  
اتنا اور بھی ہے کہ فردوس والے عرش کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں (یعنی فردوس اور عرش کے درمیان کوئی دوسری جنت حائل نہیں ہے)  
بغوی نے حضرت کعبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنتوں میں فردوس سے اونچی کوئی جنت نہیں ہے۔ بھلائی کا حکم دینے  
والے اور برائی سے روکنے والے اسی میں داخل ہوں گے۔ مقاتل نے کہا فردوس جنت کا ٹیلہ (یعنی سب سے بلند) سب سے  
اعلیٰ، سب سے افضل اور سب سے زیادہ برکت ہے۔ امام احمد طرابلسی اور بیہقی نے حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا کہ  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فردوس کی چار جنتیں ہیں دو سونے کی جن کی آرائش کی چیزیں اور مکان اور ہر چیز سونے کی ہے اور دو  
جنتیں چاندی کی ہیں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنت کا نام فردوس ہے لیکن صحیح اول قول ہے (کہ فردوس ایک  
خاص جنت کا نام ہے) اور اس حدیث میں رلوی سے کچھ سو ہو گیا ہے (اس لئے ناقابل اعتبار ہے) کیا فردوس سے اس کا لغوی معنی  
مرلو ہے۔ کعب نے کہا فردوس لغت میں انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ نے کہا حبشی زبان میں فردوس گھنے باغ کو کہا جاتا  
ہے۔ زجاج نے کہا یہ لفظ رومی ہے مقول ہو کر عربی میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔ ضحاک نے کہا فردوس اس گھنے باغ کو کہتے ہیں  
جس کے درخت باہم گھٹے ہوئے ہوں۔ بعض علماء نے کہا ہر پسندیدہ خوبصورت باغ کو فردوس کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک  
فردوس ایسے باغ کو کہتے ہیں جس میں طرح طرح کا سبزہ اگا ہو اور فردوس کی جمع فرادیس آتی ہے۔

فردوس کے یہ تمام لغوی معانی ہیں جو حدیث مذکور میں مراد ہے۔ رہا علمی اور معین اسمی معنی تو وہی ہے جو اول الذکر  
حدیث اور آیت میں مراد ہے یعنی فردوس ایک ایسی جنت کا نام ہے جو سب سے اونچی اور افضل ہے۔

اگر آیت میں فردوس کا لغوی معنی مرلو ہو تو نیکو کار اہل ایمان سے بھی عام اہل ایمان مراد ہوں گے اور اگر فردوس سے  
مرلو کوئی مخصوص جنت ہو تو اہل ایمان سے مراد کامل حقیقی ایماندار ہوں گے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ  
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے فردوس کو پیدا کیا اور مشرک نیز دوامی عادی شراب خور کے لئے اس کو  
ممنوع کر دیا۔

ابن ابی الدنیانے صفت الجنۃ میں حضرت عبد اللہ بن حارث بن نوفلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا اللہ نے تین چیزیں اپنے دست (خاص) سے بنائیں آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا، توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور فردوس کو اپنے  
ہاتھ سے لکھا اور فرمایا قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اسکے اندر نہ کوئی دوامی خور شراب داخل ہوگا، نہ دیوث (بھاڑو) صحابہ نے عرض  
کیا یا رسول اللہ دیوث کا کیا مطلب فرمایا وہ شخص جو اپنی بیوی کے اندر برے کام (یعنی زنا) کو ٹھہرائے (یعنی بیوی کی بھاڑ کھائے)  
وہ جنات الفردوس میں ہمیشہ رہیں گے اس سے ہٹانہ

چاہیں گے۔ کیونکہ جنت سے زیادہ نفیس، اعلیٰ، عمدہ کوئی چیز ہی نہیں ہوگی کہ وہ جنت کو چھوڑ کر اس کی طرف راغب ہوں۔ یہ  
بھی ہو سکتا ہے کہ لَا یَبْعُونَ سے خَالِدِیْنِ کی طرف تائید مقصود ہو۔

حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش نے یہودیوں سے (مدینہ میں جا کر) کہا ہم کو کچھ ایسے

سوال بتاؤ کہ ہم جا کر اس شخص سے یعنی رسول اللہ سے بطور امتحان دریافت کریں۔ یہودیوں نے کہا آپ لوگ اس شخص سے روح کے متعلق دریافت کریں۔ قریش نے آکر رسول اللہ سے روح کے متعلق سوال کیا اس پر آیت **يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا** نازل ہوئی یہودی کہنے لگے ہم کو تو علم کثیر حاصل ہے ہم کو توریت دی گئی ہے اور جس کو توریت دی گئی اس کو خیر کثیر مل گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

**قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتِي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَعَكَلِمَتِي رِقِي وَلَوْ جُمِعَتْ أَيْمُنًا مَدَدًا ۝۱۷**

آپ کہہ دیجئے کہ سمندر (کا سارا پانی) اگر میرے رب کے (علم و حکمت کے) کلمات (لکھنے) کے لئے روشنائی ہو جائے (اور کلمات رب قلم سے لکھے جائیں) تو کلمات رب کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا (کیونکہ سمندر کا پانی تنہا ہی ہے اس کی مقدار محدود ہے اور کلمات رب لامتناہی اور غیر محدود ہیں) خواہ ہم اس موجود سمندر کی طرح اتنی ہی اس میں زیادتی بھی کر دیں۔ کیونکہ تنہا ہی کا مجموعہ تنہا ہی ہوتا ہے، سمندر تنہا ہی ہے اگر اتنا ہی بڑا ایک اور سمندر اس کے ساتھ ملا دیا جائے اور تمام پانی روشنائی بن جائے تو وہ مجموعہ بھی تنہا ہی ہوگا۔ بلکہ عالم امکان میں جو چیز موجود ہے یا موجود ہونے والی ہے جب وہ موجود ہوگی تو تنہا ہی ہوگی غیر تنہا ہی مقدار کا وجود ہی محال ہے۔

بہذا گادہ چیز جس سے دوسری چیز کو مدد پہنچائی جائے جیسے دوات کے لئے روشنائی، چرلغ کے لئے تیل، اصل لغت کے لحاظ سے مدد کا معنی ہے زیادتی اور کسی چیز کا تواتر۔

میں کہتا ہوں سات سمندر اور اتنے ہی اور اگر روشنائی بن جائیں اور قلم کے ذریعہ سے اس روشنائی سے اللہ کے کلمات لکھے جائیں تو ناممکن ہے کہ کلمات کے ایک حصہ کے بھی تمام گزشتہ احوال لکھے جاسکیں۔ (کیونکہ جانب ماضی میں ہر حصہ کے احوال انگنت اور نامحدود ہیں) تنہا ہی غیر تنہا ہی کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

بنوئی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہودیوں نے کہا تھا آپ کا خیال ہے کہ ہم کو حکمت عطا کی گئی ہے اور آپ ہی کی کتاب میں یہ بھی ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اسکو خیر کثیر عطا کر دی گئی۔ پھر اب یہ اختلاف کیسا ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کے علم میں یقیناً خیر کثیر ہے درستی معاش و معاد کی اس کے اندر ہے، لیکن کلمات خداوندی کے سمندر تو اتنا ہی اور ناپیدا آثار ہیں ان کے مقابلہ میں تو یہ سارا علم ایک قطرہ ہے۔

**قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَدِيمٌ ۝۱۸** آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح انسان ہی ہوں (فرق یہ ہے کہ) میرے پاس وحی آئی کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو تواضع کی تعلیم دی تاکہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں لیکن اقرار بشریت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحب وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے میرے پاس وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

میں کہتا ہوں اس حکم سے ایک بہت بڑے فتنہ کا دروازہ بند ہو گیا جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے معجزات امت عیسیٰ نے دیکھے اندھوں کو بینا ہوتے، لاعلاج بیماروں کو تندرست ہوتے اور مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا، اللہ نے یہ معجزات حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے ظاہر فرمائے تو عیسائی چکر میں پھنس گئے (کسی نے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور کسی نے جزء الوہیت قرار دیا) رسول اللہ ﷺ کو تو اللہ نے حضرت عیسیٰ کے معجزات سے زیادہ معجزات عطا فرمائے تھے لوگوں کا فتنہ میں پڑ جانا غالب تھا۔ اس لئے حکم دیا کہ اپنی عبودیت اور اللہ کی توحید کا اعلان کر دیں۔

**فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝۱۹**

پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

يَرْجُو یعنی جو شخص اللہ کے سامنے جانے سے ڈرتا ہو اور اس کے ثواب اور دیدار کا خواہشمند ہو۔ بغوی نے لکھا ہے رَجَاء کا معنی خوف بھی ہے اور امید بھی۔ ایک شاعر نے دونوں معنی کے لئے ایک شعر میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

فَلَا كُلَّ مَا تَرْجُو مِنْ الْخَيْرِ كَأَنَّ  
وَلَا كُلَّ مَا تَرْجُو مِنْ الشَّرِّ وَاقِعٌ

یہ ضروری نہیں کہ جس خیر کے تم امیدوار ہو وہ ہوئی جائے اور نہ یہ لازم ہے کہ جس شر سے تم ڈرتے ہو وہ شر واقع ہی ہو جائے، کبھی خیر کی جگہ شر واقع ہو جاتی ہے اور کبھی شر کی جگہ خیر مل جاتی ہے۔ عَمَلًا صَالِحًا یعنی اللہ کی پسند کا کام کرے۔ وَلَا يُشْرِكُ یعنی لوگوں کو دکھانے کیلئے نیک کام نہ کرے، نہ سوائے اللہ کے کسی عمل صالح کی تعریف اور جزا کا کسی سے امیدوار ہو۔

ابن ابی الدنیاء نے کتاب الاخلاص میں اور ابن ابی حاتم نے طاووس کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں موقف (حج) میں کھڑا ہوتا ہوں اللہ کی خوشنودی کا خواستگار ہوتا ہے لیکن یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرا اس جگہ موجود ہونا دیکھ لیا جائے۔ (یعنی لوگ مجھے اس جگہ کھڑا دیکھ لیں) حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُو الْخَيْرَ نَازِلَ ہوئی۔ حدیث مرسل ہے، حاکم نے متدرک میں اس کو موصولاً حضرت ابن عباسؓ کی روایت قرار دیا ہے اور شرط یسئین کے مطابق کہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان جہاد کرتا تھا، لیکن اس بات کو پسند کرتا تھا کہ جہاد کے اندر اس کی موجودگی کو لوگ دیکھ لیں اس پر آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُو الْخَيْرَ نَازِلَ ہوئی۔

ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابو نعیم نے سدی صغیر کے سلسلہ سے بروایت کلبی از ابو صالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جندب بن زہیر جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ و خیرات کرتے اور لوگوں میں آپ کی نیکی کا تذکرہ ہوتا تو آپ خوش ہوتے تھے اور خوش ہو کر عمل خیر میں اور زیادتی کرتے تھے اس پر آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُو الْخَيْرَ نَازِلَ ہوئی۔

### ایک شبہ

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے گھر کے اندر جانماز پڑھتا، اچانک ایک آدمی آگیا اور مجھے اس کے آنے سے اس بات پر خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے اس حالت میں یعنی جانماز پڑھتا دیکھا، حضور ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہؓ تیرے اوپر اللہ رحمت کرے تمہارے لئے دو ثواب ہیں ایک ثواب چھپ کر عبادت کرنے کا اور دوسرا ثواب ظاہر ہو جانے کا، ترمذی۔

مسلم نے حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا، فرمائیے اگر کوئی شخص نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو کیا اس کا عمل رائے گاں ہو جائے گا، فرمایا مومن کے لئے یہ فوری دنیوی بشارت ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ان احادیث کے خلاف ہیں جو آیت مذکورہ کے سبب نزول کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔

### ازالہ

دونوں میں کوئی تضاد نہیں، آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی عمل اللہ کے لئے کرتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کو نیکی کرتے دیکھیں یا لوگوں کے سامنے زیادہ نیکی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں تو ریا کاری اور شرک خفی ہے، باقی جو شخص کوئی نیک کام اللہ کے واسطے کرتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ پاتے ہیں اور تعریف کرنے لگتے ہیں اور وہ اس سے خوشی محسوس کرتا ہے تو چونکہ وہ نیکی لوگوں کو دکھانے اور تعریف کرانے کے لئے نہیں کرتا، نہ لوگوں سے



کوئی معاوضہ چاہتا ہے۔ نہ لوگوں کے دکھانے کے لئے عمل خیر میں اضافہ کرتا ہے، اس لئے یہ ریاکاری نہیں بلکہ یہ اس کے لئے فوری خوشی ہے اور اس کے لئے دوہرا اجر ہے ایک چھپا کر عبادت کرنے کا دوسرا ظاہر ہو جانے کا۔ واللہ اعلم۔  
حضرت جنید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے کے لئے نیکی کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرتا اور جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نیکی کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ دکھاوٹ کا برتاؤ کرتا ہے۔  
متفق علیہ۔

حضرت محمود بن لبید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے، فرمایا، ریاکاری۔ رواہ احمد۔ یہی نے شعب الایمان میں اتنا زیادہ نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کے موافق بدلہ دے گا ان سے فرمادے گا انہیں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم نیکی کرتے تھے جا کر دیکھو کیا ان کے پاس تم کو نیکی کی جزایا کوئی خبر ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا، شرک اصغر سے بچو لوگوں نے کہا شرک اصغر کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا، ریاکاری، انرجہ ابن مردویہ فی التفسیر والا صہبانی فی الترغیب والترہیب۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے، میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو شخص کسی نیک عمل میں میرے ساتھ کسی کو ساتھ دے دیتا ہے یعنی نیک عمل سے کسی اور کی بھی خوشنودی چاہتا ہے میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں، دوسری روایت میں ہے، میں اس سے بیزار ہوں اس کا عمل اسی کے لئے ہو گا جس کے لئے اس نے کیا ہو گا۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابو سعید بن ابی فضالہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے ناقابل شک دن میں جب لوگوں کو اللہ جمع کرے گا تو اللہ کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا جس نے اپنے کئے ہوئے نیک عمل میں کسی کو اللہ کا سا جھمی بنایا ہو وہ اپنا ثواب اسی کے پاس جا کر طلب کرے، اللہ شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے، رواہ احمد والترمذی واہن ماجتہ واہن حبان واہن یحییٰ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، جو شخص اپنا نیک عمل لوگوں کو سنانے کے لئے کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرے گا، اس کو خیف کرے گا، حقیر کرے گا اور اس کی توہین کرے گا۔ رواہ احمد والیہی فی شعب الایمان۔

حضرت شداد بن اوس نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس نے دکھاوٹ کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوٹ کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوٹ کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا۔ امام احمد نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سر بھر اعمال نامے لا کر بارگاہ الہی میں حاضر کئے جائیں گے، اللہ فرمائے گا ان کو پھینک دو اور ان کو قبول کر لو (یعنی بعض اعمال ناموں کو پھینک دینے اور بعض کو قبول کرنے کا حکم دے گا) فرشتے عرض کریں گے تیری عزت کی قسم ہم نے تو وہی لکھا ہے جو اس نے کیا تھا (یعنی اندراج غلط نہیں ہے) اللہ فرمائے گا (یہ ساقط کردہ) اعمال میرے سوا دوسروں کے لئے کئے گئے تھے اور میں آج وہی اعمال قبول کروں گا جو محض میرے لئے کئے گئے ہوں۔

طبرانی نے الاوسط میں اور اصہبانی نے الترغیب میں اور بزار نیز دارقطنی نے شہر بن عطیہ کی روایت سے بیان کیا کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حساب کے لئے پیش کیا جائے گا اور ان کے اعمال ناموں میں پہاڑوں جیسی نیکیاں درج ہوں گی، رب العزت فرمائے گا تو نے فلاں دن نماز پڑھی تھی اور اس لئے پڑھی تھی کہ تجھے لوگوں میں نمازی کہا جائے، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہئے، تو نے فلاں دن روزہ رکھا تھا تاکہ لوگ کہیں فلاں شخص نے روزہ رکھا، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہئے۔ اس طرح ایک کے بعد ایک اس



پوری حالت میں ایک نور ہو گا جو خواب گاہ سے مکہ تک جگمگائے گا، اس نور کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو اٹھنے کے وقت تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے، اگر اس کی خواب گاہ مکہ میں ہوگی تو خواب گاہ سے بیت المعمور تک اس کے لئے نور جگمگائے گا جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو بیدار ہونے تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے۔ آخر جب ابن مردویہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے رات کو فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا سے آخر تک پڑھا اس کے لئے عدن سے مکہ تک نور ہو گا جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے۔ (ازالہ الخفاء)

حضرت ابو سعید خدریؓ رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز سورہ کف پڑھی اس کے لئے اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک ایک نور چمکتا رہے گا۔ رواہ الحاکم و صحیح ابویسعی فی الدعوات الکبیر۔ یہی ہے شعب الایمان میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جس نے جمعہ کے روز سورہ کف پڑھی تو اس کے پاس سے کعبہ تک اس کے لئے نور چمکتا رہے گا۔ حضرت براء بن عازبؓ رلوی ہیں کہ ایک شخص سورہ کف پڑھا رہا تھا اس پر ایک نور لینی بادل چھلیا ہوا تھا، جو چکر کھا رہا تھا اور اس شخص کے قریب آ رہا تھا۔ ایک گھوڑا قریب ہی رسیوں سے بندھا ہوا تھا، وہ یہ منظر دیکھ کر بدکنے لگا (جب وہ شخص پڑھنے سے رکتا تھا گھوڑا بھی بدکنے سے قوی ہو کر دیتا تھا، پھر وہ شخص پڑھتا تھا تو گھوڑا بھی بدکنے سے رکتا تھا۔ صبح کو خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اس شخص نے یہ سرگزشت بیان کی فرمایا، وہ (نور) سیکڑے تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ متفق علیہ۔

اللہ کی مدد سے سورہ کف کی تفسیر بروز جمعہ شنبہ ۱۳۰۲ھ کو ختم ہوئی۔

بِحَمْدِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ

تفسیر سورہ کف کا ترجمہ مع تشریحی اضافات ۱۶ جیب ۱۳۸۸ھ کو ختم ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## سورہ مریم

سورہ مریم مکی ہے اس میں (۹۸) آیات ہیں۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كَهَيِّصَ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِرْتَا ۝ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝

یہ تذکرہ ہے آپ کے رب کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندے زکریا پر۔ جب کہ انہوں نے

اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

اگر کَہَيِّصَ سے مراد قرآن یا سورت ہو تو ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ خبر ہوگی اور کَہَيِّصَ مبتدا یا مبتداء محذوف ہے یعنی ہَذَا ذِکْرُ رَحْمَةٍ۔ یا ذِکْرُ مَبْتَدَا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی ذِکْرُ رَحْمَةٍ رَبِّكَ بتلی عَلَیْكَ عَبْدُہُ۔ رَحْمَتِ یا ذِکْرُ کا مفعول ہے اور زَکِرْتَا عَبْدًا سے بدل ہے۔

نِدَاءً خَفِيًّا یعنی زکریا نے اپنے عبادت خانہ میں پوشیدہ طور پر رات کو اپنے رب کو پکارا۔ پوشیدہ دعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، پوشیدہ دعا کرنا سنت ہے، دعا کا طریقہ ہی یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر کرے۔

(اور) عرض کیا اے

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهْنَ الْعِظْمِ مِیْتٰی وَاشْتَعَلَ الرَّاسُ شَیْبًا ۝

میرے رب میری ہڈیاں پیری کی وجہ سے کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔

وَهْنُ الْعِظْمِ ہڈی کمزور ہو گئی یعنی میں ضعیف ہو گیا، ہڈیاں سارے بدن کے ستون ہیں، ڈھانچہ ہیں۔ ہڈیاں کمزور ہو گئیں تو سارے اعضاء کمزور ہو گئے ہڈیاں باقی اجزاء بدن سے سخت ہیں، جب ہڈیاں کمزور ہو گئیں تو دوسرے اجزاء کا زیادہ کمزور ہو جانا ضروری ہے۔ الْعِظْمُ اسم جنس ہے کثیر پر بھی جنس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی فی نفسہ ہڈی کمزور ہو گئی کسی جگہ کی ہو۔

وَاشْتَعَلَ الرَّاسُ شَیْبًا یعنی سراسر سفید ہو گیا۔ سفیدی بالوں میں ایسی پھیل گئی کہ گویا آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت زکریا کی اس وقت عمر کیا تھی، اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں عبد اللہ بن مبارک نے ساٹھ برس کہا ہے (ابن ابی حاتم) ثوری کے نزدیک ستر برس تھی (عبدالرزاق و ابن ابی حاتم نے ایک سو دس سال بتائی ہے۔ بیوی کی عمر اٹھانوے سال تھی)۔

وَلَمَّا اٰتٰنِیْ دُعَاۤیَکَ رَبِّ شَقِیًّا ۝

اور اے میرے رب میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہیں رہا، یعنی گزشتہ زندگی میں جب اور جو دعا میں نے تجھ سے کی تو نے قبول فرمائی، میری دعا کو قبول کرنا تیرا معمول رہا ہے اس لئے اب بھی مجھے تجھ سے دعا قبول ہونے کی امید ہے کیونکہ قبول دعا کا تو نے مجھے عادی بنا دیا ہے اور کریم اپنے امیدوار کو نامراد نہیں چھوڑتا۔ اس مطلب پر دُعَاۤیَکَ کی کَ کی طرف اضافت۔ اضافت الی المفعول ہوگی، یعنی کَ دُعَاۤیَکَ کا مفعول ہوگا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر کَ فاعل دعا ہو اور دعا کی اضافت اضافت الی الفاعل ہوگی۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ جب تو نے مجھے (ایمان کی طرف) دعوت دی میں نے تیری دعوت قبول کی، ایمان کو ترک کر کے بد بخت اور نامراد نہ ہوا، اب میرے ایمان کی برکت سے میری دعا قبول فرما۔

وَلَآ اِنِّیْ خِفْتُ الْمٰوٰلِیَ مِنْ ذُرِّۤیَّتِیْ وَكَانَتْ اٰمْرًاۤیْ حَاقِقًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ وَرِیًّا ۝ کِرِیْمًا ۝ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۝ وَاجْعَلْہٗ رَبِّ رَضِیًّا ۝



آیت زیر تفسیر کی رفتار بھی چاہتی ہے کہ **لَمْ يَخُنْ وَوَيْبَتْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ**، میں میراث سے مراد مالی میراث نہیں ہے کیونکہ تمام نسل یعقوب کا میراث کا وارث ہونا تو ممکن ہی نہیں تھا، پھر حضرت زکریا نبی برحق تھے آپ کی شان سے بعید تھا کہ اپنے چچا کے بیٹوں کے پاس اپنے مال کے پہنچنے کا ان کو ایسا اندیشہ ہو کہ وہ اس اندیشہ سے بیٹا ہونے کی دعا کریں تاکہ چچا کے بیٹوں کو میراث میں ان کا مال نہ پہنچ جائے۔

**وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا - رَضِيًّا** بمعنی مَرْضِيًّا یعنی تو اس کو اپنا پسندیدہ بنا، اس کے قول و عمل کو پسند فرمانا، **رَاضِيًّا** کے معنی میں ہے یعنی تو اس کو ایسا کر دینا کہ وہ دکھ سکھ ہر حال میں راضی رہے (تیرا شکوہ نہ کرنے لگے)

**يَذْكُرِكَا إِنَّا أَنْبَشُرُكَ بِعِلْمِ اسْمِهِ يَحْيَىٰ لَا سَمَّ نَجْعَلُ لَكَ مِنْ قَبْلِ سَمِيًّا ۝**

(اللہ نے فرمایا) اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکا (ہونے) کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام (ہماری طرف سے) یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے کوئی اس کا (ہم نامہا نظیر اور مثل) نہیں بنایا، یعنی تیری دعا کے موافق تیرا وارث ایک لڑکا ہو گا جس کا نام (بطور عزت افزائی) ہم نے یحییٰ رکھا ہے۔ قنادہ اور کلبی نے سَمِيًّا کا ترجمہ ہم نام کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ حضرت یحییٰ سے پہلے کسی کا نام سَمِيٌّ نہیں رکھا گیا، آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ نادر نام رکھنے میں کسی کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر اور عطاء نے سَمِيًّا کا ترجمہ شبیہ اور مثل کیا ہے، جس طرح آیت **هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا** میں سَمِيًّا کا معنی ہے مثل اور مشابہ۔ اس صورت میں بر قول بغوی یہ معنی ہو گا کہ سَمِيٌّ سے پہلے کوئی شخص ایسا نہیں ہوا کہ اس نے گناہ بھی نہ کیا ہو اور گناہ کی طرف اس کا میلان بھی نہ ہو اور۔ میں کہتا ہوں شاید اس سے یہ مراد ہے کہ بیشتر فضائل اس کے اندر موجود ہوں گے جن میں بعض جزئی فضائل دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں امتیازی ہوں گے جیسے حضور ہونا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ سَمِيٌّ بحیثیت مجموعی تمام گزشتہ انبیاء سے افضل ہوں گے۔ حضرت ابراہیم **صلی اللہ علیہ وسلم** حضرت موسیٰ **صلی اللہ علیہ وسلم** حضرت یحییٰ سے پہلے گزر چکے تھے اور حضرت یحییٰ سے افضل تھے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس **رضی اللہ عنہما** کا تفسیری قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ سے پہلے کسی بانجھ کے ایسا لڑکا پیدا نہیں ہوا، جو حضرت یحییٰ کی مثل ہوتا۔ (یہ قول بھی محل تامل ہے۔ حضرت اسحاق کی والدہ بھی بانجھ تھیں اور کسی آیت یا حدیث سے حضرت اسحاق سے حضرت یحییٰ کی برتری ثابت نہیں)۔

بیضاوی نے لکھا ہے یحییٰ عجمی نام ہے اور اگر عربی ہو تو نفل سے منقول ہو گا جیسے یعیش اور یعمر۔ بعض نے کہا، آپ کی وجہ سے والدہ کی رحم میں زندگی پیدا ہو گئی تھی یا آپ کی دعوت سے دین الہی زندہ ہو گا تھا۔

**قَالَ رَبِّ أَنْتَ يَا كَلِيمُ كَلِّمْهُ وَكَانَتْ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝**

زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہو گا میری تو بیوی بھی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ اُنسی یعنی کیسے ہو گا، یہ سوال انکاری نہیں، طلب کیفیت کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ بچہ کیسے ہو گا، ہم دونوں کو جو ان کر دیا جائے گا یا دونوں بوزھے ہی رہیں گے اور بچہ ہو جائے گا۔

حضرت زکریا کو بنظر اسباب تعجب ہو قدرت خدا میں ان کو کوئی **لَا مَوْلَا لَهُ** تھا جتنی عمر میں **عَسُوٌّ** تھا، **عَسُوٌّ** کا معنی ہے سرکشی اطاعت سے انکار، یہاں مراد ہے کمال پیری، زیادہ بوزھا آدمی بے قابو ہو جاتا ہے اس کے اعضاء حسب فشاء کام دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قنادہ نے کہا بیویوں کی لاغری مراد ہے عتیبی وہ بوزھا آدمی جس کی ہڈیاں خشکی کی طرف مائل ہو گئی ہوں، سوکھنے لگی ہوں۔ **عَسَا الشَّيْخُ** اس بوزھے کی عمر اتنا کو پہنچ گئی۔

**قَالَ كَذَلِكَ** (اللہ نے یا بشارت دینے والے فرشتے نے کہا) بات یونہی ہے (جیسی تم نے کسی بنظر اسباب بچہ کی پیدائش عجیب بھی ہے اور بعید بھی)۔

(اور) تیرے رب نے کہا میرے لئے یہ بات آسان ہے۔ مجھے اپنی فشاء کے

**قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْبَةٍ**

موافق کرنے میں ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔ قَالَ كَذَلِكَ كَايَهِ مَطْلَبٌ بَعِي هُو سَكْتَا هِي كِه زَكْرِيَا نِي كَمَا وَاَقْعَه يَكِي هِي هِي جُو مِي نِي عَرَضُ كَرْدِيَا۔

وَقَدْ خَلَقْتِكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝  
جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا، بالکل معدوم تھا اور معدوم کا معنی ہی کچھ نہ ہونا، آیت بتا رہی ہے کہ معدوم شئی نہیں (یعنی شئی کا اطلاق صرف موجود پر ہوتا ہے معدوم کو شئی نہیں کہا جاتا۔ مترجم)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۝  
زکریا نے کہا، اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے، جس سے میری بیوی کا حاملہ ہونا معلوم ہو جائے۔

قَالَ اَيْنِكَ اَلَا تَكَلَّمُ النَّاسُ ثَلَاثَ لَيَالٍ  
اللہ نے (یا فرشتہ نے) کہا تیرے لئے (حاصل کی) نشانی یہ ہے کہ تو تین راتیں (اور تین دن) لوگوں سے کلام نہ کر سکے گا۔ سورہ آل عمران میں بھی یہ قصہ آیا ہے وہاں بیان کر دیا گیا کہ حضرت زکریا تین دن تین رات کسی آدمی سے بات نہ کر سکے لیکن اللہ کا ذکر کرتے تھے تو زبان رواں ہو جاتی تھی اس لئے مسلسل تین روز ذکر و شکر میں مشغول رہے۔

سُوْرًا ۝  
ایسی حالت میں کہ صحیح سالم ہو گا یعنی کوئی بیماری لاحق نہ ہو گی، نہ گونگا بن ہو گا (نہ زبان کا فالج لے لو۔ مترجم) مجاہد نے کہا، کلام سے روکنے والا کوئی مرض نہ ہو گا۔ بعض علماء نے سُوْرًا کا ترجمہ کیا ہے مسلسل متواتر۔ اول ترجمہ زیادہ صحیح ہے۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝

اس کے بعد زکریا مسجد سے نکل کر قوم کے پاس آئے اور اشاروں سے ان سے کہا کہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔ الْمِحْرَابِ (اسم ظرف لڑائی کی جگہ) مراد مسجد کیونکہ مسجد شیطان سے لڑنے کی جگہ ہے۔ صاحب قاموس نے محراب کے متعدد معانی لکھے ہیں، بالاخانہ، گھر کے اندر صدر مقام، مسجد میں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ، وہ مقام جہاں بادشاہ تہائی میں سب سے الگ لوگوں سے دور رہتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے لوگ مسجد کے باہر منتظر تھے کہ زکریا اندر سے دروازہ کھول دیں تو وہ اندر جا کر نماز پڑھیں، اچانک زکریا دروازہ کھول کر باہر آگئے، چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا لوگوں نے کیفیت دریافت کی تو آپ نے اشارہ سے ان کو تسبیح و تنزیہ کا حکم دیا، مجاہد نے اَوْحَىٰ کی تشریح میں کہا کہ زمین پر لکھ دیا۔ سَبِّحُوا یعنی نماز پڑھو اور اللہ کی پاکی بیان کرو۔

يُيَسِّرِي اے یحییٰ، پورا کلام اس طرح تھا، زکریا کی بیوی حاملہ ہو گئی، پھر یحییٰ پیدا ہو گئے اور جب مخاطب بنانے کے قابل ہو گئے تو ہم نے کہا اے یحییٰ۔ محلی نے لکھا ہے جب یحییٰ کی عمر دو سال کی ہو گئی تو ان سے خطاب کیا گیا۔ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۝ کتاب کو قوت کے ساتھ پکڑ لے۔ کتاب سے مراد ہے تورات۔ قوت سے مراد کوشش اور توفیق الہی سے استعانت۔

وَالْيَسْرَةَ الْحِكْمَ صِدْقًا ۝  
اور ہم نے یحییٰ میں ہی اس کو حکم یعنی حکمت اور کتاب کی سمجھ عطا کر دی تھی، تین سال کی عمر میں حضرت یحییٰ نے تورات پڑھ لی اور سمجھ لی تھی، آیت کے اسی جملہ کے پیش نظر کہا گیا ہے کہ جس نے قرآن پڑھ لیا وہ اس آیت کے حکم کا مصداق ہو گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ بچے حضرت یحییٰ کو کھینے کیلئے بلاتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے، ہم کو اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے، یحییٰ میں ہی اللہ نے یحییٰ کو نبی بنا دیا تھا۔ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۝ اور (ہم نے دی یحییٰ کو) اپنے پاس سے رحمت اور گناہوں سے طہارت۔ رحمت دینے کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

(۱) یحییٰ پر اللہ نے رحم کیا ان پر رحمت نازل کی۔

(۲) ان کے دل میں ماں باپ پر رحم کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بعض علماء نے حَنَان کا ترجمہ ہیبت و وقار یا رزق یا برکت کیا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے حَنَانُ بَرَزَانٌ سَحَابٌ، رحمت، رزق، ہیبت، وقار اور دل کی نرمی۔ حَنَانٌ بِمَعْنَى رَحِيمٍ صِفَتٌ كَاصِفَةِ لَفْظِ حَنَانٍ سے ہی بنایا گیا ہے۔ اور اللہ کا وصفی نام ہے۔

رُكُوءٌ، یعنی گناہوں سے پاک دامن رہنا، بعض کے نزدیک طاعت و اخلاص، قتادہ و ضحاک کے نزدیک عمل صالح مراد ہے، کلبی نے کہا رُكُوءٌ سے مراد ہے محض عطیہ الہی جو حضرت حییٰ کے والدین کو بصورتِ حییٰ عطا ہوا تھا۔  
وَكَانَ نَهِيًا ۝ اور وہ تھا پرہیزگار، یعنی اطاعت شعار، تخلص، طاعت گزار جس نے نہ کبھی گناہ کیا، نہ گناہ کا

ارادہ۔

وَبَدَأَ بِوَالِدَيْهِ

اور پاک تھا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اور مہربان تھا۔

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ اور متکبر، رب کا نافرمان نہ تھا، بعض علماء کا قول ہے کہ جبادہ شخص ہے جو

شدت غضب میں مارتا اور قتل کرتا ہو۔

وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

سَلَّمَ عَلَيْهِ ہر دکھ اور اذیت سے اللہ کی طرف سے اس کے لئے سلامتی ہے، یہ جملہ معترضہ ہے۔ يَوْمَ وُلِدَ یعنی پیدائش کے وقت حییٰ کو شیطان کی دسترس سے محفوظ رکھا گیا، شیطان پیدائش کے وقت جو اثر بچے پر ڈالتا ہے، بچہ کو کاہتا ہے، یحییٰ کو اس سے بچالیا گیا۔ يَوْمَ يَمُوتُ اور مرنے کے دن یعنی عذابِ قبر سے بھی اسے محفوظ رکھا گیا۔ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا اور قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے اس کو محفوظ کر دیا گیا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا انسان کے یہ ہی تین عجیب احوال ہوتے ہیں۔ (۱) ماں کے پیٹ کو چھوڑ کر باہر اس دنیا میں آتا ہے۔ (۲) دنیا سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچتا ہے جہاں اس کو وہ اشخاص ملتے ہیں جو اس دنیا میں اس کو کبھی نظر نہیں آئے۔ (۳) زندہ ہو کر میدانِ حشر میں پہنچے گا اور ایسا میدان اور اجتماع اس نے کبھی نہ دیکھا ہوگا (نہ دنیا میں نہ عالم برزخ میں) ان تینوں حالات و مقامات میں محفوظ رہنے کی خصوصیت اللہ نے حییٰ کو عطا فرمائی۔

يَوْمَ وُلِدَ اور يَوْمَ يَمُوتُ اور يَوْمَ يُبْعَثُ کا تعلق ظرفِ مستقر محذوف سے ہے جس سے لفظ عَلَيْهِ متعلق ہے۔

## ایک شبہ

اہل کوفہ کہتے ہیں کہ ظرفِ مستقر کا تعلق صفت کے صیغہ سے ہوتا ہے اور صفت کا صیغہ محذوف ہوتا ہے، یعنی مُسْتَقَرٌّ عَلَيْهِ يَأْخُصُّ عَلَيْهِ۔

اہل بصر کہتے ہیں کہ ظرفِ مستقر کا تعلق فعل محذوف سے ہوتا ہے یعنی اِسْتَقَرَّ عَلَيْهِ يَأْخُصُّ عَلَيْهِ۔ ماضی کے صیغہ سے اگر يَوْمَ کا تعلق مانا جائے تو بے شک يَوْمَ وُلِدَ کا مطلب ٹھیک ہو جائے گا، حییٰ پر سلامتی نے قرار پکڑا جس روز وہ پیدا ہوئے۔ لیکن يَمُوتُ اور يُبْعَثُ تو مضارع کے صیغے ہیں جن کا زمانہ ابھی نہیں آیا پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ حییٰ پر سلامتی نے قرار پکڑا۔ جس روز وہ مریں گے اور جس روز وہ اٹھائے جائیں گے، اور کوفیوں کے مسلک پر صفت کا صیغہ محذوف ہوگا جو حال کے معنی میں ہوگا اس صورت میں مستقر علیہ يَوْمَ يَمُوتُ اور يَوْمَ يُبْعَثُ کہنا تو صحیح ہو جائے گا لیکن يَوْمَ وُلِدَ کہنا صحیح نہ ہوگا وُلِدَ ماضی کا صیغہ ہے اور مستقر بمعنی حال ہے۔

جواب

محققین نحو کہتے ہیں کہ ظرف پر عامل معنوی عمل کرتا ہے یعنی صرف مصدری معنی عامل ہوتا ہے کسی زمانہ کا لحاظ نہیں



کیا جاتا، اسی لئے هَذَا زَيْدٌ قائماً میں حال یعنی قائماً کا عامل معنوی مانا جاتا ہے، کسی خاص زمانہ پر دلالت بالکل نہیں ہوتی۔ اِسْتَقَرَّ (بر قول اہل بصرہ) اور اِسْتَقَرَّ (بر قول اہل کوفہ) کو عامل مجازاً قرار دیا جاتا ہے (کیونکہ عامل معنوی کے لئے کوئی لفظ نہیں بنایا گیا) اور بالفرض اگر حقیقت میں حَصَلَ فعل یا حَاصِلٌ (صیغہ صفت) کے متعلق ہم مان بھی لیں، تب بھی عَلَيَّہ کی ظرفیت زمانیت سے خالی ہو جائے گی، کیونکہ یہ ظرف فعل حَصَلَ یا صیغہ صفت حَاصِلٌ کے قائم مقام ہو گیا ہے اور ہر فعل کی بواسطہ کے اندر آگئی ہے لیکن کسی زمانہ کے ساتھ خصوصی اقراران نہیں ہے۔

وَ اذْکُرْنِی الْکِتَابَ مَرْیَمَ  
مریم سے مراد قصہ مریمؑ

اِذْ اَنْتَبَذْتِ مِنْ اَهْلِهَا مَکَانًا شَرْقِيًّا ۝۱۵۱ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۝۱۵۲

جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو مشرقی جانب میں تھا (غسل کرنے کے لئے) گئیں پھر ان گھر والوں سے لوٹ کرنے کے لئے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔

اِنْتَبَذَتْ اُلْکَ ہو گئی، دور ہو گئی، ذَبَدُ پھینک دینا، پھینک دینے سے کسی چیز کا دور ہو جانا لازم ہے۔ پس اِنْتَبَذَتْ کا مراد ہی ترجمہ ہو گیا دور ہو گئی۔

مَکَانًا شَرْقِيًّا مکان کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ، چونکہ سردی کا زمانہ اور سردیوں تھا اس لئے حضرت مریمؑ مکان کے مشرقی جانب سر میں کٹھا کرنے کے لئے بیٹھیں۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے حیض سے طہارت کا غسل کرنے سب سے الگ کسی جانب چلی گئی تھیں، بعض کا خیال ہے عبادت کے لئے یکسو ہو کر تنہائی میں چلی گئی تھیں۔ حسن نے کہا اسی وجہ سے عیسائی مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔

حِجَابًا حضرت ابن عباسؓ نے حجاب کا ترجمہ کیا پردہ، بعض نے کہا یواری کی آڑ میں بیٹھ گئیں، مقاتل نے کہا پہاڑی کے پار چلی گئیں۔ عکرمہ نے کہا حضرت مریمؑ مسجد میں رہتی تھیں لیکن لیام حیض میں مسجد سے ہٹ کر اپنی خالہ کے گھر چلی جاتی تھیں اور فراغت کے بعد پھر مسجد میں آجاتی تھیں، اتفاقاً ایک روز کپڑے اتارے غسل کر رہی تھیں کہ حضرت جبرئیلؑ ایک خوش رو بے ریش و بروت روشن چہرہ، گھونگھریا لے بالوں والے، متناسب القامت نوجوان کے بھیس میں آکھڑے ہوئے جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝۱۵۲  
اپنے فرشتہ جبرئیلؑ کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر نمودار ہوا، روح سے جبرئیلؑ مراد ہیں جبرئیلؑ ہی کی لائی ہوئی وحی سے دین کی حیات وابستہ ہوتی ہے۔ اللہ نے روح کی اضافت اپنی جانب روح کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کی کیونکہ اضافت سے کبھی مضاف کی تعظیم یا توہین مقصود ہوتی ہے، بادشاہ کا خادم کہنے سے خادم کی عظمت اور ولد الحجام کہنے سے ولد کی اہانت کا اظہار ہوتا ہے۔

سَوِيًّا یعنی نوجوان امر د، کامل الاعضاء مرد۔ بعض علماء کے نزدیک روح سے مراد عیسیٰ کی روح ہے جو بشر کی شکل میں آگئی تھی، لول تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

مریمؑ نے جبرئیلؑ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور ان کو آدمی ہی خیال کیا تو دور سے ہی پکار لور۔  
قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَرٰی ۝۱۵۳  
رحمن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو خدا ترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جا)۔

اِنْ کُنْتَ تَرٰی شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تو تقویٰ والا اور پرہیزگار ہے تو مجھ سے دور رہ، مجھ سے تعرض نہ کر۔ تیرے تقویٰ کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ تو بدکاری کی طرف اقام نہ کرے یا اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ جزا مقدم ہے اور

کلام کی بناء مبالغہ پر ہے یعنی اگر تو پرہیزگار بھی ہے تب بھی میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اور پرہیزگار نہیں ہے بدکار ہے تب تو اللہ کی پناہ کی خواستگار بدرجہ اولیٰ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان نافیہ ہے یعنی پرہیزگار نہیں ہے۔

جبرئیل نے کہا اس کے سوا اور  
**قَالَ اِنَّمَا اتَاكَ رَسُولُ رَبِّكَ ذِكْرًا لَّا هَبَّ لَكَ عَلَمًا ذِكْرًا ۝۱۰**  
 کچھ نہیں کہ میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں تیرے رب نے مجھے بھیجا ہے تاکہ ایک پاک دامن لڑکا تجھے عطا کروں۔ یعنی میں آدمی نہیں ہوں جس سے تو ڈر رہی ہے اور اللہ کی پناہ مانگ رہی ہے، میں فرشتہ ہوں اللہ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تجھے ایسا فرزند تیرے کرتے میں پھونک مار کر عطا کروں جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہو گا۔ زکریٰ پاک، معصوم یا خیر و صلاح میں ترقی کرنے والا اور ہر دم بھلائی کی طرف چلنے والا۔ صوفیا کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر ہوں (یعنی جتنی خیر و صلاح اس کو کل حاصل تھی اتنی ہی آج حاصل ہو، ترقی نہ ہوئی ہو وہ گماتے میں ہے۔

**قَالَتْ اَنۡیۡ یُّکُوۡنُ لِیۡ عَلَمٌ وَّلَکُمۡ یَسۡسِنٰی بَشَرٌ وَّلَکُمۡ اَکۡ بَغِیۡۡۃٌ ۝۱۱**  
 مریم نے تعجب سے کہا، میرے لڑکا کیسے ہو گا مجھے تو کسی بشر نے نہیں چھوا۔ مس کرنے سے بطور کنایہ نکاح کے بعد جماع کرنا مراد ہے، زنا کے موقع پر مس کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ میں نے برا کام نہیں کیا، میں نے خباثت نہیں کی زنا کی نفی کا اظہار حضرت مریم نے لَمَّ اَکُّ بَغِیۡۡۃٌ کہہ کر کر دیا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ میں نے کسی انسان سے نہ قربت بالزنا کی، نہ زنا۔ پھر میرے لڑکا کہاں سے ہو گا۔

جبرئیل نے کہا یونہی ہو جائے گا، یعنی اللہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کر دے گا۔  
**قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلٰیٰ هٰتِیۡنَ ۝۱۲**  
 تیرے رب نے فرمایا ہے کہ وہ یعنی بغیر باپ کے بچہ کا پیدا کرنا میرے لئے آسان ہے۔

**وَلَنَجْعَلَنَّ اٰیۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًا ۝۱۳**  
 اس لئے کہ یہ ہمارے لئے کچھ دشوار نہیں اور اس لئے کہ ہم اس کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی نشانی اور رحمت بنا دیں اور یہ کام طے شدہ ہے۔

اٰیۃً لِّلنَّاسِ یعنی ہماری قدرت کاملہ پر ایمان رکھنے کی نشانی۔  
 وَرَحْمَةً یعنی ہم اس کو بندوں کے لئے رحمت بنا دیں گے۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًا یعنی ازل میں فیصلہ خدو لوندی اس کام کا ہو چکا ہے یا لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے یا اَمْرًا مَّقْضٰیًا کا یہ مطلب ہے کہ یہ بات ہونی ضروری ہے اس قابل ہے کہ اس کا وقوع ہو جائے۔

فَحَمَلَتْہُ فَاَنْتَبَدَتْ بِہٖ مَكَانًا قَوِیۡۡۃً ۝۱۴  
 پھر ان کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا پھر اس (حمل) کو لئے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔

اس کا عطف فعل محذوف پر ہے فرشتہ کے قول پر مریم کو اطمینان ہو گیا اور فرشتے نے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماری پھر مریم نے وہ کرتہ پہنا تو حاملہ ہو گئیں۔ بعض کا قول ہے کہ جبرئیل نے کرتے کے گریبان کو چنگلی سے پکڑ کر کھینچا اور پھر گریبان پر پھونک ماری، بعض نے کہا کرتے کی آستین پر پھونک ماری، بعض نے کہا مریم حاملہ ہو گئیں اور حمل کو لئے گھر والوں سے دور ایک جگہ پر گوشہ گیر ہو گئیں، حضرت ابن عباس نے کہا داؤدی بیت المقدس کے آخری حصہ میں چلی گئیں، تاکہ لوگ بدنام نہ کریں، ہمت سے بچنے کے لئے وہ سب سے الگ چلی گئیں۔ مدت حمل کتنی ہوئی بقول بنو عبید اللہ کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا حمل اور ولادت سب کچھ ایک ہی ساعت میں ہو گیا، بعض نے کہا دوسری عورتوں کی طرح نو مہینہ کے بعد حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے کسی نے آٹھ ماہ اور کسی نے چھ ماہ کی مدت بیان کی ہے، مقاتل بن سلیمان نے کہا ایک ساعت میں وہ حاملہ ہوئیں، دوسری ساعت میں حضرت عیسیٰ کی صورت بنی اور تیسری ساعت میں زوال



حضرت مریم کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے یہاں حضرت مریم کو اپنے دین کی جانی کا خیال پیدا ہو گیا اور یہ الفاظ دینی تحفظ کے پیش نظر انہوں نے کہہ دیئے، رسوائی کے اندیشے سے انسان بھی جھوٹ بولتا ہے جس سے اس کی دینی جانی ہو جاتی ہے۔ سورہ بقرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ فتنہ کے خوف سے موت کی تمنا جانتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں۔

پس جبرئیل نے ان کے پائین (مکان) سے ان کو پکارا کہ تو منہ موم مت

فَتَادُلْهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي

ہو۔

حضرت ابن عباس، ضحاک، سعدی اور قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت مریم ایک ٹیلہ پر تھیں اور حضرت جبرئیل ٹیلے سے پیچھے نشیبی جانب کہ مریم کی بے صبری و بے قراری سن کر جبرئیل نے پکار کر کہا تمکین نہ ہو۔ مجاہد اور حسن نے کہا جب حضرت عیسیٰ پیٹ سے باہر آگئے تو انہوں نے پکار کر کہا تمکین نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں تَحْتِهَا کی ضمیر مریم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے کہا نخلہ کی طرف راجع ہے۔

أَلَّا تَحْزَنِي یعنی تمہاری اور کھانے پینے کی چیز نہ ہونے اور لوگوں کے ملامت کے خوف سے تور بخیدہ نہ ہو۔

قَدْ جَعَلَ رَبِّي تَحْتِكَ سِرِّيًّا ۝۳۱  
تیرے رب نے تیرے پائین سے ایک نمر پیدا کر دی ہے۔ سیری چھوٹی نہر۔ طبرانی نے مجہم صغیر میں حضرت براء بن عازب کی مرفوع روایت سے یہی نقل کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابواسحاق کی روایت سے سوائے ابوسنان کے اور کسی نے اس کو مرفوعاً نہیں بیان کیا۔ ابن عدی نے التکاثل میں بیان کیا کہ معاویہ بن حنیئ نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے اور ابن معین و نسائی و ابن الدینی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ بخاری نے حضرت براء کی روایت سے اس حدیث کو معلق کہا ہے، ابتدائی رلوی معلوم نہیں اور عبدالرزاق و ابن جریر و ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت براء کی روایت کو موقوف کہا ہے۔ حاکم نے بھی مستدرک میں اس کو نقل کیا ہے اور شرط مسلم کے مطابق صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے اور حلیہ میں ابو نعیم نے حضرت ابن عمر کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ نے سیری کو برآمد کر دیا زمین سے نکال دیا تاکہ عیسیٰ کی والدہ پانی پی سکیں۔ اس روایت کے سلسلہ میں ایوب بن ہیک ضعیف رلوی ہے ابو زرہ اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ بعض علماء نے تَحْتِكَ کا ترجمہ کیا ہے تیرے حکم کے ماتحت یعنی اگر تو حکم دے گی تو چشمہ جاری ہو جائے گا اور رکنے کا حکم دے گی تو رک جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت جبرئیل نے (ایک روایت میں حضرت عیسیٰ نے) زمین پر اپنا پاؤں مارا جس سے شیریں پانی کا چشمہ برآمد ہو گیا اور بننے لگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہاں ایک خشک نہر تھی اللہ نے اس کو جاری کر دیا اور خشک درخت تروتازہ ہو کر سرسبز ہو گیا اور شمر دار بن گیا۔

بعض علماء کے نزدیک سیری کا ترجمہ سردار ہے، سُرُو سے مشتق ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔ حسن بصری نے کہا خدا کی قسم عیسیٰ سیری تھے، یعنی عالی قدر سردار تھے۔

وَهَؤُذِي إِلَيْكَ مَجْدِي ۝۳۲  
اور اس کھجور کے  
تنے کو پکڑ کر اپنی طرف کو بلا اس سے تیرے اوپر خرماء تروتازہ جھڑیں گے۔  
هَؤُذِي إِلَيْكَ یعنی ہلا اور اپنی طرف جھکا، بَجْدِج میں ب زائد ہے۔  
رُطْبًا جَنِيًّا تروتازہ پختہ کھجوریں جو توڑنے کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔

فَكُلِي وَأَسْرِي ۝۳۳  
پھر اس کو کھلا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر یعنی کھجوریں کھا اور نہر کا پانی اور کھجوروں کا عرق پی اور آنکھ ٹھنڈی کر یعنی دل خوش کر۔ قَوْمِي، قرآر سے مشتق ہے آنکھ جب کوئی خوش کن منظر دیکھتی ہے تو اس پر ٹھہر جاتی ہے دوسری طرف نہیں ہتی۔ قَرَأَ اللَّهُ عُيُنَكَ اللہ تیری آنکھ کو فراردے، یعنی آنکھ کو صاف رکھے۔ قَرَأَ اللَّهُ قُرْآنَكَ اللہ تیرے دل کو فراردے، یعنی خوش کرے، خوش کن منظر دکھائے کہ دل اس سے دوسری طرف نہ ہٹے۔ اَقْرَأَ اللَّهُ

عَيْنُهُ اللهُ نے اس کی آنکھ ٹھہرا دی یعنی سلا دیا۔ یا قَرَّ بمعنی خلتی سے ماخوذ ہے خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور عم کے آنسو گرم، اسی لئے قُرَّةُ الْعَيْنِ (آنکھ کی ٹھنڈک) محبوب کو کہتے ہیں اور سَنَخَةُ الْعَيْنِ (آنکھ کی گرمی) ناگوار چیز کو کہتے ہیں۔

فَاَمَّا تَكْرِيبُنَّ مِنْ الْبَشَرِ احَدًا اذْ فَتُوْنِي اِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَكُنْ اَكْلًا لِّلْيَوْمِ هٰذَا سَبِيًّا ﴿۱۶﴾

پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے آج اللہ کے لئے خاموش

رہنے کی نذر مانی ہے اس لئے کسی آدمی سے آج کلام نہیں کروں گی۔

صَوْمًا یعنی خاموشی، مطلب یہ کہ عیسیٰ کا معاملہ ہو یا کچھ اور کسی چیز کے متعلق میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی، میں نے آج ہر معاملہ میں خاموش رہنے اور آدمیوں سے کلام نہ کرنے کی اللہ کے واسطے نذر مانی ہے۔ سدی نے کہا بنی اسرائیل میں جو لوگ زیادہ مجاہدہ کرتے تھے وہ جس طرح روزہ میں کھانا نہیں کھاتے تھے، کلام بھی کسی سے نہیں کرتے تھے، شام تک خاموش رہتے تھے۔

بعض علماء نے کہا کہ اللہ نے مریم کو یہ بات اشارہ سے کہنے کا حکم دیا تھا، کیونکہ کلام قولی سے جھگڑا پیدا ہوتا اور حضرت عیسیٰ سے جواب دلوانا تھا ان کا قول ہر طعن و تشنیع کا قاطع تھا۔ بعض لوگوں نے کہا زبان سے صرف اتنی ہی بات کہنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے بعد خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

فَكُنْ اَكْلِمَ الْيَوْمِ یعنی جب اپنی نذر کی میں نے تم کو اطلاع دے دی تو اس کے بعد کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت مریم ملائکہ سے کلام کرتی تھیں۔ انسان سے بات نہیں کرتی تھیں۔

پھر اس کو یعنی عیسیٰ کو گود میں اٹھائے مریم اپنی قوم والوں کے پاس آئی۔ قَاتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِيْلًا ﴿۱۷﴾ روایت میں آیا ہے کہ ولادت کے بعد فوراً حضرت عیسیٰ کو اٹھائے قوم والوں کے پاس حضرت مریم آئی تھیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ یوسف نجار نے حضرت مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ کو ایک غار میں لیجا کر رکھا تھا، وہاں آپ چالیس دن تک رہیں، جب یام نفاس ختم ہو گئے تو عیسیٰ کو لے کر نکلیں راستہ میں حضرت عیسیٰ نے کہا ماں تم کو بشارت ہو میں اللہ کا بندہ اور مسیح ہوں، غرض عیسیٰ کو اٹھائے قوم والوں کے پاس پہنچیں، وہ لوگ بڑے دیندار، نیکو کار تھے، مریم کے پاس بچہ کو دیکھ کر اتنے رنجیدہ ہوئے کہ رو پڑے اور،

قَالُوْا اَيْمٰنٌ لِّمَدِيْنَةٍ لَّقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۱۷﴾

کہنے لگے مریم تو نے یہ بہت برا کام کیا۔ فَرِيًّا الْجِلْدِ کھال کو چیرنا۔ حضرت حسان نے فرمایا لَا فَرِيْنَهُمْ فِيْ اَنْ كِهَالٍ اَوْ هِيْزٌ كَرَّرْ كِهْدُوْنَ كَا، یعنی سخت ہجا کروں گا۔ قرآن مجید میں بہت جگہ افتراء کا لفظ دروغ تراشی، شرک اور ظلم کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ الْكُذِبَ اس سے بڑا ظالم کون جس نے اللہ پر دروغ تراشی کی۔ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا اور جو شخص کسی کو اللہ کا شریک قرار دیتا ہے وہ بہت بڑا گناہ تراشتا ہے۔

آدمی کی عصمت اور صلاح میں جب شکاف پڑ جاتا ہے تو شرک و معصیت کا اس سے ظہور ہوتا ہے (اس لئے شرک و معصیت کو افتراء فرمایا) بعض علماء نے فَرِيًّا کا ترجمہ عجیب عظیم لکھا ہے، عجیب اور عظیم ترین چیز خالق عادت ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کلام ہو یا عمل جو بھی فائق اور عجیب ہو اس کو فَرِيٌّ کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا تھا فَلَمْ اَرٰى عَبْرًا يُّفَرِيْ فِرْيَةً مِّنْ نَّوِيْ كَالْحَازِقِ اَيْسَا نَمِيْسٍ رِيْكَاهُ عَمْرُؤُكَ عَمَلٌ كِي طَرَحَ عَجِيْبٌ تَعَجِبُ اَفْرَسٌ عَمَلٌ كَرْتَا هُو۔

يَاخْتَهُرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكَ اَمْرًا سَوْءًا وَمَا كَانَتْ اُمَّكَ بَغِيًّا ﴿۱۸﴾

اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں زانیہ تھی۔ سدی نے کہا اَخْتٌ ہَارُوْنُ کہنے سے ان کی مراد تھی، حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی نسل میں سے ہونا۔ تمیم کے قبیلہ کے ہر فرد کو اخو تمیم کہا جاتا ہے۔ حضرت مریمؑ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں اس لئے ان کو اَخْتٌ ہَارُوْنُ کہا۔ ابن ابی حاتم نے اس قول کی نسبت علی بن ابی طلحہ کی طرف

کی ہے۔ کلبی نے کہا حضرت مریم کے علاقائی بھائی کا نام ہارون تھا، بنی اسرائیل میں وہ بہت ہی بزرگ اور نیک آدمی تھا۔ بغوی نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے لکھا ہے مغیرہ کا بیان ہے جب میں بحر ان میں پہنچا تو اہل بحر ان نے مجھ سے کہا تم قرآن میں یا اُخْتُ ہَارُونَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ کا زمانہ عیسیٰ سے اتنا اتنا (یعنی بہت مدت) پہلے تھا (پھر مریم ہارون کی بہن کیسے ہوئیں) میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے دریافت کی حضور ﷺ نے فرمایا وہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ نیک لوگوں کے ناموں پر اپنے نام رکھتے تھے (یعنی ہارون سے مراد حضرت موسیٰ کے بھائی نہیں ہیں بلکہ ان کا ہم نام کوئی اور شخص تھا جس کو مریم کا بھائی کہا گیا ہے۔ رواہ مسلم)۔

بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قتادہ وغیرہ نے کہا بنی اسرائیل میں ایک بڑا نیک عبادت گزار آدمی تھا، روایت میں آیا ہے کہ جب وہ مرا تو اس کے جنازہ میں علاوہ دوسرے لوگوں کے چوبیس ہزار آدمی ہارون کے نام کے شریک ہوئے اس مرد صالح کا نام ہارون تھا، حضرت مریم بھی بڑی عبادت گزار تھیں نیکی اور عبادت کی وجہ سے ان لوگوں نے مریم کو ہارون کی بہن کہہ دیا، نسبی بہن مراد نہیں ہے جس طرح اللہ نے اِنَّ الْمُبْدِرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيْطَانِ فرمایا ہے اور فضول مال برباد کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، یعنی شیطانوں کی طرح، کذا اخرج عبد الرزاق و عبد بن حميد عن قتاده۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور مزاح اور استہزاء کے حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سابقہ عبادت اور نیکی کو دیکھ کر ایسا کہہ دیا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا بد چلن آدمی تھا جس کا نام ہارون تھا، حضرت مریم کو گالی دینے کے لئے ہارون کی بہن کہا، کذا اخرج ابن ابی حاتم عبد سعید بن جبیر۔

حضرت مریم کے باپ کا نام عمران تھا، مَا كَانَ أَبُوْكَ الْخِ پورا جملہ تو بیخبر اور زجر یہ ہے کیونکہ نیک لوگوں کی اولاد سے بدکاری کا صدور بہت زیادہ برا ہوتا ہے۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۱۷﴾  
مریم نے عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو لوگوں نے کہا پالنے کے بچے سے ہم کیسے بات کریں۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا حضرت مریم کے پاس بن باپ کے بچے ہونے کی کوئی دلیل نہیں تھی اس لئے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا تاکہ عیسیٰ کا کلام ان کی صداقت کی دلیل بن جائے۔

روایت میں آیا ہے کہ مریم نے جب عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو تو لوگوں کو غصہ آیا اور کہنے لگے ایک تو نے جرم کیا پھر ہم سے مذاق بھی کر رہی ہے۔

مَنْ كَانَ فِي مَنَ كَانَ زَانِدًا هَلْ كُنْتُ الْآبَشْرًا رُسُولًا مِّنْهُ، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ كَانَ تَامَةً ہو یا دوام کے لئے ہو۔

مہد سے مراد ہے ماں کی گود یا گوارا۔ مراد یہ تھی کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی عاقل کسی شیر خوار گوارہ میں رہنے والے بچے سے باتیں کرتا ہو۔ فَمَنْ الْمَهْدِ کہنے سے نا سمجھ بچے جو بات نہیں کر سکتا۔ سدی نے کہا جب حضرت عیسیٰ نے ان کا کلام سنا تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور قوم کی طرف رخ کر کے بول اٹھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جو نبی حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا آپ نے فوراً منہ پستان سے ہٹا لیا اور بائیں طرف کو ذرا سہارا لے کر قوم کی طرف متوجہ ہو کر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور۔

قَالَ رَبِّي عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ الْكَيْتَابِ  
کہا بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔ عَبْدُ اللَّهِ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں بارگاہ الہی میں معزز ہوں، اس کا خاص بندہ ہوں اور چونکہ قوم منکر تھی اس لئے آپ نے پر زور طریقہ سے اپنی عبدیت کا اظہار کیا۔

وہب نے کہا جب حضرت مریم کی قوم سے گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت زکریا آگئے اور حضرت عیسیٰ سے فرمایا، اگر تجھے

حکم دیا گیا ہے تو خود اپنی دلیل بیان کر اور بول اس پر حضرت عیسیٰ بول اٹھے، اس وقت آپ چالیس دن کے تھے۔ مقاتل نے کہا پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنی عبدیت کا اظہار کیا تھا اور سب سے پہلے یہی کلام کیا تھا تاکہ لوگ آپ کو اللہ نہ سمجھنے لگیں۔

الکتاب سے حسن کے نزدیک تورات مراد ہے۔ آپ ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ اللہ نے آپ کے دل میں تورات القاء کر دی تھی، اکثر علماء قائل ہیں کہ انجیل مراد ہے یحییٰ میں ہی آپ کو انجیل عطا کر دی گئی تھی جب کہ آپ مردانہ عقل کی حد تک پہنچے بھی نہ تھے۔ بعض علماء کے نزدیک ماضی بمعنی مستقبل ہے، یعنی اللہ مجھ کتاب عطا فرمائے گا۔

وَجَعَلْنِي نَبِيًّا ﴿۱۵﴾ اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے یعنی یقیناً آئندہ وہ مجھے نبی بنائے گا۔ بعض علماء نے کہا، حضرت عیسیٰ نے تحریر لوح محفوظ کی اطلاع دی تھی (یعنی میں لوح محفوظ کی تحریر کے بموجب نبی بنایا جا چکا ہوں) جیسے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ نبی کب ہوئے تو آپ نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی مٹی اور پانی سے آدم کے پتلے کا خمیر ہی بنا تھا، روح پڑی بھی نہ تھی کہ وہ ابن سعد و ابو نعیم فی الحلیۃ عن میسرہ بن سعد عن ابی الجداء والطبرانی عن ابن عباس)۔

وَجَعَلْنِي مُبْرِكًا آمِنًا مَا كُنْتُ ﴿۱۶﴾ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں بھی ہوں۔ یعنی آسمان میں ہوں یا زمین میں اللہ نے مجھے نفع رساں بنایا ہے۔ اس جملہ سے حضرت عیسیٰ کی نفع رسائی ثابت ہو رہی ہے، زمین میں انسانوں کو اور آسمان میں ملائکہ کو۔ لفظ برکت کا معنی یا ثبات خیر ہے اس پر یہ بَرَكَ البعیر اونٹ بیٹھ گیا کے محاورہ سے ماخوذ ہو گا۔ یا زیادتی عطا برکت کا معنی ہے، دعائیں کہا جاتا ہے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِي عَطَائِكَ اے اللہ! اپنی عطا میں زیادتی فرما، یا اس کا معنی ہے عظمت و بزرگی جیسے بولتے ہیں یہ فلاں شخص کی برکت سے ہے، اس جگہ مبارک سے بعض علماء کے نزدیک نفع رساں مراد ہے، مجاہد نے کہا معلم خیر ہونا مراد ہے، عطائے کہا اللہ کی توحید و عبادت کی طرف بلانے والا، بعض نے کہا مجھے اللہ نے ان لوگوں کے لئے جو میری پیروی کریں مبارک بنایا ہے۔

وَاَوْصِنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۱۷﴾ اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے۔ زکوٰۃ سے مراد ہے اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض مالیہ کو ادا کرنا اور نفس کو بری خصلتوں سے پاک کر لینا۔

بنوی نے لکھا ہے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پاس کبھی مال تھا ہی نہیں پھر ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے اس کے جواب میں بعض لوگوں نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کا اس نے مجھے حکم دیا ہے، بعض نے کہا زکوٰۃ سے مراد اس جگہ مالی زکوٰۃ نہیں بلکہ بکثرت بھلائی کرنا مراد ہے، بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دوں۔ مَا دُمْتُ حَيًّا یعنی جب تک میں زندہ رہوں نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

وَوَبَّرًا بِوَالِدَاتِيْ ذٰلِكَ اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے یا یہ ترجمہ ہے کہ اس نے مجھے والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اول ترجمہ پر بَرَّ بِمَعْنٰی بَارًا اسم فاعل ہو گا اور دوسرے ترجمہ پر مصدر۔

وَلَمَّا يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۱۸﴾ اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا۔ جَبَّارٌ، سرکش، مغرور۔ شَقِيٌّ

اللہ کا نافرمان یا وہ شخص جو گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔

وَالسَّلٰمَةُ عَلٰی يَوْمِ وُلْدَاتٍ وَيَوْمِ اَمُوْتٍ وَيَوْمِ اَبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۹﴾ اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مردوں گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ السَّلَامُ، سلامتی، حفاظت، پیدائش کے وقت شیطان کے کچوکا دینے سے اور مرنے کے بعد عذاب قبر سے اور قیامت کے دن ہول قیامت اور عذاب دوزخ سے یا السلام سے مراد ہے اللہ کی طرف سے تھمت و رحمت ہر تغیر حالت کے وقت یعنی





اختلاف ہو گیا۔

سوان کافروں کے لئے ایک بڑے دن کے

قَوْلٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۰﴾

آنے سے بڑی خرابی ہونے والی ہے۔

وکیل اصل میں مصدر تھا بمعنی ہلاک۔ یہ جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہے اور مبتدا ہونے کی حیثیت سے مبتداء ہے۔ جملہ فعلیہ کی جگہ جملہ اسمیہ کو دینے کی غرض یہ ہے کہ فعل کا دوام اور استمرار ظاہر ہو کسی زمانہ سے اترتا رہتا رہے۔ یَوْمٍ عَظِيمٍ یعنی روز قیامت، مَشْهَدٍ بمعنی مصدر ہے، یعنی جس روز کہ جزاء و سزا اور حساب سامنے حاضر ہو گا یا مَشْهَدٍ ظرف زمان ہے یعنی وقت شہود یا ظرف مکان ہے، یعنی جس روز کہ ملائکہ اور ان کے انبیاء اور ہاتھ پاؤں اور لور بدن کی کھالیں ان کے کافر اور قاسق ہونے کی شہادت دیں گی۔

جس روز یہ لوگ ہمارے پاس (حساب و جزا کے لئے) آئیں گے، کیسے

أَسْمِعُ بِهِمْ وَأَبْصُرُ يَوْمَ يَأْتُونَنَا

کچھ شنو اور دیکھو گے۔

أَسْمِعُ بِهِمْ اور أَبْصُرُ دونوں فعل تعجب ہیں اور اللہ ہر تعجب سے پاک ہے (وہ کسی بات پر تعجب نہیں کرتا اس کے کوئی بات عجیب نہیں) اس لئے جمہور اہل تفسیر کے نزدیک آیت میں جس تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی حالت قابل تعجب ہوگی، دنیا میں تو اندھے بہرے بنے رہے، نہ حق کی بات سنی، نہ صورت حق آنکھوں سے دیکھی اگر وہاں کلمہ حق گوش قبول سے سنتے اور تصویر حق نظر قبول سے دیکھتے تو ان کو فائدہ ہوتا لیکن قیامت کے دن جب حق کی صورت سامنے آئی اور آواز حق سنی تو ایسے وقت کہ کوئی فائدہ نہ تھا، یا فعل تعجب سے مراد اظہار تعجب نہیں بلکہ تمہید لور ڈرانا مقصود ہے کہ قیامت کے دن یقیناً وہ اس عذاب کو دیکھیں گے اور وہ مایوس انگیز جھڑکیاں سنیں گے جن کا ان سے وعدہ کر لیا گیا ہے بعض علماء کا قول ہے کہ أَسْمِعُ اور أَبْصُرُ اس جگہ فعل تعجب نہیں ہیں امر کے صیغے ہیں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے

کہ مواعید قیامت ان کافروں کو سناؤ لور دکھاؤ۔

لیکن یہ ظالم آج دنیا میں کھلی ہوئی گمراہی میں

لَكِنَّ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾

پڑے ہوئے ہیں۔ لفظ الظَّالِمُونَ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں انہوں نے اپنی آنکھوں لور کانوں کا صحیح استعمال نہیں کیا اور حق کی طرف سے اپنے کو غافل بنائے رکھا۔ یہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

لور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے

وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ

ڈرائے جب کہ آخری فیصلہ کر دیا جائے گا۔

یہ حسرت اس وقت ہوگی جب حساب ہو چکے گا، اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں لور موت کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر جنت کے اندر اہل جنت اور دوزخ کے اندر دوزخی کبھی نہیں مریں گے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، موت کو چت کبرے مینڈھے کی شکل میں قیامت کی دن سب کے سامنے لایا جائے گا پھر ایک منادی پکارے گا، اے اہل جنت، جنت والے سر اٹھا کر جھانک کر دیکھیں گے، منادی کہے گا کیا اس کو پہچانتے ہو، اہل جنت کہیں گے ہاں یہ موت ہے، پھر سب کی نظروں کے سامنے اس کو ذبح کر دیا جائے گا لور منادی کہے گا، اے جنت والو یہاں تمہاری دوائی زندگی ہے موت نہیں۔ پھر وہی منادی دوزخیوں کو پکارے گا دوزخ والو تم کو یہاں ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے آیت وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ تلاوت فرمائی۔ رواہ البخاری

شیخین نے صحیحین میں بھی حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے، شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے لیکن اس میں آیت کو تلاوت فرمانے کا ذکر نہیں ہے۔

ابو یعلیٰ، بزار اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت انسؓ کی روایت سے اور حاکم و ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اس میں بھی قرأت آیت کا ذکر نہیں ہے۔

يَوْمَ الْحَسْرَةِ كِي تَشْرَحُ فِي بِيضَاوِي نِي لَكَا هِي اِس رُوْز سَب لُوْگ اِفْسُوْس كَرِي س كِي، بَد كَار اِپْنِي بَد كَارِي پُر اُوْر نِي كُو كَار اِپْنِي نِي كِي كَم كَرْنِي پُر۔

طبرانی اور ابو یعلیٰ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کو صرف اس ساعت پر افسوس ہوگا جس میں دنیا کے اندر انہوں نے اللہ کی یاد نہیں کی اور وہ گھڑی یونہی گزر گئی۔

بنغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مرنے والے کو پشیمانی ضرور ہوگی، صحابہ نے عرض کیا پشیمانی کیسی۔ فرمایا اگر نیکو کار ہوگا تو اس کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ اس نے اس سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور بدکار کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہ رہا۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ اور وہ لوگ آج دنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی جس گمراہی میں وہ پڑے ہوئے ہیں اس سے بھی غافل ہیں اور آخرت میں ان سے جو معاملہ کیا جائے گا اس کی طرف سے بھی غافل ہیں۔

وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ اور وہ ایمان نہیں لاتے۔ یعنی سچے منجر (رسول اللہ ﷺ) کی خبر کی تصدیق نہیں کرتے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتُوتَ وَنَحْيِي الْمَوْتُوتَ وَنَحْيِي الْمَوْتُوتَ (لیکن آخر ایک دن سب مرجائیں گے) اور تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (آخر مالک) رہ جائیں گے یعنی زمین اور زمین کے رہنے والے سب فنا ہو جائیں گے، صرف اللہ باقی رہ جائے گا، جس طرح مورث کے مرنے کے بعد وارث رہ جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی کی مالکیت باقی نہیں رہے گی صرف اللہ کا اقتدار باقی رہ جائے گا۔ مَنْ (جو لوگ) سے مراد عام ہے جو لوگ ہوں یا جو چیز ہو تغلیباً مَنْ (جو اہل عقل کے لئے استعمال ہوتا ہے) ذکر کیا گیا ہے ورنہ مراد عام ہے۔

وَالَّذِينَ يُرْجُونَ اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹا کر لایا جائے گا۔ یعنی قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد ہماری طرف سب کو لوٹا کر لایا جائے گا۔ اور ہم اعمال کے مطابق ان کو سزا و جزا دیں گے۔

وَإِذْ كُوفِيَ الْحَكِيمُ بِرَبِّهِمْ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا اور کتاب (قرآن)

میں ابراہیم (کے واقعہ) کو یاد کرو بلاشبہ وہ صدیق اور نبی تھا۔ صدیق کس کو کہتے ہیں، مختلف علماء نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ (۱) بہت سچ بولنے والا۔ (۲) جو کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ (۳) سچ بولنے کا عادی ہو، صدق کی عادت کی وجہ سے اس سے کذب کا صدور نہ ہوا ہو۔ (۴) جس کا اعتقاد بھی سچ ہو اور قول بھی سچا اور اس نے اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کی ہو اور قول کے مطابق عملی مظاہرہ کرتا ہو۔ (۵) اللہ کی تمام غیبی صفات اللہ کے انبیاء اور ملائکہ اور قیامت جن کا بیان اللہ نے کیا ہے سب کی تصدیق کرتا ہو۔ اللہ نے جن کاموں کو کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے ان امور کو اللہ کے حکم کے مطابق اچھلایا بر اجانتا ہو اور احکام خداوندی کی عملی پابندی بھی کرتا ہو اور اپنے عمل سے تصدیق قلبی و لسانی کو ثابت کرتا ہو، ایسا آدمی صدیق ہے۔

میں کہتا ہوں کثرت تصدیق سے یہ مراد نہیں ہے کہ زیادہ اور کثیر امور کی تفصیل وار تصدیق کی جائے جیسا کہ بنغوی کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوئے پورے دین کی اور تمام عقائد و اعمال کی تصدیق ہر مومن کے لئے ضروری ہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوئے کسی ایک مسئلہ کے انکار سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ ہاں مومنوں میں سے کچھ لوگ تمام لوا امر و نواہی کے عملی پابند ہوتے ہیں، ہر حکم شرعی کو بجالاتے ہیں ایسے لوگ صالحین کہلاتے ہیں لیکن ہر صالح کو صدیق نہیں کہا جاسکتا۔ حقیقت میں صدیقیت کا مرتبہ تصدیق و ایمان کی قوت و شدت سے حاصل ہوتا ہے ایمان کی قوت درجہ صدیقیت پر فائز کرتی ہے۔ ایمان و تصدیق کی قوت انبیاء کو تو براہ راست بلا کسی توسط کے حاصل ہوتی ہے

اور امت والوں کو انبیاء کی کامل پیروی کرنے اور ظاہر و باطن ہر طرح کے پورے پورے اجراع سے امتی کمالات نبوت میں جب ڈوب جاتا ہے اور انبیاء کی وراثت و جمعیت سے اس پر ذاتی خالص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو درجہ صدیقیت تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔

آیت اُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ میں اپنے فیضان و انعام کا حامل چار قسم کے لوگوں کو قرار دیا، انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ دوسرے مومنوں کو انہی کی معیت و ہمراہی کی بشارت دی۔ سورۃ النساء میں اس آیت کی تفصیلی توضیح ہم کر چکے ہیں، صدیق وہی جماعت ہے جن کا ذکر سورۃ واقعہ کی آیت ثَلَاثَةٌ خَيْرٌ مِنَ الْأَلْبَانِ وَ قَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ میں کیا ہے اور ہم نے اس کی تشریح اسی مقام پر کر دی ہے۔

انبیاء کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سب سے بڑے صدیق تھے اور صحابہ میں سے جلیل القدر صحابہ سب سے اونچے تھے اور جلیل القدر صحابہ میں بھی حضرت ابو بکرؓ سب سے بڑے صدیق تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو صدیق فرمایا تھا اور اسی پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ میں نے ہی صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد جو صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے یعنی میرے مرتبہ کے بعد نچلے درجہ پر رہتے ہوئے جو شخص صدیق اکبر ہونے کا مدعی ہو گا وہ کاذب ہے۔ بعد ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ میرے بعد جو مدعی ہو گا، بلکہ بعدیت سے مراد ہے مرتبہ کی بعدیت اور درجہ میں پیچھے رہنا۔

نبی کا لفظ یا نُبُوۃ سے ماخوذ ہے یعنی عالی قدر، اونچے مرتبہ والا، اللہ کی طرف سے پیغمبر بنا یا ہوا۔ نُبُوۃ نبلہ، زمین کا بھرا ہوا اونچا حصہ۔ یا نباء خبر سے ماخوذ ہے یعنی اللہ کی طرف سے دین حق سے باخبر۔ جس کو برہ راست اللہ کی طرف سے خبر دی جانی ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۗ

جب اس نے اپنے باپ سے کہا، میرے باپ آپ کیوں ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتی ہیں ان کے پاس سننے کی طاقت نہیں ہے نہ کچھ دیکھتی ہیں ان کے پاس نور نظر نہیں ہے) نہ آپ کے کام آتی ہیں ان میں نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے یعنی ان کے پاس سننے والے کان نہیں کہ آپ کی دعا اور پکار کو سن سکیں، نہ دیکھنے والی آنکھیں کہ تمہاری پوجا اور تمہاری حالت دیکھ سکیں، نہ ان میں نفع پہنچانے یا دکھ کو دور کرنے کی طاقت ہے کہ تمہارے کام آسکیں۔ حضرت ابراہیم نے باپ کو نہایت ادب، احترام اور شفقت و محبت کے لہجہ میں بے راہروی اور گمراہی پر متنبہ کیا اور بے دھڑک یہ نہیں کہہ دیا کہ تو گمراہی میں پڑا ہوا ہے بلکہ باپ کے معبودوں کی بے بسی، کمزوری اور بے حسی کو مدلل طور پر ظاہر کیا اور دریافت کیا کہ آخر ان کی عبادت کرنے سے آپ کی کیا غرض ہے یہ تو بے حس اور بے طاقت ہیں ان کے سامنے جھکتا ہی تقاضائے دانش کے خلاف ہے، پوجا کرنی تو بجائے خود رہی پوجا تو اس ذات کی ہونی چاہئے جو خود محتاج نہ ہو، اس کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو، دکھ سکھ پہنچانے کی اس کو پوری قدرت ہو، نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کر سکے، زندگی، موت اور رزق دینا دینا اس کے اختیار میں ہو، سزا جزا دینا اس کے قبضہ میں ہو، اس کو ہر چیز پر کامل اقتدار حاصل ہو۔ وہ ممکن محتاج جو خود اپنی ہستی و بقاء ہستی اور لوازم ہستی میں دوسرے کا دست نگر اور محتاج ہے معبود ہونے کا مستحق نہیں ہو سکتا خواہ اس کے پاس سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور دکھ سکھ پہنچانے اور ضرر دفع کرنے کی بظاہر ناقص قوت بھی ہو، یہاں تک کہ فرشتہ یا پیغمبر ہو تب بھی معبود ہونے کا اس کو استحقاق نہیں۔ عقل سلیم اس کی پوجا کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ وہ کچھ بھی ہو، ہر حال اس کا وجود اس کا اپنا وجود نہیں۔ مانگا ہوا اور دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ پھر وہ ممکن جو بے سمع، بے بصر اور بے طاقت و بے حس ہو اس کو تو بدرجہ اولیٰ معبود بننے یا معبود قرار دیئے جانے کا کوئی حق نہیں، ایسے بے علم، بے طاقت، بے حس، بے بس کی پوجا تو سراسر کوردانسی

يَا بَيْتَ اِنِّي قَدْ جَاؤُكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاَتَّبِعْنِي اِهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ①

اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں پہنچا آپ میرے کہنے پر چلیے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ یعنی اللہ کی ذات، صفات اور اس کے احکام کا جو علم مجھے ملا ہے وہ آپ کو نہیں ملا، لہذا دین و مذہب کے معاملہ میں آپ میری بات مانیں اور اس کے موافق چلیں میں آپ کو مذہبی راستہ سیدھا بتاؤں گا جو آپ کو فلاح داریں تک لے جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو ہر طرح سے لو نچا عالم اور باپ کو صراحت کے ساتھ جاہل نہیں فرمایا، بلکہ ایک ہم سفر رفیق کی طرح راستہ بتانے کا اظہار کیا اور اپنے کو زیادہ راہ شناس بتلایا۔ اس سے آگے ذیل کی آیت میں بیان کیا کہ جس راستہ پر آپ چل رہے ہیں نہ فقہیہ کہ وہ نفع رساں نہیں ہے بلکہ ضرر رساں بھی ہے، وہ شیطان کا راستہ ہے اور شیطان رحمن کا نافرمان ہے۔ اس لئے اس کی پوجانہ کر۔

يَا بَيْتَ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ②  
آپ شیطان کی پوجانہ کریں، بے شک شیطان رحمن کا نافرمان ہے۔ یعنی شیطان کفر اور بت پرستی کو تمہاری نظر کے سامنے آراستہ اور دلکش بنا کر لاتا ہے تم اس کا کہنا مانو، اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلو، کیونکہ شیطان اس خدا کا جو منعم، محسن مہربان ہے سخت نافرمان ہے اور ظاہر ہے کہ رب کے نافرمان کا اجراع کرنے والا بھی رب کا نافرمان قرار پائے گا اور جو رب کا نافرمان ہوگا اس سے رب منعم اپنی نعمتیں چھین لے گا اور ایسے احسان فراموش سے انتقام لے گا۔

يَا بَيْتَ اِنِّي اَخَافُ اَنْ يَمَسَّكَ عَذَابُ مِنَ الرَّحْمٰنِ  
اے میرے باپ مجھے ڈر ہے کہ رحمن کی طرف سے کوئی عذاب آپ پر (نہ) آجائے، یعنی اگر آپ کفر اور شیطان کی اطاعت پر قائم رہیں گے تو رحمن کی طرف سے (باوجود یہ کہ اس کی رحمت رحمت کاملہ ہے) کوئی سخت عذاب آجائے گا مجھے اس کا اندیشہ ہے اس کی رحمت اگرچہ فرماں برداروں پر بہت زیادہ ہے لیکن سرکش نافرمانوں پر اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

فَتَكُونُ لِلشَّيْطٰنِ وِلِيًّا ③  
پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔ شیطان پر دنیا میں جو لعنت ہے وہ آپ پر بھی ہو جائے گی اور آخرت میں جو عذاب شیطان پر ہو گا وہ آپ پر بھی ہو گا اس طرح آپ کے ساتھ شیطان اور شیطان کے ساتھ آپ کا جوڑ اور اتصال ہو جائے گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت میں شیطان کے صرف نافرمان ہونے کا ذکر کیا، دوسرے جرائم کا ذکر نہیں کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ کی نافرمانی ہی تمام جرائم کی جڑ ہے اسی سے سب جرائم پیدا ہوتے ہیں یا یہ وجہ ہو کہ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد سے دشمنی کا نتیجہ بصورت معصیت نکلا (پس جو شیطان رب کا نافرمان انسان کی دشمنی کی وجہ سے ہو اس کی پوجا انسان کے لئے کسی طرح زیبا نہیں وہ تو دشمن ہے)

قَالَ اَرَاغِبُ اَنْتَ عَنِ الرَّحْمٰنِ يَا اِبْرٰهِيْمُ  
ابراہیمؑ کے باپ نے کہا ابراہیمؑ کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے (اس لئے ان کی مذمت کر رہا ہے) حضرت ابراہیمؑ نے تو نرمی، ادب اور اخلاق کے ساتھ باپ کو مشورہ دیا تھا لیکن باپ نے (انتہائی کفر و جمالت کی وجہ سے) درشت کلامی، بد خلقی اور سختی کا مظاہرہ کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا تھا اے میرے باپ لیکن باپ نے میرے بیٹے کہنے کی جگہ بیٹے کا نام لے کر خطاب کیا پھر دھمکی آمیز کلام کیا اور بطور تہدید کہا کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے۔

لٰكِنْ لَّمْ تَنْتَهَ لِاَرْجَمَنَّكَ وَاَهْجُرْنِي مَوْلِيًّا ④  
اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر ماروں گا اور تو ہمیشہ کے لئے (میرے پاس سے چلا جا)۔ مجھے چھوڑ جا۔  
کلبی، مقاتل اور ضحاک نے لَا رَجْمَنَّكَ کا ترجمہ کیا، میں تجھے گالیاں دوں گا، سخت ست کوں گا، برا بھلا کہہ کر تجھے نکال دوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے، حسن نے ترجمہ کیا میں تجھے ضرور سنگسار کر دوں گا۔

وَأَهْجُرَنِي مَلِيئًا كَمَا مَطْلَبُ كَلْبِي نِي بِيَانِ كَمَا مَجْهٍ سِي الْكُفْرِ هُوَ جَا طَوِيلَ مَدَتِ تَمَكٌ - مجاہد اور عکرمہ نے مَلِيئًا کا ترجمہ کیا وقت طویل اور سعید بن جبیر نے کہا ہمیشہ۔ مَلِيئًا کا لغوی معنی ہے ٹھیرنا، تَمَلِيَّتٌ جِنْتًا میں ایک وقت تک ٹھیرا رہا۔ مَلُوَانٌ رات دن۔ قنادر اور عطانے کہا صحیح سالم الگ ہو جا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میرے پاس سے صحیح سالم چلا جا اور نہ تجھے میری طرف سے دکھ پہنچ جائے گا۔

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِنِي حَفِيئًا ⑤

ابراہیمؑ نے کہا

سَلَامٌ عَلَيْكَ میں اپنے رب سے آپ کے لئے معافی طلب کروں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر مہربان ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے یہ سلام رخصت تھا۔ اہل علم، کم ظرف جاہلوں کی بد سلوکی کے بدلہ میں بھلائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا - سَلَامٌ عَلَيْكَ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ میری طرف سے آپ کو دکھ نہیں پہنچے گا، آپ کچھ بھی میرے ساتھ کریں میں تو آپ کے لئے اپنے رب سے معافی کی درخواست کروں گا۔ اکثر اہل تفسیر نے سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اللہ سے مشرک باپ کی مغفرت کی دعا کروں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو مشرک و کفر سے توبہ کرنے اور اسلام و ایمان اختیار کرنے کی توفیق عنایت کر دے، جو امر موجب مغفرت ہو اس کے حاصل ہونے کی توفیق ملنے کی دعا مشرک کے لئے کی جاسکتی ہے ایمان و اسلام موجب مغفرت ہے پس توفیق ایمان کی دعا مشرک کے لئے ناجائز نہیں۔

میں کہتا ہوں آیت کی یہ تشریح غلط ہے اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ الْخ اس آیت میں اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ مشرک کے لئے استغفار کرنے کے معاملہ میں تم ابراہیمؑ کی پیروی نہ کرو، باوجود یہ کہ ہر مشرک کے لئے ایمان کی توفیق ملنے کی دعا کی جاسکتی ہے اگر استغفار کا مطلب آیت مذکورہ میں دعائے توفیق ایمان ہو تا تو ایسے استغفار کرنے میں ابراہیمؑ کی پیروی کیوں ناجائز قرار دی جاتی ایسا استغفار تو ہر مشرک کے لئے ہو سکتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو باپ سے کہا سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي یہ اس وقت کہا تھا جب مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی ممانعت آپ کو معلوم نہ تھی، جب ممانعت کا حکم ہو گیا تو پھر آپ نے باپ سے اظہار براءت کیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا تھا خدا کی قسم میں ضرور آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا، جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے، آخر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ الْخ نازل ہو گئی، اس آیت کی تشریح سورہ براءۃ میں گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر نبی کی خاص دعا قبول کی جاتی ہے اگر حضرت ابراہیمؑ باپ کے لئے توفیق ایمان کی درخواست کرتے تو اللہ ضرور اس کو توفیق ایمان فرما دیتا، لیکن آزر کے لئے ایمان مقدر ہی نہ تھا، اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے اس کو ایمان نصیب ہونے کی دعائی نہیں کی۔

كَانَ بِنِي حَفِيئًا کا یہ مطلب ہے کہ وہ مجھ پر بڑی مہربانیاں اور کرم کرنے والا ہے۔ کلبی نے کہا وہ عالم ہے میری دعا کو جانتا اور قبول فرماتا ہے۔ مجاہد نے کہا اس نے مجھے قبول دعا کا عادی بنا دیا ہے۔ (وہ میری بد دعا بھی قبول فرما لیتا ہے)۔

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
چیزوں سے جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو الگ ہو جاؤں گا۔ مقاتل نے کہا حضرت ابراہیمؑ کو نبی سے ہجرت کر کے ارض پاک کو چلے گئے، الگ ہونے کی آپ نے یہی شکل اختیار کی۔

وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيئًا ⑥  
گا، امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہیں رہوں گا، یعنی جس طرح تم لوگ جنوں کی پوجا کر کے اور ان کو پکار کے ناکام رہتے ہو اس طرح میں اپنے رب کو پکار کر اور اس کی عبادت کر کے نامراد نہیں رہوں گا۔ لفظ عَسَىٰ امید ہے، قریب ہے کا استعمال محض تواضع اور انکسار نفس و اظہار عجز کے طور پر کیا اور نہ اللہ کی عبادت اور اس سے دعا کرنے میں حضرت ابراہیمؑ

یقیناً ناکام نہیں تھے، نہ رہ سکتے تھے۔ اس لفظ سے اس امر کی طرف ایماء بھی ہے کہ دعا کا قبول کرنا اور عبادت کا ثواب دینا محض اللہ کی مہربانی پر موقوف ہے اس پر لازم نہیں ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خاتمہ پر دار و مدار ہے اور خاتمہ کا علم کسی کو نہیں۔

فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ ذُرِّيَةِ اللَّهِ مِنْ دُونَ ذَلِكَ اسْتَحَقَّ وَيَعْقُوبُ وَكَلَّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور اللہ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان سے علیحدہ ہو گئے تو ہم نے اس کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا کیا اور (ان دونوں میں سے) ہر ایک کو نبی بنایا۔

یعنی جب سب کو چھوڑ کر ابراہیم ملک شام کو چلے گئے تو چھوٹے ہوئے کافر قرابت داروں کے عوض ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب عطا فرمائے اور عزت مند اولاد دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو پیغمبر بنایا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ صرف حضرت اسحاق و حضرت یعقوب کا ذکر شاید اس لئے خصوصیت کے ساتھ کیا کہ یہ دونوں بزرگ آئندہ پیغمبروں کی اصل تھے۔ (حضرت اسماعیل کی نسل میں تو سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی نبی نہیں ہوا) یا یہ وجہ ہے کہ حضرت اسماعیل کا مستقل ذکر علیحدہ کرنا تھا۔

اور ہم نے ان (تینوں) کو اپنی رحمت کا ایک حصہ عطا فرمایا۔ کلبی کے نزدیک رحمت سے مال اور عزت مند اولاد مراد ہے، بعض نے کہا کتاب نبوت مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيمًا ۝

اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور اونچا کیا۔ لِسَانُ (زبان) سے مراد وہ الفاظ ہیں جو زبان سے نکلتے ہیں لِسَانُ الْعَرَبِ، لغت عرب، عرب کا کلام۔ لِسَانٌ صِدْقٍ یعنی وہ باتیں جن کی تمام مذاہب والے تعریف کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فَيُحِبُّ الْآخِرِينَ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ صِدْقٍ کی طرف لِسَانِ کی اضافت اور پھر لِسَانِ کی صفت عَلُو کا ذکر بتا رہا ہے اس بات کو کہ جو کچھ ان کی تعریف و ثنا کی جاتی ہے اس کے وہ مستحق ہیں ان کی ایسی خوبیاں ہیں جو امتداد زمانہ کے باوجود پوشیدہ نہیں ہیں۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝

موسیٰ کا ذکر پڑھو، بلاشبہ وہ (اللہ کا) منتخب اور عالی قدر پیغمبر تھا۔ مُخْلَصًا یعنی اللہ نے ان کو چن لیا تھا اور اپنے لئے منتخب کر لیا تھا اور غیر کی طرف توجہ کرنے سے پاک کر دیا تھا۔ رَسُوْلًا نَبِيًّا رسالت کا مرتبہ نبوت سے اونچا اور افضل ہے اسلئے رَسُوْلًا کے بعد نَبِيًّا کہنے کی بظاہر ضرورت نہیں تھی، ہم صِدْقًا نَبِيًّا کی تشریح میں لکھ چکے ہیں کہ لفظ نَبِيٌّ جس طرح نَبَا سے مشتق ہے اسی طرح نَبُوَّةٌ بمعنی رفعت و علو سے بھی ماخوذ ہے، پس نبی کا ترجمہ ہو عالی قدر، اونچے مرتبہ والا، لیکن اللہ جس کو رسول بناتا ہے اس کو اپنی پیغمبری کا مرتبہ دے کر عالی قدر بھی بناتا ہے اور اپنے احکام سے براہ راست باخبر بھی فرماتا ہے پس موسیٰ کو اللہ نے اپنے لئے چن لیا تھا ان کو عالی قدر رسول بنایا تھا۔

وَكَانَ دِينُهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ ۝

اور ہم نے ان کو طور کے دائیں جانب سے پکارا۔ مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ تھا جس کو طور کہا جاتا تھا۔ بعض علماء نے اس کا نام زبیر بتلایا ہے۔ حضرت موسیٰ مدین سے آرہے تھے، مصر کی طرف جانے کا ارادہ تھا، آپ کے دائیں جانب کوہ طور واقع تھا، دور سے آپ نے آگ روشن دیکھی اور ندا آئی يٰمُوسَى اِنِّى اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ پہاڑ کا تو کوئی دلیاں بائیں رخ نہیں ہوتا اس لئے موسیٰ کا دلیاں جانب مراد ہے یعنی وہ مقام جہاں کوہ طور موسیٰ کے دائیں جانب تھا۔ يٰ اَيُّمَنُ کا معنی ہے یعنی برکت والا یعنی طور کے مبارک جانب سے ہم نے موسیٰ کو پکارا، مبارک جانب سے مراد ہے وہ رخ جہاں سے اللہ کا کلام آرہا تھا۔

لور از کی باتیں کرنے کے لئے ان کو مقرب بنایا۔ اللہ نے موسیٰ کو اپنا بے کیف قرب

وَقَرَّبْنَاهُ نَحِيًّا ۝

عنایت کیا جو جدانی ہے، بیانی نہیں نَجِيًّا سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے اس کو اپنا کلام سنایا اور اس نے اللہ سے کلام کیا۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا آخَاةً هَارُونَ نَبِيًّا ﴿۵۰﴾

ہارون کو نبی بنا کر ان کو عطا فرمایا۔ حضرت ہارون عمر میں حضرت موسیٰ سے بڑے تھے، اس لئے یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ موسیٰ کے لئے ہم نے ہارون کو پیدا کیا (بلکہ مراد یہ ہے کہ موسیٰ کی وجہ سے ہارون کو نبوت عطا کی اور یہ عطاء نبوت موسیٰ کی درخواست پر ہوا) بنوئی نے لکھا ہے اسی لئے حضرت ہارون کا نام بِسْمَةِ اللّٰهِ (عظیہ) خداوندی) ہو گیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمٰعِيْلَ ۗ اِنَّكَ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور کتاب میں اسمعیل کا تذکرہ پڑھو بلاشبہ وہ وعدہ کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام اسمعیل تھا۔ حضرت اسمعیل رسول اللہ ﷺ کے جدِ اعلیٰ تھے، آپ وعدے کے سچے تھے، بقول مجاہد جو وعدہ کیا اس کو پورا کیا۔

مقاتل نے کہا حضرت اسمعیل نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو واپس نہ آئے گا میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا وہ شخص تین روز میں یا بقول کلبی سال کے بعد واپس آیا اور حضرت اسمعیل کو اسی جگہ منتظر پایا۔ وعدے کی سچائی اس سے بڑھ کر اور کونسی ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے والد محترم حضرت ابراہیم سے کہا سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ آپ مجھے صابر پائیں گے، اللہ نے جو کچھ آپ کو حکم دیا بجالائیے، چنانچہ ذبح ہونے پر ثابت قدم رہے بے تابی کا اظہار نہیں کیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسول کا صاحبِ شریعت ہونا ضروری نہیں، حضرت اسمعیل رسول تھے اور ابراہیمی شریعت پر تھے، خود صاحبِ شریعت نہیں تھے، حضرت ابراہیم کی اولاد شریعت ابراہیمی پر تھی۔

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۗ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۲﴾

اور وہ اپنے گھر والوں کو خصوصیت کے ساتھ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے ہاں وہ برگزیدہ پسندیدہ تھے۔ حضرت اسمعیل خصوصیت کے ساتھ اپنے گھر والوں کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم اس لئے دیتے تھے کہ گھر والوں کی اصلاح سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ آدمی کو چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی درستی کی طرف توجہ کرے پھر اقرب ترین لوگوں کی طرف اصلاح کا رخ موڑے پھر دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ وَ اَنْذِرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ۔ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل سے مراد ساری امت ہے انبیاء اپنی اپنی امتوں کے باپ ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا نماز و زکوٰۃ سے مراد وہ شریعت ہے جس کی تعمیل اللہ نے اسمعیل پر فرض کی تھی اور وہی ملتِ حنیفہ (دین ابراہیمی) ہم پر فرض ہے، نماز تمام بدنی عبادت میں اور زکوٰۃ تمام مالی عبادت میں افضل ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ انہی دونوں کا ذکر کیا ورنہ مراد تو پوری شریعت ہے۔

مَرْضِيًّا یعنی اللہ نے ان کو اپنی پیغمبری اور نبوت کے لئے پسند کر لیا تھا اور وہ اللہ کی طاعت پر قائم اور اعمال و افعال کی استقامت کے پابند تھے اس لئے اللہ ان سے راضی تھا۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيسَ ۗ اِنَّكَ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿۵۳﴾

اور میں کتاب میں کا تذکرہ پڑھو، بلاشبہ وہ صدیق نبی تھے، اور میں حضرت نوح کے پرداد اور حضرت شیت کے نواسے تھے، آپ کا نام اخنوخ تھا، درس کتب کی وجہ سے آپ کو ادریس کہا جاتا تھا (بہت پڑھنے والے) بیضاوی نے لکھا ہے ادریس غیر منصرف ہے (اس سے معلوم ہوا کہ یہ عربی نام نہیں) پھر درس سے مشتق ہونے کا کوئی معنی نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ جس زبان کا یہ لفظ ہو اس میں بھی لفظ ادریس کا معنی (کثیر درس یا اس کے قریب کوئی معنی ہو اور اسی بناء پر ادریس کو ادریس کہا جاتا ہو) عربی معنی کے موافق ہو۔ اللہ نے حضرت ادریس پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ بنوئی نے لکھا ہے حضرت ادریس قلم سے لکھنے اور کپڑا سینے لور سیاہ ہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں، آپ سے پہلے لوگ کھالوں کو بطور لباس استعمال کرتے تھے، آپ ہی نے سب سے پہلے تھیلا بنائے اور

کافروں سے جنگ کی۔ علم نجوم و حساب کے بھی آپ ہی موجد تھے۔

اور ہم نے (کمالات میں) ان کو لوہی جگہ تک پہنچایا، بعض علماء نے کہا مکانا  
 وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝  
 علیاً سے مراد ہے نبوت اور قرب خدا کا لوہا درجہ، بعض کے نزدیک جنت، بعض کے نزدیک چھٹایا جو تھا آسمان مراد ہے۔ حضرت  
 انس بن مالک نے حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت اور یس کو  
 چوتھے آسمان پر دیکھا تھا، یہ حدیث سورہ بنی اسرائیل اور سورہ انجم میں بیان کر دی گئی ہے۔

### حضرت اور یس کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ

کعب احبار وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت اور یس ایک روز دن بھر چلے اور دھوپ کی تیزی اور تپش سے آپ کو تکلیف  
 ہوئی بارگاہ الہی میں عرض کیا میرے رب ایک روز دھوپ کی تپش میں چلنے سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی پانسو برس کی مسافت جو  
 ایک دن میں چلنے پر مجبور ہو اس کی کیا حالت ہوگی، اے میرے رب اس سورج کی گرمی ہلکی کر دے اور جو فرشتہ اس کو چلاتا ہے  
 اس کا بار کم کر دے۔ دوسری صبح کو فرشتہ کو محسوس ہوا کہ سورج میں گرمی ہلکی ہو گئی جو روز کے معمول کے خلاف تھی، عرض کیا  
 اے میرے رب تیرے اس حکم (تخفیف) کی کیا وجہ ہے، اللہ نے فرمایا میرے بندے اور یس نے درخواست کی تھی کہ میں  
 سورج کی گرمی کم کر کے تیرے اوپر سے اس کا بار ہلکا کر دوں میں نے اس کی دعا قبول کر لی، فرشتہ نے عرض کیا پروردگار میری  
 اس سے دوستی کرادے، اللہ نے اجازت دیدی، آفتابی فرشتہ حضرت اور یس کے پاس آیا اور یس نے اس سے دریافت کیا اور کہا  
 مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو بڑا معزز فرشتہ ہے اور ملک الموت کے پاس تیری بڑی عزت ہے تو ملک الموت سے میری سفارش کر  
 دے کہ وہ میری موت میں کچھ مدت ڈھیل کر دے تاکہ میں اللہ کے شکر و عبادت میں مزید اضافہ کر سکوں، فرشتے نے کہا آئی  
 ہوئی اجل کو تو اللہ کسی کے لئے نہیں ٹالتا بہر حال میں ملک الموت سے کہوں گا۔ اس کے بعد آفتابی فرشتہ اور یس کو آسمان پر اٹھا  
 کر لے گیا اور طلوع آفتاب کے مقام کے قریب ان کو ٹھہرایا، پھر ملک الموت سے جا کر کہا میرا آپ سے ایک کام ہے بنی آدم  
 میں سے میرا ایک دوست ہے جس نے مجھ سے سفارش کرائی ہے کہ آپ اس کی موت کو کچھ پیچھے کر دیں، ملک الموت نے اپنے  
 رجسٹر میں اور یس کا نام دیکھا، دیکھ کر بولا آپ نے مجھ سے ایسے شخص کے متعلق گفتگو کی ہے جو میرے خیال میں آئندہ کبھی  
 نہیں مرے گا کیونکہ اس کا نام زندوں کے اس رجسٹر میں نہیں ہے جو مرنے والے ہیں، آفتابی فرشتے نے کہا یہ کیسے، ملک الموت  
 نے کہا میں نے اپنی رجسٹر میں یہ بات پائی کہ وہ آدمی طلوع آفتاب کے مقام کے قریب مرے گا۔ چنانچہ وہ مر گیا اب زندہ نہیں  
 ہے آفتابی فرشتے نے کہا میں جو آپ کے پاس آیا ہوں تو اس کو چھوڑ کر آیا ہوں ملک الموت نے کہا اب جا کر دیکھو تم اس کو مردہ پاؤ  
 گے اس کی زندگی کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے فرشتے نے جا کر دیکھا تو اور یس کو مردہ پایا۔

دوہب بن منبہ نے کہا آسمان پر اور یس زندہ ہیں یا مردہ علماء کے اقوال اس کے متعلق مختلف ہیں، ایک گروہ نے کہا وہ  
 آسمان پر زندہ موجود ہیں اور صرف وہ ہی نہیں بلکہ چار انبیاء زندہ ہیں خضر اور الیاس زمین پر اور اور یس و عیسیٰ آسمان پر۔ دوہب نے  
 بیان کیا آسمان پر روز زندہ اور یس کی اتنی عبادت پہنچتی تھی جتنی ساری زمین کے باشندوں کی، فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور ملک  
 الموت کو اور یس سے ملنے کا شوق ہوا اور اللہ سے اجازت لے کر وہ اور یس کی ملاقات کو آدمی کی شکل میں آیا۔ اور یس ہمیشہ  
 روزے رکھتے تھے جب افطار کا وقت آیا تو ملک الموت کو بھی انہوں نے کھانے پر بلایا، ملک الموت نے کھانے سے انکار کر دیا تین  
 روز ایسا ہی ہوتا رہا، اب اور یس کو ملک الموت کا انکار ناگوار ہوا اور تیسری شب کو ملک الموت سے پوچھا میں جانا چاہتا ہوں کہ آپ  
 کون ہیں، ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں اپنے رب سے آپ کے ساتھ رہنے کی اجازت لے کر آیا ہوں، اور یس  
 نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے، ملک الموت نے کہا کیا کام ہے، اور یس نے کہا آپ میری روح قبض کر لو۔ فرشتے نے روح  
 قبض کر لی پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے روح واپس کر دی، ملک الموت نے پوچھا آپ نے جو روح قبض کرنے کی درخواست کی  
 تھی اس کی غرض کیا تھی، اور یس نے کہا میں موت کی تکلیف اور گہرائی کا مزہ چکھنا چاہتا تھا (بالکل مر جانا میرا مقصد نہیں تھا)



تاکہ موت کے لئے میری قابلیت زیادہ قوی ہو جائے (یعنی آئندہ جب مجھ پر موت آئے تو میرے اندر اس کی تکلیف اٹھانے کی صلاحیت کامل ہو اور کیفیت موت سے میں آشنا ہو چکا ہوں) اس کے بعد حضرت اور لیس نے ملک الموت سے کہا میرا آپ سے ایک کام اور ہے ملک الموت نے پوچھا وہ کیا ہے، اور لیس نے کہا آپ مجھے آسمان پر لے جائیں تاکہ میں وہاں کے احوال دیکھ لوں اور جنت و دوزخ کی طرف بھی لے جائیں۔ اللہ نے ملک الموت کو اور لیس کی درخواست پوری کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ ملک الموت اور لیس کو لے گئے دوزخ پر پہنچے تو اور لیس نے ملک الموت سے کہا، آپ مالک (مہتمم دوزخ) سے کہہ کر دوزخ کے دروازے کھلو اور مجھے کہ میں (اندر جا کر اور) اتر کر دیکھ لوں، ملک الموت نے ایسا ہی کر دیا، اور لیس نے کہا دوزخ تو آپ نے دکھا دی اب جنت بھی دکھا دیجئے۔ ملک الموت جنت کی طرف لے گئے اور جنت کے دروازے کھلوا کر اندر لے گئے اندر پہنچ گئے تو فرشتے نے کہا اب یہاں سے باہر نکلو اور اپنی اصلی قرار گاہ پر واپس جاؤ۔ اور لیس ایک درخت کی نشی پکڑ کر چٹ گئے اور بولے اب میں یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا (دونوں میں گفتگو کا رد و بدل ہونے لگا) اللہ نے فیصلہ کرنے کے لئے ایک فرشتہ کو بھیجا، فرشتے نے آکر اور لیس سے پوچھا، آپ باہر کیوں نہیں جاتے، اور لیس نے جواب دیا جب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، میں موت کا مزہ چکھ چکا، اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص دوزخ میں ضرور اترے گا تو میں دوزخ میں اتر چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ جنت سے باہر کبھی نہیں نکلیں گے، اس لئے میں اب نہیں نکلوں گا، اللہ نے ملک الموت کے پاس وحی بھیجی میری اجازت سے یہ جنت میں داخل ہو اور میری اجازت (حکم) سے باہر نکلے گا (تم نکلنے کی کوشش مت کرو) یہی وجہ ہے کہ اور لیس وہاں زندہ ہیں، رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا کی یہی تشریح ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مِمَّنْ نَوْحًا وَمِمَّنْ دُرِّيَّةَ  
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَاهُ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا، جملہ دیگر انبیاء کے (نوح سے پہلے) آدم کی نسل سے اور (آدم سے نیچے) ان لوگوں کی نسل سے جن کو نوح کے ساتھ ہم نے (کشتی میں) سوار کیا تھا اور (نوح سے بہت نیچے) ابراہیم و یعقوب کی نسل سے اور یہ سب لوگ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت کی اور ہم نے ہی ان کو برگزیدہ کیا۔

أُولَٰئِكَ یعنی ذکر کیا سے اور لیس تک جن انبیاء کا ذکر کیا گیا۔

أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ یعنی دنیوی اور دینی نعمتوں سے نوازا۔

مِنْ ذُرِّيَةِ آدَمَ یعنی حضرت آدم کی نسل میں سے جیسے اور لیس وغیرہ۔

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا یعنی نسل کے ان لوگوں کی اولاد میں سے جو نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کئے گئے تھے خصوصاً نوح کی نسل سے جیسے ابراہیم و اسرئیل جو سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

وَمِمَّنْ دُرِّيَّةَ اِبْرَاهِيمَ اور نوح سے نیچے ابراہیم کی اولاد یعنی اسمعیل و اسحاق وغیرہ۔

وَمِمَّنْ دُرِّيَّةَ اِسْرَائِيلَ اور اسرئیل یعنی یعقوب کی نسل سے مثلاً موسیٰ ہارون ذکر کیا، یحییٰ، عیسیٰ آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی ذریت میں داخل ہے۔

وَاجْتَبَيْنَاهُ یعنی نبوت، اعزاز اور ہدایت کرنے کے لئے ہم نے انتخاب کر لیا۔

اور جب ان کے سامنے رحمن

اِذَا اسْتَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّارۡكَبُوْا سَبۡحًا

کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔

سُجَّدًا اساجد کی جمع ہے۔ سُبْحًا باکی کی جمع ہے یعنی اللہ کی رحمت کی طلب میں سجدہ میں گر پڑتے تھے اور عذاب کے

ذر سے روتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کو شرافت نسب، کمالات ذاتی، علوم مرتبہ اور قربِ خدو نندی حاصل تھا پھر بھی خشیت اللہ کی وجہ سے سجدہ میں گر جاتے اور روتے تھے۔

ابن ماجہ، اسحاق بن راہویہ اور بزار نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قرآن پڑھو اور گریہ کرو، روانہ آئے تو روتے بن جاؤ۔

پھر ان کے بعد کچھ

فَخَلَفَ مِنْ بَعْضِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ

ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (ناجائز) نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْضِهِمْ خَلْفٌ مِنْ بَعْضِهِمْ خَلْفٌ (ان کے جانشین ہوئے) ان کے پیچھے آئے۔ خَلْفٌ برے جانشین، خَلْفٌ اچھے جانشین۔ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ یعنی انہوں نے نماز ترک کر دی۔ حضرت ابن مسعود نے ترجمہ کیا، نماز وقت کو ٹال کر پڑھی۔ سعید بن مسیب نے اس کی تشریح میں فرمایا جیسے ظہر کی نماز عصر کا وقت آنے سے پہلے نہ پڑھی جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب سورج غروب ہونے لگے۔ حضرت مفسر نے فرمایا، میں کہتا ہوں کہ کسی مکروہ طریقے سے نماز پڑھنا اور نماز کے آداب و سنن کو ترک کرنا بھی نماز کو ضائع کرنا ہی ہے۔ اتباع شہوات کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی طاعت کو چھوڑا اور نفس کی خواہشات کو پورا کیا اور اللہ کی نافرمانیاں کیں۔

سویہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی پائیں گے (یعنی غنی میں پھینک دیئے

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا ۝۱۰۰)

جائے گے)۔ بغوی نے لکھا ہے، وہب بن منبہ کا قول ہے کہ غنی جنم کے اندر ایک بہت گہری وادی کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جنم کے اندر ایک ایسی وادی ہے کہ جنم بھی اس کی گرمی سے پناہ مانگتی ہے۔ عادی زنا کاروں کے لئے، دوامی شراب خوروں کے لئے اور ان سود خوروں کے لئے جو سود خوری سے باز نہیں آتے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے اور جھوٹے گواہوں کے لئے اس کو تیار کیا گیا ہے۔ ابن مردویہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ بغوی نے عطا کا قول نقل کیا ہے کہ غنی جنم کے اندر ایک وادی ہے، جس کے اندر (بجائے پانی کے) پیپ اور خون بہتا ہے۔ کعب نے کہا غنی جنم کے اندر ایک بہت ہی گرمی اور گرم ترین وادی ہے جس کے اندر ایک گنواں ہے کنوئیں کو بیکم کہا جاتا ہے، دوزخ کی آگ جب کبھی بجھنے لگتی ہے تو اس کنوئیں کا منہ کھول دیا جاتا ہے جس کی آگ سے دوزخ پھر بھڑکنے لگتی ہے۔ بغوی نے بروایت ذکر کیا ابن ابی مریم خزاعی بیان کیا کہ حضرت ابوامامہ باہلی نے فرمایا جنم کے بالائی کنارہ سے گہرائی تک اتنی دوری ہے کہ کوئی دس ماہہ عظیم الجثہ لونٹیوں کے برابر اگر کوئی پتھر یا چٹان اوپر سے نیچے کو لڑھکائی جائے تو ستر برس کی مسافت طے کر کے نیچے پہنچے، یہ سن کر عبدالرحیم بن خالد بن ولد کے آزاد کردہ غلام نے دریافت کیا حضرت کیا اس کے نیچے بھی کچھ ہے، حضرت ابوامامہ نے فرمایا ہاں غنی اور اناام ہے۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، سعید بن منصور، ہناد، فریبانی حاکم اور بیہقی نے مختلف سندوں سے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ غنی جنم کے اندر ایک وادی ہے یا ایک نہر ہے (اختلاف روایت) بہت گہری بہت بد مزہ۔ دوسری روایت میں ہے دوزخ کے اندر گر مہانی کی ایک نہر ہے جو لوگ خواہشات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں انکو اس کے اندر پھینکا جائے گا۔ بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا غنی جنم کے اندر ایک بہت گہری بد بودار وادی ہے۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت براء بن عازب کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دس لوقہ وزن کا کوئی پتھر جنم کے (بالائی) کنارہ سے اندر پھینکا جائے تو ستر برس تک اس کی یہ تک نہیں پہنچے گا پھر غنی اور اناام تک پہنچ جائے گا (یعنی جنم کی یہ تک پہنچنے کے بعد جب لور نیچے جائے گا تو غنی و اناام پر پہنچے گا) میں نے عرض کیا غنی اور اناام کیا چیز ہے، فرمایا جنم کے نچلے حصے میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ لہورواں ہے۔ اور یہی وہ دو نہریں ہیں جن کا ذکر اللہ نے آیت فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا اور آیت مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ اَنَامًا میں کیا ہے، بعض علماء نے کہا غنی کا معنی اس جگہ وہی لغوی معنی یعنی گہرائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ راہ جنت کم پائیں گے، جنت کے راستے سے بھٹک جائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر بدی کو غنی اور ہر اچھائی کو رشاد کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے آیت کی تشریح میں ضحاک نے کہا وہ خسران پائیں گے، بعض نے غنی کا

ترجمہ ہلاک اور بعض نے عذاب کیا ہے، عذاب ہو یا ہلاکت یا خسران و ناکامی سب ہی شر و بدی کے اقسام ہیں، بعض علماء نے محذوف مانتے ہوئے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے، دنیا میں گمراہ ہونے کا بدلہ اور سزا آخرت میں پائیں گے۔

اَلَا مَنْ كَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۱۶﴾

ہاں اگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ یعنی اتباع خواہشات اور ترک صلوة سے جس نے توبہ کر لی اور کفر چھوڑ کر ایمان لے آیا اور حسب تقاضائے ایمان نیک عمل کئے وہ جنت میں داخل ہو گا اور اس کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ اور ایمان کے بعد سابق کفر کا کوئی مواخذہ اس سے نہیں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسلام پچھلے یعنی ایمان لانے سے پہلے جرائم کو ڈھاتا ہے۔ رواہ مسلم من حدیث عمر بن العاص۔

اَلَا مَنْ كَابَ وَ اٰمَنَ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ مذکورہ بالا عذاب کی وعید کافروں کے لئے ہے اور جو کفر کے بعد ایمان لے آئے اس کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ عذاب کی وعید سے صرف مَنْ اٰمَنَ ہی مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صٰلِحًا کا مجموعہ مستثنیٰ ہے اس لئے وعید سابق صرف کافروں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مومن فاسق بھی وعید میں داخل ہیں، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غی، زانی، شرابی اور دوسرے اہل کبائر کے لئے ہے یعنی صرف کافروں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ فاسق مومن کے لئے بھی ہے۔

جَلَّتْ عَدْنُ الْاٰتِي وَ عَدَّ الرَّحْمٰنُ عِبَادًا كٰذِبًا بِالْغَيْبِ ﴿۱۷﴾

(اور) ہمیشہ رہنے کے باغوں میں جن کا رحمن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کیا ہے (رہیں گے) عَدْنُ یا مصدر ہے بمعنی قیام یا ایک جنت یا جنت کی زمین کا نام ہے۔ بِالْغَيْبِ ان لوگوں کیلئے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے جو جنت سے غائب اور اس کو نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ غیب پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی وجہ سے اللہ نے اپنے بندوں کیلئے جنت کا وعدہ کیا ہے، اول مطلب پر بِالْغَيْبِ کا تعلق مُتَلَتِّسِينَ محذوف سے ہو گا اور دوسرے مطلب پر وَعَدَّ سے۔

اِنَّهٗ كَانَ وَعَدًا مَّائِيًا ﴿۱۷﴾ بے شک اللہ کی وعدہ کی ہوئی چیز کو وہ ضرور پچھیں گے۔ مَّائِيًا (اسم ظرف) یعنی اہل جنت جنت میں ضرور داخل ہوں گے یا مَّائِيًا اسم مفعول بمعنی اسم قاعل ہے، یعنی اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے، دونوں مضمونوں میں کوئی فرق نہیں، عربی محاورہ میں بولا جاتا ہے مجھ پر پچاس سال گزر گئے۔ میں پچاس سال پر گزر گیا، دونوں ہم معنی ہیں۔

اَلَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا نَغْوًا وَّ اِلَّا سَلٰمًا ﴿۱۸﴾ اس جنت میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پائیں گے، بجز سلام کے یعنی جنت کے اندر اہل جنت کوئی بیہودہ لفظ نہیں سنیں گے بلکہ اللہ کی طرف سے اور باہم ایک دوسرے کی طرف سے سلام (کی آواز) سنیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت ایسا کلام ہی سنیں گے جو عیب اور نقص سے پاک ہو گا۔

وَلَهُمْ فِيْهَا رِزْقٌ فَضُوْلًا ﴿۱۹﴾ اور ان کو ان کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا۔ یعنی ہر طرح کا رزق با فراغت اور سکھ حاصل ہو گا۔ حسن بھری نے کہا، عرب کے نزدیک زندگی کا عیش اس سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا کہ صبح و شام کھانے کو غذا (پیٹ بھر کر) مل جائے، اللہ نے عرب ہی کے محاورہ کے مطابق اہل جنت کے لئے صبح و شام رزق ملنے کا ذکر کیا ورنہ حقیقت میں ہر قسم کے عیش کا حصول مقصود ہے۔ سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنتی مقدار ان کو دنیا میں ملتی تھی اتنی ہی آخرت میں ملے گی۔ ابن مبارک نے اس آیت کی تشریح میں ضحاک کا قول نقل کیا کہ رات و دن کی مقدار کے مطابق ان کو ملے گا۔ ابن المنذر نے بیان کیا کہ ولید بن مسلم نے کہا میں نے اس آیت کی تشریح زہیر بن محمد سے دریافت کی۔ زہیر نے کہا جنت میں رات نہیں ہوگی، وہاں تو ہمیشہ نور ہی ہو گا۔ پردہ چھوڑنے سے رات کا اندازہ اور پردہ اٹھانے سے دن کا اندازہ معلوم ہو گا۔

حکیم ترمذی نے النوادر میں حضرت ابو قلابہ و حضرت حسن کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت میں رات ہوگی، فرمایا، وہاں تو محض نور کی چمک ہوگی، صبح کا شام پر اور شام کا صبح پر تو ارد ہوگا، اللہ کی طرف سے نمازوں کے ان اوقات میں جن میں وہ نمازیں پڑھا کرتے تھے، عجیب تھے لگے پاس آئیں گے اور فرشتے ان اوقات میں ان کو سلام کریں گے۔  
**تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَوَّابًا**

یہ جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں۔ نورث یعنی ہم جنت کو ان کے ثنوی کا ثمرہ بنا کر ان کے لئے باقی رکھیں گی، جیسے مورث کا مال وارث کے لئے باقی رہتا ہے، مطلب یہ کہ وارث کرنے سے مراد ہے باقی رکھنا یہ مطلب نہیں کہ پہلے جنت کا کوئی اور مالک تھا اس کے مرنے کے بعد نیک بندوں کو اس کا وارث بنایا گیا۔ وارث بنانے سے مراد مالک بنانا بھی ہو سکتا۔ علامہ ابو یوسف رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (مرثیہ) وارث کا لفظ (بجائے تملیک کے) اس لئے اختیار کیا کہ ملکیت و استحقاق کا سب سے قوی ذریعہ وارثت ہی ہے، نہ مورث اس کو فتح کر سکتا ہے، نہ وارث سے واپس لینے کا امکان ہے، نہ اس کو رد کیا جاسکتا ہے، نہ اس کا اسقاط ممکن ہے۔ بعض علماء نے کہا مومنوں کو جنت کے اندر بعض ایسے مکان بھی ملیں گے جو واقع میں ان دوزخیوں کے لئے تھے کہ اگر وہ کفر نہ کرتے تو ان مکانوں کے مالک و قابض ہوتے لیکن ان کے دوزخ میں جانے کے بعد اللہ ان کے مسکن پر مومنوں کو قابض بنا دے گا۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے صحیح صحیح حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے دو گھر ہوں گے ایک جنت کے اندر ایک دوزخ میں جانے کے بعد دوزخ میں چلا جائے گا تو اس کے جنت والے گھر کے وارث اہل جنت ہو جائیں گے یہ ہی اللہ کے قول (أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ) کا مفہوم ہے۔

حضرت انس کی روایت سے ابن ماجہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے وارث کو میراث دینے سے بھاگے گا، اللہ جنت کے اندر اس کی (موجود) میراث کو کاٹ دے گا۔

حضرت ابن عباس کی روایت سے بخاری نے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا ہماری ملاقات سے روکنے والی آب کے لئے کیا چیز ہے (یعنی کیا وجہ کہ آپ ہمارے پاس نہیں آئے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔  
**وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ**  
 اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اصل کلام اس طرح تھا۔ جبرئیل محمد ﷺ سے کہہ دو کہ ہم بغیر رب کے حکم کے نہیں اترتے۔ تَنْزِيلٌ (باب تفعیل) بمعنی نزول بھی آتا ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اترنا بھی تَنْزِيلٌ کا مفہوم ہے، کیونکہ باب تفعیل کا مطاوع ہوتا ہے اور تَنْزِيلٌ کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا اترنا پس تَنْزِيلٌ کا معنی ہو لو وقفہ وقفہ کے بعد اترنا، کبھی تَنْزِيلٌ اِنْزَالٌ (اتارنا) کا ہم معنی بھی آتا ہے یعنی اس کے معنی میں آہستہ آہستہ اور قدرے قدرے کا مفہوم نہیں ہوتا۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک بار جبرئیل کے آنے میں چالیس روز کا وقفہ ہو گیا۔ ابن مردویہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا مکان اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور کون سی جگہ ہے جس سے اللہ کو سب سے زیادہ نفرت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم، میں جبرئیل سے دریافت کروں گا، اس کے بعد جبرئیل کو آئے میں (ایک لمبی مدت تک) تاخیر ہو گئی، پھر جب جبرئیل آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا آپ نے آنے میں بڑی مدت لگادی مجھے تو یہ خیال ہونے لگا کہ شاید میرا رب مجھ سے کچھ ناراض ہو گیا، اس کے جواب میں حضرت جبرئیل نے کہا وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ۔

ابو نعیم نے دلائل میں لور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے جب اصحاب کعبہ لور ذوالقرنین لور روح کے متعلق دریافت کیا اور آپ کو اس کا جواب معلوم نہ تھا (اس لئے آپ نے دوسرے روز جواب دینے کا وعدہ کر لیا) آپ کو امید تھی کہ وحی سے جواب معلوم ہو جائے گا لیکن جبرئیل پندرہ روز تک نہیں آئے اور

کوئی وحی بھی نہیں آئی پندرہ روز کے بعد جب جبرئیل آئے تو آپ نے ان سے تاخیر نزول کا شکوہ کیا۔ اِن

بغوی نے ضحاک، عکرمہ، مقاتل اور کلبی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب قوم والوں نے رسول اللہ سے اصحاب کف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو حضور نے فرمایا میں کل کو بتا دوں گا آپ نے اس وعدے کے ساتھ انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبرئیل مدت تک نہیں آئے اور حضور ﷺ کو (جبرئیل کے نہ آنے اور جواب معلوم نہ ہونے سے) تکلیف ہونے لگی پھر کچھ دنوں کے بعد جب جبرئیل آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا آپ نے بہت دیر کر دی، میرا تو خیال خراب ہونے لگا تھا، میں آپ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا رہا، جبرئیل نے کہا میں بھی آپ سے ملنے کا مشتاق تھا لیکن میں حکم کا بندہ ہوں، مجھے جب بھیجا جاتا ہے آجاتا ہوں روک دیا جاتا ہے رک جاتا ہوں، اس پر یہ آیت اور آیات وَالضَّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ نازل ہوئیں۔

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِيَنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝

اسی کی بلکہ ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِيَنَا سے مراد ہے وقت حاضر سے آئندہ قیامت تک بلکہ ابد الابد تک ہونے والے واقعات، امور، اشیاء، حوادث، دنیوی ہوں یا اخروی اور مَا خَلْفَنَا سے مراد ہیں ماضی کے احوال، واقعات، حوادث اور امور و اشیاء، اور مَا بَيْنَ ذَلِكَ سے مراد ہے وقت حاضر اور اس میں موجود تمام اشیاء و احوال۔ بعض علماء کے نزدیک مَا بَيْنَ أَيْدِيَنَا سے مراد ہے زمین جب ہم اس پر اترنا چاہیں اور خَلْفَنَا سے مراد ہے آسمان جب ہم اس سے اترنے کا ارادہ کریں اور اترنے لگیں اور مَا بَيْنَ ذَلِكَ سے مراد ہے درمیانی فضاء اور فضاء۔

آپ کا رب بھولنے والا نہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا رب آپ کو بالکل چھوڑ دے، اور آپ کے پاس وحی نہ بھیجے اور ہم بالکل آپ کے پاس نہ آئیں ایسا نہیں ہے بلکہ تاخیر وحی اللہ کی حکمت پر مبنی ہے جس سے وہی واقف ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاَعْبُدُوْهُ وَاَصْطَلِبْ لِعِبَادَتِهِ ۝

وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان ہیں سو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ عدم نسیان کی علت ہے۔ فَاَعْبُدُوْهُ اور وَاَصْطَلِبْ لِعِبَادَتِهِ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کی رحمت و فضل آپ پر کامل طور پر ہے اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ آپ کو بھول جائے لہذا بطور شکر نعمت آپ اس کی عبادت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور عبادت کی پابندی کریں تاخیر وحی اور استہزاء کفار سے پریشان خاطر نہ ہوں۔

(صَبْر کے بعد عربی میں عَلٰی آتا ہے لیکن) یہاں اِصْطَلِبْ کے بعد لام کا استعمال کیا، اشارہ اس طرف ہے کہ عبادت کی پابندی سے لذت حاصل کرو (ناگوار سمجھ کر نہ ادا کرو) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز میں میری آنکھ کی خشکی بنا دی گئی ہے۔

یابہ مطلب ہے کہ کفار کی طرف کی ایذا رسانی اور مشکلات و شدائد پر آپ صبر کریں تاکہ اللہ کی عبادت پر آپ کو جماد حاصل ہو اور آپ اللہ کے عابد بن سکیں۔ (اس صورت میں لِعِبَادَتِهِ میں لام اجلیہ ہوگا)

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝

بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے سَمِيًّا کا ترجمہ کیا ایسا مثل جو عبادت کئے جانے اور لالہ کملانے کا مستحق ہو۔ کلبی نے کہا یعنی کیا آپ اللہ کے سوا کسی اور کو ایسا پلاتے ہیں جس کا نام اللہ ہو مشرکین بتوں کو الہ (معبود) کہتے تھے اللہ (ذات جامع صفات کمالیہ) نہیں کہتے تھے، وجہ یہ تھی کہ اللہ کی وحدانیت ظاہر تھی اس کی ذات کے کوئی مشابہ نہ تھا اس لئے لفظ اللہ کے مصداق میں کوئی اشتباہ نہ تھا۔



معنی ہے پھیل گیا۔ مشہور ہو گیا۔ (قاموس) میں کہتا ہوں مبعین اور انصار کو شیعہ اس لئے کہتے ہیں کہ شیوع اور پھیلاؤ کا لازمی نتیجہ تقویت ہے اور مددگاروں کے پھیلاؤ سے بھی متبوع اور پیشوا کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ شَاعَ الْقَوْمُ، قوم پھیل گئی۔ اس کی تعداد بہت ہو گئی۔ شَبَّعْتُ النَّارَ بِالْحَطَبِ میں نے آگ کو لکڑیاں ڈال کر تیز کر دیا، کثرت مبعین سے بھی آدمی کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

عَبْتِيًّا (مصدر ہے) بیجا غرور، معصیت میں حد سے آگے بڑھ جانا (قاموس) کیا طاعت سے سرکشی کرنا۔ بخوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ عِبْتِيٌّ سے اس جگہ جرأت مراد ہے، یعنی اللہ کے مقابلہ میں بیباکی، مترجم) مجاہد نے اس کا ترجمہ فجور کیا۔

عَبْتِيًّا ضابطہ نحو کے لحاظ سے تیز ہے یعنی اَيْتُهُمْ اَشَدُّ عَلَي الرَّحْمٰنِ عِتْوَةً۔ سبویہ کے نزدیک لفظ اَيْتُهُمْ مفعول ہونے کی بناء پر محل نصب میں ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ اَيْتُ موصولہ ہے اور دوسرے موصولات کی طرح اس کو مبنی ہی ہونا چاہئے لیکن لفظ بعض اور لفظ کل کی طرح یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے پھر اس جگہ اس کے صلہ کا ابتدائی جزو محذوف بھی ہے (یعنی اَيْتُهُمْ اَشَدُّ عَلَي الرَّحْمٰنِ اَصْلٌ فِي اَيْتِهِمْ هُوَ اَشَدُّ عَلَي الرَّحْمٰنِ تَهَا) اس جگہ لفظ اَيْتُ مبنی نہیں ہے معرب ہے۔ سبویہ کے نزدیک اَيْتُهُمْ مبتدا ہے اور اَشَدُّ خبر ہے۔ مِّنْ كُلِّ مِّنْ بِمَعْنَى بَعْضٍ ہے یا زائد ہے۔

پھر ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہوں گے  
 ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صٰلِحِيْنَ ۝  
 جو دوزخ میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے۔

### ایک شبہ

لفظ ثُمَّ کا استعمال بتا رہا ہے کہ پہلے جہنم کے گرد اگر دوزخیوں کو حاضر کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہر گروہ میں سے سب سے بڑے نافرمانوں کو چھانا جائے گا، پھر آخر میں اللہ کو علم ہو گا کہ آگ میں داخل ہونے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے، حالانکہ اللہ کو اگر دوزخیوں کا علم پہلے سے نہ ہو گا تو دوزخ کے گرد اگر دن کو جمع کیے کیا جائے گا اور سب سے بڑے نافرمانوں کو ہر گروہ میں سے چھانٹ کر نکالا کیسے جائے گا۔

### ازالہ

(۱) ثم اس جگہ تاخیر زمانی کے لئے مستعمل نہیں ہے بلکہ صرف ترتیب کلام کی تاخیر اور مرتبہ کی تراخی کے لئے مستعمل ہے جیسے آیت ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اَنْسَوْا الْبَيْعَ میں آیا ہے۔ (۲) یا اس آیت میں جاننے سے مراد ہے عذاب دینا (کیونکہ جاننے کا نتیجہ عذاب کی شکل میں ہی نمودار ہو گا) اور ظاہر ہے کہ دوزخ پر حاضر کرنے کے بعد عذاب دیا جائے گا۔

### ایک سوال

اَعْلَمُ اسم تفہیل ہے تو کیا اللہ کے سوا قیامت کے دن کوئی اور مخلوق بھی دوزخوں کے مستحق دوزخ ہونے سے واقف ہو، کیا کسی اور کو بھی ان کے عقائد و اعمال کا علم ہو گا۔

### جواب

(۱) یہاں اَعْلَمُ بمعنی عَلِيْمٌ کے ہے یعنی ہم ہی واقف ہوں گے کہ کون دوزخ میں داخلہ کا زیادہ مستحق ہے۔  
 (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ اعمال نامے لکھنے والے فرشتے دوزخیوں کے اعمال سے واقف ہوں، بدکار اور پرہیزگار، سعید اور شقی ہر ایک کو تفہیل سے جانتے ہوں لیکن ان سب کے علم سے اللہ کا علم زائد ہو پس اللہ سب سے زیادہ ان کے احوال سے واقف ہو گا (کیونکہ اللہ کو دماغی تصورات اور قلبی تصدیقات اور اندرونی نیتوں کا بھی علم ہے اور اعمال لکھنے والوں کو ان میں سے کسی بات کا علم نہیں ان کو تو صرف بدنی اعمال کا علم ہے)

مِّنْ كُلِّ شَيْعَةٍ كَالْفِطْرِ اور گناہ گار مسلمانوں سب کو شامل مانا جائے تو لفظ اَشَدُّ سے حبیہ ہو گی اس امر پر کہ

اللہ بکثرت گناہگار مومنوں کو معاف فرمادے گا، لیکن بغوی اور اکثر اہل تفسیر نے کُلِّ شَيْعَةٍ سے صرف کافروں کے گروہ مراد قرار دیئے ہیں اور رقم کلام کا بھی یہی تقاضا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کافروں کے ہر گروہ میں سے ترتیب وار حسب درجہ کفر چھٹا لیں گے اور کئے بعد دیگرے ترتیب کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیں گے۔ جو سب سے زیادہ باغی ہوگا، اس کو سب سے پہلے، پھر اس سے کم سرکش کو، پھر اس سے کم بغاوت والے کو یا یہ مطلب ہوگا کہ ہر کافر کو دوزخ کے اس درجہ اور طبقہ کے لئے چھٹا لیں گے جو اس کے لئے مقرر اور نامزد ہوگا۔ آیت مذکورہ کی تشریح میں ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ جب اول و آخر سب کا حشر ہو چکے گا اور سب کی گنتی پوری ہو جائے گی تو پھر ترتیب وار بڑے جرائم والوں کو پھر ان سے کم جرائم والوں کو پھر ان سے کم درجہ کے مجرموں کو چھٹا جائے گا۔ ہتاد نے احوص کا قول بھی اس آیت کی تشریح میں اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے۔

اور تم میں سے ہر ایک دوزخ پر اترنے والا ہے (یعنی اللہ نے قسم کھا کر فرمایا

وَلَنْ يَمُنَّ بِكُمْ اِلَّا وَاِرْدُهَا

ہے کہ ہر شخص کو دوزخ پر ضرور اترنا ہوگا)

كَانَ عَلَى رَيْكِ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ①

یہ آپ کے رب پر (اس کے وعدے کے موافق) لازم ہے، جو

ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

حَتْمٌ مصدر (بمعنی صفت) ہے یعنی لازم ہے اللہ نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے۔ اللہ نے یہ امر طے کر دیا ہے اور قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔

لَمْ تَنْجِي الْبَيْنَ اَنْتَقُوا وَنَذَرْنَا الظَّالِمِينَ فِيهَا جُنُودًا ②

پھر (جنم پر اتارنے کے بعد) ان لوگوں کو ہم بچائیں گے جو (شرک سے) بچتے رہے تھے (عذاب دے کر یا بغیر مزادے۔ بہر حال اہل توحید و ایمان کو دوزخ سے نجات دیدی جائے گی) اور کافروں کو دوزخ کے اندر سب کو چھوڑ دیں گے۔

چھٹا یعنی سب کو یعنی دوزخ انویاز انوکے بل بیٹھا چھوڑ دیں گے، درود سے مراد ہے داخل ہونا، پل صراط جنم کے اوپر ہوگا اور اس پر سے سب کو گزرنایا ہوگا۔

بعض اہل ہوی (یعنی فرقہ مر جیہ والے جو ایمان صحیح کے بعد کسی گناہ کو ضرر رساں نہیں خیال کرتے اور کہتے ہیں اگر ایمان دل میں موجود ہے تو پھر کسی مومن کا داخلہ جنم میں نہ ہوگا) کہتے ہیں کہ درود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے بلکہ دوزخ پر حاضر ہونا اور اس کو دیکھنا مراد ہے۔ حساب کے مقام پر تو سب کو جانا ہی ہوگا اور مقام حساب جنم کے قریب ہوگا اس لئے ہر ایک کو دوزخ سامنے نظر آئے گی۔

یہ فرقہ کہتا ہے کہ مومن کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا، کیونکہ جو شخص دوزخ میں چلا جائے گا وہ کبھی وہاں سے باہر نہ آسکے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الدِّينَ سَبَقَتْ لَهُمْ يَسْنَا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْبَهَا مقام حساب میں حاضر کرنے کے بعد اللہ مومنوں کو تو وہیں سے نجات دے کر جنت میں لے جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔ درود کا معنی قریب یا کنارے پر پہنچ جانا، قرآن مجید میں بھی آیا ہے وَ لَمَّا وُرِدْنَا مَدْيَنَ اور جب موسیٰ مدین کے بانی (کنوئیں) پر اترے، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کنوئیں کے اندر نہیں اترے تھے کنارہ پر پہنچے تھے، اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوئی ہے جو امام احمد اور ابو یعلیٰ اور طبرانی نے قابل قبول سند کے ساتھ حضرت معاذ بن انس کی روایت سے بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی خوشی سے حاکم کے جبر کے بغیر جہاد میں مسلمانوں کی چوکیداری کرے گا وہ دوزخ کو اپنی آنکھ سے بھی نہیں دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے وَلَنْ يَمُنَّ بِكُمْ اِلَّا وَاِرْدُهَا اور یہ (جملہ اہل تفسیر کے نزدیک قسیدہ ہے)



## اہل سنت کے مسلک کی تشریح

## اور مرجعہ کے شہادت کا ازالہ

ہم کہتے ہیں گردن اٹھا کر جھانکنا، دیکھنا، کنارہ پر پہنچ جانا اور حاضر ہونا پیشک درود کے مجازی معنی ہیں (حقیقی معنی داخل ہونا ہی ہے) اور مجازی معنی کی طرف رجوع کسی خاص ضرورت ہی کے زیر اثر ہوتا ہے اور یہاں کوئی ضرورت داعی نہیں بلکہ اسی آیت میں مجازی معنی مراد نہ ہونے کی تائید ملتی ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ نَنْجِيْ اور نَذْرَ آيا ہے اور ظاہر ہے کہ نجات دینا یا دوزخ میں چھوڑ دینا اسی وقت ممکن ہے جب پہلے سے دوزخ میں داخلہ ہو گیا ہو۔

حدیث سے استدلال بھی ناکافی ہے، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قسم پوری کرنے کے لئے دوزخ کو دیکھنا ضروری ہے آگ میں داخلہ نہ ہونا نہ مذکور ہے، نہ مستنبط۔

رہی آیت اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُنْعَدُوْنَ تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں داخلہ کے بعد اور پھر نجات کا وقت اور حکم آجانے کے بعد ان کو دور کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے اور دور ہو جانے کے بعد پھر وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے، یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ آگ چونکہ ان کے لئے ٹھنڈی کر دی جائے گی اس لئے دوزخ میں داخل ہونے کے وقت ان کو آگ کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے گی۔

ہناد اور طبرانی اور بیہقی نے خالد بن معد کا قول نقل کیا کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد جنتی عرض کریں گے اے ہمارے مالک کیا تو نے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ آگ میں ضرور داخل کئے جائیں گے، اللہ فرمائے گا ضرور یہ وعدہ کیا تھا اور ایسا ہو بھی گیا تم لوگ آگ پر سے گزر گئے اور (چونکہ) آگ ٹھنڈی کر دی گئی (اس لئے تم کو محسوس بھی نہیں ہوئی) ابن عدی اور طبرانی نے حضرت یعلیٰ بن امیہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آگ موہن سے کہے گی (میرے لوپر سے) گزر جا، تیرے نور نے تو میری لپٹ کو بچھادیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ ورود بمعنی دخول ہے خواہ بصورت مرد رہی ہو (اندر گھسنا مراد نہ ہو، لوپر سے گزر جانا مراد ہو) اس کا ثبوت ابو سمیہ کے اس بیان سے ملتا ہے جو امام احمد اور حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے ابو سمیہ نے کہا ورود کے معنی کی تعیین میں ہمارا باہم اختلاف ہو گیا کسی نے کہا مومن دوزخ میں داخل ہی نہیں ہو گا کسی نے کہا دوزخ میں سب کو جانا ہو گا پھر شرک سے پرہیز رکھنے والوں کو اللہ نجات دیدے گا۔ میں نے اس اختلاف کا تذکرہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیا حضرت جابر نے اپنی دونوں انگلیاں کانوں تک لے جا کر فرمایا یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے ان کانوں سے نہ سنا ہو کہ نیک ہو یا بد کوئی بھی آگ میں داخل ہوئے بغیر نہیں بچے گا مگر مومن کے لئے آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ اور باعث سلامتی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم کے لئے ہو گئی تھی یہاں تک کہ مومنوں کی ٹھنڈک سے آگ چلا اٹھے گی۔ ثُمَّ نَنْجِيْهِ الدِّينَ اتَّقُوا وَنَذَرَ الظَّالِمِيْنَ فِيْهَا جِسْمًا پھر ہم شرک سے بچنے والوں کو نجات دیدیں گے اور سب کافروں کو اسی کے اندر چھوڑ دیں گے۔

بغوی نے بحوالہ ابن عیینہ، عمرو بن دینار کی روایت سے بیان کیا کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس سے ورود کے معنی کی تشریح میں کچھ اختلاف کیا اور کہا ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاَرَادُوْنَ كَيْفَ اس آیت میں ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے۔ کیا وہ جنم میں داخل نہیں ہوں گے، پھر فرمایا نافع تم اور میں سب اس میں داخل ہوں گے مجھے تو امید ہے کہ اللہ مجھے نکال لے گا لیکن میرا خیال ہے کہ تجھے نہیں نکالے گا کیونکہ تو داخل ہونے کا ہی منکر ہے۔

سعید بن منصور، عبد الرزاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے مجاہد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نافع بن ازرق

حضرت ابن عباسؓ سے ورود کے مراد ہی معنی کے متعلق جھگڑنے لگا۔ الی آخر۔ حضرت ابن عباس نے انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصص جہنم انتم لها واردون تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کیا وہ آگ میں داخل ہوں گے یا نہیں۔ اسکے بعد یہ آیت پڑھی یقدم قومہ یوم القیامۃ فأوردہم النار اور فرمایا کیا وہ دوزخ میں اپنی قوم کو لے جائے گا یا نہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا میں اور تو سب ہی اس میں داخل ہوں گے۔ اب تو خود ہی غور کر لے کہ تو وہاں سے نکلے گا یا نہیں (ہمیشہ اس کے اندر ہی پڑا رہے گا) بطریق عونی حضرت ابن عباس کا قول آیت ان یتنکم الا وادھما کی تفسیر میں آیا ہے کہ نیک اور بد سب ہی اس میں داخل ہوں گے کیا تم کو نہیں معلوم کہ (ورود بمعنی دخول دوسری آیات میں بھی آیا ہے) اللہ نے فرمایا ہے فأوردہم النار وینس الوزد المورود۔ ونسوق المجرین الی جہنم ورذا۔

حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے آیت ان یتنکم الا وادھما کا معنی پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا ان یتنکم الا وادھما (یعنی وارد کا معنی ہے داخل)

بیہقی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا دوزخ میں داخل ہوئے بغیر کوئی نہیں رہے گا۔

امام احمد، ترمذی، بیہقی اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے آیت ولان یتنکم الا وادھما کے سلسلہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب لوگ دوزخ پر اتریں گے۔ اس کے بعد اپنے اپنے اعمال کے موافق وہاں سے نکال لئے جائیں گے، اول شخص بجلی چمکنے کی طرح (نکل جائے گا) پھر ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی تیز دوڑ کی طرح پھر اونٹ کی رفتار کی طرح جس پر سامان بھی لد اہو۔ پھر آدمی کے دوڑنے کی طرح پھر آدمی کی معمولی رفتار کی طرح۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ سب لوگ پل صراط پر اتریں گے۔ اور اترنے سے مراد ہے ان کا قیام پھر اپنے اپنے اعمال کے موافق صراط سے باہر نکال لئے جائیں گے۔ کوئی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ کوئی بہترین اونٹ کی طرح، کوئی آدمی کی دوڑ کی طرح (دوڑ کر) گزر جائے گا۔ یہاں تک کہ گزرنے والوں میں آخری وہ شخص ہو گا جو پل صراط پر اپنے قدموں کے انگوٹھے رکھتا ہو اصراط سے گزر جائے گا۔ شیخین (بخاری و مسلم) نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہو گا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مرجائیں اور وہ آگ میں داخل ہو ہاں صرف قسم پوری کرنے کے لئے (ضرور داخل ہو گا) اس کے بعد سفیان (راوی) نے آیت ولان یتنکم الا وادھما پڑھی، طبرانی نے حضرت عبد بن بشیر انصاری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے تین نابالغ بچے مرجائیں گے وہ (دوزخ میں) نہیں اترے گا۔ مگر وہ گزر کی طرح۔ یعنی وہ پل صراط سے گزر جائے گا (بغیر ٹھیرنے کے)

ابن جریر نے غنیم بن قیس کا بیان نقل کیا کہ لوگوں نے آگ میں وارد ہونے کے سلسلہ میں کچھ تذکرہ کیا۔ حضرت کعب نے فرمایا۔ آگ (سب) لوگوں کو روک لے گی یہاں تک کہ سب لوگوں کے قدم اس پر ٹھیک طرح سے ٹھہر جائیں گے نیکیوں کے بھی اور بدوں کے بھی پھر (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارے گا اپنے ساتھیوں کو روکے رکھ لور میرے رفقاء کو چھوڑ دے یہ نہ اہوتے ہی جو دوزخ کا ساتھی ہو گا وہ دوزخ میں دھنس جائے گا جس طرح آدمی اپنے بچے کو پچھاتا ہے اس سے زیادہ دوزخ اپنے دوست کو پچھانتی ہو گی اور مومن اس طرح نکل جائیں گے کہ ان کے کپڑے بھی (خشک نہ ہوئے ہوں گے) اتر ہوں گے۔

سیوطی نے لکھا ہے بعض علماء اہل سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے داخل ہونا قرطبی نے اس معنی کو ترجیح دی ہے اور حضرت جابر وغیرہ کی احادیث سے استشاد کیا ہے۔ بعض اہل سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے گزر جانا، نووی نے اس معنی کو پسند کیا ہے اور حضرت ابن مسعود کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں صراط سے گزرنے کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ (حضرت مضر نے فرمایا) میں کہتا ہوں صراط سے گزرنایا ہی موجب دخول ہے۔

دخول سے مراد یہ نہیں ہے کہ آگ کے اندر گھس جائے، جنم کے لوپر سے مراد بھی دخول ہی ہے لامحالہ ورود سے مراد دخول ہی ہے خواہ بطریق مرور ہی ہو۔ مختلف احادیث میں تطبیق دینے کی یہی صورت ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ بیہتی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ ورود سے مراد ہے دوزخ پر سے گزر جانا بغیر داخل ہونے کے اور مرور دخول سے الگ مفہوم رکھتا ہے تو میں کہوں گا کہ حضرت حسن کے قول میں داخل ہونے سے مراد ہے اندر گھس جانا اور آگ کے اندر پہنچ جانا (اور یقیناً گزر جانے کا مفہوم اندر گھس جانے کے مفہوم سے جدا ہے) مطلق دخول مراد نہیں ہے (مطلق دخول تو مرور کو بھی شامل ہے)

ہناد نے حضرت حصہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یقینی امید رکھتا ہوں کہ جو شخص بدر اور حدیبیہ میں حاضر تھا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ نے وَلَانِ يَسْتَكْفِرُ إِلَّا وَاوَدُّهَا كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا نہیں فرمایا ہے۔ فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثَمًا۔

حضور ﷺ کا یہ آخری جواب بھی بتا رہا ہے کہ حدیث مذکور میں داخل نہ ہونے سے مراد ہے اندر نہ گھس جانا اور وہاں استقرار نہ کرنا۔

سیوطی نے لکھا بکثرت سلف صالحین دوزخ میں وارد ہونے سے ڈرتے تھے (کیونکہ دوزخ پر ورود تو یقینی ہوگا) اور نکلنے کا احتمال ہے (یہ امر یقینی نہیں کہ صراط سے گزرتے ہوئے نکل جائیں گے اس لئے ان بزرگوں کو ہر وقت خوف رہتا تھا)

امام احمد نے الزہد میں اور ہناد و بیہتی و سعید بن منصور و حاکم نے حضرت حازم بن ابی حازم کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن رواحہ رونے لگے بی بی نے پوچھا آپ کیوں رورہے ہیں۔ حضرت عبد اللہ نے فرمایا مجھے خبر دی گئی ہے کہ میں یقیناً دوزخ پر اتروں گا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ میں یقیناً وہاں سے نکلوں گا بھی۔ ہناد اور بیہتی نے ابو اسحاق کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو میسرہ عمرو بن شریح اپنے بستر پر جانے کے لئے اٹھے اور فرمایا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی، بی بی نے پوچھا کیا بات ہے، فرمایا اللہ نے یہ تو ہم کو بتلایا کہ میں (اور تم) ضرور دوزخ پر داخل ہوں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ میں (اور تم) وہاں سے نکلے گے۔

امام احمد نے الزہد میں بیان کیا کہ حسن بصری نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ تو ضرور دوزخ پر اترے گا۔ بھائی نے کہا جی ہاں اس شخص نے کہا کیا یہ بھی تجھے معلوم ہے کہ تو وہاں سے نکل بھی آئے گا بھائی نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا پھر ہنسی کیسی (روتے رہنے کا مقام ہے چنانچہ مرتے دم تک پھر اس کو ہنستے نہیں دیکھا گیا)۔

وَإِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِمْ أَيْتْنَا بَيِّنَاتٍ  
اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو کھلی ہوتی ہیں۔ یعنی جن کا مطلب واضح ہے خواہ خود ہی ان کا مطلب کھلا ہوا سمجھ میں آجاتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کے بیان سے ان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ یا بَيِّنَاتٍ کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ آیات معجزہ ہیں اس لئے رسول اللہ کی صداقت پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں اور آپ کی نبوت کو ثابت کر رہی ہیں۔

تو کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی  
قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا  
غریب تھے پر آئندہ، خشک بال، زندگی بد حال، فرسودہ لباس اور مشرک مالدار تھے بالوں میں تیل ڈالتے کتکھا کرتے اور اعلیٰ و عمدہ لباس پہنتے تھے پس ان خوش حال کھنے والے کافروں نے بد حال بوسیدہ لباس والے صحابہ سے کہا۔

(دیکھو ہم کو دونوں گروہوں میں کس کا مقام اچھا  
آجِبُوا الْفَرِيقَيْنِ خَيْرَ مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا  
ہے اور کس کی مجلس اعلیٰ ہے۔ مقام مصدر بھی ہے بمعنی قیام اور اسم ظرف بھی ہے یعنی قیام کی جگہ۔ نَدِيٌّ مجلس، لوگوں کے جمع ہونے کا مقام، مطلب یہ ہے کہ کفار جب آیات واضحات کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے اور کوئی جواب ان کو بن نہ پڑا تو بطور فخر و

غور کرنے لگے دیکھو ہمارا حال کیسا ہے اور تم کس حالت میں ہو ہم دنیا میں مرفہ الحال ہیں اور تم بد حال پس اللہ کے نزدیک بھی ہمارا درجہ تمہارے درجہ سے اعلیٰ ہے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس قول کی تمہید آمیز تردید فرمائی اور ان کی دلیل کو توڑتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَكَاكِبًا وَرِئِيًّا ۝  
ہمت سے قرن والوں کو تباہ کر دیا جو دنیوی سامان اور ظاہری دکھاوٹ میں ان سے اعلیٰ تھے۔

ہر زمانہ والوں کو قرن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب زمانہ میں باہم مقارن ہوتے ہیں۔ بغوی نے اَنَّا نَا کا ترجمہ کیا ہے سر و سامان اور مال۔ مقاتل نے کہا کپڑے اور لباس۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے اَنَّا نَا گھر کا سامان (اس وقت یہ لفظ اسم جنس ہوگا) اس کا واحد نہیں آتا اور اَنَّا نَا کا معنی مال بھی ہے اس وقت اس کا واحد اَنَّا نَا آتا ہے۔

رِئِيًّا رُوِيَتْ سے ماخوذ ہے۔ منظر، دکھاوٹ، بعض قراء توں میں رِيًّا (سیرابی) آیا ہے یعنی نعمتوں سے سیری۔  
قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا  
لوگ گمراہی میں ہیں (یعنی تم) تو رَحْمَن ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے۔

فَلْيَمْدُدْ اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں اندھا ہوا ہوتا ہے اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے اور گمراہی کے اندر اس کو بڑھاتا اور سہلت دیتا رہتا ہے۔ بجائے خبر کے لفظ امر ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے لئے مناسب بھی یہی ہے کہ اس کو ڈھیل دیتا رہے تاکہ کسی طور پر اس کو معذرت پیش کرنے کا موقع نہ رہے۔ (اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اللہ نے فرمایا ہے اُولَئِكَ نَعْمَ لَكُمْ مَائِدَةٌ كَرَفِيفَةٍ مِّنْ تَذَكُّرٍ

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِذَا مَا الْعَذَابُ وَإِنَّمَا السَّاعَةُ فَسِيعَةٌ مِّنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۝  
یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے خواہ عذاب کو (دنیا

میں) یا عذاب قیامت کو (مرنے کے بعد) جب وہ دیکھ لیں گے سو اس وقت جانیں گے کہ برا مقام اور کمزور مددگار کس کے ہیں۔  
إِنَّمَا الْعَذَابُ وَإِنَّمَا السَّاعَةُ، مَا يُوعَدُونَ کی تفصیل ہے۔ عذاب سے مراد ہے دنیا میں قتل یا قید ہونا۔ السَّاعَةُ سے مراد آخرت کی رسوائی اور عذاب حتیٰ کے بعد والا کلام ڈھیل دینے کی غایت ہے یعنی اللہ ڈھیل اس وقت تک دیتا ہے کہ عذاب دنیا یا عذاب آخرت (جو مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ مترجم) سامنے آجاتا ہے جب عذاب کا وقت آجاتا ہے تو ڈھیل ختم ہو جاتی ہے۔

جُنْدٌ (فوج) یعنی مددگار کافروں کے مددگار شیاطین ہوتے ہیں اور اہل ایمان کے مددگار ملائکہ، یہ کلام کافروں کے کلام کا رد ہے۔ شَرٌّ مَّكَانًا کہہ کر خیر مقامات کی تردید کر دی اور اَضْعَفُ جُنْدًا کہہ کر اَحْسَنُ نَدِيًّا کی۔ کیونکہ مجلس کی رونق سرداران قوم کے اجتماع سے ہوتی ہے اور مددگار نہ ہوں تو مجلس کا کمزور ہونا یقینی ہوتا ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى  
اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں اللہ ان کے ایمان میں مزید ترقی دیتا ہے۔ ان کے مراتب قرب میں اضافہ کرتا ہے۔ آیات مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کی دنیا میں مالداری اور راحت اندوزی اور مومنوں کی ناداری و بد حالی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے محبوب ہیں اور مومن مردود بلکہ مومنوں کے لئے دنیوی عیش و دولت کی کمی کو اللہ ان کی ہدایت و مراتب قرب کی ترقی کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور کافروں کی گمراہی کے باوجود خوش حالی اللہ کی طرف سے ایک ڈھیل ہوتی ہے تاکہ ان کی گمراہی میں مزید اضافہ ہو۔

وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرْغًا ۝  
اور جو نیک کام ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی۔ الْبَقِيَّاتُ الصَّالِحَاتُ سے مراد ہیں وہ نیک اعمال جن کا فائدہ کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔ یعنی کافروں کو جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں وہ (ناقص ہونے کے

علاوہ) فانی بھی ہیں جن نعمتوں پر وہ پھولے ہوئے ہیں ان سے اہل ایمان کو نیک اعمال کا ملنے والا ثواب مال اور انجام میں بہت بہتر ہے۔

خیز اسم تفہیل کا صیغہ ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید کافروں کا انجام بھی اللہ کے نزدیک کچھ اچھا ہوگا، مومنوں کے انجام کے برابر نہ سہی ان سے کم ہی سہی بہر حال کچھ تو اچھا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تفہیل سے تفہیل اضافی مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ بہتری کی فراوانی مراد ہے جیسے بولتے ہیں، موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم ہوتا ہے یعنی موسم سرما سردی میں جس طرح زیادہ ہوتا ہے اسی طرح گرمی کا موسم گرمی میں موسم سرما سے زیادہ ہوتا ہے۔

شیخین نے حضرت خباب بن الارت کا بیان نقل کیا ہے حضرت خباب نے بیان کیا میں لوہاری کا کام کرتا تھا میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام بنایا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہو گئی ایک روز مزدوری مانگنے میں اس کے پاس گیا، عاص نے جواب دیا خدا کی قسم جب تک تو محمد کا انکار نہیں کرے گا۔ میں (تیرا قرض) ادا نہیں کروں گا۔ میں نے کہا خوب سن لے خدا کی قسم جب تو مر کر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اس وقت تک بھی میں کفر نہیں کروں گا، عاص بولا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا، میں نے کہا ہاں، عاص نے کہا تو پھر میرے پاس وہاں مال بھی ہوگا اور لولاد بھی، میں وہیں تیرا قرض چکا دوں گا اسی پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَفْرَعَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِالْإِيتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۗ

کیا آپ نے اس شخص کو (یعنی عاص بن وائل کو) دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور لولاد (دوبارہ زندگی میں) دیا جائے گا۔

بغوی نے لکھا ہے وُلْدٌ اور وُلْدٌ دونوں ہم معنی ہیں جیسے عُرْبٌ اور عُرْبٌ اور عَجْمٌ اور عَجْمٌ بعض نے کہا وُلْدٌ جمع ہے لور وُلْدٌ مفرد جیسے اُسْدٌ (جمع ہے) اور اُسْدٌ (مفرد ہے) اَطَّلَعَ الْغَيْبِ کیا اس کو غیب کا علم ہو گیا ہے۔

یہاں الیٰی محذوف ہے جیسے اَطَّلَعَ الْجَبَلِ وہ پہاڑ کی چوٹی کی طرف چڑھا۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا کیا وہ غیب کی طرف چڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا کیا اس نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے۔ مجاہد نے کہا کیا اس کو علم غیب حاصل ہو گیا ہے کہ وہ آخرت میں مال و لولاد حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۗ یا اس نے اللہ سے کوئی عہد (اس بات کا) لے لیا ہے یعنی کیا وہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا ہے۔ قنادہ نے کہا یعنی کیا اس نے نیک کام کو چھوڑے ہیں۔ کلبی نے کہا کیا اللہ نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا۔

كَلَامٌ ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۗ لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے۔ ہم اس کا کہا ہوا لکھ لیتے ہیں اور اس کے

ایک شبہ

ہر بات جو منہ سے نکلتی ہے فوراً لکھ لی جاتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عاص بن وائل نے جو بات حضرت خباب سے کہی تھی اللہ اس کو آئندہ لکھے گا۔

ازالہ

لکھنے سے مراد ہے محفوظ رکھنا، نظر انداز نہ کر دینا یا اس امر کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہم نے اس کا قول لکھ لیا ہے یا اس کی بات کا انتقام لینا مقصود ہے۔ بہر حال محفوظ رکھیں گے یا اس بات کو ظاہر کریں گے کہ ہم نے تیری کسی ہوئی بات لکھ لی تھی یا

انتقام لیں گے یہ تمام امور آئندہ ہوں گے۔

اللہ کے فرشتے اعمال لکھتے ہیں اور اللہ کے حکم سے لکھتے ہیں اس لئے فرشتوں کا لکھنا اللہ کا لکھنا ہوا، یہی وجہ ہے کہ آیت میں لکھنے کی نسبت اپنی طرف کی۔

عذاب میں اضافہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ کفر کا عذاب تو اس کے لئے پہلے ہی سے مقرر ہے۔ اب استہزاء کا عذاب مزید اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔

تَوْنِرُوهٖ مَا يَقُولُ اور اس کی کسی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے۔ یعنی جس مال و ولولاد کی ملکیت کا یہ مدعی ہے اس کو ہلاک کر کے وہ مال و ولولاد ہم اپنے قبضہ میں لے لیں گے۔

وَيَأْتِنَا فُودًا ۝ اور (قیامت کے دن) یہ ہمارے پاس آئے گا جو مال و ولولاد دنیا میں اس کے پاس تھا وہ بھی قیامت کے دن اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ آخرت میں جدید مال و ولولاد ملنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّمَكْرُوا لَهُمْ عَذَابًا ۝ اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے (عند اللہ) باعث عزت ہوں۔

اتَّخَذُوا کی ضمیر کفار قریش کی طرف راجع ہے۔ آلہت سے بت مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ کفار قریش بتوں کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں ان بتوں کی سفارش یا وسیلہ سے ان کو عزت حاصل ہو جائے اور بت ان کی مدد کریں۔

کَلَّا ایسا ہرگز نہ ہوگا بتوں کے وسیلہ سے ان کو عزت حاصل نہ ہوگی۔ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے یعنی وہ آلہت اور معبودان کی عبادت کا

قیامت کے دن انکار کریں گے اور کہیں گے یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے (شیطانوں اور اپنے ہوا ہوس کی پوجا کرتے تھے) ہم ان کے اس فعل سے بری ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن کافر غیر اللہ کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

سَيَكْفُرُونَ عَلَيْهِمْ صِدْقًا ۝ اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

ضد سے مراد ہے ذلت و حقارت۔ اول فقرہ میں بتوں کا باعث عزت ہونا مذکور ہے جس کی امید کافروں کو تھی اور عزت کی ضد ذلت ہوتی ہے یا ضد سے مراد ہے مخالف ہونا، دشمن ہونا یعنی کافروں کے باطل معبود قیامت کے دن ان کے دشمن اور

مخالف ہو جائیں گے، ان کی تکذیب اور ان پر لعنت کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ کافروں کو عذاب دینے میں مددگار بن جائیں گے۔ پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ کی تیزی بڑھ جائے گی پتھر ایندھن بن جائیں گے جن کی وجہ سے کافروں کی

سوخلی میں اضافہ ہوگا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن یہ کافر اپنے آلہت کے مخالف ہو جائیں گے دنیا میں تو ان کی پوجا کرتے ہیں لیکن آخرت میں منکر ہو جائیں گے۔

لفظ ضد کی وحدت معنی کی وحدت کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی سب کافر آلہت کی ضد ہونے میں ایک شخص کی طرح ہوں گے، سب ضدیت میں متفق ہوں گے۔ ابو داؤد و نسائی نے حضرت علیؑ کی روایت سے اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی

روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ سب دوسروں کے خلاف ایک ہاتھ ہیں یعنی سب متفق الرائے اور متحد القوت ہوں گے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لفظ ضد کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا

الْم تَرَانَا أَرْسَلْنَا الشَّيْطَانَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَوْرٰهُمْ اٰرَا ۝ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کفار پر (ابتلاء) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو خوب ابھارتے ہیں۔ سوال انکاری ہے اور

نہی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ یعنی شیطانوں کو ہم نے کافروں پر مسلط کر رکھا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اس سے اشارہ اس قول کی طرف ہے جس میں اللہ نے ابلیس سے فرمایا تھا۔ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ يَا اَرْسَلْنَا سے مراد ہے آزاد

چھوڑ دینا یعنی ہم نے شیطانوں کو اور ان کافروں کو باہم تعلق قائم کرنے میں آزاد چھوڑ دیا ہے اُرْسَلْتُ الْبَعِیْرَ مِیْنِ لَوْنُتْ کو کھول دیا، آزاد چھوڑ دیا۔

از اُبھارنا، برا بیچتہ کرنا، جھوٹے فریب دے کر گناہوں پر آمادہ کرنا اور ہر کار خواہشات کے پیچھے لگا دینا۔

سوال انکاری کے ساتھ جملہ کو شروع کرنے سے مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو تعجب دلانا کافروں کے اقوال پر اور باوجود ظہور حق کے کفر و گمراہی میں اندھے رہنے پر۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ اِنَّهَا نَعْدُ لَهُمْ عَذَابًا

نہ کریں (یعنی جلد عذاب نازل ہونے کی دعا نہ کریں) ہم ان (کی زندگی کے ایام مقررہ) کی کامل طور پر یقیناً کتنی رکھتے ہیں یعنی ہم نے ان کی عمریں مقرر کر دی ہیں ان کے ایام زندگی اور ساعات حیات محدود اور محدود ہیں (مدت زندگی پوری ہونے سے پہلے ان کو ہلاک نہیں کیا جاسکتا)

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفَدَا اللّٰہِ  
دارالنعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔

اِلَى الرَّحْمٰنِ (میں رحمن کی ذات مراد نہیں بلکہ اس) سے مراد ہے وہ مقام عزت جہاں تجلیات الہیہ پر تواند از ہوں گی۔ وَفَدَا وَاَفِدَ کی جمع ہے بادشاہوں کی طرف وفد جاتے ہیں۔ عزت یابی کی امید اور انعام کی تمنا لئے ہوئے پس بارگاہ الہی کی طرف بھی اہل تقویٰ اسی طرح قبروں سے اٹھ کر جائیں گے۔

عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں اور حاکم و بیہقی و ابن جریر و ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا سنو اللہ متقیوں کے وفد کو نہ پیدل اٹھائے گا، نہ ہنکا کر لے جائے گا بلکہ جنت کی ان اونٹنیوں پر سوار کر کے بلوائے گا جن کی نظیر کسی مخلوق نے نہیں دیکھی اونٹنیوں پر سونے کے کجاوے اور زبرد کی مہاریں ہوں گی۔ متقی ان پر سوار ہو کر جائیں گے اور جا کر جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا، خدا کی قسم ان کو پیدل نہیں لے جایا جائے گا بلکہ ایسی اونٹنیوں پر جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے سوار کیا جائے گا اور ان اصیل گھوڑوں پر سوار کر کے لے جایا جائے گا جن کی زینیں یا قوت کی ہوں گی اگر اہل جنت چاہیں گے تو سواریاں اڑنے لگیں گی۔

بیہقی نے طلحہ بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفَدَا کی تشریح میں بیان کیا آپ نے فرمایا۔ سوار کر کے (لے جایا جائے گا) اور آیت نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلَیْ جَهَنَّمَ وِرْدًا کی تشریح میں فرمایا پیاسے (یعنی مجرموں کو پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا) ابن جریر نے ابو طلحہ کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کیا وفدا یعنی اونٹوں پر (سوار)

ابن ابی حاتم نے عمر بن قیس ملانی کا بیان نقل کیا ہے کہ مومن جو نبی قبر سے برآمد ہو گا اس کا عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا ہے، مومن جواب دے گا۔ نہیں مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری خوشبو کو پاکیزہ اور صورت کو حسین بنلایا ہے، عمل کے گامیں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تیرا نیک عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک میں تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا۔ اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفَدَا۔ پھر کہا کافر کا عمل نہایت بد شکل اور انتہائی گندی بدبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور پوچھے گا کیا تو نے مجھے پہچانا، کافر جواب دے گا نہیں مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری شکل بہت بری اور بو نہایت گندی بنائی ہے، عمل کے گامیں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا برا عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک تو مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُورِهِمْ وہ اپنے بار اپنی پشت پر اٹھائیں گے۔





اسماعیلی نے یہ تفریق مختلف احادیث میں توثیق پیدا کرنے کے لئے کی۔ صحیحین اور ترمذی کی حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے مذکور ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم کو اللہ کی طرف اس حالت میں لے جایا جائے گا کہ تم تنگے پاؤں، برہنہ بدن، غیر مشنوں اور پیادہ پاؤں ہو گے۔ پھر حضور ﷺ نے آیت کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ پڑھی اور سب لوگوں سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔

اسی طرح صحیحین نے حضرت عائشہ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ اور حضرت سہل بن سعد اور حضرت حسن بن علی کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے لیکن ان احادیث میں تلاوت آیت اور حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اتنا مزید مذکور ہے کہ ام المؤمنین میں سے حضور ﷺ کی کسی بی بی نے کہا ہے کہ کسی بری بات ہوگی کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا لوگوں کو اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوگی، ہر شخص کو اس روز اپنی پڑی ہوگی۔

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴿۱۶﴾  
 وہاں کوئی سفارش کا اختیار نہیں رکھے گا مگر جس نے رحمن کے پاس (سے) اجازت لے لی ہے۔ یعنی جن کے اندر ایسے اوصاف ہوں گے جو شفاعت کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ شفاعت کر سکیں گے مراد یہ ہے کہ ایماندار نیکوکار ہوں تو اہل شفاعت ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ دوسری جگہ فرمایا ہے يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ۔ بقول ابن صالح حضرت ابن عباس نے موخر الذکر آیت کی تفسیر میں فرمایا يَسْتَجِيبُ یعنی ان کے بھائیوں کے لئے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ یعنی اپنی مہربانی سے بھائیوں کی بھائیوں کے حق میں شفاعت منظور فرمائے گا۔

يَاعْتَهْدَا سے مراد ہے اجازت لہذا یعنی سوائے اس کے جس کو شفاعت کی اجازت مل جائے اور کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اسی مضمون کی دوسری آیت ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ عربی محاورے میں بولا جاتا ہے عَهْدًا أَلَّا يَسِيرًا لِي فُلَانٍ يَكْفُلًا۔ حاکم نے فلاں شخص کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا سے ہر وہ شخص مراد ہے جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور مَنْ سے پہلے شفاعت محذوف ہے یعنی اِلَّا الشَّفَاعَةَ مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا اور چونکہ لا الہ الا اللہ کا ہر قائل شفاعت کئے جانے کے قابل ہے۔ اس لئے آیت میں لا الہ الا اللہ کا ہر قائل مراد لینا صحیح ہے۔ اللہ نے تمام مومنوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے، فرمایا ہے مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ اِنَّ اللّهَ يُعْزِزُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ پر بندوں کا حق ہے کہ وہ غیر مشرک کو عذاب نہ دے (متفق علیہ من حدیث معاذ) اسی طرح کی ایک اور آیت آئی ہے فرمایا ہے لَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ کی ضمیر الْمُجْرِمِينَ کی طرف لوٹ رہی ہے اور شَفَاعَةَ سے مراد ہے سفارش یا ب ہونا (مصدر مجہول) یعنی مجرم شفاعت یا ب نہیں ہوں گے ہاں مومن شفاعت یا ب ہوں گے جن کو اللہ نے وعدہ دے رکھا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ﴿۱۷﴾  
 اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمن نے (اپنے لئے) اولاد اختیار کر لی ہے۔  
 قالوا کا فاعل یہودی، عیسائی اور بعض وہ مشرک ہیں جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ چونکہ یہ قول مشہور تھا اور اس کے قائل بھی نامعلوم مجہول نہیں تھے اس لئے ضمیر جس فاعل کی طرف لوٹ رہی ہے اس کا پہلے مذکور ہونا ضروری نہیں۔ (فاعل متکلم اور مخاطب کو معلوم ہو اور مرجع ضمیر متعین ہو تو بغیر ذکر مرجع کے ضمیر غائب ذکر کی جاسکتی ہے)  
 تم نے نہایت سخت حرکت کی ہے حضرت ابن عباس نے اِذَا كَا تَرْجَمَ كَمَا  
 لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا اَلَا ﴿۱۷﴾

منکر یعنی بری۔ مجاہد اور قتادہ نے سخت بری۔ اذنی اکثر فلان بات یا واقعہ کا مجھ پر سخت بوجھ پڑایا عربی محاورہ ہے۔ بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں اذکا معنی ہے بہت ہی بڑا حادثہ۔

تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَكَّا ۝

اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔ قاموس میں بے حد توڑنا بالکل ڈھادینا۔ بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے قریب ہے کہ آسمان ان پر ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ کر ان کو اپنے اندر دھنسالے اور پہاڑ ان پر ڈھ پڑیں۔ حضرت ابن عباس اور کعب نے فرمایا سوائے جن و انس کے آسمان، زمین، پہاڑ اور ساری مخلوق اس قول سے خوف زدہ ہو گئی قریب تھا کہ سب اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ فرشتے بھی غضب ناک ہو گئے اور جہنم بھی بھڑک اٹھی۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا کہ اتنی پرہیز اور ہولناک بات ہے کہ اگر اللہ کا بے پایاں علم نہ ہوتا تو سارا عالم تباہ ہو جاتا اور اس بات کو منہ سے نکالنے والے پر الٹ جاتا۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝  
حالا تکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔  
یَنْبَغِي کا ترجمہ دو طرح سے ہو سکتا ہے (۱) جائز نہیں ہو نہیں سکتا (۲) مناسب اور زیبا نہیں۔ اول صورت میں اَنْبَغِي یَنْبَغِي باب انفعال سے ہو گا جو بَغِي کا مطاوع۔ بَغِي کا معنی ہے طلب کرنا۔ طلب شئی کے بعد اس شئی کے ہو جانے کا نمبر آتا ہے۔ حاصل ترجمہ یہ ہو گا کہ بالفرض اگر اللہ اپنے لئے اولاد کا طالب بھی ہو تب بھی اس کے لئے اولاد کا ہونا ممکن نہیں اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی، دوسری صورت ظاہر ہے اللہ کی اولاد ہونا، اس کی شان کے خلاف ہے، نقص ہے، عیب ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے (بجائے اللہ کے) آیت میں صفت رحمانیت پر حکم کو مرتب کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ منعم ہے تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے اس کے سوا باقی مخلوق میں یا اللہ کی نعمتیں ہیں یا نعمت پانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ نعمتیں ہوں (جو خدا نے پیدا کی اور دی ہیں) یا نعمت پانے والے ہوں (جن کو اللہ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں) منعم کے ہم جنس کیسے ہو سکتے ہیں اور بیٹے کے لئے ضروری ہے کہ وہ باپ کا ہم جنس ہو اس لئے اللہ کی اولاد ہونا ممکن نہیں ہے۔

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۝

کیونکہ جتنے بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے رو برو غلام ہو کر حاضر ہونے والے ہیں۔

یعنی آسمان و زمین میں جو کوئی ہے وہ اللہ کی ملک ہے اس کی مخلوق ہے بندگی اور اطاعت و انقیاد کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور قیامت کے دن اس کے سامنے ذلت و عبدیت کے ساتھ آئے گا، مجازی غلام ہونا بھی اولاد ہونے کے معنی ہے اسی لئے اگر کوئی کسی سبب سے اپنے بیٹے کا مالک ہو جائے بطور میراث یا خریدنے کے ذریعہ یا کسی کے ہبہ کرنے سے کسی کا بیٹا اس کی ملک میں داخل ہو جائے تو ملک میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ پس حقیقی مملوک ہونے کا کیا ٹھکانہ ہے، حقیقی مملوک تو مالک کی مخلوق ہے۔

لَقَدْ أَحْضَيْنَهُمْ وَعَدَّاهُمْ عَدًّا ۝  
اللہ نے بلاشبہ سب کا احاطہ کر لیا ہے (اس کے دائرہ علم و قدرت سے کوئی بھی خارج نہیں) اور سب کو گن رکھا ہے یعنی تمام افراد کو ان کے افعال احوال اور زندگی و رزق کو اپنے علم و قدرت کے گھیرے میں لے لیا ہے ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ کے مطابق ہے۔

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۝  
اور قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔ یعنی کسی کا کوئی مددگار ساٹھی، پیر و لور دنیا کی کوئی چیز ساتھ نہ ہوگی۔

ابن جریر نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلا گیا تو میرے دل میں مکہ والے دوستوں کا کچھ خیال آیا جیسے شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف (ان لوگوں کی دوستی اور محبت





## سورۃ طہ

سورۃ طہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۵۳ آیات ہیں

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ط اور ہ حروف کے نام ہیں۔ اس کی بحث سورۃ بقرہ کے شروع میں مفصل گزر چکی ہے۔ بعض کے نزدیک البتہ کا نام ہے اور اس جگہ اس کا ذکر بطور قسم ہے (یعنی طہ کی قسم جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا حُم لَا یُنْصَرُونَ) (حم کی قسم ان کافروں کی مدد نہیں کی جائے گی، یہ فتح یاب نہیں ہوں گے) ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی رات کو فرمایا حُم لَا یُنْصَرُونَ

مقاتل بن حبان نے کہا طہ کا معنی ہے زمین کو اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو۔ یعنی تہجد کی نماز میں دونوں پاؤں زمین پر قائم رکھو (ابن مردویہ نے تفسیر میں اور بزار نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب بَاتِئَهَا الْمَزِيْلُ فِيمَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيْلًا نازل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تمام رات (نماز میں) کھڑے رہنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج گئے (تکلیف کی وجہ سے) آپ ایک پاؤں ٹیکتے تھے تو دوسرا اٹھالیتے تھے، اس پر جبرئیل اترے اور کہا طہ یعنی اے محمد اپنے دونوں قدم زمین پر رکھو۔ مجاہد، عطاء اور ضحاک نے کہا طہ کا معنی ہے اے مرد۔ قنادہ نے کہا سریانی زبان میں اس کا معنی اے مرد ہی ہے۔ کلبی نے کہا عک (قبیلہ عک) کے محاورے میں طہ کا ترجمہ ہے اے انسان۔ موخر الذکر دونوں صورتوں میں طہ کے لفظ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہو گا، اسی لئے بعض لوگوں نے طہ کو رسول اللہ کے ناموں میں سے شمار کیا ہے کیونکہ آیت میں طہ سے کنایہ آپ ہی کی ذات سے ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کلبی کا قول ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے، نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں ٹیکتے دوسرا اٹھاتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اٹھالیتے تھے اور رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

طٰهٖۤ مَا اَنْزَلْنَا عَلٰیكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی ﴿۱۰﴾  
ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا ہے کہ آپ (قیام کرتے کرتے) تھک جائیں۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے شقاء کا معنی ہے سختی اور تنگی۔

جوہری نے لکھا ہے شقلات، سعادت کا عکس ہے اور جس طرح سعادت کی دو قسمیں ہیں، دنیوی اور اخروی، اسی طرح شقلات بھی دو طرح کی ہوتی ہے دنیوی اور اخروی۔ پھر سعادت دنیوی تین طرح کی ہوتی ہے نفسانی، جسمانی، بیرونی، اسی طرح شقلات دنیوی کی بھی تین قسمیں ہیں۔ دنیوی، جسمانی شقلات تھکان ہے اور آیت میں یہی مراد ہے (گویا صاحب قاموس کے نزدیک تشقی کا مصدر شقاء ہے اور جوہری کے نزدیک شقاوہ) بعض علماء کا قول ہے کہ تعب کی بجائے شقاء کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، تعب کے معنی میں شقاء کا لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ هو اشقی من رابض المہر اور

سَيَذَرُ الْقَوْمَ أَشْقَاهُمْ مشہور کہوتیں مستعمل ہیں۔ شاید صحیح کے بجائے تَشَقُّقِي کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ قرآن کا نزول آپ کے سعادت یاب ہونے کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ شقاء کے لئے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ شروع شروع میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو نماز میں آپ قدموں کے سروں (پنجوں) کے بل کھڑے ہوتے تھے اس پر نازل ہوا طہ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى عبد بن حمید نے رابع بن انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک ٹانگ ٹیکے رکھتے اور دوسری اٹھالیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کافروں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ عبادت میں بہت زیادہ مشقت اٹھا رہے ہیں تو کہنے لگے محمد قرآن تم پر صرف اس لئے نازل ہوا کہ تم مشقت اٹھاؤ یا تمہاری شقاوت کے لئے قرآن نازل ہوا ہے (اس قول کی تردید اور تکذیب کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شاید کفار کی مراد یہ ہو کہ تم نے چونکہ باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا ہے اس لئے بد نصیب ہو گئے قرآن اترنے کا یہی نتیجہ نکلا۔ اللہ نے اس خیال کی تکذیب فرمادی، اس مضمون پر وہ روایت دلالت کر رہی ہے جو بطریق عوفی آئی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے کفار کا یہ مقولہ بیان کیا کہ یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے بد نصیب ہو گیا اس کی ترغیب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیت کا مطلب اس طرح ہو ہم نے قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم تمکان میں مبتلا ہو جاؤ اور اس غم میں اپنے آپ کو تباہ کر دو کہ تمہاری قوم مومن کیوں نہیں ہوتی آپ کے ذمے تو صرف تبلیغ ہے ان کے ایمان لانے نہ لانے کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔

بَلْكَ اَيْسے شخص کی ہدایت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ مَنْ يَخْشَى سے مراد ہے وہ شخص جس کے دل کے اندر خشیت اور رقت ہو کہ ڈرانے سے اس کو فائدہ پہنچ جائے یا ایسا شخص مراد ہے جس کے متعلق اللہ جانتا ہے کہ ڈرانے اور عذاب کا خوف دلانے سے وہ خوف زدہ ہو جائے گا (اگرچہ بالفعل وہ صاحب خشیت نہ ہو اور عذاب کا خوف اس کو نہ ہو مگر عذاب کا ذکر سن کر آئندہ خوف زدہ ہو جانے والا ہو) ایسا ہی آدمی انذار و تخویف سے فائدہ اندوز ہو سکتا ہے۔

تَنْزِيلًا مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَىٰ ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے پہلے أَنْزَلْنَا بَصِيحَةً جمع متکلم فرمایا تھا اور اس جگہ اپنی ذات کو بصیغہ غائب ذکر کیا اس سے طرز کلام میں نیرنگی پیدا ہو گئی اور اتارنے والے کی عظمت کا اظہار دو طرح سے ہو گیا، اول اتارنے کی نسبت اپنی عظیم الشان ذات کی جانب کی پھر ایسی ذات جامع الصفات کی طرف اسانوی تنزیل کی جو عظیم الشان صفات و افعال کا سرچشمہ ہے اور اسی ترتیب سے اس کے افعال کا ذکر کیا جو ترتیب عند العقل مناسب تھی اول تخلیق زمین کا ذکر کیا۔ زمین بالکل ہمارے سامنے اور بہت زیادہ قریب ہے پھر اونچے آسمانوں کا ذکر کیا اس کے بعد استواء علی العرش اور درمیانی کائنات کی ملکیت و تخلیق اور زیر تشریح کی پیدائش کا تذکرہ کیا۔

الْعُلَىٰ - الْعُلَىٰ کی جمع ہے اور عُلَىٰ اَعْلَىٰ کا مونث ہے۔

الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴿۱۰﴾ وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔ اِسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ کی پوری تشریح سورہ ہوس میں گزر گئی۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے یعنی ملائکہ اور ستارے اور پہاڑ اور دریا۔  
وَمَا فِي الْاَرْضِ لور جو کچھ زمین میں ہے یعنی پہاڑ اور دریا اور درخت اور کانیں اور جانور اور جن و شیاطین اور انسان و ملائکہ

وَمَا بَيْنَهُمَا لور جو کچھ ان دونوں کے درمیان (خلاء) میں ہے یعنی ہوا اور بادل اور گرج اور بجلی وغیرہ۔

عَلَى النَّارِ عِنَى آگ کے قریب۔

فَلَمَّا آتَمَّهَا نُورِي يَمُوسَى ۝ اِنِّي اَنَا سَابُكْ

سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو (اللہ کی طرف سے) آواز

دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے جب موسیٰ وہاں پہنچے تو آپ نے ایک درخت دیکھا جو اوپر سے نیچے تک بالکل سبز تھا اور اس کے گرد اگر دشتاف، سفید آگ اس کو گھیرے ہوئے تھی جو بہت زیادہ روشن تھا (دھوئیں کا نام بھی نہ تھا) درخت کی سبزی اور آگ کی سفیدی دونوں اپنی اپنی جگہ نمایاں تھیں۔ نہ درخت کی سبزی اور سفیدی میں مغل تھی نہ آگ کی نوار نیت درخت کی سبزی نمایاں ہونے سے مالتھی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا درخت کارنگ گندمی سبز تھا۔ قنادہ، مقاتل اور کلبی نے کہا وہ عوج کا درخت تھا، وہب نے کہا علیق کا درخت تھا، بعض کا قول ہے کہ عناب کا درخت تھا، اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف کی گئی ہے، اہل تفسیر کہتے ہیں کہ موسیٰ نے جس کو آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی نور تھا، موسیٰ نے اس کو آگ ہی خیال کیا تھا۔ اس لئے اللہ نے بھی اس کو نار ہی فرمایا۔ اکثر مفسر قائل ہیں کہ وہ نور رب تھا۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن سعید بن جبیر نے فرمایا وہ حقیقت میں آگ ہی تھی آگ ہی چہرہ خد لوندی کے لئے حجاب ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا حجاب آگ ہے اگر اس حجاب آتشیں کو کھول دے تو اس کی تجلی جمال اس تمام مخلوق کو سوختہ کر دے جو اس کی حد نگاہ تک ہو۔ بغوی کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے لیکن صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے اندر نار کی جگہ نور کا لفظ آیا ہے۔ اس کا حجاب نور ہے۔ میں کہتا ہوں دونوں کمال ایک ہی ہے نور بھی لطیف ترین مصفی آگ ہی ہوتا ہے جو جلاتا نہیں ہے۔

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ کچھ خشک گھاس لے کر آگ کی طرف بڑھے تو آگ دور ہو گئی جس قدر اس کے قریب جاتے تھے وہ اور دور ہٹ جاتی تھی اور جب موسیٰ پیچھے ہٹ آتے تھے تو آگ قریب آجاتی تھی موسیٰ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے وہاں ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنی اس وقت آپ کے اوپر سیکنہ (ایمان شہودی، سکون خاطر، اطمینان قلبی، دل کی ٹھہراؤ) کا القاء ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا حضرت موسیٰ کو درخت سے ندا آئی تھی کہ میں تیرا رب ہوں۔ موسیٰ کو معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لئے آپ نے جواب دیا میں تیری آواز تو سن رہا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ تیری جگہ کہاں ہے (کہاں سے آواز آرہی ہے تو کہاں ہے آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں، تجھ سے اتنا قریب ہوں کہ تو بھی اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ کو یقین ہوا کہ یہ اللہ ہے یہ شان تو اسی کی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے موسیٰ کو ندا آئی تو آپ نے کہا یہ کلام کرنے والا کون ہے آواز آئی میں ہی اللہ ہوں اس وقت شیطان نے موسیٰ کے دل میں دوسوہ پیدا کیا کہ شاید میں شیطان کا کلام سن رہا ہوں، لیکن نور اکہ اٹھے یقیناً یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ ہر طرف سے اور ہر عضو سے میں اس کو سن رہا ہوں (شیطان کا کلام نہ ہر جہتی ہو سکتا ہے نہ بند بند سے اس کو سنا جاسکتا ہے) اس تشریح میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی طور پر بول حضرت موسیٰ کے قلب پر کلام اللہ کا القاء ہوا تھا۔ پھر صورت مثالی میں آکر حس مشترک کے سامنے آیا اور ثبت ہو گیا اور جسم کے سارے اعضاء سے آپ نے سنا لیکن وہ کلام ہر جہتی تھا اور ہر عضو سے آپ نے اس کو سنا۔

فَاخْلَعُ تَعْلِيْقًا  
پس اپنے جوتے اتار دو۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ برہنہ پا ہو جانا تعظیم کی علامت ہے اس لئے جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا۔ بغوی نے لکھا ہے اس حکم کی وجہ تھی جو حضرت ابن مسعود کی روایت میں آئی ہے کہ وہ جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ وہ چمڑا جس کے جوتے بنے ہوئے تھے دباغت شدہ نہ تھا۔ عکرمہ اور مجاہد نے کہا نئے پاؤں ہو جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس پاک زمین کی خاک سے حضرت موسیٰ کے قدم محروم نہ رہیں پاک سر زمین کی برکت موسیٰ کے قدموں کو حاصل ہو جائے، حضرت موسیٰ نے فوراً جوتے اتار کر واوی کے پرے پھینک

دئے۔

## اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۱۷

کیونکہ تم بلاشک طوئی کی مقدس وادی میں ہو (تقدیس طوئی کا تقاضا ہے کہ تو ننگے پاؤں ہو جائے) طوئی اس وادی کا نام تھا۔ ضحاک نے کہا وادی طوئی گہری تھی اور طور کی طرح مستدیر تھی۔

بعض نے کہا طوئی مصدر ہے اور یہ اشارہ ہے اس کیفیت کی طرف جو اللہ نے موسیٰ کو اپنی مہربانی سے بطور انتخاب عطا فرمائی تھی موسیٰ اپنی کوشش سے وہ کیفیت حاصل نہیں کر سکتے اللہ ہی نے وہ ساری وادی طے کرادی جس کی مسافت بہت بعید (مقدس بمعنی بعید) تھی۔ اہل تصوف کہتے ہیں قلب کا عروج اپنی اصل یعنی بالائی عرش تک اگر بالفرض کوشش سے ممکن بھی ہو تو پچاس ہزار برس کی کوشش کے بعد وہاں تک رسائی ہوگی کیونکہ زمین سے عرش تک پچاس ہزار برس کی مسافت ہے اسی کو بطور کنایہ رفی یَوْمَ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ اَلْفَ سَنَةٍ میں بیان کیا گیا ہے لیکن شیخ کی توجہ سے یہ عروج بطریق اجتناب (انتخاب چن لینا) حاصل ہو جاتا ہے۔ عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تحت شاہ

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ اور (نبوت و رسالت کے لئے) میں نے تم کو پسند کر لیا ہے۔

فَاَسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۱۷ اِنَّنِي اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِي ۱۸

پس جو کچھ (تمہاری طرف) وحی کیا جا رہا ہے اس کو سن لو میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو (کسی اور کی نہ کرو)

اَنَا اللّٰهُ الْخَبْرُ مَا يُوحَىٰ سے بدل ہے اس جملہ کے اندر وحی کے دو حصے بیان فرمائے، توحید عبادت جو علم کا کمال ہے اور عبادت خالص جو عمل کا کمال ہے۔

اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

## وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۱۹

عمومی عبادت کا ذکر پہلے کیا پھر نماز کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا، کیونکہ تمام عبادتوں میں نماز کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دین کا ستون ہے۔ رواہ ابو نعیم والبیہقی عن عمرو صاحب مند الفردوس عن علی ابن عساکر نے انس کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے نماز ایمان کا نور ہے۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کو سب سے زیادہ پیارا کون سا عمل ہے فرمایا نماز، رواہ الشیخان فی الصحیحین

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ کے اور کفر کے درمیان ترکِ صلوة (حائل) ہے۔ اسی طرح امام احمد اور اصحاب اسنن نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔

احمد، دارمی اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز کا ذکر کیا اور فرمایا جو اس کی پابندی کرے گا تو یہ قیامت کے دن اس کے لئے نور اور برہان اور نجات ہو جائے گی اور جو اس کی پابندی نہیں کرے گا اس کے لئے نماز نہ نور ہوگی نہ نجات (کا ذریعہ) اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

ترمذی نے عبد اللہ بن شقیق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام سوائے ترکِ صلوة کے اور کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ انہی احادیث کی بنا پر امام احمد نے فرمایا کہ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا۔

نماز کے افضل عبادت ہونے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز بجائے خود فی نفسہ نیکی ہے (دوسری عبادت کا حسن اضافی ہے) روزہ اس لئے اچھا ہے کہ اس سے نفس لہارہ کے غلبہ کو شکست ہوتی ہے، زکوٰۃ اس لئے نیکی ہے کہ اس سے غریبوں، محتاجوں کی حاجت روائی اور امداد ہوتی ہے حج اس لئے نیکی ہے کہ اس سے اللہ کے گھر کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ نماز فی نفسہ بجائے خود نیکی ہے اسی لئے اللہ نے اقامتِ صلوة کے حکم کی لیدگری کے لفظ سے علت بھی بیان فرمادی۔



لِدِکَرٰی کا مطلب یہ ہے کہ تم نماز کو اس لئے قائم کرو کہ مجھے نماز کے اندر یاد کرو پوری نماز ہی ذکر خدا ہے نماز کے اندر آدمی دل، زبان اور تمام اعضاء کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔ لِدِکَرٰی کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ میں نے نماز کا ذکر اپنی تمام کتابوں میں کیا ہے اور سب ہی کتابوں میں اس کا حکم دیا ہے اس لئے تم بھی نماز قائم کرو (اول مطلب پر دِکَرٰی میں مفعول کی طرف نسبت ہوگی اور دوسرے مطلب پر فاعل کی طرف) (مترجم) بعض علماء نے دِکَرٰی کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم نماز قائم کرو تاکہ میں رحمت اور تعریف کے ساتھ تمہارا ذکر کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے فریب ہوتا ہوں اور میں (ہر دم) اس کے ساتھ رہتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر (تہنّا) اپنی ذات میں کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے (یعنی فرشتوں کی جماعت میں) اس جگہ اقامتِ صلوة کا ذکر اجمالی کیا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل آئی ہے مثلاً ایک آیت میں فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ۔ حضرت جبرئیل کی امامت کی حدیث تو مشہور ہی ہے کہ جبرئیل نے دو روز پانچوں وقت حضور ﷺ کی امامت کی تھی پہلے روز ہر نماز ابتدائی وقت میں اور دوسرے روز ہر نماز انتہائی وقت پر پڑھائی تھی۔ (مترجم) بعض علماء نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے نماز قائم کرو جب نماز یاد آجائے۔ حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز بھول گیا سو تارہ گیا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آجائے (فوت شدہ) نماز پڑھے (دوسری روایت میں آیا ہے اس کے سوا اور کوئی کفارہ نہیں) اللہ نے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدِکَرٰی متفق علیہ۔

حضرت ابو قتادہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیند میں کوئی قصور نہیں قصور تو بیداری میں (نماز ترک کرنے پر) ہے جو شخص کسی نماز کو بھول جائے یا سو تارہ جائے تو جب (فوت شدہ) نماز یاد آجائے پڑھے، اللہ نے فرمایا ہے وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدِکَرٰی مسلم

اِنَّ السَّاعَةَ الرَّیْئَةَ اَکَادُ اُخْفِیْہَا  
مقرر وقت) کو پوشیدہ رکھوں گا۔

بلاشبہ وہ گھڑی (یعنی قیامت) آنے والی ہے، میں اس کے

یہ جملہ حکم عبادت کی علت ہے یا مستفاد ہے یا معترضہ ہے جس کو خوف دلانے کے لئے ذکر کیا ہے اور بقول بغوی ولو عاطفہ محذوف ہے اصل میں وَ اِنَّ السَّاعَةَ اَیْتِیَتْ تَہَا۔

انفحش نے آکاد کا ترجمہ اُرِیْدُ (میں چاہتا ہوں) کیا ہے، بغوی کے نزدیک یہ لفظ زائد ہے۔ معنی یہ ہے کہ میں اس کا مقرر وقت ظاہر نہیں کروں گا۔ بعض اہل علم نے آکاد اُخْفِیْہَا کا یہ مطلب بیان کیا۔ قریب تھا کہ میں قیامت کو چھپالیتا یہ بھی نہ کہتا کہ قیامت آنے والی ہے، بندوں پر مہربانی کرنا اور اتمام حجت کرنا مقصود تھا اس لئے ذکر قیامت کر دیا اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اس کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ یہی مطلب تَکَادُ السَّمٰوٰتِ یَتَفَطَّرُوْنَ کا ہے کہ اگر اللہ کا حکم آسمانوں کو باقی رکھنے کا نہ ہوتا تو ان لوگوں کے اس قول سے کہ اللہ صاحب اولاد ہے آسمان پھٹ جاتے۔ میں کہتا ہوں شاید اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان اور اللہ کی عبادت کو وہ فضیلت و شرف اور حسن و خوبی حاصل ہے کہ بغیر جنت کی خواہش اور دوزخ کے خوف اور قیامت کے عذاب کے اندیشہ کے خود ان دونوں کو مقصود اصلی ہونا چاہئے گو ایمان و عبادت اور ترک ایمان و عبادت کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ثواب و عذاب ہو گا لیکن ایمان و عبادت کی غرض و غایت اگر یہ نہ بھی ہو تب بھی ایمان و عبادت کو وہ عزت و شرف اور حسن حاصل ہے کہ ان دونوں کو بندوں پر لازم ہونا چاہئے اور کفر و ترک عبادت، ذلت و ناکامی اور خرابی و قباحت کے اس گڑھے میں گھسے ہوئے ہیں کہ بغیر خوفِ عذاب کے ان سے پرہیز رکھنا ضروری ہے اگر اللہ نے قیامت آنے کی اطلاع نہ دی ہوتی تب بھی مومن کا ایمان جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف سے نہ ہوتا بلکہ خالص لوجہ اللہ ہوتا، یہ ہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا صہیب بہت اچھا بندہ ہے اگر اسکو اللہ (کے عذاب اور دوزخ) کا خوف نہ بھی ہوتا تب بھی وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرتا۔ رابعہ

بصریہ نے کہا تھا میں چاہتی ہوں کہ جنت کو جلا دوں اور دوزخ کو بجھا دوں تاکہ لوگ بغیر خوف و طمع خالص اللہ کے لئے عبادت کریں۔ اکثر اہل تفسیر نے آکَادُ أُخْفِيهَا کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ قریب ہے میں قیامت کو اپنی ذات سے بھی پوشیدہ رکھوں دوسروں کو وقت قیامت جانے کا تو ذکر ہی کیا ہے گویا اخفاء قیامت کو اللہ نے زوردار طور پر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا (اپنی ذات سے چھپانے کا ارادہ کرنا یا چھپانا مقصود کلام نہیں ہے بلکہ قیامت کے اخفاء کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے) اس مطلب کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بعض قراءتوں میں أُخْفِيهَا کے بعد فَكَيْفَ أَظْهَرُهَا لَكُمْ بھی آیا ہے۔ (لیکن یہ قرأت شاذ ہے مترجم) عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی بات کو چھپانے کا بیان قوت و مبالغہ کے ساتھ کرتے ہیں تو کہتے ہیں كَتَمْتُ سِرًّا مِّنْ نَّفْسِي میں تمہارا اذ اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھوں گا۔ یعنی کسی پر ظاہر نہیں کروں گا قیامت کو چھپائی رکھنے کی مصلحت و حکمت خوف اور ہول کو لوگوں کے دماغوں میں قائم رکھنا ہے اگر لوگوں کو قیامت پہا ہونے کا علم تعین ہوتے۔ کے ساتھ نہ ہو گا تو ہر وقت ڈرتے رہیں گے کہ خدا جانے کب قیامت پہا ہو جائے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ أُخْفِي (واحد متکلم مصدر اخفاء باب افعال) میں ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہے، اس أُخْفِي کا ترجمہ ہو گیا اظہرُھا (قریب ہے کہ میں قیامت کو ظاہر کر دوں) لغت عربی میں اخفاء کا ترجمہ (جس طرح اس کو چھپایا آتا ہے اسی طرح) اس کو ظاہر کیا (بھی) آتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس کی تائید اس قرأت سے بھی ہوتی ہے جس میں أُخْفِي کی جگہ اخْفِي ہمزہ آیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ لفظ ہمزہ پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا معنی ہو گا میں ظاہر کر دوں خَفِيْتُ الشَّيْءَ میں نے اس چیز کو ظاہر کر دیا، اخْفَيْتُهُ میں نے اس کو چھپا دیا (مٹلائی مجرد سے ظاہر کرنے کا معنی ہے اور مٹلائی مزید سے چھپانے کا کذا فی التہلیۃ للجزری۔

### ایک شبہ

جب خفاء مٹلائی مجرد اظہار کے معنی رکھتا ہے اور اخفاء باب افعال (جب کہ ہمزہ سلب کی قرار دی جائے) سلب اظہار یعنی پوشیدہ کرنے کا معنی رکھتا ہے تو پھر قرأت متواترہ میں اخفاء کا معنی جو اظہار کہا گیا ہے یہ کیسے ممکن ہے (اخفاء کا معنی تو سلب الخفاء یعنی نفی الاظہار ہونا چاہیے)

### جواب

میں کہتا ہوں خفاء مٹلائی مجرد کبھی بمعنی اظہار کے ہوتا ہے اور کبھی چھپانے کے معنی کے لیے (پس قرأت متواترہ میں جو اخفاء کا معنی اظہار کہا گیا ہے وہ اس خفاء (مٹلائی مجرد) سے باضافہ ہمزہ بنایا گیا ہے جس کا معنی ہے چھپانا۔ قاموس میں ہے خَفِي يَخْفِي جیسے رَمِي يَرْمِي (یعنی صَرَب سے) مصدر خَفِيَ اور خَفِيَ اس کا معنی ہے ظاہر کرنا۔ اَخْفَيْتُ کا بھی یہی معنی ہے اور خَفِي يَخْفِي جیسے رَضِيَ يَرْضِي (سَمِع سے) مصدر خفاء اسم فاعل حَافٍ صفت مشبہ خَفِي اس کا معنی ہے ظاہر نہ کرنا۔ پس خَفِي جو صَرَب سے آتا ہے اگر اس میں ہمزہ سلب زیادہ کر دی جائے تو اس کا معنی ہو جائے گا چھپانا اور ظاہر نہ کرنا (کیونکہ خَفِي کا معنی ہے ظاہر کیا) اور اگر خَفِي (باب سمع) میں ہمزہ بڑھائی جائے تو اس کا معنی ہو جائے گا ظاہر کر دینا۔ چھپانا۔

لِيُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ⑤ تاکہ ہر شخص کو اس کی کوشش کا بدلہ دے دیا جائے۔

فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَى ⑥

پس تم کو نہ پھیر دے قیامت سے (یعنی قیامت پر ایمان لانے سے اور اللہ کی ملاقات سے یا نماز قائم کرنے سے) وہ شخص جو قیامت کو نہیں مانتا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے (ورنہ) تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔

آیت میں بظاہر کافر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ موسیٰ کو اقرار قیامت یا اقامت نماز سے نہ پھیر دے اور حقیقت میں موسیٰ کو ممانعت کی گئی کہ تم کافروں کے کہنے میں نہ آجانا اور نبیان کی طرح آخرت میں تم بھی تباہ ہو جاؤ گے۔ اس فقرہ سے اشارتا معلوم



موافقت پیدا کرنے کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ شروع میں وہ سانپ چھوٹا ہی تھا جتنی لاٹھی تھی اتنا ہی بڑا سانپ بنا تھا پھر وہ بڑھتا اور پھولتا گیا یہاں تک کہ نُعْبَانُ (اژدہا) ہو گیا ابتدائی حال میں جَانُ تھا اور انتہائی حال میں نُعْبَانُ۔

بعض علماء نے کہا واقع میں تو وہ بڑا اژدہا تھا لیکن تیزی اور سرعت حرکت میں وہ جان (چھوٹی قوم کے سانپ) کی طرح تھا اسی لئے كَانَهَا جَانُ (فرمایا) گویا وہ جان تھی (اِذَا هِيَ جَانٌ نہیں فرمایا (کہ وہ جان ہو گئی تھی) اور جہاں نُعْبَانُ فرمایا ہے وہاں فَادَاهِيَ نُعْبَانُ مُسِينٌ فرمایا (تو اچانک وہ اژدہا ہو گئی)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب اپنی لاٹھی کو دیکھا تو ان کو بجائے لاٹھی کے ایک بہت بڑا اژدہا نظر آیا، لاٹھی کا دو شاخہ سانپ کی دو باجھیں بن گیا تھا اور لاٹھی کی موٹھ سانپ کی گردن ہو گئی تھی جس کے سر پر بال بھی تھے انکارے کی طرح اس کی دونوں آنکھیں دہک رہی تھیں اور اس کے دانتوں کے رگڑنے کی کرکر کی طرح آواز سنانی دے رہی تھی تیزی کے ساتھ اوہر اوہر دوڑ رہا تھا بڑی چٹان پر منہ مارتا تھا تو اس کو بھی لقمہ بنا لیتا تھا اور بڑے بڑے درختوں کو ٹکڑے کئے دے رہا تھا، موسیٰ یہ دیکھ کر ڈر کر پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر ان کے دل میں اپنے رب کا خیال آیا تو شرمندہ ہو کر رک کر کھڑے ہو گئے، اس وقت ندا آئی اور

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۗ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ۝

اللہ نے فرمایا اس کو پکڑ لو کچھ اندیشہ نہ کرو (میرے پاس آ کر پیغمبر کسی سے نہیں ڈرتے) میں دوبارہ لوٹا کر اس کی پہلی حالت اور ہیئت کر دوں گا۔

سِيرَتُهَا بروزنِ فِعْلَةٍ ایک بار چلنا، مجازاً امر اوہے طریقہ ہیئت، حالت۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ اس وقت اونچی چخہ پینے ہوئے تھے جب حکم ہوا خُذْهَا اس کو پکڑ لو تو آپ نے چخہ کا دامن ہاتھ کو لپیٹ کر پکڑنا چاہا اللہ نے حکم دیا ہاتھ کھول دو (چخہ کا دامن ہاتھ پر مت لپیٹو) حضرت نے ہاتھ کھول دیا۔ بعض اہل روایت کا بیان ہے جب حضرت موسیٰ نے ہاتھ پر چخہ کا دامن لپیٹ لیا تو ایک فرشتہ نے کہا دیکھو آپ کو جس بات کا خوف ہے اگر اسی کے واقع ہو جانے کا اللہ حکم دیدے تو کیا یہ چخہ اس کو رفع کر سکتا ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا نہیں لیکن میں کمزور ہوں میرا ضعف خلقتی ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ کھول کر سانپ کے منہ میں دیدیا یکدم سانپ لاٹھی بن گیا اور وہی ہی لاٹھی ہو گئی جیسی پہلے تھی اور لاٹھی کا وہ دو شاخہ سر ہاتھ میں آ گیا جس پر سہارا دے کر آپ کھڑے ہوتے تھے۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے اللہ نے یہ نشان قدرت حضرت موسیٰ کو اس لئے دکھایا کہ جب فرعون کے سامنے موسیٰ یہ معجزہ دکھائیں تو خود خوف زدہ نہ ہو جائیں۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ سفر میں لاٹھی پر اپنے کھانے پینے کا سامان لا دیا کرتے تھے وہ سامان اٹھائے ہوئے حضرت کے ساتھ ساتھ بائیں کرتی چلتی تھی آپ اسی لاٹھی کو زمین پر مارتے تو دن بھر کا کھانا برآمد ہو جاتا اور زمین میں گاڑ دیتے تو پانی نکل آتا جب اکھاڑ لیتے تو پانی بند ہو جاتا تھا، اگر کسی پھل کی خواہش ہوتی تو لاٹھی کو زمین پر گاڑ کر کھڑا کر دیتے۔ لاٹھی درخت کی سرسبز شاخ بن جاتی جس میں پتے بھی ہوتے اور پھل بھی۔ کنویں سے پانی کھینچنا چاہتے تو لاٹھی کو کنویں میں لٹکا دیتے تو اواں جتنا گہرا ہوتا لاٹھی اتنی ہی لمبی ہو جاتی اور اس کے سر کا دو شاخہ ڈول کی طرح بن جاتا اس طرح آپ پانی بھر لیتے، رات میں لاٹھی چراغ کی طرح روشن ہو جاتی تھی اگر کوئی دشمن سامنے آ جاتا تو خود اس سے لڑتی اور حضرت موسیٰ کی طرف سے دفاع کرتی تھی (وَكُلُّهَا مِنْ الْأَبْطِيلِ الْإِسْرَائِيلِيَّةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ مترجم)

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةٌ أُخْرَى ۝

اور تم اپنا (دایاں) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو (پھر نکالو) وہ بغیر کسی خرابی (یعنی مرض) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا۔ کہ یہ دوسری نشانی ہوگی۔

يَدٌ سے مراد ہے دائیں ہتھیلی، بغوی نے لکھا ہے کہ جَنَاح سے مراد ہے بائیں بغل، بغوی نے الہی کا ترجمہ نیچے کیا ہے

اور مجاہد کی طرف اس کو منسوب کیا ہے (یعنی بائیں بعل کے اندر دائیں ہتھیلی کو لے جاؤ) آدمی کا بازو بعل کے اندر تک جَنَاح کہلاتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اصل میں جَنَاح پرندہ کا بازو ہوتا ہے، انسان کے لئے جَنَاح کا استعمال بطور استعارہ کیا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے سینہ کی طرف کی پسلیاں جَوَانِح کہلاتی ہیں اس کا مفرد جَوَانِحَة ہے جَنَاح بازو، ہاتھ اور بعل۔

تَخْرُج یعنی ہاتھ کو بعل کے نیچے لے جاؤ پھر نکالو تو وہ سفید، چمکدار، روشن بغیر کسی بیماری کے برآمد ہوگا سو وہ بیماری خرابی مراد برص (برص سے بھی جلد سفید ہو جاتی ہے جس کی اس جگہ لفظ سوء فرما کر نفی کر دی) بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے روشن چمکدار نور برآمد ہوا تھا جو دن میں یارات میں ہر وقت چاند سورج کی طرح جھلکتا تھا۔ آيةُ اُخْرٰی سے یہ مراد ہے کہ یہ دوسرا معجزہ ہوگا جو تمہارے دعویٰ نبوت کی تصدیق کرے گا۔

لِيُزَيِّنَ لَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرٰی ﴿۱۶﴾ تاکہ ہم تم کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھائیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بیضاء حضرت موسیٰ کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔

اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ﴿۱۷﴾  
 فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔ یعنی یہ دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو اللہ کی عبادت کی دعوت دو وہ نافرمانی اور سرکشی میں حد سے آگے بڑھ چکا ہے، یہاں تک کہ الوہیت کا مدعی بن بیٹھا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۱۸﴾  
 موسیٰ نے کہا اے میرے رب میرے سینہ کو میرے لئے کھول دے کہ اس کے اندر وہ معرفت و جدانیہ سما جائے جس کو کوئی عقل بطور نظر حاصل نہیں کر سکتی۔ تیری ذات کے علاوہ پھر مجھے کسی کے اندر نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نظر نہ آئے اور فرعون اور اس کی حکومت کا خوف میرے دل سے جاتا رہے، حضرت ابن عباس نے آیت کی تشریح میں بیان کیا موسیٰ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں تیرے سوا پھر کسی سے نہ ڈروں۔ بات یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر و اقتدار کی وہ شان و شوکت تھی کہ حضرت موسیٰ کو بھی اس سے خوف محسوس ہوتا تھا (اس لئے آپ نے شرح صدر اور بے خوف ہو جانے کی دعا کی)

وَكَيْسَرِيْ اَمْرِيْ ﴿۱۹﴾  
 اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے۔ یعنی ایسی سہولت پیدا کر دے اور ایسی توفیق دیدے کہ میں تبلیغ رسالت کر سکوں اور اداء واجب کی کوئی دشواری میرے لئے نہ رہے، کوئی بار بھی محسوس نہ ہو بلکہ ادائے فرض کی تکالیف برداشت کرنے میں مجھے لذت محسوس ہونے لگے۔  
 اِشْرٰحُ اور كَيْسَرٌ کے الفاظ پہلے مبہم بولے پھر صَدْرِيْ اور اَمْرِيْ کے الفاظ بڑھا کر اس کی تشریح کر دی اس سے کلام میں زور اور طرزِ اداء میں قوت پیدا ہو گئی۔

وَاحْلِلْ عُقْدَةَ مِنِّ لِسَانِيْ ﴿۲۰﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۱﴾  
 اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔ بغوی نے لکھا ہے بچپن میں حضرت موسیٰ ایک روز فرعون کی گود میں تھے کہ آپ نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور داڑھی نونج لی۔ فرعون نے اپنی بی بی آسیہ سے کہا یہ میرا دشمن ہے میں اس کو قتل کرائے دیتا ہوں، آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے بے سمجھ اس کو کچھ تمیز نہیں بھلے برے کو نہیں پہچانتا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے آپ کا دودھ چھڑایا تو واپس لا کر آسیہ کو دیدیا، چنانچہ آپ نے فرعون اور اس کی بی بی کی گود میں پرورش پائی دونوں نے آپ کو بیٹا بنالیا ایک روز فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے اور ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، یکدم چھڑی فرعون کے سر پر مار دی، فرعون نے غضبناک ہو کر قتل کر اپنے کارادہ کر لیا۔ آسیہ نے کہا بادشاہ سلامت یہ بے سمجھ بچہ ہے اگر آپ چاہیں تو تجربہ کر لیں۔ چنانچہ آسیہ نے دو طشت موسیٰ کے سامنے رکھ دیئے موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر جوہرات کے طشت میں ڈالنا چاہا لیکن حضرت جبرئیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر انگاروں والے طشت میں ڈال دیا۔ آپ نے انگار پکڑ کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور زبان میں گرہ پیدا ہو گئی۔



قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى ﴿۲۵﴾ اللہ نے فرمایا موسیٰ تمہارا سوال پورا کر دیا گیا، یعنی تمہاری سب مانگیں تم کو دیدی گئیں، سُؤْلُ برون فعل بمعنی مَسْتَسْوِلٌ جیسے حَبْرٌ بمعنی مَسْحُوبٌ اور اَكْلٌ بمعنی مَأْكُولٌ آتا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ﴿۲۶﴾ اور ہم ایک بار اور بھی (بغیر درخواست کے) تم پر احسان کر چکے ہیں۔ یعنی اس سے پہلے یا ایک اور وقت، بعض نے کہا یہ ہی بار مراد ہے۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمَمِكَ مَا يُؤْمِنُ ﴿۲۷﴾ جب کہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتائی جو الہام سے بتانے کی تھی۔ (حضرت مفسر نے اَوْحَيْنَا کی تشریح میں فرمایا) الہام سے بتلایا خواب میں یا اس وقت کے کسی نبی کی زبانی یا فرشتے کی معرفت۔ لیکن فرشتہ کی معرفت اگر وحی کی گئی تو بطریق نبوت نہ تھی۔

### فائدہ

وحی اور تشریحی نبوت کے لئے انبیاء مخصوص ہیں اور انبیاء سب کے سب مرد ہی ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ پر اس نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ البتہ وحی غیر تشریحی انبیاء کے لئے مخصوص نہیں ہے خواہ بطریق الہام ہو یا بکلام ملائکہ، نہ اس کے لئے مردوں کی خصوصیت ہے جس طرح حضرت مریم سے فرشتے نے کلام کیا تھا، اولیاء کے پاس بھی یہ وحی آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، اسی طرح کمالات نبوت کا حصول بھی اولیاء کو بالتبع یعنی انبیاء کی خوشہ چینی سے ہو جاتا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے باب نمبر ۷۰ میں لکھا ہے کہ تشریحی نبوت کا اگرچہ اس امت کے سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن میراث نبوت کا سلسلہ نہیں منقطع ہو اس امت میں بعض افراد میراث نبوت کیلئے وارث ہوتے ہیں، بعض میراث رسالت کے، بعض دونوں کے۔ علماء جو کہتے ہیں کہ نبوت محض اختصاص الہی (وہی عنایتی محض انتخاب الہی) ہے اس سے مراد نبوت تشریحی ہے یعنی بوحی الہی اللہ کی طرف سے احکام کا نزول براہ راست صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی تشریحی نبوت کے متعلق فرمایا ہے کہ نبوت اور رسالت منقطع ہو گئی۔ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ شیخ اکبر نے فتوحات کے باب الصلوٰۃ کے آخر میں بھی ایسی ہی تشریح کی ہے اور فرمایا یہ (ذیلی) انبیاء وہی مقررین بارگاہ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ۔ میں نے سورۃ النساء اور سورۃ الواقعہ کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ مقررین سے مراد وہی لوگ ہیں جن کو کمالات نبوت حاصل ہو چکے ہوں لیکن دراختیار (اور ذیلی طور پر نہ براہ راست تشریحاً) پس وحی غیر تشریحی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی وحی کو تحدیث فرمایا ہے، امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابو نعیم موصلی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی اقوام میں کچھ مُحدَث ہو گزرے ہیں میری امت میں اگر کوئی مُحدَث ہو سکتا ہے تو وہ عمر ہو گا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان سے (اللہ کی طرف سے) کلام کیا جاتا تھا، باوجودیکہ وہ انبیاء نہیں تھے اب اگر اس امت میں کوئی (ایسا) ہو تو وہ عمر ہو گا۔ اسی بناء پر حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو تا تو عمر بن الخطاب ہو تا۔ رواہ احمد والترمذی وابن حبان والحاکم عن عقبہ بن عامر والطبرانی عن عصمہ بن مالک وابی سعید الخدری، وابن عساکر عن ابن عمر۔

شیخ شعر اوی نے ایواقیت والجواہر میں سوال کیا ہے کیا الہام بلا واسطہ ہوتا ہے پھر خود ہی جواب میں کہا ہے ہاں الہام بلا واسطہ اس غیبی کنکشن کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہر ایک انسان کا اپنے رب سے ہے اس سے فرشتہ بھی واقف نہیں ہوتا لیکن اس اندرونی تعلق و رابطہ کا انکار لوگ بہت جلدی سے کر دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کے اسی تعلق کا فوری انکار کیا تھا۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ انبیاء اور پیغمبر تو فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غیر انبیاء صرف اثر دیکھتے ہیں فرشتوں کو نہیں دیکھتے مگر غیر مبصر فرشتہ کی معرفت (بھی) الہام ہوتا ہے اور کبھی بغیر کسی واسطہ اس غیبی تعلق و رابطہ کی بناء پر جو ہر انسان





دشمن ہونے کے کوہ پچانتانہ تھا اور نہ فوراً قتل کر دیتا بہر حال موسیٰ کا وہ دشمن ضرور تھا نہ پہچاننے کی وجہ سے قتل نہیں کر لیا تھا۔ چاروں جگہ مفعولی ضمیریں اور پانچویں جگہ لہ کی مجرور ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہیں یہ ممکن ہے کہ دوسری تیسری اور چوتھی ضمیریں تابوت کی طرف راجع ہوں اور پہلی اور پانچویں ضمیر موسیٰ کی طرف راجع ہو لیکن اس صورت میں اختلاف عبارت اور تافر ترتیب لازم آئے گا۔ دریا میں اور کنارے پر جس کو براہ راست پھینکا گیا وہ صندوق ہی تھا لیکن حضرت موسیٰ اس کے اندر تھے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ موسیٰ کو (صندوق کے اندر رکھ کر) تو دریا میں پھینک دیا اور دریا موسیٰ کو صندوق سمیت کنارے پر لا ڈالے گا۔

بغوی کا بیان ہے حضرت موسیٰ کی والدہ نے ایک صندوق لے کر اس کے اندر دھنی ہوئی روئی بچھائی اور موسیٰ کو اس میں رکھ کر سرپوش ڈھانک کر تمام درزیں اور شکاف روغن قیر سے بند کر کے صندوق کو نیل میں ڈال دیا، نیل سے ایک نہر نکل کر فرعون کے مکان کے اندر جاتی تھی صندوق بہتا بہتا اس شاخ میں چلا گیا۔ فرعون اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس وقت نہر کے دہانے پر بیٹھا تفریح کر رہا تھا کہ بہتا ہوا صندوق اندر آ گیا فرعون نے باندیوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو نکال لائیں۔ خادم صندوق کو پکڑ کر لائے۔ سرپوش کھول کر دیکھا تو اندر سے ایک نہایت سنگتہ رنگ کا خوب صورت بچہ برآمد ہوا۔ فرعون دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا بے قابو ہوا کہ ضبط نہ کر سکا، آیت ذیل سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا۔ یعنی میں  
وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۝۴  
نے اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی یہاں یہ مطلب ہے کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی۔ تجھ سے محبت کی اور ظاہر ہے کہ جب اللہ نے موسیٰ سے محبت کی تو لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کی محبت پیدا ہو ہی گئی، حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر میں فرمایا، میں نے اس سے محبت کی پس مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ نے کہا جو بھی اس بچہ کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا تھا۔ قنادہ نے کہا موسیٰ کی آنکھوں میں عجیب ملاحظت تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا عاشق اور فریفتہ ہو جاتا۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے اپنی محبت تیرے دل میں ڈال دی کہ میری محبت تجھ پر غالب آگئی تو مجھ سے خالص دل سے محبت کرنے لگا تیرا دل میری محبت میں ایسا ہو گیا کہ پھر کسی دوسرے کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں رہی پس تو سرگروہ عشاق ہو گیا۔

شیخ مجد الف ثانی نے فرمایا کلیم کا مبداء تعین خالص محبت (اور عشق) ہے اسی لئے آپ اہل محبت (اور عشاق) کے سالار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا مبداء تعین خالص محبوبیت ہے اس لئے آپ محبوبوں کے سرگروہ قرار پائے۔  
صوفی بنظر کشف دیکھتا ہے کہ محبت کا ایک دائرہ ہے اس دائرہ کا ایک محیط ہے اور ایک مرکز پھر اس مرکز کا بھی ایک محیط (گرداگرد کا کنارہ ہے) اور ایک وسطی نقطہ، پس دائرہ محبت کے محیط کا نام خلت ہے، حضرت خلیل اللہ کا مبداء تعین ہے اور جس طرح مرکز محیط سے افضل، اعلیٰ اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح مقام محبت کو مقام خلت پر فضیلت حاصل ہے اور مرکز (محبت) کی نسبت محیط (خلت) سے ایسی ہے جیسے چاند کی نسبت اس کے ہالہ سے۔

پھر مرکز کی بھی دو حیثیات ہیں ایک مرکز کا کنارہ اور محیط دوسرا مرکز کا وسطی نقطہ۔ پس مقام محبت مرکز کا محیط ہے اور یہی کلیم اللہ کا مبداء تعین ہے اور مرکز کا وسطی نقطہ مقام محبوبیت ہے جو حبیب اللہ ﷺ کا مبداء تعین ہے آپ خالص بے آمیزش محبوبیت کے مرکز دائرہ تھے۔ محیط دائرہ محبوبیت یعنی مخلوط محبوبیت آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کے لئے چھوڑ دی (حضرت مفسر نے مجد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مخلوط محبوبیت کا حامل قرار دیا بلکہ حصر کے ساتھ فرمایا کہ) جس فرد امت کے لئے مخلوط محبوبیت چھوڑی گئی وہ حضرت شیخ مجد کی ہی شخصیت گرامی تھی۔

آیت کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ دریا نے صندوق ساحل پر پہنچا دیا پھر فرعون کے آدمیوں نے اس کو نکال لیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا دشمن اور وہ شخص جو ان کے لئے آئندہ غم آفرین بن کر آنے والا تھا ان کے پاس پہنچ گیا۔ دریا کے ساحل



فَكَلْبَتَّتْ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۝  
پھر مدین والوں میں تم (دس) سال رہے، حضرت شعیب کی صاحبزادی سے نکاح کیا اور حسب قرار دامہر کے عوض آپ دس سال تک حضرت شعیب کی بکریاں چراتے رہے۔ مدین مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔

دوہب نے کہا حضرت موسیٰ حضرت شعیب کے پاس اٹھائیس برس رہے دس سال تو مہر زوجہ کے عوض اور اٹھارہ سال اس کے بعد۔ آپ کی اولاد وہیں ہوئی۔

ثُمَّ جِئْتَنَا عَلَىٰ قَدَرٍ يُمْسِي ۝  
پھر اے موسیٰ تم ایک خاص وقت پر (وادی مقدس کی طرف) آئے۔ یعنی جو وقت میں نے تمہارے آنے کا مقرر کر دیا تھا اس کے موافق تم یہاں آئے۔ محمد بن کعب نے کہا یہ مطلب ہے کہ انبیاء کے پاس وحی بھیجنے کا اندازہ عمر جو مقرر کر دیا گیا ہے تم اس کو پہنچ گئے۔ انبیاء کے پاس وحی چالیس سال کی عمر میں آتی تھی۔ یعنی اس سے کم عمر نلسوائے حضرت عیسیٰ کے اور کسی کے پاس نہیں آئی۔ مترجم۔ عبدالرحمن بن کیسان کا بھی یہی قول ہے اکثر اہل تفسیر نے علی قدر کا ترجمہ کیا ہے مقرر وعدہ جو اللہ نے مقرر کر دیا تھا کہ اس عمر میں موسیٰ کے پاس وحی رسالت بھیجے گا۔ یعنی چالیس سال کی عمر، یہ مطلب بھی محمد بن کعب کے بیان کردہ مطلب کی (کسی قدر) تائید کر رہا ہے۔

یوموسیٰ دوبارہ فرما کر خطاب کرنے سے حضرت موسیٰ کو مانوس بنانا اور موسیٰ سے اپنی محبت کو ظاہر کرنا مقصود ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس چیز کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ رواہ صاحب مسند الفردوس من حدیث ام المومنین عائشہ۔

وَأَصْطَفَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝  
اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کر لیا ہے یعنی تمہاری تربیت اپنے لئے کی اور اپنے لئے تم کو چن لیا تاکہ میرے علاوہ تم کسی اور سے دل نہ لگاؤ نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تم کو مکارم اخلاق کے لئے بنایا ہے اور اس طرح تربیت دی ہے کہ تم مجھ سے خطاب کرنے میرے قریب آنے اور میرا پیام پہنچانے کے قابل ہو گئے۔

إِذْ هَبَّ آنتَ وَأَخْوَكْ بِآيَتِي ۝  
تم اور تمہارے بھائی میرے (عطا کردہ) نشانات یعنی معجزات کے ساتھ جاؤ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیات سے مراد ہیں وہ نو معجزات جو حضرت موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔

وَلَا تَنبِيَا فِي ذِكْرِي ۝  
اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا (سدی) کیا کمی نہ کرنا (محمد بن کعب) قاموس میں ہے ذنبی بروزن فتی تھکان سستی یہ وحی حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی حضرت ہارون اس زمانہ میں مصر میں تھے، اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ ہارون کے پاس جاؤ اور ہارون کو وحی بھیجی کہ تم موسیٰ سے ملو۔ حسب الحکم حضرت ہارونؓ حضرت موسیٰ سے ملنے مصر سے نکل کر ایک منزل آئے تھے کہ ملاقات ہو گئی یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ہارونؓ کو حضرت موسیٰ کے آنے کی اطلاع ملی گئی تھی اور آپ استقبال کے لئے مصر سے نکلے تھے۔ جب دونوں جمع ہو گئے تو اللہ نے دونوں کو زائد حکم دیا۔

إِذْ هَبَّ آ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝  
تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو نصیحت کرو وہ بہت نکل چکا ہے کہ خدا ہونے کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ اللہ نے شروع میں حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا، پھر دوبارہ دونوں بھائیوں کو ملا کر حکم دیا۔ اس لئے کلام میں تکرار نہیں ہے بعض علماء نے کہا کہ پہلا حکم مطلق تھا اور دوسرا حکم مقید ہے (آگے قید لگادی ہے کہ نرمی سے کلام کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے۔ الخ)

فَقُولَا لَهُ مَقُولَاتِنَا ۝  
پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بات کرنے میں درستی نہ کرنا عکرمہ اور سدی نے کہا (نام نہ لینا بلکہ) کنیت کہہ کر کلام کرنا، فرعون کی کنیت ابو العباس یا ابو الولید تھی مقاتل نے کہا نرم کلام کرنے سے مراد ہے اس طرح کہنا اهل لک الی ان تزکی و اھدی لک الی ریک فتخشی ایسا کلام



دے۔

وَلَا تَعَذِّبْهُمْ، یعنی ان کو سخت تکلیفیں اور دکھ نہ دے فرعون بنی اسرائیل سے دشوار ترین مشقت کے کام لیا کرتا تھا۔  
**قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ**  
 معجزہ بھی لے کر آئے ہیں اور آپ کے کلام کے اندر رسالت کا دعویٰ بھی ضماند کور تھا اس آیت سے دعویٰ رسالت کی تائید ہو رہی ہے معجزے تو دوتھے لیکن دو نشانیاں کہنا چاہئے تھا، لیکن آیت سے مراد اس جگہ فقط ثبوت اور دلیل ہے، دلیل کی وحدت و کثرت کا بیان پیش نظر نہیں۔ اسی طرح آیت **قَدْ جِئْنَاكُمْ بِبَيِّنَاتٍ** اور آیت **فَاتِ بِآيَةٍ مِّن نَّفْسِ ثُبُوتٍ** مراد ہے، میں واضح دلیل تمہارے پاس لایا ہوں۔ تم کوئی دلیل پیش کرو۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝  
 اور جو سیدھی راہ پر چلے اور اس کے لئے سلامتی ہے (عذاب سے دونوں جہاں میں کیا یہ مطلب ہے کہ جو سیدھی راہ پر چلے اس پر سلام ہو گا میری طرف سے اور ملائکہ کی طرف سے اور جنت کے کارندوں کی طرف سے۔

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝  
 ہمارے پاس یہ حکم (بذریعہ وحی) پہنچا ہے کہ (اللہ کا) عذاب اس شخص پر ہو گا جو (حق کو) جھٹلائے اور (اس سے) گرد دانی کرے۔ الْعَذَابُ دنیا اور آخرت میں اللہ کا عذاب۔ مَن كَذَّبَ جس نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ تَوَلَّى اللہ کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے سے پشت پھیری (یعنی انکار کیا مترجم) یہ کلام حضرت موسیٰ کے رسول ہونے کی علت ہے یا ذیلی تتمہ ہے حضرت مفسر نے فرمایا **إِنَّا رَسُولُ رَبِّكَ** سے بدل ہے رفتار آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُؤْتِسِي ۝  
 فرعون نے کہا موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے۔ جس نے تم دونوں کو بھیجا ہے چونکہ اصل مخاطب موسیٰ ہی تھے اسی لئے لفظ نداء (یا) صرف موسیٰ پر داخل کیا لیکن پیغامبر ہونے کا دعویٰ دونوں کا تھا اس لئے متنبہ مخاطب کی ضمیر ذکر کی۔ موسیٰ کے دزیر ہاروں تھے، پھر تعلق قدیم تربیت کا بھی موسیٰ سے ہی تھا یا فرعون گفتگو سے سمجھ گیا کہ موسیٰ کا بھائی تو بیان کے لئے ساتھ ہے مرکز گفتگو موسیٰ ہیں۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝  
 موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بنوٹ عطا فرمائی پھر اس کو راستہ دکھلایا۔ حسن اور قیادہ نے کہا اللہ نے ہر چیز کو اس کی بھلائی اور بہتری کا سامان عطا فرمایا پھر اس کو اس چیز کے حصول کا جس میں اس کی بھلائی ہے راستہ بتادیا۔

مجاہد نے آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا اللہ نے ہر چیز کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی آدمی کی شکل جانوروں جیسی اور جانوروں کی شکل انسان جیسی بنائی پھر کھانے پینے اور قربت صحتی کرنے کی طرف اس کی راہنمائی کی۔ سعید بن جبیر نے کہا خلق سے مراد ہے ہر چیز کو اس کا ہم جنس جوڑا دیا مرد کو عورت اونٹ کو اونٹنی، گدھے کو گدھی اور گھوڑے کو گھوڑی۔ پھر صحتی قربت کا طریقہ اس کو فطر بتادیا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت میں لول مفعول کو دوئم مفعول اور دوسرے مفعول کو اول مفعول کی جگہ دی ہے، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو ہر وہ چیز عطا فرمادی جس کی اس کو ضرورت تھی اور جو اس کے کام آسکتی تھی پھر اس کو وہ طریقہ بتادیا جس سے وہ منفعت اندوز ہو سکے اور اپنی ہستی کی بقا اور تکمیل تک بالارادہ بلا اختیار پہنچ سکے۔ بیضاوی نے لکھا ہے یہ توجیہ بہت ہی بلیغ ہے اس سے ہر مخلوق کی پوری حالت کا اظہار ہے مخلوق کوئی ہو، جاندار یا بے جان جامد یا نامی ذی حس یہ بے حس۔ مترجم) اس کی کیفیت و حالت (تخلیقی) کو ظاہر کر دیا اور یہ بات بھی بیان کر دی کہ بے نیاز قادر مطلق اور ہر نعمت دینے والا اللہ ہی ہے اور ہر چیز اپنی ذات، صفات اور افعال میں اسی کی محتاج ہے اسی لئے فرعون متحیر ہو کر لاجواب ہو گیا اور کلام کا رخ اس نے پھیر دیا اور،

اس نے کہا پھر اقوام سابقہ کا کیا حال ہوا یعنی قوم

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝

نوح، عاد، ثمود اور دوسری اقوام پارینہ کا کیا ہو گا جو بت پرست اور منکر قیامت تھیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا (کیا ان کے عقائد و افکار و اعمال ان کے ساتھ نہیں مر گئے اسدہ کہاں اور ان کے عقائد و اعمال کہاں ہیں)

قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ، لَا يَحِضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسِي ﴿٥٠﴾  
موسیٰ نے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس دفتر (اعمال) میں (محفوظ) ہے میرا رب نہ عطلی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ان کا علم یعنی ان کے اعمال و احوال کا علم۔ کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ۔ ضلال کسی چیز کی جگہ کا فراموش ہو جانا کہ اس کی جگہ نہ مل سکے نیشیان نفس چیز کو بالکل بھول جانا کہ اس کا تصور بھی دل میں نہ آئے۔ اللہ کے لئے دونوں ناممکن ہیں اللہ کسی چیز یا اس کی جگہ سے غافل نہیں ہے (اس کو معلوم ہے کہ فلاں فلاں چیز فلاں فلاں جگہ ہے)

بعض علماء نے کہا لا یحِضِلُّ کا معنی یہ ہے کہ نہ کوئی چیز رب سے غائب ہے نہ رب کسی چیز سے غیر حاضر ہے اور لا یَنْسِي کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احوال کو اللہ بھولتا نہیں ہے اس کو سب کے احوال معلوم ہیں مراد یہ ہے کہ ہمارا رب ان کو ہر عمل کا بدلہ دے گا اچھے عمل کا اچھا بدلہ۔ برے عمل کا برا بدلہ۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَ سَلَّكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا

وہ رب ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو (مثل) فرش کے بنایا اور اس زمین میں تمہارے چلنے کے لئے راستے بنائے۔ سُبُلُوكِ راستہ میں چلنا۔ لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی اللہ نے فرمایا ہے لَتَسْلُكُنَّهَا سُبُلًا فَجَاجَا قاصوس میں سے سَلَّكَ الْمَكَانَ سُبُلًا وہ اس جگہ چلا سلاکے غیرہ کسی دوسرے نے اس کو چلایا، اول مثال لازم کی ہے اور دوسری متعدی کی۔ آیت میں متعدی استعمال کیا گیا ہے سُبُلًا کو ظرف ہے لیکن مفعول بہ کے طور پر مجاز استعمال کیا گیا ہے جس طرح مجاز ابنے کی نسبت نہر (شکاف گڑھا، خندق) کی طرف کر دی جاتی ہے مثلاً کہتے ہیں نہر بنے لگی حالانکہ پانی بہتا ہے نہر تو اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں پانی بہتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے پہاڑوں وادیوں اور صحراؤں کے اندر زمین پر تمہارے لئے راستے بنا دیئے جن پر تم چلتے ہو راستہ پر چل کر زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کی طرف جاتے ہو، حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ نے زمین میں تمہارے لئے راستے آسان کر دیئے اس قول کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا۔

بغوی نے کہا سَلَّكَ کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا (پر دنا چلانا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین میں راستے داخل کر دیئے تاکہ تم ان پر چلو آیت میں آیا ہے مَا سَلَّكُمُ فَنِي سَفِيرٍ كَسْ قِيزِنِ تَم كُو دُو زَخ مِی دَا خِل كُرِ دِیَا۔ چلا دیا۔

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجْنَا بِهِ أَشْجَارًا مِنْ ثَبَاتٍ شَتَّى ﴿٥١﴾ كَلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ

اور اس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے پانی کے ذریعے سے مختلف اقسام کے نباتات پیدا کئے اور تم کو اجازت دی کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔

أَشْجَارًا قِيزِنِ شَتَّى، شَتَّى یعنی مختلف اور متفرق صورتوں اور خواص و احوال والی جن کے منافع بھی مختلف ہیں کوئی انسان کے لئے مناسب ہے کوئی چھایوں اور چرندوں کے لئے اِرْعَوْا رَاعِی سے بنا ہے رعای لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی (چراؤ اور چراؤ) عرب بولتے ہیں رَعِیْتُ الْقَوْمَ میں نے قوم کی حفاظت اور نگہداشت کی۔ فِرَاعَتِ پس وہ محفوظ ہو گئی اس جگہ جانوروں کو چرانے کا مفہوم ہے اور امر کا صیغہ اباحت کے لئے ہے یعنی کھانا اور جانوروں کو چرانا تمہارے لئے ممنوع نہیں ہے اس سے نعمت کی یاد دہانی مقصود ہے۔

بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ ماء تک حضرت موسیٰ کا کلام ختم ہو گیا یعنی موسیٰ نے یہ بھی کہا کہ اللہ نے بادل سے پانی برسایا پھر فَاخْرَجْنَا سے اللہ نے خود اپنی طرف سے فرمایا کہ ہم نے پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کیا اور اس میں اہل مکہ کو

مخاطب فرمایا اس سے موسیٰ کے اس کلام کی بھی تکمیل ہو گئی جو اللہ نے نقل کیا تھا۔  
زیادہ ظاہر اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب حضرت موسیٰ کا ہی کلام ہے جو اللہ نے نقل فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ  
نے کہا اللہ نے بادل سے پانی نازل فرمایا اور احسان و انعام کے طور پر فرمایا کہ ہم نے اس پانی سے طرح طرح کی سبزیاں تمہارے اور  
تمہارے جانوروں کے لئے پیدا کی ہیں، سو تم بھی کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھلاؤ، یعنی اس کا شکر کرو۔

ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں یعنی  
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهْيِ ﴿۱۶﴾  
زمین کو فرش کی طرح بنانے میں بادلوں سے پانی برسانے میں اور پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں بڑی بڑی بکثرت  
نشانیاں ہیں جو خالق کی ہستی کو اس کے کم یزّل ولا یزال ہونے کو، اس کے علم کی ہمہ گیری اور قدرت کے محیط کل ہونے  
کو، اس کے جامع کمالات اور منزہ از نقائص ہونے کو بتا رہی ہیں لیکن عظمت ربوبیت والوہیت کے یہ نشانات صرف دانشمندیوں  
کے لئے ہیں۔

النُّهْيُ نَهْيَةٌ كِي جَمْعٌ نَهَيْتُمْ عَقْلٌ كَوَيْتُمْ عَقْلٌ (روکنے والی) عقل بھی انسان کو بری اور ضرر رساں اور غلط  
باتوں سے روکتی ہے اس لئے عقل کو چھتہ کہتے ہیں۔

مِنَهَا خَلَقْنَاكُمْ  
وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ  
وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ﴿۱۷﴾  
ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا۔  
اور (مرنے کے بعد) اسی میں ہم تم کو (لوٹا کر) لے جائیں گے۔  
اور (قیامت کے دن) پھر اسی سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔

یعنی تمہارے باپ آدم کو اور تمہارے جسمانی مادہ کو ہم نے زمین کی مٹی سے بنایا نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے، پس ہر آدمی  
کے مادہ تخلیق کی پیدائش زمین سے ہی ہوتی ہے۔ بغوی نے عطاء خراسانی کا قول نقل کیا ہے کہ جس جگہ آدمی دفن ہونے والا  
ہوتا ہے اس جگہ کی مٹی فرشتہ لے کر نطفہ پر چھڑکتا ہے پھر اس نطفہ اور مٹی سے آدمی کا جسم بنتا ہے عطاء کے قول کی دلیل وہ  
حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی  
ضرور ہوتی ہے جس سے اس کی پیدائش ہوتی ہے پھر جب وہ اپنی بدترین عمر (بڑھاپے) کو پہنچ جاتا ہے تو جس مٹی سے اس کی  
تخلیق ہوئی ہے اسی کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے اور اسی میں دفن کیا جاتا ہے میں اور ابو بکر اور عمر ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں اور اسی  
میں دفن کئے جائیں گے، یہ حدیث خطیب نے بیان کی ہے اور اس کو غریب کہا ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر  
کیا ہے۔ شیخ مرزا محمد حارثی بدخشانی نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ سے اس حدیث کے تائیدی  
اقوال (شواہد) منقول ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی تائید کر رہا ہے اس لئے یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کی تعویت  
مندرجہ ذیل اقوال و روایات سے بھی ہوتی ہے۔

یعنی صحیح بخاری کی شرح میں کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین نے فرمایا اگر میں قسم کھا کر کہوں تو میری  
قسم جھوٹی نہ ہوگی نہ مجھے اس میں کوئی شک ہے نہ استثناء کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے نبی صلعم کو اور ابو بکر کو اور عمر کو ایک ہی مٹی  
سے بنایا تھا۔

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھے مبارک اور  
خوشگوار ہو کہ تو میرے خیر سے پیدا کیا گیا ہے اور تیرا باپ ملائکہ کے ساتھ آسمان میں اڑتا ہے۔

مسند الفردوس میں دیلمی نے اور ابن النجار نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (باندی غلام کو) آزاد کرنے والے کا  
خیر میری مٹی کا ہے شاید حضور ﷺ نے یہ ارشاد کسی آزاد کرنے والے سے فرمایا تھا، مذکورہ بالا احادیث اور عطاء کی تفسیر مذکور  
سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ بعض آدمیوں کی تخلیق انبیاء کے خیر سے ہوتی ہے صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو  
إِصَالَةُ الطِّينَةِ کہتے ہیں بلکہ بعض کی تخلیق رسول اللہ ﷺ کی مٹی سے بھی خصوصیت کے ساتھ ہوتی ہے (اور ہوتی

ہے) اصطلاح صوفیہ میں یہ اصالت کبریٰ ہے۔

میں کہتا ہوں اللہ نے جس روز آسمان وزمین کو پیدا کیا اسی روز زمین کے بعض اجزاء کو بعض انسانوں کی اور بعض اجزاء کو دوسرے بعض انسانوں کی تخلیق کے لئے تیار کر دیا۔ (غرض ہر حصہ زمین میں مختلف اشخاص کو پیدا کرنے کی صلاحیت واستعداد رکھ دی) جس مٹی میں کسی پیغمبر کی تخلیق کی صلاحیت رکھی توجوان اور برکات اور تجلیات ذاتیہ اس پیغمبر کے لئے مخصوص کر دی گئی تھیں شاید ان انوار و برکات کا نزول اس حصہ زمین پر بھی مسلسل ہوتا رہا جس سے اس نبی کی تخلیق ہونی تھی تاکہ نبی کے مبارک جسم کا خمیر اس مٹی سے ہو سکے اس کے بعد جب جسم نبی کی خمیر ہو چکی تو اس مبارک مٹی کا کچھ حصہ باقی رہنا ممکن نہ تھا پس ہو سکتا ہے کہ خمیر نبی سے جو حصہ بچ رہا ہو اس سے کسی دوسرے کی تخلیق کر دی جائے اس طرح ختم نبوت کی برکت غیر نبی میں پیدا ہو جائے

کھجور والی حدیث سے اس طرف اشارہ ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی پھوپھی یعنی درخت کھجور کی عزت کر، اس کی تخلیق تمہارے باپ آدم کے خمیر سے پس ماندہ مٹی سے ہوئی ہے اللہ کے نزدیک کوئی درخت اس درخت سے زیادہ عزت والا نہیں جس کے نیچے مریم بنت عمران کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تھا تم اپنی عورتوں اور بچوں کو کھجوریں کھلاؤ اور کھجوریں نہ ملیں تو چھوڑ دو۔ یہ حدیث ابو یعلیٰ موصلی نے مسند ابو نعیم نے الطب میں بخاری نے تاریخ میں نیز ابن ابی حاتم اور عقیلی اور ابن عدی اور ابن السنی اور ابن مردویہ نے حضرت علی کی روایت سے بیان کی ہے۔

ابن عساکر نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، درخت کھجور اور انار اور انگور کی تخلیق آدم کے خمیر کے پس ماندہ حصہ سے ہوئی ہے۔

شیخ احمد مجد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی تیسری جلد کے نانویں مکتوب میں اپنے کشف سے اصالت کبریٰ کا دعویٰ کیا ہے اس دعویٰ پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا خواہ نادانی کی وجہ سے یا جذبہ عناد کی کار فرمائی سے۔ واللہ اعلم۔ تاثر کا معنی بوقت یاباری۔ قیامت کے دن دوبارہ زمین سے برآمد کرنے کا معنی یہ ہے کہ جسم کے پرآگندہ اجزاء جو مٹی میں مخلوط ہو چکے ہوں گے پھر از سر نو ان کو جمع کر کے جوڑا جائے گا اور سابق صورت پہنائی جائے گی اور پھر ان کے اندر ارواح کو واپس لایا جائے گا۔

وَلَقَدْ آرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى ۝۵

اور ہم نے اس کو اپنی (وہ ساری نشانیاں دکھائیں لیکن اس نے) سب کو جھٹلایا اور (ماننے سے) انکار کر دیا۔ آرینا کا ترجمہ ہے ہم نے اس کو چشم دید کرادیاں یا ان کی صحت اس کو بتادی۔ آیتنا سے مراد ہیں وہ نو معجزات جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے آپ نے وہ سارے معجزات دکھائے۔ فَكَذَّبَ، پس فرعون نے موسیٰ کو محض عناد کی وجہ سے جھٹلایا اور آپ کو جادوگر کہا۔ وَأَبَى اور ایمان و اطاعت سے انکار کیا۔

قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَى ۝۵  
اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم کو ہماری سرزمین (مصر) سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال کر باہر کر دے۔ یعنی کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کو نکال کر ہمارے ملک پر توفیقہ کر لے اور یہاں تیری حکومت ہو جائے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَكَ بِسِحْرِهِ مَثَلَهُ فَاَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا اَلَّا نُخْلِفَهُ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝۵  
سوا ب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے لہذا ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لے جس کے خلاف نہ ہم کریں نہ تو کسی ہموار میدان میں (مقابلہ کریں گے تاکہ سب دیکھ لیں) لَا نُخْلِفُهُ یعنی ہم اس وعدے کے خلاف نہ کریں موعده بمعنی وعدہ۔ موعده اس جگہ ظرف زمان یا مکان نہیں ہے کیونکہ خلاف ورزی کا تعلق وعدے سے ہوتا ہے زمان و مکان ظرف سے نہیں ہوتا۔ سحوی کا ترجمہ قیادہ اور مجاہد نے برابر۔ یعنی ہمارے تمہارے درمیان مسافت برابر ہو۔ حضرت ابن عباس کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے کلی نے کہا سوسی یعنی اس



جگہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقام (جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہ مولانا تھانوی نے لکھا ہے اور صحیح ترین معلوم ہوتا ہے۔)

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُخْشَى النَّاسَ ضُحًى ۝۹  
تمہارے مقابلہ کے وعدے کا وقت وہ دن ہے جس میں (تمہارا) میلہ ہوتا ہے (یعنی تمہارے تہوار کا دن) اور جس میں دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

مَوْعِدُ (ظرف مکان) کو وعدے کی جگہ یعنی تمہارے مقابلہ کے وعدہ کی جگہ تہوار والے دن کا مقام ہے میلہ کا دن سب لوگ جانتے تھے جس میں لوگ جمع ہوتے تھے۔ مجاہد قنادرہ مقاتل اور سدی نے کہا مصر والوں کا ایک تہوار سالانہ ہوتا تھا جس میں لوگ آراستہ و پیراستہ ہو کر میلہ کی شکل میں جمع ہوتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں مصریوں کے تہوار کا دن نوروز کا ہوتا تھا حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے فرمایا محرم کی دس تاریخ کو وہ تہوار مناتے تھے۔ میلہ کا دن حضرت موسیٰ نے اس لئے مقرر کیا کہ تمام لوگوں کے سامنے حق کا ظہور ہو جائے اور باطل کو شکست ہو جائے اور اس طرح اطراف ملک میں یہ خبر پھیل جائے۔ ضُحًى چاشت کے وقت دن چڑھے تاکہ سب لوگ دیکھ لیں اور کسی کو شک نہ رہے۔

فَتَوَلَّى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدًا شَقِيًّا ۝۱۰  
لوٹ گیا پھر اپنا مکر (کاسامان) جمع کرنا شروع کیا (یعنی جادو کاسامان) پھر وعدہ پر آگیا۔  
كَيْدًا (مکر تدبیر) سے مراد ہیں جادوگر اور ان کے آلات و سامان۔  
أَتَى یعنی مقررہ وعدہ پر مقام مقررہ پر پہنچ گیا۔

قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيَسْحَاحَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۝۱۱  
موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا اے کم بخشتی مارو اللہ پر جھوٹ نہ تراشو کبھی وہ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست نابود ہی کر دے اور جو دروغ تراشی کرتا ہے (آخر) کو ناکام رہتا ہے۔  
لَهُمْ یعنی فرعون اور اس کے ساتھی جادوگروں سے موسیٰ نے کہا بغوی نے لکھا ہے صرف جادوگروں کی طرف ضمیر راجع ہے جن کو فرعون نے (اطراف ملک سے) جمع کیا تھا یہ بہتر تھے اور ہر ایک کے پاس ایک لاشی اور ایک رسی تھی۔ کعب نے ان کی تعداد چار سو بتائی ہے بعض نے بارہ ہزار اس سے زائد بھی کہا ہے۔

وَيْلَكُمْ وِیْل ہلاکت، یعنی اللہ نے ہلاکت تم پر لازم کر دی ہے یا وِیْل فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، یعنی تم ہلاک ہو چکے یا جملہ ندائیہ ہے جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے یا جملہ دعائیہ ہے تمہارا استیانتاں ہو بری حالت کے اظہار کے لئے ممانعت افتراء سے پہلے بطور تمہید یہ جملہ ذکر کیا۔

جھوٹ تراشنے سے مراد ہے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔  
إِسْحَاتٌ اور سَحَاتٌ (بخلائی مزید و مجرد) ہم معنی ہیں لیل نجد بنی تمیم اسحات بولتے ہیں اور حجاز والے سحت کہتے ہیں۔  
مقاتل اور کلبی نے لیسِحَتْكُمْ کا ترجمہ کیا وہ تم کو ہلاک کر دے قنادرہ نے کہا وہ بخ و بن سے تم کو اکھاڑ پھینکے۔ بِعَذَابٍ (میں) تنوین عظمت کو ظاہر کر رہی ہے (یعنی کسی بڑے عذاب کے ساتھ۔ خَابٌ ناکام ہوا، نامراد ہوا۔ مقصد کو نہ پاسکا۔  
واقعہ بھی ایسا ہی ہوا جیسا حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا، فرعون نے اللہ پر دروغ تراشی کی اور اپنی حکومت و خدائی کو محفوظ رکھنے کی ہر تدبیر کر گذرا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ہر تدبیر میں نامراد رہا۔

یہ بات سن کر وہ (یعنی جادوگر) باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے یا  
فَتَنَّا زَعْوًا أَمْ لَهُمْ بَيْنَهُمْ  
تَنَّا زَعْوًا کی ضمیر فرعون اور اس کے مشیروں کی طرف راجع ہے یعنی فرعون اور اس کے ساتھی (یا جادوگر) جس معاملہ میں مختلف رائے ہو گئے اور موسیٰ کا مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا جب حضرت موسیٰ نے ان کو مذکورہ بالا نصیحت کی تو جادوگروں نے باہم کہا یہ کلام تو جادوگر کا نہیں ہے۔

اور خفیہ گفتگو کرتے رہے۔

وَاسْتَوَى الْجَنُودِ ۝

نَجْوَى اسم ہے یا نَجْوَيْتُ کا مصدر ہے نَجْوَيْتُ کا معنی ہے میں نے اس سے خفیہ بات کی۔ نَجْوَى کا اصل ماخذ نَجْوَةٌ ہے نَجْوَةٌ کا معنی ہے وہ ابھر اہوا ائیلہ جو بلندی کی وجہ سے الگ تھلگ معلوم ہو رہا ہو۔ بعض نے اصل ماخذ نجات کو قرار دیا ہے نجات کا معنی ہے رہائی یعنی ایسا بھی مشورہ جس میں سب کی خلاصی اور بچاؤ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آپس کے نزاع اور اختلاف رائے کو انہوں نے پوشیدہ رکھا۔ کلبی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس مشورہ کو چھپائے رکھا کہ اگر موسیٰ (علیہ السلام) ہم پر غالب آگے تو ہم ان کا اتباع کر لیں گے۔

قَالُوا اِنْ هٰذَانِ لَسٰجِرٰنِ يٰرَبِّنَا اِنْ يَنْزِلَا عَلَيْنَا مِنْ سَمٰوٰتِنَا اَوْ يَنْزِلَا عَلَيْنَا مِنْ اَرْضِنَا نَسْتَحِثُّ بِهِنَّ اَنْ يَنْزِلَا عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَعْيٰنٌ مُّثَلٰٓئِلُ ۝۱۶

(آخر کار سب متفق ہو کر) کہنے لگے کہ بے

شک یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سر زمین سے نکال کر باہر کر دیں اور تمہارے اعلیٰ (نذہبی) طریقے کو ختم کر دیں۔

قَالُوا یعنی اختلاف رائے کے بعد آخر متفق ہو کر کہنے لگے یہ قول فرعون کا تھا (دوسرے لوگوں کو اس نے اس قول پر متفق بنا لیا تھا اس لئے سب کا قول ہو گیا، مترجم) غرض چاروں چار طوعاً و کرہاً سب کا اس قول پر اتفاق ہو گیا فرعون اور اس کی قوم کا باہم اختلاف رائے اللہ نے سورۃ المؤمن میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اٰيٰمَانَهُۥ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا سَمِعَ يُنۡصِرُ نَارِيْنَ اللّٰهِ اِنَّ جَاۗءَ نَاۗقَالَ فِرْعَوۡنُ مَاۤ اُرِيۡكُمْ اِلَّاۤ مَاۤ اُرِيۡ وَمَاۤ اٰهۡدِيۡكُمْ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّسٰۗدِ تَمَّ۔

اِنَّ هٰذَيْنِ لَسٰجِرٰنِ میں ان محققہ ہے اور لَسٰجِرٰنِ میں لام فارقہ ہے (یعنی بیشک یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں) یا ان نفی کے لئے ہے اور لام بمعنی الّا ہے (یعنی نہیں ہے یہ دونوں مگر جادوگر)

ابو عمرو کی قرأت میں اِنَّ (مشدودہ) هٰذَيْنِ لَسٰجِرٰنِ آیا ہے اور یہ نحو کے عام ضابطہ کے موافق ہے لیکن ابو عمرو کے علاوہ هٰذَيْنِ ہی جمہور کی قرأت ہے اور اسی کے ساتھ بعض روایات میں اِنَّ کی جگہ اَنَّ آیا ہے جو عام ضابطہ کے خلاف ہے (اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے مرفوع نہیں ہوتا) اس کے جواب میں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کے حوالہ سے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی سے لیکن یہ (یعنی اصل قرآن میں کتابت کی غلطی اجماع علماء کے خلاف ہے علماء کا اتفاق ہے کہ اصل قرآن میں کتابت کی کوئی غلطی نہ تھی) بعض لوگوں نے کہا یہ قابل ابو الجارث اور حنم اور کنانہ کے محاورہ کے موافق سے شنیہ ہو یا کوئی ایسی ساکن یاء جس سے پہلے نخ ہو ان قابل میں ان کا الف بہر حال پڑھا جاتا ہے اَتَانِي الرَّجُلَانِ رَاٰتِ الرَّجُلَانِ مَرَّتَ بِالرَّجُلَانِ بہر حال شنیہ کو الف ہی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کَسْرَتُ يَدَاہِ اور كَسْبَتُ عَلَاہِ کہتے ہیں یہ اور علیہ نہیں کہتے۔ مشہور اسماء ستہ (ابا وغیرہ) بھی جب ضمیر کی طرف مضاف ہو ان میں بھی وہ بہر حال میں الف بولتے ہیں ایک شاعر کا قول ہے۔

اِنَّ اَبَاہَا وَاَبَا اَبَاہَا قَد بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاہَا

بعض لوگ کہتے ہیں ان کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور هٰذَيْنِ لَسٰجِرٰنِ خبر ہے اصل کلام اِنَّ هٰذَيْنِ لَسٰجِرٰنِ تھا بعض نے کہا اِنَّ نَعَمَ کے معنی میں ہے (حرف شبہ بفعل نہیں ہے) ایک اعرابی نے حضرت ابن زبیر سے کچھ مانگا آپ نے نہیں دیا، اعرابی نے کہا لَعْنَةُ اللّٰهِ نَاقَةَ حَمَلَتْنِي اِلَيْكَ اللّٰهُ كِي لَعْنَتِہٖ ہوا اس لوٹنی پر جو مجھے آپ کے پاس سوار کر کے لائی، حضرت ابن زبیر نے جواب دیا اِنَّ وَصَاحِبَهَا بے شک (اوٹنی پر بھی لعنت ہو) اور اس کے مالک پر بھی۔

يَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثَلٰٓئِلِ حضرت ابن عباس نے فرمایا، طریقہ سے مراد بہر داران قوم، بڑے لوگ طریقۃ القوم، قوم کے سرداروں کو کہتے ہیں مثلی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت علی کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی لوگوں کا رخ اپنی



ہونے لگا کہ وہ رسیاں اور لاشیاں (سانپوں کی طرح) دوڑ رہی ہیں۔ قصہ کی تفصیل میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب جادو گروں نے رسیاں اور لاشیاں زمین پر پھینکیں تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور نظر بندی (یا خیال بندی) کی وجہ سے موسیٰ اور دوسرے حاضرین کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایک میل تک زمین سانپوں سے بھر گئی ہے اور سانپ دوڑ رہے ہیں۔

پس موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔  
**فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝۱۶**

وَجَس، آہٹ، ہلکی آواز۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے وَجَسٌ وَجَسٌ وہ گھبراہٹ اور خوف جو کسی آواز وغیرہ سے دل میں پیدا ہو جائے یا کانوں میں سنائی دے، مطلب یہ ہے کہ باقتضائے بشریت حضرت موسیٰ کے دل میں فوراً کچھ خفیہ خوف پیدا ہو گیا۔ مقاتل نے کہا (موسیٰ کو اپنا کوئی خوف نہیں ہوا تھا بلکہ) آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں گے اور میرے معجزے میں ان کو شک پڑ جائے گا اور حق واضح نہ ہو گا۔

ہم نے (موسیٰ سے) کہا تم کچھ خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی  
**قُلْنَا لَا تَخَفُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ۝۱۷**

سب پر غالب رہو گے۔  
**إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ** سے خوف نہ کرنے کی وجہ بیان فرمادی اور غالب رہنے کو چند تاکیدی الفاظ سے بیان فرمادیا، جملہ از سر نو شروع کیا (حرف عطف ذکر نہیں کیا) ان حرف تحقیق ذکر کیا ضمیر فصل بھی ذکر کی اور خبر پر الف لام بھی داخل کیا اور **الْأَعْلَىٰ** فرمایا تم ہی غالب رہو گے پھر اسم تفضیل کا صیغہ بھی استعمال کیا۔

اور جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو (زمین پر) ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ جھوٹ (فریب دینے کے لئے) بنایا ہے اس کو یہ نکل لے گی۔ **بِمِثْقَلِ يَمِينِكَ** مہم طور پر (جو کچھ) فرمایا، مراد لاشی ہے صراحت لاشی کا ذکر نہیں کیا اس سے ساحروں کی لاشیوں اور رسیوں کی حقارت دکھانا مقصود ہے کہ یہ لاشیاں اور رسیاں تو اتنی حقیر ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں جو یہ ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے اس کو اگر زمین پر پھینک دو گے تو یہ بھی انکو نکل لے گا۔

ان لوگوں نے جو کچھ کارستانی کی ہے یہ تو جادو گر کا فریب ہے۔  
**إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدًا سَاجِدًا**

اور جادو گر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جادو گر زمین کے جس حصہ میں ہو اور جہاں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ بعض نے اتنی کار ترجمہ احتمال کیا ہے یعنی جو تدبیر جہاں کرے کامیاب نہیں ہوتا۔ ابن حاتم اور ترمذی نے حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جادو گر کو پاؤ تو اس کو قتل کر دو پھر حضور ﷺ نے آیت **وَلَا يُفْلِحُ السَّاجِدُ حَيْثُ أَتَىٰ** تلاوت فرمائی۔

(یہ دیکھتے ہی) جادو گر فوراً سجدہ میں گر گئے کلام میں کچھ اختصار کر دیا گیا ہے (رفقہ کلام محذوفات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے) اصل کلام اس طرح تھا پس موسیٰ نے فوراً اپنے ہاتھ سے لاشی زمین پر ڈال دی وہ فوراً اثر ہا بن گئی اور جو کچھ جادو گروں نے کارستانی کی تھی سب کو نکلنے لگی اس وقت جادو گر پوچھنے لگے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ خدا داو معجزہ ہے اتنا پہچاننے کے بعد فوراً توبہ کی اور سجدے میں گر گئے یا معجزے کی عظمت کا اعتراف کرنے کے لئے سجدے میں گر گئے اور خود نہ گرے بلکہ عرفان حق (اور تعظیم معجزہ) نے بے اختیار کر کے ان کو سجدہ میں گرا دیا (آیادہ گرا دیئے گئے۔

(اور) بول اٹھی کہ ہم ہاروں اور موسیٰ کے رب  
**قَالُوا أَمْثَلُ رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝۱۸**

پر ایمان لے آئے اس جگہ ہارون کا لفظ موسیٰ سے پہلے آیا ہے اور سورہ شعراء و اعراف میں فرمایا ہے، **أَسْتَأْذِنُ رَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَىٰ وَ هَارُونَ** اس میں موسیٰ کا لفظ ہارون سے پہلے آیا ہے معلوم یہ ہوا کہ کوئی ترتیب پیش نظر نہیں ہے کہ اس میں موسیٰ کا لفظ ہارون سے پہلے آیا ہے یا ہارون کا بلکہ صرف بتانا یہ ہے کہ دونوں پیغمبروں کے رب پر وہ ایمان لے آئے۔

قَالَ امْنْتُمْ لَمْ قَبْلَ اَنْ اَذِنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَيْبٌ كُفُّوا الَّذِي عَلَّمَكُمْ السِّحْرَ

فرعون نے (جادو گروں سے) کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لے آئے واقعی وہ (سحر میں) تم سے بڑا ہے جس نے تم کو سحر سکھایا ہے۔

لَكُمْ (ایمان کے بعد ب آنا چاہیے لیکن) اس جگہ لام آیا ہے کیونکہ اَمْنْتُمْ کے اندر اتباع کا مفہوم پوشیدہ ہے اور (اتباع کے بعد اگر آتا ہے تو لام آتا ہے نہیں آتا یعنی تم نے موسیٰ کی بات کو مان لیا اور اس کے پیرو ہو گئے) اِنَّهٗ لَكَيْبٌ كُفُّوا یعنی جادو میں تمہارا بڑا ہے تم سے زیادہ جادو کر جانتا ہے اسی لئے تم پر غالب آ گیا اس کا نبوت کا دعویٰ غلط ہے یا کبیر سے مراد ہے استاد یعنی یہ تمہارا استاد ہے۔

الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ جس نے تم کو جادو سکھایا اسی لئے تم سب نے متفق ہو کر اس کی موافقت اور پیروی کر لی۔

فَلَا قِطْعَنَ اَيُّكُمْ وَاَرْجَلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصِيْلَتَكُمْ فِيْ جُدُوْعِ السَّخْلِ

سواب میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں۔ اور تم سب کو کھجور کے درختوں پر ٹکواتا ہوں۔

بَيْنَ خِلَافٍ یعنی سیدھا ہاتھ اور بائیں پاؤں۔ خلاف یعنی مخالف۔

فِيْ جُدُوْعِ السَّخْلِ، درخت کھجور کے تنوں میں درخت کھجور لمبا ہوتا ہے دور سے نظر آتا ہے (اور دوسروں کو دکھا کر عبرت دلانی مقصود تھی) اس لئے درخت کھجور کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔ اور عَلِيٌّ جُدُوْعٍ کی جگہ فِيْ جُدُوْعٍ کہنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں تم کو تنوں کے ساتھ پوست کر دوں گا جس طرح مظروف طرف کے ساتھ پوست ہوتا ہے۔

وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَاَبْقٰى ① اور تم کو یقیناً یہ بھی ضرور معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم میں سے کس کا عذاب سخت اور دیر پا ہے یعنی میں تم کو رب موسیٰ پر ایمان لانے کی زیادہ سخت سزا دے سکتا ہوں یا موسیٰ کا رب تم کو زیادہ سخت عذاب دے سکتا تھا، اگر تم اس پر ایمان نہ لاتے۔ وَاَبْقٰى اور کس کا عذاب دوامی ہے اور لازوال ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّوْثِرَكَ عَلٰى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَكِيْتِ وَالَّذِيْ قَطَعْنَا قَافِضًا

جادو گروں نے کہا ہم تجھ کو ہر گز ترجیح نہیں دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو مل گئے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے پس تجھ کو جو کچھ فیصلہ کرنا ہے کر ڈال۔ یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کر ڈال موخر الذکر ترجمہ پر مَا اَنْتَ قَافِضٌ اِقْضِ کا مفعول ہو گا اور اگر قضا کا معنی فیصلہ اور حکم کہا جائے تو مَا اَنْتَ اس کا مفعول نہ ہو گا کیونکہ باب قضا کے مفعول پر ب آنا ضروری ہے اس صورت میں مَا اَنْتَ قَافِضٌ مفعول مطلق ہو گا یعنی جو حکم تجھے دینا ہے دے ڈال۔

اِنَّنَا نَقْضِيْ هٰذِيْهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ②

تو بجز اس کے کہ اس دنیوی زندگی میں کچھ کر لے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

نَقْضِيْ یعنی اس دنیوی زندگی میں جو چاہے کر لے یا جو حکم دینا چاہے دے لے۔ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا مفعول فیہ ظرف زمان ہے، مطلب یہ ہے کہ بس اسی دنیوی زندگی میں تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے یا جو کچھ حکم دینا چاہے دے لے، حیرتی حکومت اور سلطنت عنقریب ختم ہو جائے گی۔ بعض روایات میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ فرعون نے جو دھمکی جادو گروں کو دی تھی اس کے مطابق اس نے جادو گروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر لٹکوا بھی دیا۔ ابن جریر، ابن اللہ اور ابن ابی حاتم نے یہ روایت نقل کی ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ایسا کر نہیں سکا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اَنْتُمْ وَاَمِّنَ اَتْبَعُكُمْ اَمْ دُونِمْ اور جو تمہارے متبع ہیں سب غالب ہوں گے۔

إِنَّا أَنمَابِدِينَا لَيَعْرِفُنَا خَطِينَنَا وَمَا أَكْرَهْتُنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّخْرِ

بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا معاف فرما

دے۔

### ایک شبہ

جادو گر اپنے اختیار سے آئے تھے، فرعون نے ان کو مجبور کب کیا تھا۔ خود ہی انہوں نے عزت فرعون کی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہم غالب رہیں گے۔ پھر مَا أَكْرَهْتُنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّخْرِ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

### ازالہ

بغوی نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں کو فرعون جادو سیکھنے پر مجبور کرتا تھا تاکہ جادو کی جزا قائم رہے مَا أَكْرَهْتُنَا سے یہی مراد ہے۔ مقاتل نے کہا جادو گر بہتر ۷۲ تھے دو قبطنی اور ستر اسرائیلی فرعون نے اسرائیلیوں کو جادو کرنے پر مجبور کیا تھا۔ عبدالعزیز بن ابان نے کہا کہ جادو گروں نے فرعون سے درخواست کی پہلے ہم کو موسیٰ کو سوتے میں دکھا دیجئے۔ (پھر کچھ رائے قائم کریں گے) چنانچہ حضرت موسیٰ جب سو رہے تھے اور لاٹھی آپ کا پیرا دے رہی تھی اس وقت فرعون نے جادو گروں کو بلوا کر حضرت موسیٰ کا معاینہ کرادیا جادو گردیکھ کر کہنے لگے یہ تو سحر نہیں ہے جادو گر سو جاتا ہے تو اس کا جادو بھی ختم ہو جاتا ہے (لیکن لاٹھی تو موسیٰ کی سوتے میں ٹکرانی کر رہی ہے، یہ جادو نہیں ہو سکتا) فرعون نے جادو گروں کی بات نہیں مانی اور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا مَا أَكْرَهْتُنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّخْرِ کا یہی مطلب ہے۔

التائب

اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے بدرجما) اچھا اور زیادہ بقا والا ہے یعنی جو شخص ایمان کے ساتھ **وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝۱۶** عمل صالح کرے اس کو ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ ثواب دینے والا ہے اور جو مجرم کفر کی حالت میں اس کے سامنے جائے گا اس کو عذاب بھی ساری مخلوق سے زیادہ پائیدار لازوال دے گا۔

محمد بن اسحاق نے کہا فرعون نے کہا تَعْلَمَنَّ إِنَّا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ساحروں نے اس کا یہ جواب دیا۔

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝۱۷

جو شخص (بغضت کا) مجرم اپنے رب کے سامنے جائے گا اس کیلئے جہنم مقرر ہے اس میں نہ وہ مرے گا نہ جیئے گا۔ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا یعنی کفر اور نافرمانی پر مرے گا۔ لایموت جہنم کے اندر اس کو موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے۔ لَا يَحْيَىٰ نہ خوش گوار زندگی ملے گی کہ آرام پائے۔

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝۱۸ جَدَّتْ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

اور جو شخص اپنے رب کے پاس مؤمن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جو شخص ایمان کی حالت میں مرے گا اور اس نے دنیا میں اعمال صالحہ کئے ہوں گے اس کو رہنے کے لئے باغ ملیں گے عدن بمعنی قیام و سکونت یہ جنات بڑے اونچے درجات ہوں گے۔

۲۳۹

وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝۱۹ کفر و معاصی کے میل کچیل سے پاک ہونے کی یہی جزا ہے کلبی نے کہا

تَزَكَّىٰ کا یہ معنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کی زکوٰۃ دے دی اور لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا۔ امام احمد ترمذی۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے صحیح سند سے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونچے درجات والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور ابو بکر انہیں میں سے ہوں گے اور عمر (بھی) یہ حدیث طبرانی نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر و حضرت ابو ہریرہ کی روایت

سے بیان کی ہے۔ سچین نے سچین میں اور امام احمد نے حضرت ابو سعید کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور مر فوعا اس طرح نقل کی ہے کہ اہل جنت لو پروا لے کمرؤں والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح (آسمان کے) مشرقی یا مغربی افق میں ڈبڈباتے چمکتے ستارے کو تم لوگ دیکھتے ہو اس کی وجہ ان کے باہم درجات کا تفاوت ہو گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر انبیاء کے مراتب کو ان کے علاوہ کوئی اور پہنچے گا نہیں فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی (وہ بھی انبیاء کے ساتھ ہوں گے)

مؤخر الذکر تینوں آیات ساحروں کے کلام کا تہ اور اللہ خَیْرٌ وَاٰتٰیہٗٓ كٰیۤسٰرٌ کی علت بھی ہو سکتی ہے اور اللہ کی طرف سے ساحروں کے کلام کی تصدیق بھی ان کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحٰیْنَا اِلٰی مُوسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِنَا فَاَضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبْسًا لَا تَحْزَنُ  
دَرْجًا وَلَا تَخْشٰی ۝۱۶

اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو (مصر سے) راتوں رات (باہر) لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک راستہ بنا دینا۔ تو تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہو گا اور نہ (کسی اور قسم کا) خوف ہو گا۔

یعنی جب اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کا ستیا س کر دینا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دے دینے کا اس نے ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ان لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے باہر نکل جاؤ۔

فَاَضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا، یعنی ان کے لئے راستہ مقرر کر دو اس ترجمہ پر یہ جملہ محاورہ ضرب سہم سے ماخوذ ہو گا۔ عرب بولتے ہیں ضَرْبَ لَهٗ مِنْ مَّالِهِ سَهْمًا اس نے اپنے مال میں اس کا ایک حصہ مقرر کر دیا۔ یا فَاَضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا کا ترجمہ ہو گا بتا دو ان کے لئے راستہ۔ عرب کہتے ہیں ضَرْبَ اللَّیْلِ اس نے لہٹیں بنائیں۔ میں کہتا ہوں اضرِب سے مراد لاٹھی مارنا بھی ہو سکتا ہے اصل کلام اس طرح تھا۔ فَاَضْرِبْ یَعْصَاکَ الْبَحْرِ یَكُنْ طَرِیْقًا لِّیْ لَا تُخْشٰی مَارًا رَاۤسَہٗ خَشْکَ ہُو جَاۤءَ۔ دَرْجًا دشمن کا پہنچ جانا مراد ہے، یعنی دشمن کے تعاقب کرنے اور پہنچ جانے کا تم کو کچھ اندیشہ نہ ہو گا۔ وَلَا تَخْشٰی اور نہ ڈوبنے کا خطرہ۔

موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی، بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے، دریا پر پہنچے تو دریا میں لاٹھی ماری پانی پھٹ گیا اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح رک گیا خشک زمین نکل آئی بنی اسرائیل خشک زمین پر چل کر ہار نکل گئے۔

فَاَتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودٍ فَغَشِیْہُمْ مِّنَ الَّیْمِ مَا غَشِیْہُمْ ۝۱۷ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَہٗ  
وَمَا ہُدٰی ۝۱۸

پھر فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا تو دریا ان پر جیسا ملنے کو تھا آما اور فرعون اپنی قوم کو بری راہ پر لایا اور نیک راہ نہ بتائی۔ بِجُنُودٍ میں ب بمعنی مع کے ہے یعنی فرعون کو جب اطلاع ملی کہ موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر رات کو ہی مصر سے نکل گیا تو اس نے خود اپنے لشکر کے ساتھ موسیٰ کا پیچھا کیا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اتباع (باب افعال) بمعنی اتباع (باب افعال) کے ہے (یعنی لازم ہے) ب کے ذریعہ سے اس کو متعدی بتایا گیا ہے، یعنی فرعون نے اپنے لشکر کو لے کر پیچھے چلا۔ یا فرعون نے اپنے لشکر کو بنی اسرائیل کے پیچھے چلایا، مِنَ الَّیْمِ یعنی دریا کا کچھ پانی۔ نیم دریا من تبعیضیہ ہے (کچھ پانی لیا بیانیہ ہے مَا غَشِیْہُمْ میں ما کا ابہام موجوں کی عظمت پر دلالت کر رہا ہے، یعنی ایسی موجیں اوپر سے آئیں کہ جن کی مقدار اور حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اضل یعنی دین کے معاملے میں فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا۔ وَمَا ہُدٰی اور صحیح راستہ نہ دکھلایا۔ دین کا مذاق اڑاتا رہا۔ اس نے قوم سے کہا تھا مَا اٰہِدْیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ میں تم کو نہیں بتاتا مگر سیدھا راستہ۔ لیکن اس نے سیدھا راستہ نہیں بتایا اس آیت سے فرعون کے قول مذکور کی تکذیب کر دی گئی یا یہ مطلب ہے کہ دریا کے اندر فرعون نے قوم کو بے راہ کر دیا اور خود بھی نجات نہ پائی۔

یٰۤاٰیُّہٗٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجٰیْنَاکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَاَوْعَدْنَاکُمْ حَاۤنِبَ الطُّوْرِ الَّاۤیْمٰنِ

اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے تم کو تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) طور کے دائیں جانب آنے کا وعدہ کیا۔

بِئْسَئِیَّ اسْرَائِیْلَ سے خطاب ان بنی اسرائیل کو ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور جو احسانات ان کے آباؤ اجداد پر کئے گئے تھے وہ موجودہ بنی اسرائیل کو یاد دلائے گئے ہیں لیکن اس مطلب پر ایک لائٹل اشکال یہ وارد کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ کی زندگی میں خطاب بنی اسرائیل کو نہیں ہو سکتا۔ پوری مکی زندگی میں مخاطب قریش یا کفار مکہ ہو سکتے ہیں اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ یہ گزشتہ واقعہ کا بیان ہے جن بنی اسرائیل کو اللہ نے فرعون کے بچے سے رہا کر لیا اور فرعون کو مع لشکر کے غرق کیا تھا انہی کو اللہ نے اس وقت یہ خطاب کیا تھا اور اس خطاب کو نقل اس جگہ کیا اس مطلب پر لفظ فَلَکُنَّا حَزُوْفًا ماننا پڑے گا مطلب اس طرح ہو گا کہ فرعون کو غرق کرنے اور دوسرے واقعات ہو چکنے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا بِئْسَئِیَّ اسْرَائِیْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰکُمْ

جَانِبِ الطُّورِ الْاَیْمَنِ جانب مفعول فیہ ظرف مکان ہے اور الایمن جانب کی صفت ہے لیکن پہاڑ کا حقیقت میں کوئی دلیاں بیاں رخ نہیں ہوتا اس لئے کہا جائے گا کہ دلیاں جانب موسیٰ کا تھا اور موسیٰ پہاڑ پر تھے اس لئے پہاڑ کا دلیاں جانب کہہ دیا۔ اللہ نے موسیٰ سے مناجات کا اور توریت دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لے آئیں یہ وعدہ حضرت موسیٰ سے تھا لیکن اس وعدہ کا تعلق چونکہ بنی اسرائیل سے تھا اس لئے (مجازاً) فرما دیا کہ ہم نے تم کو وعدہ دیا تھا۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلٰوٰی ۝۵۰ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ

اور ہم نے تم پر من و سلوی نازل کیا اور (اجازت دی کہ) ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ۔

مِنْ طَیِّبٰتِ میں من یا تبییضہ، یعنی وہ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں یا ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں میں سے کچھ چیزیں تم کھاؤ۔ طیبات سے مراد ہیں لذیذ یا حلال چیزیں (مَنْ و سَلٰوٰی لذیذ چیزیں بھی تھیں اور حلال بھی)۔ ہر نعمت خداوادی ہے لیکن اس جگہ رَزَقْنَا میں اپنی طرف دینے کی نسبت صراحتہ کرنے سے مراد ہے نعمتوں کی عظمت کا اظہار۔

وَلَا تَطْغَوْا فِیْہِ اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گزرو۔ یعنی ہماری دی ہوئی نعمت میں حد سے

تجاوز نہ کرو۔ حد سے تجاوز کرنا کئی صورتوں سے ہوتا ہے شکر نہ کرنا فضول برباد کرنا یا بے ضرورت بیکار خرچ کرنا، مغرور ہو جانا، مستحق کو نہ دینا (اور مالی حقوق اولاد نہ کرنا وغیرہ۔ مترجم)

فَیَحِلُّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحِلِّ عَلَیْہِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ۝۵۱ کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جائے اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گذرا ہوا یَحِلُّ (باب ضرب سے) واجب الادا ہونا یعنی جس پر میرا غضب لازم ہو جائے۔ حِلُّ (بہ قرأت اعش و کسائی حلول سے باب نصر) حُلُوْل کا معنی ہے نازل ہونا ترنا، جس پر میرا غضب نازل ہو جائے۔ ہوی، ہلاک ہو گیا آگ میں لڑھک گیا۔

وَلَا تَنْفَعُکُمْ اٰیٰتِیْ لَئِنْ تَابْتُمْ لَیْسَ لَکُمْ اٰیٰتِیْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ عَمِلْتُمْ صٰلِحًا ثُمَّ اٰهْتَدٰی ۝۵۲ اور (اس کے ساتھ یہ بھی کہ) میں ایسے لوگوں کو بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر اسی راہ پر قائم بھی رہیں۔

تَابَ یعنی شرک سے توبہ کی۔ امن سے مراد ہے اللہ پر اور ان تمام احکام پر ایمان لایا جو اللہ کی طرف سے اس کے پیغمبر لے کر آئے تھے۔ عَمِلْتُمْ صٰلِحًا یعنی اللہ کے حکم کے مطابق عمل کیا اٰهْتَدٰی سے کیا مراد ہے علماء کے اقوال اس میں مختلف ہیں عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے پھر اس نے ہدایت پائی یعنی جان لیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے مجھے



ملا ہے۔ قنابہ اور سفیان ثوری نے ترجمہ کیا اسلام پر مرتے دم تک قائم رہا، شععی مقاتل اور کلبی نے کہا یعنی یہ جان لیا کہ اللہ کی طرف سے اس کا ثواب مجھے ملے گا۔ زید بن اسلم نے کہا یعنی اس نے علم حاصل کیا تاکہ اس کے مطابق عمل کرے، ضحاک نے کہا یعنی ہدایت مذکورہ پر قائم رہا سعید بن جبیر نے کہا سنت اور جماعت کے مسلک پر قائم رہا۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اللہ تک پہنچنے اور مقام قرب تک چڑھنے کی اس کوراہ مل گئی اور یہ رسائی و عروج ہر کیفیت سے بالاتر ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔

وَمَا أَعَجَبَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَهُودِي ۝۷۱  
 اور اے موسیٰ تمہارے لئے اپنی قوم سے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا، یعنی کیا وجہ تھی کہ تم قوم کو پیچھے چھوڑ کر ان سے پہلے ہی آگئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے طور پر جانے کے لئے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا تاکہ طور پر پہنچ کر حسب وعدہ اللہ کی کتاب حاصل کر لیں پھر ان کو پیچھے چھوڑ کر دیدار الہی کے شوق میں خود پہلے آگئے اور ان سے کہہ دیا تم لوگ پیچھے آجانا اللہ نے حضرت موسیٰ سے یہی سوال کیا ہے کہ تم قوم سے پہلے کیسے چلے آئے۔ میں کہتا ہوں یہ سوال (طلب علم کے لئے نہیں ہے نہ انکاری ہے بلکہ) تقریری ہے جس طرح محبوب جب اپنے عاشق کے والہانہ شوق اور شہنائی کو دیکھتے ہوئے چاہتا ہے کہ عاشق اپنے منہ سے اپنی محبت کا اظہار کرے اس لئے کہتا ہے کہ آپ کیسے آئے کیوں آئے۔

لیکن ساتھیوں کو چھوڑ کر آجانا کسی قدر نازیبا بھی تھا اس لئے سوال میں انکاری ہونے کی کچھ آمیزش بھی تھی اس لئے حضرت موسیٰ نے سوال کے دونوں رخوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کا جواب دیا۔

قَالَ هُمْ أَوْلَاءُ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝۷۲  
 گمان کے موافق) عرض کیا وہ لوگ بھی تو میرے پیچھے پیچھے (آ رہے) ہیں اور میں آپ کے پاس جلدی اس لئے آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہوں گے۔

إِلَيْكَ تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں بعض لوگوں نے کہا تعمیل حکم میں جلدی اور وعدے کی وفا میں سبقت زیادتی خوشی کا موجب تھی، یہی حضرت موسیٰ کے کہنے کا مطلب تھا میں کہتا ہوں لِتَرْضَىٰ کا مطلب یہ ہے کہ محبت و شوق کی زیادتی، دیدار کی تسنا اور کلام سننے کی بے پایاں خواہش موجب تھی زیادتی مرضی کے حصول کی ایسی لئے موسیٰ نے لِتَرْضَىٰ کہا۔

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ  
 اللہ نے فرمایا ہم نے تمہاری قوم کو ایک بلا میں مبتلا کر دیا ہے۔ فتن سے مراد ہے آزمائش کرنی چاہنچا یا گمراہ کر دینا یعنی (سامری نے گو سالہ بنایا اس میں) ہماری طرف سے جانچ تھی کہ کون اس کی پوجا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ پچھڑے کی پوجا کی وجہ سے ہم نے تمہاری قوم کو گمراہ کر دیا۔

ایک شبہ

فَإِنَّا میں ف سببیت کے لئے ہے یعنی اس سے پہلے کا کلام بعد میں آنے والے کلام کا سبب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ تمہاری جلدی چلے آنے سے تمہاری قوم گمراہ ہو گئی تمہاری عجلت آمد قوم کی گمراہی کا سبب بن گئی۔ لیکن بظاہر تو موسیٰ کے پہلے چلے آنے سے قوم گمراہ نہیں ہوئی تھی (کیا موسیٰ اگر جلدی کر کے ستر آدمیوں سے پہلے نہ چلے آتے اور انکو ساتھ لے کر آتے تو کیا باقی قوم گمراہ نہ ہوتی) میں اس کے جواب میں کہتا ہوں پیغمبر کی رسالت کے دو مقصد ہیں (۱) وہ لوگوں کو اسلام اور اللہ کے احکام سکھائیں اور تعمیل کی دعوت دیں۔ (۲) لوگوں کو اپنی باطنی کشش کی قوت سے اللہ کی طرف کھینچیں اور ایمان و معرفت کا نور ان کے دلوں میں ڈالیں تاکہ ان کے سینے روشن ہو جائیں اور وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیں۔ لیکن انبیاء کے اس فریضہ کی مکمل ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب وہ مخلوق کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوں حضرت موسیٰ پر بارگاہ الہی میں حاضری کا شوق اور ہم کلامی کی محبت کا اس وقت غلبہ تھا اور سر کی حالت تھی اس لئے ان کی باطنی توجہ امت کی طرف باقی نہیں رہی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ ہمیں سے بعض اہل تصوف نے کہا ہے کہ ولایت

نبوت سے افضل ہے اس قول کی تشریح بعض اہل باطن نے اس طرح کی ہے کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کا تقاضا ہے استغراق اور فنا فی اللہ اور ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کر کے ڈوب جانا اور نبوت کا تقاضا ہے (تخلیج و ہدایت کے لئے) مخلوق کی طرف رخ کرنا (اور ظاہر ہے کہ خالق کی طرف کامل توجہ مخلوق کی طرف رخ کرنے سے افضل ہے) تحقیق وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے۔ ولایت کسی نبی کی ہو یا غیر نبی کی بہر صورت اس کا مرتبہ نبوت سے نچلا ہے کیونکہ ولایت نام ہے تجلیات صفاتی کا اور نبوت عکس ہے تجلیات ذاتیہ کا۔ حضرت مجدد نے فرمایا، نبوت ہو یا ولایت ہر ایک کے درجہ میں عروج و نزول بالائی رخ کی طرف اٹھنا اور زریں رخ کی طرف اترنا۔ نبی ہو یا ولی مرتبہ عروج میں اس کی توجہ خالص اللہ کی طرف ہوتی ہے تاکہ خود اس کو کمال ذاتی اور ترقی مرتبہ حاصل ہو اور مرتبہ نزول میں دونوں کی توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے تاکہ دوسروں کو کامل بنا سکیں اور دوسروں کو ان سے نور چینی کا موقع مل سکے نبی اور ولی کے درمیان مرتبہ عروج میں یہ فرق ہوتا ہے کہ ولی کا عروج صفات کی جانب ہوتا ہے ذات کی جانب نہیں (یعنی سیر صفاتی اس کے پیش نظر ہوتی ہے سیر ذات تک اس کی رسائی نہیں ہوتی) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نزول کی حالت میں بھی مبداء فیض کی طرف اس کی کسی قدر توجہ رہتی ہے کامل طور پر وہ مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہو جاتا لیکن نبی مرتبہ نزول میں آ کر پورے طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور بظاہر نظر وہ اپنے آپ کو منقطع عن اللہ خیال کرتا ہے اور یہ کیفیت و حالت اس کے لئے بڑی شاق اور دشوار ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ اللہ سے اس حالت میں بھی منقطع نہیں ہوتا بلکہ اس کا رخ ذات کی طرف بھی ہوتا ہے اور اس کے سینے میں دونوں جانب متوجہ ہونے کی سمائی ہوتی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تب بھی غلط نہ ہو گا کہ حقیقت میں مخلوق کی طرف توجہ کرنے کی حالت میں بھی وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے حکم اذن اور مرضی سے ہی وہ خلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لئے اس سیر نزولی کو سیر من اللہ باللہ (اللہ کی طرف سے اللہ کی مرضی اور حکم کے ساتھ سیر) کہتے ہیں ہم نے اس مسئلے کی تفسیح پورے طور پر سورۃ الم نشرح کی آیت **فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا** کی تفسیر کے ذیل میں کی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور حضرت موسیٰ کو توریت عطا فرمادی تو اس وقت فرمایا اپنی قوم کے پاس لوٹ کر جاؤ ہم نے ان کی آزمائش کی ہے (جا کر دیکھو ان کی کیا حالت ہو گئی)

تمہارے بعد یعنی تمہارے پہاڑ کی طرف روانہ ہونے کے بعد۔

اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا اللہ گمراہی کو پیدا کرنے والا ہے اسی نے بنی اسرائیل کے اندر گمراہی پیدا کی اور سامری کے اندر بھی گمراہی اسی کی پیدا کردہ تھی

اس لئے قنہ میں ڈالنے اور گمراہ کرنے کی نسبت (حقیقی) اپنی طرف کی لیکن عملی گمراہی پیدا کرنے والا اور گمراہ کرنے کا سبب سامری تھا، پس فاعل اضلال کی حیثیت سے سامری کو گمراہ کرنے والا قرار دیا۔ بغوی نے لکھا ہے بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے، بارہ ہزار کے علاوہ باقی سب گمراہ اور گوسالہ پرست ہو گئے۔ سب نے پھڑے کی پوجا کی۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ سامری مقام سامرہ کی طرف منسوب ہے یہ ایک گمان کارہنے والا کافر تھا یا بنی اسرائیل کا کوئی سردار تھا بیضاوی نے لکھا ہے سامرہ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا جس کی طرف سامری منسوب تھا سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا یہ منافق تھا۔

غرض موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ یعنی چلہ پورا کر کے توریت لینے کے بعد موسیٰ انتہائی عملگین اور رنج و فکر کی حالت میں قوم کی طرف لوٹے۔

قَالَ يُقَوْمِ اَلَمْ يَجِدْكُمْ يَتِيمًا وَوَعَدًا احْسَنًا هَا اَفْطَالَ عَلَيْكُمْ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ يَّجِئَ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ

مِنْ رَبِّكُمْ فَاخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ﴿۵۱﴾

کننے لگے اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر (میعاد مقررہ سے زائد) کچھ زمانہ گذر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا۔

قَالَ يَقَوْمِ واپس آ کر موسیٰ نے جب قوم کو پھڑے کی پوجا میں مبتلا پایا تو کہا وَعَدًا حَسَنًا، یعنی تورات دینے کا وعدہ جو سر اسر ہدایت اور نور تھی اَفْطَالَ سوال انکاری ہے یعنی تم میرے ساتھ تھے تو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اس کو واحد مانتے تھے اسی کی تمنا عبادت کرتے تھے اور مجھ سے تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد بھی اسی پر قائم رہو گے مگر میرے جدا ہونے کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ تمہاری یہ حالت ہو گئی اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہو جائے۔ پھڑے کی پوجا کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تم کو اپنے اوپر اللہ کا غضب نازل ہونا مقصود ہے یعنی تم نے ایسا کام کرنا چاہا جو موجب غضب الہی ہے۔

قَالُوا مَا آخَلَفْنَا مَوْعِدَكَ يٰمَلِكِنَا  
کننے لگے (ایمان پر قائم رہنے کا جو وعدہ ہم نے آپ سے کیا تھا) آپ نے اس وعدے کی خلاف ورزی از خود نہیں کی۔ ملک ملک تینوں ہم معنی ہیں (گذائی القاموس) یعنی ہم نے اختیار سے ایسا نہیں کیا اگر آدمی خدا کی طرف سے آزمائش اور مصیبت میں پڑ جاتا ہے تو (ظاہر ہے کہ) اس کا اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا (اور باوجود با اختیار ہونے کے بے اختیار ہو جاتا ہے)

وَاللَّيْنٰ حَمَلْنَا آوْثَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدْنَا فَنُهْنَا كَذٰلِكَ الْفٰى السّٰمِرِیِّ ﴿۵۲﴾

لیکن قوم (قبط) کے زیور کا (جو) بار ہم پر لدا رہا تھا سو ہم نے اس کو (سامری کے کننے سے آگ میں) ڈال دیا پھر سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر جانے لگے تو قوم فرعون سے کچھ زیور بطور عاریت شادی میں شرکت کے نام سے لے لیا تھا۔ زینۃ القوم سے یہی زیور مراد ہے۔ کذا اخرج عبد بن حمید وابن ابی حاتم، عن ابن عباس، بغوی نے لکھا ہے بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے زیور اپنے اوپر بار اس لئے لے لیا کہ عاریتہ لیا تھا اور پھر واپس نہ کیا تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ساتھی جب دریا میں ڈوب گئے تو دریائے ان کا زیور باہر پھینک دیا بنی اسرائیل نے بطور مال غنیمت اس کو لے لیا لیکن مال غنیمت ان کے لئے جائز نہ تھا اس لئے انہوں نے اس کو بوجھ ہی کہا۔

فَقَدْنَا فَنُهْنَا ہم نے اس کو پھینک دیا یعنی ایک گڑھے میں بغوی نے لکھا بعض اہل روایت کا بیان ہے کہ سامری کے کننے سے انہوں نے ایک گڑھا کھود کر سارا زیور اس میں ڈال دیا تاکہ موسیٰ جب واپس آئیں تو زیور کے متعلق شرعی حکم بتائیں۔

فَكَذٰلِكَ الْفٰى السّٰمِرِیِّ یعنی سامری کے پاس جو زیور تھا اس کو سامری نے بھی اسی طرح گڑھے میں ڈال دیا تھا۔ سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان منقول ہے کہ حضرت ہارون نے آگ جلو کر بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کے پاس جو زیور ہے وہ اس میں ڈال دو حکم کی تعمیل میں بنی اسرائیل نے سارا زیور آگ میں ڈال دیا، پھر حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی خاک (جو اس کے پاس تھی) آگ میں ڈال دی۔ قادم نے کہا وہ خاک سامری نے اپنے عمائے کے گوشہ میں رکھ لی تھی۔

فَاَحْرَجَ لَهُمْ عَجَلًا جَسَدًا اَلًا خَوَارًا فَقَالُوا هٰذَا اَلُ الْهٰكِمَةِ وَاللّٰهُ مُوسٰی هٗ فَنَسِیْتُ ﴿۵۳﴾

پھر اس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک پھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک بے معنی آواز تھی سو وہ (احتمالاً لوگ) ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے (اور معبود کی تلاش میں کوہ طور پر چلے گئے) یا نسبی کا یہ مطلب ہے کہ سامری بھول گیا (یعنی) اس نے ایمان کو ترک کر دیا اور اللہ کا منکر ہو گیا (گویا بھولنے سے مراد ہے بالکل ترک کر دینا) خوار سے گائے تیل کی آواز مراد ہے (جو بے معنی ہوتی ہے) فَقَالُوا یعنی سامری اور اس کے ساتھیوں نے جب سب سے پہلے پھڑے کو دیکھا تو کہنے لگے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ الْآيَاتِ جَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا يَدُورُ وَلَا يَسْمَعُونَ ۗ وَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۗ وَلَا يَنْفَعُهُمْ شَيْءٌ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

کیا وہ لوگ اتنا نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا تھا اور نہ ان کو کسی طرح کا نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا تھا۔

استفہام انکاری اور دیکھنے سے مراد ہے جاننا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے (بے سمجھے) اس کو معبود بنا لیا اتنا بھی نہ جانتا کہ وہ کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا الْآيَاتِ جَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا يَدُورُ یعنی اُنّ تھا جس کو اُنّ کر لیا اور اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے اصل میں لَدُنَّ تھا (یعنی اُنّ ناصبہ مصدر یہ نہیں ہے اسی لئے يَدُورُ پڑھا گیا يَدُورُ جَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا يَدُورُ نہیں پڑھا گیا) تو یعنی وہ کوئی بات نہیں کر سکتا تھا نہ کوئی جواب دے سکتا تھا۔ اس کی کمزوری اور عاجزی تو پوچھا کرنے والوں سے بھی زائد تھی۔ پھر انہوں نے اس کو کس طرح معبود بنا لیا۔ لَا يَسْمَعُونَ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا یعنی نہ فائدہ پہنچانا اس کی قدرت میں تھا نہ نقصان پہنچانا نہ نفع یا نقصان کو روکنا، بغوی نے لکھا ہے مردی ہے کہ سامری پھڑپھڑا رہا تھا کہ حضرت ہارون ادھر سے گزرے اور دریافت فرمایا کیا کر رہا ہے، سامری نے کہا میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو مفید ہوگی، ضرر رساں نہیں ہوگی آپ میرے لئے (کامیابی کی دعا کر دیجئے حضرت ہارون نے دعا کی اے اللہ یہ جو کچھ تجھ سے مانگ رہا ہے اس کو اس کی دلی مراد کے مطابق عطا فرما دے آپ کی دعا قبول ہوئی اور سامری نے جب پھڑپھڑے کے منہ میں خاک ڈال دی تو بولا چیخا ہوا پھڑپھڑا بن جا، چنانچہ ایسا ہی ہو گیا، حقیقت میں یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی جس میں اللہ نے بنی اسرائیل کو مبتلا کر دیا تھا۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿۱۱﴾

اور ہارون ان لوگوں سے (موسیٰ کی واپسی

سے) پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میری قوم والو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم اس پھڑپھڑے کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب رحمن ہی ہے پس میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

فُتِنْتُمْ بِهِ یعنی پھڑپھڑے کے سبب تمہاری جانچ کی گئی ہے کہ تم توحید و ایمان پر قائم رہتے ہو یا بہک جاتے ہو وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ یعنی تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارا وجود اور لوازم وجود اسی کی رحمت کا نتیجہ ہے یہ پھڑپھڑا تم کو کیا دے سکتا ہے۔ فَاتَّبِعُونِي یعنی میری راہ پر چلو رحمن وحدہ لا شریک لہ کی عبادت پر قائم رہو وَأَطِيعُوا أَمْرِي اور میرا حکم مانو پھڑپھڑے کی پوجا چھوڑ دو۔

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْكَ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يُرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿۱۲﴾

دیا کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس آئیں ہم تو اس کی پوجا کرنے پر برابر جے بیٹھے رہیں گے۔ علیہ اس پر یعنی اس کی پوجا پر۔ عَاكِفِينَ قائم رہیں گے جسے رہیں گے اس جواب کے بعد حضرت ہارون اپنے ساتھ بارہ ہزار اشخاص کو لے کر باقی جماعت سے الگ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ واپس آئے تو آپ نے دور سے کچھ شور و غل کی آواز سنی کیونکہ لوگ پھڑپھڑے کے گرد ناچ کود کر رہے تھے اور شور برپا تھا، حضرت کے ساتھ جو ستر آدمی گئے تھے انہوں نے عرض کیا یہ آواز تو کسی فتنہ کی محسوس ہو رہی ہے کوئی فتنہ برپا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے آکر لوگوں کو پھڑپھڑے کے آس پاس ناپتے دیکھا تو غضب ناک ہو کر دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑ لی۔

قَالَ يَهُودُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۖ أَذَلَّتْ بَعِينٌ ﴿۱۳﴾

ہارون جب تم نے (ان کو) دیکھا تھا کہ یہ بالکل گمراہ ہو گئے (اس وقت) تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون سا امر مانع ہوا۔ چونکہ مانع اور داعی میں گمراہ تعلق ہے جو کسی چیز سے مانع ہوتا ہے وہ اس چیز کو ترک کرنا کا داعی ہوتا ہے، اس لئے بعض لوگوں کے نزدیک مَنَعٌ کا (مجازاً) معنی ہے داعی یعنی کس چیز نے تم کو میرے اتباع نہ کرنے پر آمادہ کیا۔

جمہور کے نزدیک لازماً یہ مطلب یہ ہے کہ میں نے تم کو وصیت کی تھی کہ ان لوگوں کو برابر توحید پر قائم رکھنے کی

کوشش کرتے رہنا اور شرک سے روکنا خواہ زبان سے ہو یا (آخر میں) اسلحہ کی قوت سے تم نے میرے حکم کی پابندی کیوں نہیں کی، میرے حکم کی تعمیل کرنے سے تم کو کس چیز نے روکا۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میرے پیچھے آنے اور مجھے اس واقعہ کی اطلاع دینے سے کیا مانع ہوا تم نے ایسا کیوں نہیں کیا (اس مطلب پر اتباع سے مراد ہو گا حضرت موسیٰ کے پیچھے آنا اور اطلاع دینا)۔  
 کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا پورا کلام اس طرح تھا کیا تم ان کی اس حرکت پر راضی ہو گئے اور میرے نافرمان بن گئے۔ استفہام انکاری ہے۔

قَالَ يَبْنَؤُمْرًا تَأْخُذُ بِدِحْيَتِي وَلَا يَوَاسِي رَأِي حَشِيْبَتِي اَنْ تَقُوْلَ فَتَوَقَّتْ بَيْنَ بَنِي اِسْرَائِيْلَ وَكَلِمَ تَوَقَّبَ قَوْلِي ۝۱۶

بارون نے کہا اے میرے ماں جائے تم میری داڑھی مت پکڑو ورنہ سر کے بال پکڑو مجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ (کہیں) تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔

یابن ام اے میری ماں جائے۔ بجائے بھائی کہنے کے ماں جائے کا لفظ رقت آفریں اور مر بانی طلب ہے اور حضرت موسیٰ کے دل میں اپنے لئے رقت پیدا کرنی مقصود تھی اس لئے انہی نہیں کہا اور یہ لفظ اختیار کیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ موسیٰ اور بارون اخیانی بھائی یعنی دونوں کی ماں ایک تھی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ بڑا سنی یعنی میرے سر کے بال پکڑ کر نہ کھینچے۔ حضرت موسیٰ نے شدت غضب میں حضرت بارون کے سر کے بال پکڑ کر کھینچے تھے۔ اِنْتِي حَشِيْبَتِي یعنی مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ان کو سالہ پرستوں سے سختی سے کر دوں گا اور قتل و قمار سے کام لوں گا تو لا محالہ ان کے دو فراتے ہو جائیں گے ایک میرا حامی اور دوسرا وہ جس سے میں قتال کرتا اور پھر آپ کہتے کہ بنی اسرائیل کے تو نے دو ٹکڑے کر دیئے و لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي اور میری بات کا لحاظ نہیں رکھا، میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میری جگہ تو ان کی درستی اور اصلاح کرتے رہنا اور ظاہر ہے کہ اصلاح نرمی سے سمجھانے سے ہی ممکن ہو سکتی تھی اس لئے میں نے نرمی سے ان کو سمجھایا خون ریزی نہیں کی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَسَامِرِي ۝۱۷  
 (پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر) موسیٰ نے کہا سامری تیرا کیا معاملہ ہے (تو نے ایسا کس طرح کیا)۔

بیضاوی نے لکھا ہے خَطْبُ الشَّيْءِ كَمَا صَدَرَ هُوَ اس کا معنی ہے طلب یعنی ایسی حرکت کرنے سے تیرا مقصد کیا تھا کس چیز نے تجھے ایسا کام کرنے پر آمادہ کیا۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ خطب کا معنی ہے حال اور شان یعنی تیرا کیا حال ہے خطب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے متعلق خطاب کیا جائے اسی لئے حال اور شان کو بھی خطب کہا جاتا ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے خطب کا معنی ہے شان اور امر چھوٹا ہو یا بڑا۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثْرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝۱۸

اس نے کہا مجھے ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہیں آئی تھی پھر میں نے اس فرستادہ خداوندی کی سواری کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر (خاک) اٹھالی تھی پس میں نے وہ مٹھی خاک (اس قالب کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔

قَبْضَةٌ اِيك بَارِقْبَضَ كَرْنَا اس سے مراد وہ شے بھی ہوتی ہے جو مٹھی میں لے لی جائے یہاں ایک مٹھی خاک مراد ہے اَثْرُ الرَّسُوْلِ (مضامین محذوف ہے) یعنی فرستادہ (خداوندی) کے گھوڑے کے نقش قدم سے فَنَبَذْتُهَا میں نے وہ خاک (پھینچنے سے) کے قالب میں ڈال دی۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سامری نے وہ خاک حضرت جبرئیل کے گھوڑے کی ناپوں کے نیچے سے اٹھائی تھی کیونکہ اس کی پیدائش اس سال ہوئی تھی جس سال بنی اسرائیل کے نوزائیدہ قتل کئے جا رہے تھے سامری کی ماں نے اس کو لے جا کر ایک غار

میں رکھ دیا تھا اللہ نے اس کی پرورش کے لئے حضرت جبرئیل کو مامور فرمادیا کیونکہ اس کے ہاتھوں سے ایک فتنہ بنی اسرائیل میں پیا کرانا تھا۔ جبرئیل اس کی غذائی پرورش کرتے رہے یہاں تک کہ یہ خود اپنے پیروں کا ہو گیا اس وقت یہ جبرئیل کو پہچانتا تھا (اور گھوڑے کے قدموں کے نیچے کی خاک کی حیات بخشی سے بھی واقف تھا وہی خاک اس کے پاس تھی جو اس نے پھنڑے کے کالبد کے منہ میں ڈالی اور پھنڑا چیننے لگا)

وَكَذَلِكَ سَوَّلْتُمْ لَور میرے دل نے یہی بات پسند کی اور میری نظر میں اس فعل کو پسندیدہ بنا دیا۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۚ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ ۗ

موسیٰ نے کہا تو بس تیرے لئے (اس دنیا کی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو کھتا پھرے گا چھوٹا نہیں (مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا) اور تیرے لئے (آخرت میں) ایک اور مقررہ وعدہ ہے جو تجھ سے نلنے والا نہیں۔ مساس علم مصدر ہے (لفی بمعنی نمی ہے) یعنی مجھے چھوٹا نہیں میرے قریب نہ آتا میں کہتا ہوں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ نے اس کے دل میں انسانوں سے وحشت پیدا کر دی ہو اسی لئے وہ جنگوں اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا اسی حالت میں مر گیا، بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دے دیا تھا کہ اس سے میل جول نہ رکھنا اس کے پاس بھی نہ جانا۔ حضرت ابن عباس نے لامس کی تفسیر میں فرمایا نہ تجھے چھوٹا ہے نہ تیری اولاد کو (یعنی نہ تجھے کوئی چھوئے گا نہ تیری اولاد کو) مَوْعِدًا یعنی آخرت میں عذاب کا اللہ کی طرف سے مقرر وعدہ ہے۔

وَإِنظُرْ إِلَى إِلْهَكِ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنْتَرِكَنَّهُ ۗ فِي الْيَوْمِ نَسْفًا ۙ

اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس (کی عبادت) پر تو جما بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے (جلا کر خاک کر دیں گے) پھر اس کی (راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔

إِلْهَكِ یعنی تیرے باطل خیال میں جو تیرا معبود تھا اس کو دیکھ لَنْتَرِكَنَّهُ ہم اس کو آگ میں جلا ڈالیں گے یا ریتی سے بالکل گھس ڈالیں گے۔ تَرَقَّى ریتی سے گھس ڈالا۔ باب افعال میں حَرَقَ کو لے گئے تو گھسنے میں مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو گیا بالکل گھس ڈالنا لَنْتَرِكَنَّهُ خاک اور راکھ کو یا گھسے ہوئے چورے کو بکھیر دیں گے اڑا دیں گے، دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے پھر اس کی خاک کا کوئی ذرہ بھی ہاتھ نہیں لگے گا ان یوتوفوں کی حماقت کو ظاہر کرنے کے لئے حضرت موسیٰ نے ایسا کیا بھی۔

إِنَّمَا إِلْهَكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۗ إِنَّهُ لَدَدِيمٌ عَلِيمًا ۙ

معبود یعنی تمہاری عبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں (کیونکہ علم کی ہمہ گیری اور کمال قدرت میں کوئی اس جیسا نہیں بلکہ اس کی برابری کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا) اس کا علم ہر چیز کو (اپنے اندر) سمائے ہوئے ہے یہ پھنڑا معبود کیسے ہو سکتا ہے جس کو اول سونے چاندی کو پگھلا کر ڈھالا گیا بنایا گیا پھر اس کو خاک بنایا جائے گا اگر یہ زندہ بھی ہو تا تو اتنا بے وقوف ہو تا کہ لوگ یوتوفی میں اس کو ضرب المثل بناتے (اور کہتے یہ تیل ہے)

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۗ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۙ

اسی طرح ہم تم سے واقعات گزشتہ کی کچھ خبریں بیان کرتے رہتے ہیں اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔

كَذَلِكَ نَقُصُّ یعنی جس طرح ہم نے تم کو موسیٰ کا قصہ سنایا اسی طرح ہم گزشتہ اقوام کے سابقہ احوال و واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو بصیرت حاصل ہو تمہارے علم میں افزودنی ہو معجزات میں اضافہ ہو اور تمہاری امت کے بصیرت اندوز لوگوں کے لئے سرمایہ نصیحت و پیداری حاصل ہو۔

وَ قَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۙ ذِکْرًا از کر سے مراد ہے قرآن مجید، یعنی ہم نے تم کو ایسا قرآن عطا کیا ہے جس میں اقوام ماضیہ کے واقعات درج ہیں۔ قابل غور و فکر یادداشت اور نصیحت نامہ ہے بعض علماء کے نزدیک ذکر سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا بہترین ذکر اور آپ کی عظیم الشان شہرت اور قیامت تک قائم رہنے والا تذکرہ، یعنی ہم نے اپنی جانب سے تم کو شہرت اور اعلیٰ نام

آوری عطا کی۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ میں نے تمہارے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ لو ان میں اقامت میں تشدد میں اور (کلمہ وغیرہ جیسی) دوسری چیزوں میں ملادیا۔

مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ۖ خَلِيلَيْنَ فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ۝

جو لوگ اس سے منہ موڑیں گے وہ

قیامت کے دن بھاری بوجھ (عذاب کا) اپنے اوپر لادے ہوں گے اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن یہ بوجھ ان کے لئے (بہت) برا بوجھ ہوگا۔ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ یعنی جو شخص قرآن سے منہ موڑے گا اس کو نہیں مانے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا یا عنہ کی ضمیر ذکر کی طرف یا اللہ کی طرف راجع ہے یعنی جو تمہارے ذکر سے یا اللہ سے منہ موڑے گا۔

وِزْرًا، یعنی گناہوں کا بھاری بوجھ۔ سورہ مریم کی آیت يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا کی تشریح میں عمرو بن قیس ملاتی کی روایت کردہ حدیث ہم نے ذکر کر دی ہے اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر کے سامنے اس کا برا عمل بہت ہی مکروہ شکل اور سزا مند کے ساتھ آئے گا اور کافر سے کہے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کافر جواب دے گا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری شکل بڑی مکروہ اور تیری بوجھ سڑی ہوئی بنائی ہے عمل کے گام میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا عمل ہوں دنیا میں طویل مدت تک تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا، پھر حضور اقدس نے پڑھا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ گناہ کو ایک بھاری بوجھ قرار دیا کیونکہ جس طرح بھاری بوجھ اگر پشت پر لدا ہو تو کمر ٹوٹنے لگتی ہے اسی طرح گناہوں کا عذاب بھی ناقابل برداشت ہوگا جس پر بڑے گناہ کو اٹھانے میں انتہائی دشواری ہوگی۔ فیدہ یعنی بارگناہ کی سزا میں۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن اپنے کندھے پر اس مال کا بار اٹھائے گا جو دنیا میں اس نے ناجائز طور پر بغیر استحقاق کے لیا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز دنیا کی اپنے حق کے بغیر نہ لے ورنہ جب اللہ کے سامنے وہ جائے گا تو وہ چیز قیامت کے دن اس کے لو پر سوار ہوگی میں تم میں سے کسی شخص کو اللہ کے سامنے اپنے اوپر بلبلاتے اونٹ ڈونٹ لگتی گائے اور منسانی بکری کو لادے ہوئے نہ پاؤں۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن ابی حمید الساعدی۔

حضرت عائشہؓ روی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے باشت بھر زمین ناحق لی قیامت کے دن اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت حکم بن حارث سلمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمانوں کے راستہ کی باشت بھر زمین لی وہ سات زمینوں سے اس کو اپنے لو پر لادے ہوئے (قیامت کے دن) آئے گا۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس نے باشت بھر زمین ناحق لی اللہ اس کو مکلف کرے گا کہ باشت بھر کا گڑھا زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک یہ طوق گلے میں پڑا رہے گا۔

طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے باشت بھر زمین ناحق لی، وہ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنے ہوئے آئے گا۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوماک اشعری کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

امام احمد اور شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ایک روز خطاب کرنے کے لئے) کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بڑی برائی کی پھر فرمایا ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں پاؤں کہ بلبلاتے اونٹ کو اپنے گردن پر سوار کئے آ رہا ہو اور مجھ سے کہہ رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد کیجئے۔ میں کہہ دوں گا کہ اللہ کے مقابلہ میں، میں تیرے لئے (اب) کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے تجھے پیام پہنچادیا حضورؐ نے اس حدیث میں اسی

کردن پر ہنساتے گھوڑے اور منٹانی بکری کے سوار ہونے کا تذکرہ فرمایا تھا، ابو یعلیٰ اور بزار نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بھی اسی طرح یہ حدیث بیان کی ہے مال زکوٰۃ وصول کرنے والے اگر اس میں خیانت کریں تو اسی مضمون کی حدیث سعد بن عبادہ کی روایت سے امام احمد نے اور حضرت ابن عمر و حضرت عائشہ کی روایت سے بزار نے اور حضرت ابن عباس و حضرت عبادہ بن صامت و حضرت ابن مسعود کی روایت سے طبرانی نے بیان کی ہے۔

ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی مکان بنایا اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو کندھے پر اٹھائے، ابو داؤد ابن ماجہ اور طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی انصاری کے (تعمیر کردہ) ایک قبہ (گول کمرہ) کی طرف سے گزرنے اور دست مبارک سے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو عمارت اس سے زائد ہوگی وہ قیامت کے دن اس عمارت کے مالک کے لئے مصیبت ہوگی اس مکان کے مالک کو یہ اطلاع پہنچی (حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے) تو انہوں نے اس عمارت کو ڈھا دیا۔ طبرانی نے حضرت داؤد بن اسحق کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

منذری نے کہا اس حدیث کے دوسرے شواہد بھی ہیں۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک کنویں کی طرف سے جس سے پانی سینچا جا رہا تھا۔ گزرے فرمایا اس کنویں کا مالک اگر اس کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کو یہ کنواں اپنے لوہ لادنا ہوگا۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ سُذُكًا ۝

جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس روز مجرموں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ وہ کرنبجے ہوں گے۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے صور کے متعلق دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا ایک سینگ ہوگا جس کے اندر پھونکا جائے گا، رولہ ابو داؤد الترمذی و التسانی و ابن حبان و الحاکم و ابی یعلیٰ و ابن المبارک۔ نسائی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے مسدود نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ زر قاسے مراد ہے نیلی آنکھوں والے، آنکھ کی سیاہی میں سبزی کی آمیزش کو زرقت کہتے ہیں عرب کے نزدیک ایسے رنگ کی آنکھ بہت بد نما اور بری مانی جاتی ہے رومیوں کی آنکھیں اسی رنگ کی ہوتی تھیں اور رومی عربوں کے دشمن تھے، قیامت کے دن کافروں کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک زر قاسے مراد ہیں ناپیدا آنکھوں دانے ناپیدا کی آنکھ اذرق ہو جاتی ہے، دوسری آیت سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے دوسری جگہ فرمایا ہے وَنَحْشُرُ هُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی بعض نے کہا زر قاسے مراد ہے پتاسے۔

بِحَتِّحَاتٍ مِّنْ بَيْنِهِمْ اِنْ كُنْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝

چکے چکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس روز قبروں میں رہے ہو گے۔ چونکہ ان کے دل مرعوب اور ہول زدہ ہوں گے اس لئے چکے چکے باہم کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں صرف دس رات رہے یعنی بہت جلد دنیوی زندگی ختم ہوگئی۔ دس رات سے قلیل مدت مراد ہے جو مدت گذر گئی وہ ان کو قلیل ہی معلوم ہوگی اور آخرت کے مقابلہ میں تو ان کو دنیا کا قیام خصوصیت کے ساتھ قلیل محسوس ہی ہوگا، مایوں کہا جائے کہ شدائد آخرت سامنے آنے کے بعد ان کو افسوس ہوگا کہ ہم نے دنیوی زندگی، نفسانی خواہشات پوری کرنے میں کھودی اور چند روزہ زندگی کو بیکار ضائع کر دیا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ قبروں کے اندر ٹھہرنے کو وہ دس روزہ قیام سے تعبیر کریں گے۔ بعض نے کہا کہ صور فنا اور صور بعث کے درمیان مدت چالیس سال ہوں ان دونوں صوروں کے درمیان ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ (اور آرام کی مدت قلیل ہی معلوم ہوتی ہے اس لئے وہ چالیس سال کو دس روزہ کہیں گے)

لَعَنَ اَعْمٰهُمَ يَوْمَئِذٍ لَمَّا يَفْعَلُونَ اِذْ يَقُولُ اَمْ اَلَمْ نَكُنْ مِنْكُمْ اِلَّا يَوْمَئِذٍ



جس مدت کے متعلق وہ (اپنے اندازے سے) کہیں گے ہم خوب جانتے ہیں (کہ وہ کتنی ہوگی) جب کہ ان کاسب سے صاحب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں ہم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے اَسْئَلُهُمْ طَرِيقَةً یعنی زیادہ سمجھدار اور بھر پور عقل والا اور سب سے بڑھ کر معتدل العقل یا معتدل العمل۔ اس قول کے قائل کو اللہ نے زیادہ صاحب الرائے قرار دیا، کیونکہ آخرت کے طول کے مقابلہ میں دنیوی مدت انتہائی کم ہے اور اس قول میں کترین مدت کا ہی اظہار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ کسی ثقفی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا ہو گا۔ اس کے جواب میں آیت ذیل نازل ہوئی (رواہ ابویوسف) بعض نے کہا سوال کسی نے نہیں کیا تھا آیت میں جو جواب ہے وہ بر تقدیر سوال ہے یعنی اگر وہ سوال کریں تو آپ یہ جواب دیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۗ

معلق اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں (کہ قیامت کے دن ان کا کیا ہوگا) سو آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر ان کو ایک چٹیل ہموار میدان (میں تبدیل) کر دے گا کہ جس میں آپ کو نہ ناہمواری دکھائی دے گی نہ (کہیں) بلندی۔ ابن المنذر نے ابن جریر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے سوال کیا تھا قیامت کے دن آپ کا رب ان پہاڑوں کا کیا کرے گا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

صحیح بات یہ ہے کہ کوئی خاص سائل نہ تھا اور بر تقدیر سوال جواب کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ قَعْلٌ میں ف کا لانا بتا رہا ہے کہ یہ ف جزائیہ ہے اور شرط محذوف ہے یعنی اگر لوگ سوال کریں تو یہ جواب دیجئے دوسری آیات میں بھی سوالات کے جوابوں کی تعلیم دی گئی ہے لیکن وہاں چونکہ کوئی شرط محذوف ہے نہ مذکور اس لئے قُل سے پہلے ف نہیں ذکر کی گئی مثلاً فرمایا ہے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَجْحُضِ قُلْ هُوَ أَدْوَىٰ ۖ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ ۖ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَغَيْرِهِ۔

يَنْسِفُهَا یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ دے گا اور ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا نَسْفٌ جڑ سے اکھاڑ دینا یا ضمیر زمین کی طرف راجع ہے اگرچہ زمین کا ذکر پہلے نہیں آیا کیونکہ جبال کا لفظ اپنی قرار گاہ یعنی زمین پر دلالت کر رہا ہے قاع نرم تیشی زمین جس کے اوہرا دھر پہاڑیاں اور نیلے ہٹ گئے ہوں، ہموار زمین نکل آئی ہو (قاموس) صَفْصَفٌ ہموار میدان قاموس عوج کجی موز۔ اَمْتٌ ابھار۔ یعنی پہاڑوں کے تین احوال ہوں گے دیکھنے میں وہ ہموار چٹیل میدان محسوس ہوں گے اور تیشی فرار جانچنے کے آلہ سے دیکھو تو نہ ان میں کوئی کجی نظر آئے گی نہ ابھار۔

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَعِوَجٍ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۗ

اس روز (سب کے سب خدا کی طرف سے) بلانے والے کے کہنے پر ہو لیں گے اس کے سامنے کسی کا ٹیڑھا پن نہیں رہے گا اور ساری آوازیں رحمن کے سامنے (اس کی ہیبت کی وجہ سے) کوب جائیں گی پس اے مخاطب تجھے پاؤں کی آہٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے گی۔

داعی یعنی اسرافیل میدان حشر کی طرف سب کو بلائیں گے اور صرۃ بیت المقدس پر کھڑے پکار کر کہہ رہے ہوں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو! اے ٹوٹے بالو! تم کو اللہ فیصلے کے لئے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے (سب آجاؤ) ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے عِوَجٌ لَّهُ یعنی پکارے جانے پر بلانے والے سے داعی بائیں طرف کو نہیں مڑیں گے بلکہ سیدھے تیزی کے ساتھ داعی کی دعوت پر آئیں گے۔ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ اور رحمن کی ہیبت سے آوازیں پست ہو جائیں گی کوب جائیں گی۔

فَلَا تَسْمَعُ ف سببہ ہے اور خطاب ہر شخص کو ہے یعنی اسی سبب سے اے مخاطب تو کسی کی آواز نہ سن پائے گا ہَمْسٌ

خفیف آواز جیسے چلنے میں اوتھوں کے پاؤں کی۔ بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ہمیں کا معنی ہے چپکے چپکے بات کرنا اور پست آواز۔ سعید بن جبیر نے اس کی تشریح میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ بغیر بات کئے لب ہلانا (کہ کوئی بات ادا نہ ہو) ابن ابی جارد نے بحوالہ ابو طلحہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ بغیر بات کئے لب ہلانا (کہ کوئی بات ادا نہ ہو) ابن ابی جارد نے بحوالہ ابو طلحہ حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا کہ قاعا یعنی ہموار، مصصفا یعنی اس میں کوئی سبزہ نہ ہوگا، چشیل میدان ہوگا عوج واوی (گڑھا) امت ثلہ حَشَعَتِ الْأَصْوَاتِ آوازیں ساکن ہو جائیں گی۔ ہما خفی آواز۔ دوسرے طریق روایت سے حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے چشیل چکتی زمین نہ اس میں کوئی مکان بلند ہوگا نہ نشیب۔ ایک اور سند سے حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے کہ ہمس سے مراد ہے پاؤں کی چاپ، یعنی آدمیوں کے قدموں کی آواز جب ان کو میدان حشر کی طرف لایا جائے گا۔

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ⑩

اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کے واسطے جس کے لئے رحمن نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو۔

مَنْ یا محل رفع میں ہے اور لفظ شفاعت مضاف محذوف ہے یعنی کسی کو کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی ہاں اس شخص کی شفاعت فائدہ دے گی جس کو شفاعت کرنیکی اللہ نے اجازت دے دی ہوگی۔ یا مَنْ محل نصب میں ہے یعنی کسی کو کسی کی شفاعت مفید نہ ہوگی ہاں اس شخص کو سفارش فائدہ دے گی جس کے لئے سفارش کرنے کی اللہ نے اجازت دے دی ہوگی۔ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا یعنی اس شفیع کی شفاعت کو اللہ نے پسند کیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ شفیع عند اللہ معزز ہوگا اللہ اس کو شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور اس کی سفارشی گزارش کو پسند فرمائے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس گناہ گار کے حق میں اللہ نے سفارشی کے قول کو پسند کیا ہو۔ (اول مطلب اس وقت ہوگا جب مَنْ کو محل رفع میں مانا جائے اور دوسرا مطلب اس وقت ہوگا جب مَنْ کو محل نصب میں قرار دیا جائے)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ⑪  
اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔  
مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ یعنی سفارش کرنیوالوں اور جن کی سفارش ہوگی ان کے آگے آنے والے احوال کو اللہ جانتا ہے وَمَا خَلْفَهُمْ یعنی لوہ قبروں میں جو احوال ان کے تھے ان کو بھی اللہ جانتا ہے۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا یعنی ان کا علم اللہ کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

وَعَدَّتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ  
اور (اس روز) تمام چہرے اس حَيِّ الْقَيُّومِ کے سامنے جھکے ہوں گے۔ عَدَّتْ ذلیل ہوں گے عاجز ہوں گے جیسے قیدی بادشاہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں عَنَا يَعْنُو عَنَاءً (نَصْرًا) تھک گیا تَعْنِي تَكْلِفٌ جھیلی۔ بغوی نے لکھا ہے عَانِي بِمَعْنَى قَيْدِي اِسِي (باب نَصْرٍ عَنَاءٍ) سے ہے۔ اَلْحَيُّ ذُو ذَاتٍ جو کبھی نہیں مرے گی اور اس پر موت ہی نہ آئی چاہئے۔ کیونکہ جس پر موت کا طاری ہونا ممکن ہو وہ حقیقت میں مَرَّتْ (یعنی معدوم الاصل) ہی ہوتا ہے اور اللہ معدوم الاصل نہیں اس لئے اس پر موت آنا ممکن ہے۔ اَلْقَيُّومُ تھامے ہوئے ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اس کے تمام اعمال کو تھامے ہوئے اور ساری مخلوق کے انتظام کو تھامے ہوئے۔ چہروں سے مراد ہیں چہروں والے۔ لفظ الوجوه بظاہر تمام چہروں کو شامل ہے یعنی ہر شخص اللہ کے سامنے جھکا ہوگا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف مجرموں کے چہرے مراد ہوں اور الوجوه میں الف لام مضاف الیہ کے عوض لایا گیا ہو۔ یعنی وجوہ الجرمین۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ⑫  
اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہوگا۔ ظلم سے مراد ہے شرک حضرت ابن عباس نے آیت کی تشریح میں فرمایا گھائے میں رہے گا جس نے اللہ کا کسی کو

شریک قرار دیا۔

طلق بن حبیب کے نزدیک عناء سے مراد ہے سجدہ کرنا اس تفسیر پر آیت کا مطلب اس طرح ہو گا تمام حجرے ہی و قیوم کو سجدہ کرتے ہیں اور جو شخص شرک کرے اور اللہ کو سجدہ نہ کرے وہ ناکام رہے گا۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُفُ ظَلْمًا وَلَا هَضْمًا ۝۱۶

اور جس نے نیک کام ایمان دار ہونے کی حالت میں کئے ہوں گے سو اس کو نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہو گا اور نہ کسی کامین الصلیحیت میں مرنے بمعنی بعض نیک کام، مراد فرائض کی ادائیگی۔ یا مرنے ابتدائیہ ہے اور صالحات سے مراد ہیں صحیح درست نیتیں، یعنی جس نے نیک نیت سے کوئی کام کیا ہو گا۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ جملہ حالیہ ہے یعنی نیک کام بحالت ایمان کئے ہوں تمام عبادات، طاعات اور نیک کاموں کے قبول ہونے کی لازمی شرط ایمان ہے۔

فَلَا يَخْفُفُ جزا محذوف ہے ف سبب کے لئے ہے۔ یعنی محذوف جزا کی علت بے خوفی ہے مطلب یہ ہے کہ جو مومن نیک کام کرے گا وہ کامیاب ہو گا کیونکہ وہ حق تعالیٰ سے بے خوف ہو گا۔ یا لَا يَخْفُفُ خبر ہے بِهُوَ ضمیر مبتداء محذوف ہے پس وہ نہیں ڈرے گا۔ ظَلْمًا یعنی گناہوں میں اضافہ کر دیئے جانے کا اس کو اندیشہ نہ ہو گا۔ وَلَا هَضْمًا اور نہ نیکوں کے ثواب کم ہونے کا اس کو خوف ہو گا۔ کذا قال ابن عباس حسن نے تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے نہ اس کو نیکوں کے ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہو گا۔ اور نہ اس امر کا خوف ہو گا کہ دوسرے گناہ گار کے گناہ اس پر لا دیئے جائیں۔ ضحاک نے کہا اس کو ناکردہ گناہ میں پکڑے جانے کا اندیشہ نہ ہو گا اور نہ کسی عمل کی اچھائی تلف ہونے کا خطرہ۔ هَضْمٌ کا لغوی معنی ہے کم کرنا اور توڑنا هَضْمٌ الطعام اسی سے بنا ہے (معدہ کے اندر کھانے کا ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جانا)

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْذَرُونَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝۱۷

اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور

اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ (سننے والے) ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے (کسی قدر تو) سمجھ پیدا کر دے۔

یعنی جس طرح ہم نے گزشتہ اقوال اور سابق امتوں کے واقعات آپ پر نازل کئے اسی طرح یہ قرآن بھی عربی میں نازل کیا جو ہماری طرف سے نازل کردہ ہے اور اس میں نیک ایمانداروں کے لئے اچھے ثواب کا وعدہ اور کافروں بدکاروں کے لئے برے عذاب کی وعید ہے۔ قُرْآنًا عَرَبِيًّا یعنی جو قرآن ہم نے نازل کیا وہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے سب کا اسلوب اور طرز ایک ہے سارے قرآن مجز ہے۔ وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ اور طرح طرح سے گھما پھرا کر بار بار وعید کی آیات بیان کیں تاکہ لوگ شرک اور معاصی سے پرہیز رکھیں اور تقویٰ کی پائیدار قوت ان کے اندر پیدا ہو جائے یا (اگر کامل تقویٰ کی راسخ قوت ان کے اندر پیدا نہ بھی ہوتی بھی) کہ قرآن سننے والوں کے لئے کسی قدر نصیحت ہی پیدا کر دے گا اور گناہوں سے وہ کچھ توجہ جائیں۔

ایک شبہ: يَتَّقُونَ میں نسبت سننے والوں کی طرف کی گئی، کیونکہ تقویٰ ان ہی کے اندر ایک راسخ لازوال قوت ہو سکتا ہے اگر وہ ہی شرک و معاصی سے پرہیز کریں گے تو تقویٰ ان کے لئے مستحکم صفت اور راسخ قوت بن جائے گا اگر یہ نہ ہو سکا تو کم سے کم اتنا تو ہو ہی جائے گا کہ قرآن کے ذریعہ سے اللہ ان کو کچھ نصیحت و موعظت ہی عطا فرمادے (خواہ تقویٰ کے درجہ تک وہ نہ پہنچیں) احداث ذکر کی نسبت قرآن کی طرف مجازی ہے۔ قرآن سبب نصیحت پذیری ہے، فاعل حقیقی اور نصیحت پیدا کرنے والا تو خدا ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اَوْ يُحْدِثُ اَوْ يُعَلِّمُ (یعنی واؤ ہے) اس صورت میں مطلب زیادہ واضح ہو جائے گا کہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اور قرآن ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے) فَتَعَلَّىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقِيْقُ

سوال اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے فَتَعَلَّىٰ اللَّهُ یعنی جس طرح اللہ اپنی ذات و صفات میں مشابہت مخلوق سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کی مماثلت سے اعلیٰ اور بالا ہے پس وہ برتر اور منزہ ہے مشرکوں کے شرک

اقوال سے۔ میں کہتا ہوں، بلکہ وہ ان لوگوں کے بیان سے بھی برتر و بالا ہے جو اس کے اوصاف کامل طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی اس کی ذات و صفات کو پورا پورا بیان نہیں کر سکتا۔ اَلْهَمُّ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اُنْتَبِتَ عَلٰی نَفْسِكَ عَلٰی مَا اَرَدْتَ

اَلْمَلِيْكُ یعنی وہ ایسا بادشاہ ہے جس کا حکم نافذ ہے جس کی حکومت ہمیشہ سے ہے جس کا غلبہ ہمہ گیر اور عظیم الشان ہے اَلْحَقُّ یعنی اس کا وجود اور تمام صفات اور اقتدار ذاتی ہے (کسی کا عطا کردہ نہیں ہے) فناء بگاڑ اور زوال کا اس کے اقتدار، حکومت اور صفات و ذات میں کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُقَضَىٰ الْاٰیٰتُ وَحٰیۃٌ نَّوَقِلُّكَ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۶﴾

اور قرآن پڑھنے میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو عجلت نہ کیجئے اور کہئے کہ اے میرے

رب میرا علم بڑھا دے۔

یعنی جب تک جبرئیل پوری وحی پہنچانہ چکیں آپ قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کیجئے مطلب یہ ہے کہ جب تک جبرئیل وحی پہنچانہ چکیں آپ قرآن پڑھنا شروع نہ کیجئے۔ آیت لَا تُحْرِكْ يٰۤهٗ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

مجاہد اور قتادہ نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کو قرآن پڑھانا اور لکھولنا اس وقت تک شروع نہ کیجئے جب تک آپ کے لئے اس کا مطلب اور معنی واضح نہ ہو جائے گویا مکمل بیان آنے سے پہلے مجمل آیات کی تبلیغ (اور توضیح) کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ جلدی کرنے کی جگہ آپ زیادتی علم کی درخواست کیجئے اور دعا کیجئے کہ پروردگار جو علم تو نے مجھے عنایت کیا ہے اس میں اور ترقی عطا کر اس کی وجہ یہ ہے کہ جو وحی آگئی وہ تو بہر حال پوری آکر رہے گی (اور یاد بھی ہو جائے گی اس میں عجلت بے سود ہے۔

وَلَقَدْ عٰهَدْنَا اٰلِیٰٓ اٰدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسٰی وَكُنَّا نَجِدُکَ عٰدِمًا ﴿۱۷﴾

اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو اس سے بھول اور (بے احتیاطی) ہو گئی اور ہم نے اس کے اندر چٹکلی نہیں پائی۔ عٰهَدْنَا ہم نے آدم کو حکم دیا اور نصیحت کر دی کہ درخت کے قریب نہ جائے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے عٰهَدْنَا اٰلِیٰٓ اٰدَمَ کو حکم دے دیا نصیحت کر دی یعنی وہ حکم کو بھول گیا اور درخت سے بچے رہنے کا جو اس کو حکم دیا گیا تھا اس کو چھوڑ بیٹھا۔ وَكُنَّا نَجِدُکَ عٰدِمًا اور حکم کو یاد رکھنے کی کوشش ہم نے اس کے اندر نہیں پائی یا جس چیز سے روکا گیا اس سے باز رہنے پر صبر اس کے اندر نہیں پایا۔ لغت میں عزم کا معنی ہے کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا۔ اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ وَلَا تَعٰزِمُوْا عٰقِدَةَ السِّکَاخِ وَاِنَّ عَزْمَ الظُّلَاقِ شٰیْءٌ مِّنْ عَزْمِ اِیۡسَیٰ کرنا ہے۔ یا اس کام کی کوشش کی (دونوں معنی آتے ہیں) نہا یہ میں ہے، عزم کوشش اور صبر۔ میں کہتا ہوں اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس کا تقاضا ہے کہ اس کو کرنے کی کوشش کی جائے اور جو دشواریاں اور مشکلات راستہ میں آئیں ان پر صبر کیا جائے۔

بعض اہل تفسیر نے کُنَّا نَجِدُکَ عٰدِمًا کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہم نے آدم کے دل میں نافرمانی کرنے کا ارادہ نہیں پایا وہ بھول گیا اس سے چوک ہو گئی۔ صاحب کشاف (زمخشری) اور بیضاوی نے کہا ہے کہ لَقَدْ عٰهَدْنَا کَا عطف صرفنا پر ہے مطلب یہ ہے کہ بار بار نصیحت و وعید کے بعد بھی جو یہ لوگ عہد شکنی کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ آدم کی تخلیق کی

۱۔ ابن زید نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اللہ نے جو آدم کو بتادیا تھا کہ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلیز وَّجَحکَ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے آدم ابلیس کی عدولت کو اور اللہ کی اس نصیحت کو بھول گئے۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ اللہ نے فَنَسٰی وَكُنَّا نَجِدُکَ عٰدِمًا فرما کر خود ہی آدم کا عذر پیش کر دیا۔

بنیاد ہی عصیان پر ہے اور نسیان آدم کی سرشت میں ہے ہم نے اس سے بہت پہلے آدم کو بھی ایک حکم دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور اس سے چوک ہو گئی، حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کر دیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا جس کی وجہ سے ہر وہ نفس جس کو آدم کی نسل سے قیامت تک اللہ پیدا کرنے والا ہے آدم کی پشت سے نکل پڑا اور ہر شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان اللہ نے نور کی ایک چمک پیدا کر دی۔ پھر سب کو آدم کے سامنے لایا آدم نے پوچھا اے میرے رب یہ کون ہیں اللہ نے فرمایا یہ تیری نسل ہے آدم نے ان میں ایک شخص کو دیکھا جس کے دونوں آنکھوں کی درمیانی چمک آپ کو بہت اچھی لگی پوچھا اے میرے رب یہ کون ہے اللہ نے فرمایا داؤد۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے اللہ نے فرمایا ساٹھ برس۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب میری عمر میں سے چالیس برس لے کر اس کی عمر بڑھا دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم کی عمر ختم ہو گئی اور (وہی) چالیس برس رہ گئے (جو آپ نے داؤد کو دے دیئے تھے) تو موت کا فرشتہ آگیا آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر کے چالیس برس باقی نہیں ہیں۔ فرشتے نے کہا کیا آپ نے چالیس برس اپنے بیٹے داؤد کو دے نہیں دیئے تھے۔ آدم نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدم بھول گئے اور انہوں نے درخت (منوعہ) میں سے کھا لیا یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور آدم نے خطا (چوک) کی یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔

بعض اہل تحقیق نے کہا محشری اور بیضادی کا مذکورہ بالا قول غلط ہے اگر اس آیت کا عطف صرّفاً پر ہو گا اور ظاہر ہے کہ کذٰلک کا تعلق صرّفاً سے ہے اور کذٰلک صرّفاً کا عطف کذٰلک نقص علیک پر ہے اور کذٰلک نقص سے حضرت موسیٰ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے پس حضرت آدم کا قصہ حضرت موسیٰ کے قصے سے مشابہ ہونا چاہئے کیونکہ آدم کے واقعہ میں نسیان اور ترک امر کا ذکر ہے اور موسیٰ کے واقعہ میں نسیان یا ترک امر کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ آیت زیر تفسیر کا عطف وھل اتاک حدیث موسیٰ پر ہے حضرت آدم کا قصہ بھی گزشتہ قصوں میں داخل ہے واللہ اعلم۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى ﴿۱۷﴾ فَقُلْنَا يَا دُمِیٰنَ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ  
وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى ﴿۱۸﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے سامنے سجدہ کرو۔ فوراً سب نے سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کر دیا۔ ہم نے کہا آدم یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے (نکال دینے کا سبب بن جائے) پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔

وَإِذْ قُلْنَا أَوْرِيَادُ كِرُو اس وقت کا واقعہ جب ہم نے کہا تھا تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ آدم سے بھول ہو گئی تھی ابی اس نے سجدہ کرنے یا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ابلیس کے استثناء کی علت بھی اس کو قرار دیا جاسکتا ہے فَقُلْنَا لِمَنْ كَاعِطِفْ اِيك مَحْذُوفْ جملہ پر ہے یعنی ہم نے آدم اور ان کی بی بی کو جنت میں داخل کر دیا پھر ہم نے کہا هَذَا اِيْبْلِيسَ لَا يُخْرِجَنَّكَ مِظَاهِرِيْهِ اِيْبْلِيسَ كَالْمَانِهْ مِمَّا نَعْتْ هِيْ مگر حقیقت میں ممانعت کا رخ آدم اور ان کی بی بی کی طرف ہے کہ دونوں (ہوشیار رہیں) ابلیس کا کہانہ مانیں ورنہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے گا یعنی تم دونوں کو جنت سے خارج کر دیئے جانے کا سبب بن جائے گا۔ اس کے بہکاوے کی وجہ سے اللہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے گا۔ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِظَاهِرِيْهِ اِيْبْلِيسَ چاہتی ہے کہ اس کا کہانہ مانا جائے۔ فَتَشْقَى پھر تھک جاؤ گے، تب میں پڑ جاؤ گے خود اپنے ہاتھ سے کما کر چونی کا پسینہ اڑی تک بہا کر زمین کھود کر اس میں بیج بکھیر کر پھر کھیتی کاٹ کر دانہ پیس کر گوندھ کر پکا کر کھانا ہو گا۔ بغوی نے بحوالہ سعید بن جبیر لکھا ہے کہ آدم کے لئے ایک سرخ نیل بھی پیدا کیا گیا جس کے ذریعہ سے وہ زمین کھودتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے یہی حَقِيقَتِيْ كَالْمَنْهُومْ ہے چونکہ آدم کا مصیبت میں پڑ جانا بی بی کے دکھ اور تکلیف کو بھی مستلزم ہے۔ آدم کے دکھ کے بعد بی بی کو سکھ کہاں مل سکتا تھا اس لئے حَقِيقَتِيْ سے (براہ راست) خطاب صرف آدم کو کیا گیا (بی بی سے خطاب ضمنی ہو گیا کیوں کہ شفاء سے مراد ہے

روزی کی تلاش میں تھکنا اور یہ کام صرف آدم کا تھا بی بی کا نہ تھا اس لئے صرف آدم کو خطاب کیا۔

إِنَّ لَكَ الْآخِرَةَ فِيهَا وَلَا تَعْوَىٰ ﴿۱۶﴾ وَأَنْتَ لَا تَنْظُرُ فِيهَا وَلَا تَصْنَعُ ﴿۱۷﴾

جنت میں تو تمہارے لئے یہ بات ہے کہ اس میں نہ تم بھوکے رہو گے نہ ننگے اور یقیناً یہاں نہ پیاسے ہو گے نہ دھوپ میں تپو گے۔ عکرمہ نے کہا لا تَعْوَىٰ کا یہ مطلب ہے کہ دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیونکہ جنت کے اندر دھوپ ہی نہیں ہر وقت سایہ پھیلا رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ جنت کے اندر تمام ضروریات زندگی فراہم ہیں بھوک دور کرنے کے لئے کھانا پیاس کے لئے پانی برہنگی کے لئے لباس اور سایہ دار مکان۔ نہ کمانے کی تکلیف۔ نہ سامان زندگی فراہم کرنے کے لئے کوشش۔ ہر چیز خدا داد موجود ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿۱۷﴾

پھر ان کو شیطان نے برکایا۔ کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو بیشکی (کی عطا کرنے) والا درخت بتاؤں اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی زوال اور ضعف نہیں آئے گا۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ نے وسوسہ ڈالا جو آدم (کے دل) تک پہنچ گیا قَالَ يَا آدَمُ یہ وسوسہ کا بیان ہے۔ شَجَرَةُ الْخُلْدِ خُلْدٌ بمعنی خُلُود۔ یعنی ایسا درخت جس کا پھل کھانے والا ہمیشہ زندہ رہے گا۔ گویا ابلیس نے اپنے خیال کے مطابق درخت کو حیات دوام کا سبب قرار دیا۔ لَا يَبْلَىٰ جس کو کبھی زوال نہ ہو گا نہ اس میں ضعف آئے گا۔

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَيَّتَ ابْنًا وَسَوَاءٌ هُمَا وَطْفًا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذُرُقِ الْجَنَّةِ ذُو عَصَىٰ

أَدَمُ رَبُّهُ فَفَعْوَىٰ ﴿۱۸﴾ سو (اس کے برکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھا لیا، پورے دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے کو) دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔

دونوں نے کھا لیا یعنی آدم و حوا نے ورق الجنۃ سے مراد ہیں انجیر کے پتے۔ عَصَىٰ آدَمُ رَبُّهُ فَفَعْوَىٰ یعنی آدم منزل مقصود سے بھٹک گئے صحیح راستہ کھو دیا اور ناکام ہو گئے درخت کا پھل کھانے سے دوامی زندگی کے طلب گار ہوئے، حالانکہ وہ درخت سبب زوال تھا یہ مطلب ہے کہ جس بات کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس سے کٹ گئے کج راہ ہو گئے یا ابلیس سے فریب کھا گئے اس لئے سیدھے راستے سے ہٹ گئے۔

ابن اعرابی نے غوی کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی آرام کی زندگی بگڑ گئی، عزت سے ذلت کی طرف اور سکھ سے دکھ کی طرف چلے گئے۔ ابن قتیبہ نے کہا اگرچہ عَصَىٰ آدَمُ رَبُّهُ کننا درست ہے (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) لیکن آدم کو عاصی کہنا غلط ہے کیونکہ عاصی اسی شخص کو کہتے ہیں جو عصیان کا عادی اور خوگر ہو (ایک مرتبہ اگر کسی سے صدور عصیان ہو جائے تو اس کو عاصی نہیں کہا جاسکتا) اگر کسی نے ایک بار کوئی کپڑا اسی لیا ہو تو یہ کننا صحیح ہے کہ اس نے کپڑا اسی لیا۔ لیکن جب تک سینے کا اعادہ بار بار نہ کرے اور سینے کا عادی نہ ہو جائے۔ اس کو خیاط (درزی) نہیں کہا جاسکتا۔ (اس فقیر مترجم کی نظر میں ابن قتیبہ کا قول نامناسب ہے اسم فاعل کو صفت مشبہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اسم فاعل تو وہ ہوتا ہے جس سے کسی فعل کا صدور ہو جائے یا اس کے لئے اس فعل کا ثبوت ہو خواہ ایک ہی مرتبہ ہو ہر فعل کا کرنے والا فاعل ہوتا ہے۔ لیکن صفت مشبہ کا صیغہ اس وقت صادق آئے گا جب کوئی وصف کسی ذات کے اندر موجود ہو اور قوت صدور اس میں موجود ہو خواہ ساری عمر اس سے اس فعل کا صدور نہ ہو اور پس خیاط وہ شخص ہے جس میں سینے کی صفت پائی جائے خواہ کبھی سیا ہو خواہ ایک ہی مرتبہ سیا ہو۔ اسم فاعل اور صفت مشبہ کا یہی فرق ہے پھر خیاط صرف صفت مشبہ کا مفہوم ہی اپنے اندر نہیں رکھتا، بلکہ بار بار خیاطت کرے گا تو خیاط کہلائے گا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، مبالغہ تعداد میں ہو یا کیفیت میں بہر حال صفت خیاطت کا مبالغہ کے ساتھ موجود ہو نا خیاط کہلانے کے لئے لازم ہے عاصی اسم فاعل ہے اس کے اطلاق کے لئے تو ایک بار صدور عصیان کافی ہے واللہ اعلم۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رب کے سامنے آدم اور موسیٰ کا باہم

کچھ مباحثہ ہوا، اور آدم موسیٰ پر غالب آگئے موسیٰ نے آدم سے کہا آپ آدم ہیں آپ کو اللہ نے اپنے (خاص) دست قدرت سے بنایا آپ کے اندر اپنی روح پھونکی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کر لیا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا، پھر آپ نے اپنے قصور کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے زمین پر اترا دیا۔ آدم نے کہا آپ موسیٰ ہیں آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کو (توریت کی) تختیاں عطا فرمائیں جن کے اندر ہر چیز کا واضح بیان تھا اور آپ کو ہم کلام بنانے کے لئے اپنا قرب عنایت کیا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے اللہ نے توریت لکھ دی تھی موسیٰ نے کہا چالیس برس پہلے آدم نے کہا کیا اس میں یہ بھی تھا کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھگ گیا موسیٰ نے کہا ہاں۔ آدم نے کہا پھر آپ مجھے ایسا کام کرنے پر ملامت کر رہے ہیں جس کا مجھ سے صادر ہونا اللہ نے میری پیدائش سے چالیس برس پہلے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔

بخاری کی روایت میں حدیث کے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں موسیٰ نے کہا آدم آپ ہمارے باپ ہی نے ہم کو جنت سے نکلویا آدم نے کہا، اللہ نے آپ کو اپنے کلام کے لئے منتخب فرمایا اور اپنے ہاتھ سے توریت لکھ کر عطا فرمائی کیا آپ مجھے ایسے عمل پر ملامت کر رہے ہیں جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میرے لئے مقرر کر دیا تھا۔ پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔

### ایک شبہ

جب حضرت آدم حکم کو بھول گئے اور جو کچھ کیا بھول چوک سے کیا تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ آدم نے گناہ کیا۔ معصیت کی نسبت آدم کی طرف کیوں کی گئی۔ انسان کا نسیان تو ناقابل مواخذہ ہے۔

### جواب

اس امت کے لئے نسیان ناقابل مواخذہ قرار پایا ہے۔ ہر امت اور ہر شخص کے لئے نسیان کا یہ حکم نہیں ہے طبرانی نے حضرت ثوبان و حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت سے بھول چوک اور وہ فعل جو کسی کو مجبور کر کے زبردستی کر لیا گیا اٹھالیا گیا ہے (یعنی معاف کر دیا گیا ہے) اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص اور ہر امت کے لئے بھول چوک معاف کر دی گئی ہے (بلکہ صراحتاً صرف اس امت کا ذکر کیا گیا ہے) ہاں مجنون وغیرہ کے متعلق (اس امت ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عموماً کسی کا نام لئے) فرمایا ہے قلم اٹھالیا گیا ریوانے مغلوب العقل سے جب تک وہ تندرست ہو اور سوئے ہوئے آدمی سے جب تک وہ بیدار ہو اور بچہ سے جب تک وہ بالغ ہو۔ ہم نے سورہ بقرہ کی آیت لَا تُوْاْخِذْنَ اَنْ اَنْ نَّمْسِيْنَ اَوْ اَخْطَاْنَا كِي تَفْسِيْرُ كِي ذِيْلٍ مِيْلٍ لِّكُھ دیا ہے کہ بھول چوک پر گرفت عقلاً ممنوع نہیں ہے گناہ ایک زہر ہے زہر قصداً کھلایا جائے یا بھول چوک سے اپنا ہلاکت آفریں اثر ضرور کرے گا۔ اسی طرح گناہ بھی قصداً ہو یا بھول کر اپنا نتیجہ ضرور پیدا کرے گا اور گناہ گار بہر حال عذاب اور سزا میں مبتلا ہو گا۔ بشرطیکہ اللہ اس کو معاف نہ کر دے۔ (توبہ یا مغفرت گناہ کے زہر کا علاج ہے مترجم) کلبی نے کہا کہ بنی اسرائیل سے اگر کسی حکم کے خلاف کوئی حرکت بھولے سے یا غلطی سے ہو جاتی تھی تو فوراً ان کو سزا دے دی جاتی تھی اور کوئی کھانے پینے کی چیز بطور سزا بقدر گناہ حرام کر دی جاتی تھی۔

میں کہتا ہوں اسی لئے حضرت آدم کی بھول پر ان کی پکڑ ہوئی اور جنت کی کھانے پینے کی چیزوں سے محروم کر دیا گیا۔ دوسرے جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اہل تقویٰ کی نیکیاں بھی اہل قرب کے لئے گناہ ہیں۔ عام لوگوں کی بھول چوک پر آخرت میں پکڑ نہ ہوگی اور دوزخ کا عذاب نہ ہوگا لیکن خواص کا حکم اور ہے وہ بھول چوک پر آخرت میں دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہیں ان کا درجہ بلند ہے وہ اہل قرب ہیں اس لئے بھول چوک کی پاداش میں ان کے دلوں پر رنگ آجاتا ہے اور اللہ کے ساتھ ان کے معاملات قرب کے نہیں رہتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میرے دل پر بھی میل آجاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ معافی کا طلب گار ہوتا ہوں۔ رواہ مسلم و احمد و ابوداؤد و الترمذی۔

صاحب مدارک نے کہا انبیاء ایسے نسیان پر ماخوذ ہیں کہ اگر وہ تکلیف کر کے بچنا چاہتے تو بچ سکتے تھے۔

فائدہ: اسی بنیاد پر بعض علماء قائل ہیں کہ نبوت سے پہلے انبیاء سے صغیرہ گناہ کا صدور ہو سکتا ہے۔

پھر ان کے رب نے ان کو (زیادہ) مقبول بنا لیا

كَلَّمْنَا رَبُّهُ قَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ۝

سوان پر توجہ فرمائی اور راہ راست پر (ہمیشہ) قائم رکھا۔  
اجتباہ، جسکی کالغوی معنی ہے جمع کرنا جسکی الخرج اس نے خرچ جمع کیا اجتباہ (اتعال) اپنے پاس جمع کر لینا اپنے قرب میں لے آنا اور جن لینا برگزیدہ بنا دینا مقرب بنا لینا یعنی آدم کو توبہ پر آمادہ کیا جب انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ نے ان کو جن لیا مقرب بنا لیا۔

قَابَ عَلَيْهِ اللہ رحمت اور مغفرت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا۔ ہدی ان کو توبہ کا راستہ بتا دیا۔ اللہ ہی کی ہدایت و توفیق سے انہوں نے دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَا انْفُسَنَا اور اللہ نے ان کو درجات قرب تک پہنچنے کا راستہ بتا دیا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ  
اللہ نے فرمایا۔ تم دونوں (آدم و حوا) ساتھ ساتھ جنت سے اس حالت میں زمین پر اترو اور دنیا میں ایسی حالت میں جاؤ کہ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہو گا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کے نزول کے ساتھ ان کی آئندہ نسل کا نزول لازم تھا اس لئے حضرت حوا اور حضرت آدم کو خطاب مع ذریعات کے ہو اور جمیعاً کے لفظ سے اس مضمون کو پختہ کر دیا۔ ایک دوسرے کا دشمن ہو گا۔ یعنی تم دونوں کی نسل میں باہم دنیوی عدوت بھی ہوگی اور دینی و مذہبی بھی (کوئی موحد ہو گا کوئی مشرک، کوئی منکر)۔

فَاَمَّا يَا تَبَتُّكُمْ مَتَى هُدَى ۝ فَمَنْ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۝

پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو (تم میں سے) جو کوئی میری

ہدایت پر چلے گا وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہو گا نہ (آخرت میں) نامراد۔

بغوی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے گا اور جو تعلیم اس میں ہے اس پر چلے گا اللہ اس کو دنیا میں بھی گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر چلائے گا اور قیامت کے دن بھی حساب کی خرابی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ نے خود فرما دیا ہے فَمَنْ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى شعبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا، قرآن کی پیروی کرنے والے کو اللہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بد نصیب ہونے سے محفوظ رکھے گا، پھر حضرت ابن عباس نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا

اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا۔ عَنْ ذِكْرِي، یعنی اس ہدایت سے جو میری یاد دلاتی ہے یا اس بلانے والے سے جو میری یاد کی طرف بلاتا ہے اعراض کرے گا ضَنْكًا بہت تنگ۔ بطور مبالغہ مَعِيشَةً کی صفت قرار دیا ہے۔ وَرَنَّهُ ضَنْكًا مصدر ہے (زندگی تنگی والی یعنی تنگ ہوتی ہے خود تنگی نہیں ہوتی) چونکہ یہ لفظ مصدر ہے اس لئے مونث کی بھی صفت بن سکتا ہے۔

بغوی نے حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری کا قول نقل کیا ہے کہ مَعِيشَةً ضَنْكًا سے مراد ہے عذاب قبر۔ بزبانہ عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَعِيشَةً ضَنْكًا عذاب قبر ہے۔ حضرت ابو سعید نے فرمایا زمین اس کو دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی۔ بعض مسند احادیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ اس پر قبر اس طرح سٹے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی اور قبر سے اٹھائے جانے کے وقت تک برابر یہ عذاب اس پر ہوتا رہے گا۔ یہ حدیث سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہے۔

میں کہتا ہوں، حرام رزق، ناپاک کمائی اور بد بختی قبر کی تنگی یاد دوزخ کی طرف لے جانے والی چیزیں ہیں اللہ نے فرمایا ہے اِذَا الْقُورُ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا يُنْفَرْنَ

ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ بندہ کو جو مال بھی دیا جائے تھوڑا ہو یا بہت اور وہ اس میں تقویٰ نہ



تو یہ مال میں کوئی جھانکی نہیں ہوئی تھی تبھی شہادتیں سنیں کہ ایسے لوگوں کو اللہ پر بدگلی ہوئی ہے وہ ظالم کرتے ہیں۔ ان کے یہاں فرشتے تھے۔ کیا تو اللہ انہی جگہ ان کو دوسری معاش (مال) عطا نہیں فرمائے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ ان کے یہاں سے ان کے قلوب نہیں پتے ہیں کہ کسی طرف وہ مال سے میری نہیں ہو گا۔ ان دونوں قولوں کا حاصل یہ ہے کہ ان کو اللہ نے ان کے مال سے ان کے لیے اتنا ہی عطا کیا ہے جتنا ان کا اصلی مقصد تھا۔ انہوں نے اس کو صرف دنیا کا مال سمجھا ہے۔ انہوں نے جو وقت ان کی آفتاب میں ان کو عطا کیا ہے اس سے انہوں نے اپنی جگہ اور ہر جگہ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا مال کا ہونا ہے۔ وہ ان پر قلع اور شکر نازل ہوتا ہے۔ ان کا اجر ہے۔ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے ان کو اللہ سے دعا کی ہے۔

ان میں سے جو لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں ان کے لئے اللہ فرماتا ہے کہ ان کو اللہ نے ان کے لئے جو مال عطا کیا ہے اس سے انہوں نے اپنی جگہ اور ہر جگہ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا مال کا ہونا ہے۔ وہ ان پر قلع اور شکر نازل ہوتا ہے۔ ان کا اجر ہے۔ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے ان کو اللہ سے دعا کی ہے۔ ان میں سے جو لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں ان کے لئے اللہ فرماتا ہے کہ ان کو اللہ نے ان کے لئے جو مال عطا کیا ہے اس سے انہوں نے اپنی جگہ اور ہر جگہ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا مال کا ہونا ہے۔ وہ ان پر قلع اور شکر نازل ہوتا ہے۔ ان کا اجر ہے۔ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے ان کو اللہ سے دعا کی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کو اللہ نے ان کے لئے جو مال عطا کیا ہے اس سے انہوں نے اپنی جگہ اور ہر جگہ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا مال کا ہونا ہے۔ وہ ان پر قلع اور شکر نازل ہوتا ہے۔ ان کا اجر ہے۔ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے ان کو اللہ سے دعا کی ہے۔ ان میں سے جو لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں ان کے لئے اللہ فرماتا ہے کہ ان کو اللہ نے ان کے لئے جو مال عطا کیا ہے اس سے انہوں نے اپنی جگہ اور ہر جگہ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا مال کا ہونا ہے۔ وہ ان پر قلع اور شکر نازل ہوتا ہے۔ ان کا اجر ہے۔ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے ان کو اللہ سے دعا کی ہے۔

ان لوگوں کو اللہ نے ان کے لئے جو مال عطا کیا ہے اس سے انہوں نے اپنی جگہ اور ہر جگہ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا مال کا ہونا ہے۔ وہ ان پر قلع اور شکر نازل ہوتا ہے۔ ان کا اجر ہے۔ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے ان کو اللہ سے دعا کی ہے۔ ان میں سے جو لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں ان کے لئے اللہ فرماتا ہے کہ ان کو اللہ نے ان کے لئے جو مال عطا کیا ہے اس سے انہوں نے اپنی جگہ اور ہر جگہ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا مال کا ہونا ہے۔ وہ ان پر قلع اور شکر نازل ہوتا ہے۔ ان کا اجر ہے۔ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے ان کو اللہ سے دعا کی ہے۔

مصیبت سے وہ اتنے زیادہ خوش ہوتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ عطیات (ملنے) سے اتنے خوش نہیں ہوتے۔  
**وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی** ۱۳۷ اور قیامت کے روز ہم اس کو (قبر سے) اندھا اٹھائیں گے۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک اعمیٰ سے مراد ہے آنکھوں کا اندھا، مجاہد کے نزدیک کور بصیرت مراد ہے (جس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی) کوئی دلیل اس کو نہ سوجھے گی۔ آئندہ آیت حضرت ابن عباس کے قول کی موید ہے۔

**قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا** ۱۳۸ وہ (تعجب سے) کہے گا، اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا۔ اگر کور بصیرت مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دنیا میں صاحب بصیرت تھا، یعنی میرے پاس شرک کی دلیل تھی، حالانکہ شرک کی کوئی دلیل دنیا میں بھی اس کے پاس نہ تھی۔ اللہ نے فرمایا، وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ۔ دوسری آیت میں آیا ہے مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ فِیْ الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی جس کے پاس شرک کی کوئی دلیل اس زندگی میں نہیں ہے نابینا ہے اس کے پاس آخرت میں بھی کوئی دلیل نہ ہوگی وہاں بھی نابینا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن عباس کا تفسیری قول صحیح ہے اور آیت زیر تفسیر میں اعمیٰ سے مراد ہے کور بصر۔ ابن ابی حاتم نے سعد بن جبیر کی سند سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا حضرت اللہ نے فرمایا ہے: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور فرمایا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی وَجُوْهِهُمْ عُمْيًا اس کا کیا مطلب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا قیامت کے دن وہ ایک حالت میں کربے ہوں گے اور دوسری حالت میں نابینا۔

**قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنٰسٰی** ۱۳۹ ارشاد ہوگا ایسے ہی ہمارے احکام تیرے پاس پہنچے تھے (پھر تو اندھا بن گیا تھا) تو نے ان کا خیال نہیں کیا اور ایسا آج تیرا کچھ خیال نہیں کیا جائے گا۔ کَذٰلِكَ کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی تو نے ایسا ہی کیا تھا کہ ہماری کائناتی نشانیاں تیرے سامنے آئی تھیں یا ہماری وہ آیات جو انبیاء پر اتاری گئیں تھیں، تیرے پاس پہنچی تھیں، پس تو نے ان کو بھولا بسر کر دیا، یعنی ان کو چھوڑ دیا۔ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، نظر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا جیسے اندھا چھوڑ دیتا ہے (اور نہیں دیکھتا) پس آج تجھے بھی (دوزخ کے اندر ڈال کر) اسی طرح بھلا دیا جائے گا۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک کَذٰلِكَ خبر ہے، مبتدا محذوف ہے۔ یعنی اَلَا تَمُرُّ كَذٰلِكَ (بات یونہی ہے) اس کے بعد اَتَتْكَ سے جملہ سابقہ کی علت بیان کی ہے۔

**وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسٰى وَّلَمْ يَكُنْ مِنْ بٰیۤاتِ سَابِقٍ ۙ وَلَعَدَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی** ۱۴۰

اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو جو حد (اطاعت) سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے (اس کے عمل کے مناسب سزا دیں گے اور واقعی آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بڑا دریا ہے۔ اس سرف حد سے گذر گیا یعنی ناجائز خواہشات میں ڈوب گیا اور آیات الہیہ سے منہ پھیر لیا۔ لَمْ يَكُنْ مِنْ بٰیۤاتِ سَابِقٍ یعنی رب کی آیات کی تکذیب کی، ان کو جھوٹا جانا، ان کی مخالفت کی۔ اَشَدُّ وَاَبْقٰی یعنی تنگی معیشت اور نابینا ہونے سے آخرت میں دوزخ کا عذاب بہت سخت اور بہت زیادہ دریا ہے۔

**اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يٰۤاَشْقُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِیْ التَّوْبٰی** ۱۴۱

کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان (میں سے) بعض کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں یقیناً اہل نعم کے لئے اس میں کھلی ہوئی دلیلیں موجود ہیں۔  
 كَمَا اَهْلَكْنَا میں کم خبر یہ ہے یعنی بہت گروہوں کو۔ يٰۤاَشْقُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ اس آیت کا مطلب دو طرح سے

بیان کیا گیا ہے اول یہ کہ یہ جملہ حالیہ ہے اور ہم ضمیر سے حال ہے یعنی مکہ کے کافروں کو اس بات سے بھی ہدایت نہیں ملی کہ بہت سے گزشتہ گروہوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ (ایسی حالت میں کہ) ان کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ گروہ اپنے اپنے مقامات سکونت میں چلتے پھرتے تھے کہ اسی حالت میں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (ہم نے ترجمہ اول ترکیب کے موافق کیا ہے) نہی عقلیہ (یہ نہایت ہی جمع ہے مترجم)، جو غفلت میں پڑے رہنے اور ناپہنچانے سے روکتی ہیں۔

وَكَوْلَا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۶﴾  
 اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے (طے شدہ) نہ ہوتی اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب (اسی زندگی میں) لازمی ہوتا۔

کَلِمَةً سَبَقَتْ ایک بات جو پہلے طے کر دی گئی ہے، یعنی یہ پہلے سے اللہ نے طے کر دیا ہے کہ اس امت کے کافروں پر عذاب قیامت کے دن ہو گا اور رسول اللہ ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی وجہ سے کافروں پر بھی اس دنیا میں ایسا عذاب نہیں آئے گا جو ان کی جڑا کھا کر پھینک دے۔

لَكَانَ لِزَامًا تو ان کافروں کو گزشتہ انبیاء کی کافر امتوں کی طرح بالکل ہلاک کر دینا بھی لازم ہو جاتا۔  
 وَاَجَلٌ مُّسَمًّى اس کا عطف کلمتہ پر ہے یعنی اگر دنیا میں ان کے باقی رہنے کی یا قیامت برپا ہونے کی یا ان کے عذاب کی میعاد مقرر و معین نہ ہوتی تو عذاب لازم ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کان کے اندر جو ضمیر پوشیدہ ہے اَجَلٌ مُّسَمًّى کا اس پر عطف ہو، اس صورت میں مطلب اس طرح ہو گا اگر تاخیر عذاب کا پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہو تا تو دنیا میں فوری عذاب اور وہ عذاب جس کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے دونوں لازمی ہو جاتے۔

فَاَصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُولُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا  
 سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے۔ (اس میں نماز بھی آگئی) آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔

اور اوقات شب میں بھی پاکی بیان کیجئے۔ (مثلاً نماز مغرب و عشاء) اور دن کے دونوں طرفوں میں بھی (یعنی لول اور وَ مِنْ اَنۡآءِ الْاٰیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافِ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ﴿۱۷﴾) تاکہ (جو ثواب آپ کو ملے) آپ اس سے خوش ہوں۔  
 فَاَصْبِرْ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یعنی کفار کے عذاب کی ایک میعاد مقرر ہے جب وہ دن آئے گا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے، اب جو آپ کے متعلق (دکھ پہنچانے والی) باتیں وہ کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے۔ دُسَبِّحْ اور پاکی بیان کیجئے یعنی نماز پڑھیے، بِحَمْدِ رَبِّكَ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ اس نے آپ کو نماز اور تسبیح کی توفیق دی۔ اس فقرے میں گویا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ کی عبادت کرنا ہے تو معزور نہ ہو جائے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے عبادت کی توفیق دی اور مدد کی۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ سے بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سَبِّحْ کے ساتھ جو اس آیت میں بِحَمْدِ رَبِّكَ آیا ہے اس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (کیونکہ سَبِّحْ سے مراد ہے نماز پڑھو اور بِحَمْدِ رَبِّكَ کا مطلب ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ اور سورۃ فاتحہ سورۃ الحمد ہی ہے پس دونوں کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ نماز پڑھو۔ مترجم)

تینچین نے تینچین میں نیز امام احمد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز میں مگر فاتحہ الکتاب (سورۃ الحمد) کے ساتھ۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جس نے فاتحہ الکتاب نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ آیت میں تسبیح کا حمد کے ساتھ اقراران مجمل تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک نے آیت کے اجمال کی وضاحت کر دی اور آیت کے ساتھ

حدیث کو طمانے سے واضح ہو گیا کہ حمد سے (آیت میں) مراد سورۃ فاتحہ کی قرأت ہے قبل طُلُوعِ الشَّمْسِ یعنی فجر کی نماز۔ قَبْلَ غُرُوبِهَا یعنی عصر کی نماز۔ بعض نے کہا قبل الغروب سے پچھلا دن مراد ہے جس کے اندر ظہر اور عصر دونوں نمازیں آئیں۔

وَبَيْنَ آنَاءِ اللَّيْلِ یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں۔ آنَاءُ بمعنی ساعات یہ انبیٰ کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس فقرہ میں اللَّيْلِ سے مراد ہے رات کا اول حصہ۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے تہجد بھی مراد ہو کیونکہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ پر واجب تھی۔ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ كَقَبْلِ طُلُوعِ الشَّمْسِ پر عطف ہے یہ فجر و عصر کی نمازوں کا مکرر تاکید حکم ہے (کیونکہ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوبِهَا میں نماز فجر و عصر مراد ہے) مزید تاکید اور اظہار خصوصیت کے لئے ان دونوں نمازوں کا مکرر حکم دیا۔ فجر کا وقت بھی نیند کا وقت ہوتا ہے اور عصر میں دنیوی کاروبار میں مشغولیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں نمازوں کا حکم تاکید کے ساتھ دیا۔ اسی طرح حَافِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ میں صلوة وسطیٰ (عصر) اگرچہ صلوة کے لفظ میں داخل تھی لیکن تاکید کے لئے اس کا ذکر صراحتاً کر دیا یہ بھی ممکن ہے کہ اطراف النَّهَارِ سے صرف ظہر مراد ہو کیونکہ ظہر کا وقت دن کے نصف اول کا اختتام اور نصف دوم کا آغاز ہوتا ہے پس یہ وقت نصف اول کا بھی کنارہ ہے اور نصف دوم کا بھی۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ آنَاءِ اللَّيْلِ سے صلوة عشاء اور اطراف النَّهَارِ ظہر و مغرب کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ دن کے نصف اول کا آخری کنارہ اور نصف دوم کا ابتدائی کنارہ ظہر ہے پس ظہر طرفین کا مجموعہ ہے دن کا تیسرا کنارہ غروب آفتاب ہے اس وقت مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے یا اطراف النَّهَارِ دن کے مختلف حصے ہیں اور تسبیح سے مراد نفل نماز ہے۔

لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ، یعنی اوقات مذکورہ میں نماز پڑھو تاکہ اللہ کی طرف سے تم کو وہ ثواب مل جائے جس سے تم خوش ہو جاؤ (تمہاری پسند کے مطابق ہو) بعض نے لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ کا مطلب یہ بیان کیا ہے تاکہ تم کو اللہ پسند کر لے جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔ بعض نے خوش ہونے سے مراد لیا ہے شفاعت کرنے سے خوش ہونا، تم شفاعت (کا حق حاصل ہونے) سے خوش ہو جاؤ (اس وقت لَعَلَّ كَوَيْلِكُنِي کے معنی میں لینے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ لَعَلَّ اپنے اصلی معنی پر ہی رہے گا۔ ترجمہ اس طرح ہو گا امید ہے کہ تم شفاعت کرنے کی اجازت پا کر خوش ہو جاؤ گے) یہی مضمون آیت وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ کا ہے۔ شیخین نے شیخین میں اور چاروں اصحاب السنن نے اور امام احمد نے حضرت جریر بن عبد اللہ کا بیان نقل کیا ہے، حضرت جریر نے فرمایا، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا یقیناً تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی پس جہاں تک تم سے ہو سکے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نمازیں تمہاری ضائع نہ ہوں (تم مغلوب نہ ہو

لے حضرت مفسر قدس سرہ نے دو روز کا تقریر کر کے قرۃ فاتحہ کا ہر نماز میں وجوب ثابت کر دیا، اول تو بات ناقابل تسلیم ہے کہ حج سے مراد صرف نماز ہے تسبیح کا لفظ عام ہے اس میں نماز شامل ضرور ہے۔ صرف نماز ہی مراد ہے یہ ناقابل تسلیم ہے تو کیا جس طرح نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو واجب قرار دیا گیا ہے اسی طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر تسبیح بیان کرنے اور سبحان اللہ پڑھنے کے وقت سورۃ فاتحہ کی قرأت کا واجب ہونا اس آیت سے مستنبط ہے۔

پھر حدیث میں جو لا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ آیا ہے، اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد کمال صلوة کی نفی ہے کمال شیئی کی نفی کو کبھی نفس شیئی کی نفی سے تعبیر کر لیتے ہیں اور یہ بات احناف کو بھی تسلیم ہے کہ فضیلت اور کمال صلوة بغیر قرأت فاتحہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ کمال کی نفی حدیث میں مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ آیت قرآنی میں صراحتاً آیا ہے فَاقْرَأْ وَاِنَّا نَتَسَرَّوْنَ الْقُرْآنَ اس آیت میں بنا کا لفظ عام ہے پس قرآن کا جو حصہ پڑھا جائے گا نماز ہو جائے گی اگر لا صَلَاةَ سے مراد نفی صلوة ہو تو حکم قرآن اور حدیث میں تضاد و تضاد پیدا ہو جائے گا۔ والتفصیل فی اللہ۔ مترجم۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں جو مختلف اقوام و امم کے حالات بیان کئے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں سے اپنے فرمائشی معجزات طلب کئے اور جب وہ مطلوبہ معجزات ظاہر ہو گئے تو وہ ایمان نہ لائے۔ آخر اللہ نے دنیا ہی میں ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور ان کو تاخت و تاراج کر دیا، پس اگر ان مشرکوں کے مطلوبہ معجزات بھی ظاہر کر دیئے گئے اور یہ ایمان نہ لائے (اور حسب تاریخ اقوام یہ ظہور معجزات کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے) تو پھر ان کو جاہلی سے کون بچائے گا کیا ان کا حال بھی پچھلی امتوں کی طرح نہیں ہو جائے گا کیا ان لوگوں نے کتب سابقہ کے بیانات نہیں پڑھے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَكْنَهُمْ بَعْدَ اَبٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ الْبِنَارَ رَسُولًا فَنَتَّبِعُ الْبِنَارَ مِن قَبْلِ

اَنْ نَّكِلَّ وَنَخْزِي ۝

اور اگر ہم ان کو اس سے (یعنی قرآن آنے سے) پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ (بطور عذر) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس (دنیا میں) کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم تیرے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم (یہاں) خود بخیز لیں اور (دوسروں کی نظر میں) کرسوا ہوں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَكْنَاهُمْ اَوْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ لَقَالُوا لَوْلَا اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ الْبِنَارَ رَسُولًا فَنَتَّبِعُ الْبِنَارَ مِن قَبْلِ اَنْ نَّكِلَّ وَنَخْزِي ۝

دیتے۔

مِن قَبْلِهِ مُحَمَّد ﷺ کو بھیجنے سے پہلے یا نصیحت کرنے اور دینتہ بھیجنے سے پہلے۔

لَقَالُوا اَوْ تَقِيَامَتِ كَيْفَ يَكْفُرُونَ

لَوْ لَا اَرْسَلْتَ الْبِنَارَ رُسُلًا تَوَدَّعَ اَنْ نَّكِلَّ وَنَخْزِي ۝

ہم تیرے ان احکام پر چلتے جو تو رسول پر نازل کرتا۔ مِّن قَبْلِ اَنْ نَّكِلَّ وَنَخْزِي ۝ قبل اس کے ہم دنیا میں ذلیل ہوتے قید اور قتل ہونے کی ذلت اٹھاتے۔ وَنَخْزِي ۝ اور قیامت کے دن دوزخ میں پڑ کر کرسوا ہوتے۔ یا ذلت سے مراد ہے قیامت کے دن ذلیل ہونا اور کرسوا ہونے سے مراد جہنم میں پڑ کر کرسوا ہونا۔

مسئلہ : آیات مذکورہ جاری ہیں کہ پیغمبروں کی بعثت کے بغیر بھی اللہ پر ایمان لانا اور اس کو واحد جاننا واجب ہے اور ہر باہوش (بالغ) کو کفر عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے پیغمبروں کو بھیجا اللہ پر لازم نہ تھا اس نے محض اپنی مہربانی سے انبیاء کو مبعوث کیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور کسی کو (نا قابل پذیرائی) معذرت کرنے کا موقع نہ مل سکے، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے لیکن امام شافعی کا قول اس کے خلاف ہے (امام شافعی کے نزدیک بغیر بعثت نبی کی اطلاع کے کفر بھی ناقابل مواخذہ ہے بغیر نبی کے کفر ایمان کا مکلف بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مترجم)

قُلْ كُلٌّ مِّنْ قَبْلِكَ فَمَتَّعْنَاهُمْ فَمَا ظَنُّهُمْ فَسَتَعْلَمُونَ مِّنْ اَصْحَابِ الصَّوَارِثِ السَّوِيَّةِ وَ مِمَّنْ اَهْتَدَى ۝

آپ کہہ دیجئے ہم سب انتظار کر رہے ہیں سو تم (چندے اور) انتظار کرو، عنقریب تم کو (خود) معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور وہ کون ہے جو منزل مقصود تک پہنچا۔

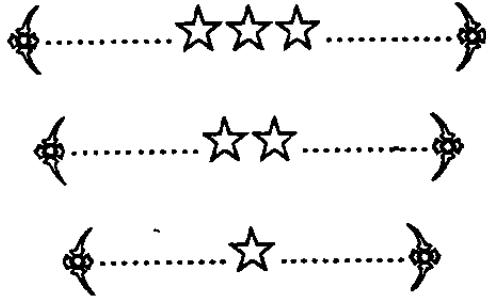
قُلْ ، رسول اللہ کو خطاب ہے اور نیا کلام شروع کیا گیا ہے۔

كُلٌّ مِّنْ قَبْلِكَ

مُسْتَرِيضٌ نَتِجَةُ كَيْفَ يَكْفُرُونَ اور انتظار کر رہے ہیں کہ تمہارا حال کیا ہوتا ہے اور ہمارا کیا۔ فَتَرَبَّصُوا (پتھ اور) انتظار کرتے رہو۔ مشرکین کہا کرتے تھے ہم منتظر ہیں کہ محمد ﷺ پر زمانہ کی گردشیں آئیں اور وہ حادثہ دہر میں مبتلا ہو جائیں جب وہ مر جائیں گے۔ اسی وقت ہمارا اچھا چھوٹے گا۔ فَسَتَعْلَمُونَ عنقریب یعنی قیامت کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا۔

الْبَصْرَ اِطِ السُّبُوِي سِيدھا راستہ جنت تک پہنچانے والا۔

وَمَنْ اهْتَدَى اور وہ کون ہے جس نے گمراہی سے ہدایت پائی یا وہ کون ہے جس نے لازوال راحت و چین کی راہ پائی۔  
حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت معقل بن یسار کی روایت سے اور بغوی نے حضرت ابن عباس کے  
حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے سورۃ بقرہ ذکر اول سے اور طہ اور صم والی سورتیں اور حم والی سورتیں موسیٰ کی  
الواح (توریت) سے اور فاتحہ الکتاب (سورۃ الحمد) اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات زیرین عرش سے عطا کی گئی ہیں اور مفصلات  
(مجھے) زائد عطا کی گئی ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی اور ابن ماجہ نے حضرت امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول  
اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم کہ اگر اس کو لے کر دعا کی جائے تو اللہ قبول فرمالتا ہے۔ تین سورتوں میں ہے سورۃ البقرہ اور  
آل عمران اور طہ۔



بجھ اللہ فضلہ سورۃ طہ کی تفسیر ۱۸ ربیع الثانی ۱۲۰۳ھ کو ختم ہوئی۔ اللہ والشکر لہ کہ سورۃ طہ کی تفسیر مظہری کا اردو ترجمہ  
۲۳ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو صبح ۳ بجے پورا ہوا۔ فالحمد قبلہ والحمد بعدہ

ہم تیری حمد کرتے ہیں اے خدا کہ تیرے سوا کوئی قابل پرستش نہیں، ہم تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتے ہیں، تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں اور مغفرت کے طلب گار۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو سارے ملک کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے حکومت واقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت نکال لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت نصیب کرتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے اور ہر چیز پر تیرا قابو ہے، تو ہی ہمارا مالک ہے اور آسمان زمین اور ان کی کائنات کا بھی مالک ہے۔

ہم دعاء رحمت و سلامتی کرتے ہیں تیرے رسول ﷺ اور حبیب کے لئے جو ہمارے آقا اور مولیٰ ہیں، جن کا نام نبی محمد ﷺ ہے اور تمام انبیاء و مرسلین کے لئے اور تیرے نیک بندوں کے لئے۔

..... ستر سوال پارہ .....

..... سورة الانبياء .....

اس سورۃ میں ایک سو بارہ آیات ہیں  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ

اب حساب (آخرت) کا زمانہ قریب آگیا۔ لِلنَّاسِ میں لام بمعنی من ہے یعنی لوگوں سے قریب آگیا۔ النَّاسُ میں الف لام جنسی ہے عام لوگ یا عہدی ہے یعنی کافر لوگ، آئندہ آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔ کہ النَّاسُ سے مراد کافر ہیں۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ  
اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی دنیا اور نفسانی خواہشات میں غرق ہونے کی وجہ سے وہ محاسبہ آخرت سے بھی غافل ہیں اور اسی سزا سے بھی جو ان کو دی جائے گی۔

مُعْرِضُونَ ①  
منہ موڑے ہوئے یعنی حساب قہمی پر غور کرنے اور اس کی تیری کرنے سے روگرداں ہیں۔

فِي غَفْلَةٍ کے بعد مُعْرِضُونَ کا اضافہ اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ حساب کی طرف سے ان کا غافل ہونا دنیا میں ڈوبنے کی وجہ سے ہے، یہ بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کی یاد میں غرق ہیں اس لئے ان کو آخرت کا خیال نہیں آتا۔

اگر النَّاسُ میں الف لام استغراقی قرار دیا جائے اور تمام لوگ مراد ہوں تو ہُم ضمیر بعض لوگوں یعنی کافروں کی طرف راجع ہوگی اور یہ جائز ہے جیسے آیت وَالْمُطَلَقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ نَكْلَةً قُرْءًا۔ وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي

الْمُطَلَقَاتُ کا لفظ عام ہے، لیکن بَعُولَتُهُنَّ کی ضمیر ان مطلقات کی طرف راجع ہے جن کی طلاق رجعی ہو۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثًا إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ②  
ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (ان کے حسب حال) آئی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ (اس کے





بَلْ قَالُوا أَضْغَاتٌ أَحْلَامٌ بَلِ افْتَرَاهُ

بلکہ اس شخص نے اس کو خود تراش لیا ہے۔

بلکہ یوں بھی کہا کہ یہ قرآن پریشان خیالات ہیں

کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے اس لئے انکار کیا تھا کہ یہ آدمی ہیں اور آدمی پیغمبر نہیں ہو سکتا اللہ نے ان کے اس قول کو گزشتہ آیت میں نقل فرمادیا پھر کافروں نے قرآن کی شان میں کہا تھا کہ یہ بے ہودہ گزبڑ خوابوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ نے پہلے قول کو نقل کرنے کے بعد کلام کا رخ موڑا اور کافروں کے دوسرے قول کو نقل فرمایا۔

مخلوط اور گزبڑ خوابوں کا مجموعہ قرار دینے کا یہ مطلب تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی نہیں ہے۔ بلکہ کچھ بے ہودہ خواب ہیں جو ان کو سوتے میں نظر آجاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی اعراض کیا (کیونکہ بے ہودہ خواب غیر مربوط اور بے بنیاد ہوتے ہیں اور افادیت سے بھی خالی ہوتے ہیں اور قرآن مربوط مفید پیام کا حامل ہے اس لئے) کہنے لگے (یہ اَضْغَاتٌ اَحْلَامٌ نہیں ہے، بلکہ اس شخص نے خود اپنی طرف سے یہ کلام بنا لیا ہے اور اللہ کی طرف اس کی نسبت کر دی ہے۔

بَلْ هُوَ شَاعِرٌ كَذِبٌ (پھر کہنے لگے یہ خالی دروغ بندی اور کذب تراشی ہی نہیں) بلکہ یہ شخص شاعر ہے (یہ اس کی شاعری کی بلند پروازی اور کمال شعری ہے) پہلے قرآن کو دروغ بندی قرار دیا تھا پھر اس سے گریز کیا اور اللہ کے کلام کو شعر کہنے لگے۔

بغوی نے لکھا ہے مراد یہ ہے کہ کچھ مشرکوں نے کتاب اللہ کو پر آگندہ خواب کہا کچھ لوگوں نے من گھڑت دروغ بندی قرار دیا اور بعض نے قرآن کو شعر کہا اور رسول اللہ ﷺ کو شاعر۔ مفسری اور شاعر میں فرق یہ ہے کہ افترا کرنے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جھوٹی بات کہہ کر سننے والے کو اس کے سچے ہونے کا یقین دلادے۔ اور شعر ان مقدمات کے مجموعہ کا نام ہے جن سے سننے والے اور پڑھنے والے کے دل میں خوف یا رغبت یا شوق یا خوشی یا غم یا تعظیم یا تحقیر یا کوئی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شعر کی غرض صرف جذبات کو پر اچھینتہ کرنا ہوتا ہے۔ تصدیق کرانی مقصود نہیں ہوتی (گویا شعر کلام خبری نہیں ہوتا انشائی ہوتا ہے اور افترا کلام خبری کا نام ہے) بھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر مقدمات شعریہ کے ساتھ کچھ واقعات بھی بیان کرتا ہے (خواہ کلام سچا ہو یا جھوٹا مگر واقعات کی تصویر کشی ضرور ہوتی ہے محض انشاء (یعنی ترہیب و ترغیب، تعظیم و تحقیر وغیرہ) غزل میں ہوتی ہے اور مثنوی میں انشاء کے ساتھ اخبار بھی ہوتا ہے، کافروں کے یہ پر آگندہ اقوال دلالت کر رہے ہیں کہ ان کو کسی بات کا یقین نہ تھا کبھی قرآن کے متعلق کچھ کہتے تھے کبھی کچھ۔

(یعنی محمد اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں) تو ہمارے

فَلْيَأْتِنَا بآيَةٍ كَمَا آتَىٰ آلَ لُوطٍ ۝۱۰

سامنے کھلی ہوئی نشانی لائیں ایسی (محسوس) جیسی پہلے انبیاء کو دے کر بھیجا گیا تھا مثلاً حضرت صالح کی اونٹنی، حضرت موسیٰ کا عصا اور ید بیضاء، حضرت عیسیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا اور ماوراء النہر اور کوڑھی کو سندرست کر دینا وغیرہ۔

ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا آپ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اس سوال کے بعد فوراً اللہ کی طرف سے حضرت جبریل آئے انہوں نے کہا اگر آپ ﷺ چاہتے ہوں تو آپ ﷺ کی قوم کا سوال پورا کر دیا جائے اور (کوہ صفا کو سونے کا کر دیا جائے) لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر (سب کو ہلاک کر دیا جائے گا) سہمت نہیں دی جائے گی اور آپ چاہیں تو میں آپ کی قوم کو ڈھیل دوں اور (مزید سوچنے سمجھنے اور ایمان لانے کی) سہمت دے دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنی قوم کے لئے درخواست سہمت کرتا ہوں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

ان سے پہلے جن

مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝۱۱

بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں وہ (مطلوبہ معجزات دیکھنے کے بعد بھی) ایمان نہیں لائے تھے تو کیا یہ لوگ (اپنے مطلوبہ فرمائشی معجزات کو دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے۔

قَبْلَهُمْ، یعنی مشرکین مکہ سے پہلے۔ مِنْ قَرِيبٍ جار مجرور فاعل کے قائم مقام ہے اور مضاف محذوف ہے، یعنی اہل  
قربہ مِنْ قَرِيبٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ ذَمًّا ہے۔

أَفْهَمَ يُؤْمِنُونَ، استفہام انکاری ہے یعنی مکہ کے مشرک تو گزشتہ کافروں سے کفر میں سخت ہیں جب گزشتہ کافر ایمان  
نہیں لائے تو یہ لوگ یقیناً (مطلوبہ معجزات کے ظہور کے بعد بھی) ایمان نہیں لائیں گے۔ آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف  
کہ مطلوبہ معجزات کو ظاہر اور نمودار نہ کرنے کی وجہ اور مصلحت صرف یہ ہے کہ لوگ (کفار مکہ) اگر ظہور معجزات کے بعد بھی  
ایمان نہیں لائیں گے اور یقیناً ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو بھی گزشتہ کافروں کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَجُلًا تَوْحِيًّا إِلَيْهِمْ فَسَلُوا أَهْلَ الْبَلَدِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَآ تَعْلَمُونَ ⑤

(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا جن کے پاس وحی  
سجھتے تھے پس (اے مکہ والو) تم اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تم کو اس کا علم نہیں ہے۔ یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو کہ سابق  
پیغمبر آدمی ہوئے یا فرشتے، تاکہ تمہارا شبہ جاتا رہے۔ اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم دینے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو رسول  
اللہ ﷺ (اور دوسرے دینی امور) کے سلسلہ میں اہل کتاب پر اعتماد تھا ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ یا یہ وجہ ہے کہ متواتر خبر  
موجب یقین ہوتی ہے خواہ اہل تواتر کافر ہی ہوں اور چونکہ آدمیوں کا ہی پیغمبر ہونا ہر زمانہ میں بطور تواتر مسلسل بیان کیا جاتا رہا ہے  
اس لئے یہودیوں کا قول بھی اس کے متعلق قابل اعتبار ہے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ  
جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ (یعنی فرشتے نہیں بنایا) جَسَدًا اسم جنس ہے ایک ہو یا زیادہ سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یا مضاف  
محذوف ہے یعنی جسموں والے۔ جَسَدًا رنگ دار جسم کو کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے جَسَدٌ کا تہی ہے کسی چیز کا باہم اکٹھا ہونا اور  
جنا۔

لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ، جَسَدًا کی صفت ہے یا علیحدہ ہے اور کافروں کے قول کا جواب ہے۔ کفار کہتے تھے کیا وجہ ہے کہ یہ  
رسول کھانا کھاتا ہے۔

وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ⑥  
سے ہو رہی ہے کہ جس کی زندگی کی بقاء کھانے پر موقوف ہو لاجہالہ اس کے جسم میں تحلیل ہوگی اور تحلیل کا نتیجہ فنا ہے۔  
لَشَهَادَةٍ لَّهُمْ فَهُمْ أَلْوَدَّ  
پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا اس کو بچ کر دکھایا، یعنی ہم نے پیغمبروں کی مدد کا جو وعدہ  
کیا تھا اس کو بچ کر دکھایا۔

فَأَجْبِيْنَهُمْ وَمَنْ تَشَاءُ  
اور ان کو اور جن کو ہم چاہتے تھے (یعنی پیغمبروں پر ایمان لانے والوں کو) ہم نے  
(اپنے عذاب سے اور کفار کی ایذا رسانی سے) بچالیا۔ مَنْ تَشَاءُ سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبروں پر ایمان لے آئے تھے یا آئندہ  
ایمان لانے والے تھے یا آئندہ ان کی لولاد پیدا ہونے والی اور ایمان لانے والی تھیں، یہی وجہ ہے کہ عرب عام تباہ کن عذاب سے  
محفوظ رکھے گئے (کیونکہ آئندہ ان کا یا آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کا ایمان لانا اللہ کے علم میں تھا)

وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ⑦  
اور (کفر و معصیت میں) حد سے بڑھنے والوں کو ہم نے داہ کر دیا۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ⑧  
ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا ہے جس کے اندر تمہارا ذکر ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

ذکر یعنی تمہاری فضیلت اور بزرگی قرآن کے اندر ہے بشرطیکہ تم اس کو سمجھو (اور مانو) یا یہ مطلب ہے کہ قرآن میں  
تمہارے لئے شرف ہے کہ تمہاری زبان میں اتارا گیا۔ یاد کر سے مراد ہے اللہ کا ذکر اور ضروری دینی امور کا تذکرہ۔ بیضاوی نے  
لکھا ہے کہ ذکر سے مراد ہے اچھا ذکر اور شہرت و ناموری۔ یا نصیحت یا دہ اعلیٰ اخلاق جن سے تم کو اچھا ذکر حاصل ہو۔ مجاہد کے

نزدیک ذکر سے اس جگہ مراد ہیں باتیں۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ذکر اور تذکار کسی چیز کو یاد رکھنا، ذکر کرنا زبان پر جاری کرنا، شہرت، تعریف، شرف، نماز، دعا، وہ کتاب جس میں قرض کی تفصیل ہوتی ہے مال حساب ہوتا ہے۔  
**أَفَلَا تَعْقِلُونَ**، میں ہنرہ انکاری ہے یعنی کیا تم اس کے اندر وہ باتیں نہیں سمجھتے جن سے تمہاری بہبودی اور شرف وابستہ ہے۔

**وَكَمْ قَصَبْنَا مِنْ قَدِيَّةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝۱۱**

اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے، عمارت کر دیں اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی۔  
**قَصَبْنَا** توڑنا مراد بکثرت ہلاک کرنا۔ **قَدِيَّةٍ** یعنی اہل قریہ بہت بستیوں والے۔ **كَانَتْ ظَالِمَةً** یعنی کفر اور گناہ کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ **أَنْشَأْنَا** ہم نے وارث بنایا۔ **بَعْدَهَا** اس بستی کو تباہ کرنے کے بعد۔  
**فَلَمَّا أَحْسَبُوا أَنَّ بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۝۱۲**  
 عذاب کی شدت دیکھ لی تو یکدم تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگنے لگے۔

**أَحْسَبُوا** یعنی جب انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ **بَأْسَنَا** ہمارے عذاب کی شدت کو، **يَرْكُضُونَ** گھوڑوں کی ایزد لگا کر تیزی سے بھاگنے لگے، یا یوں کہا جائے کہ سوار گھوڑے کو ایزد کر تیزی سے بھاگاتا ہے اور بستی والے بھی تیزی سے بھاگنے لگے اس لئے ان کو ایزد مارنے والے سواروں سے تشبیہ دی۔

**لَا يَرْكُضُوا وَأَرْجَعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَمَسَكَنَتُهُمْ**  
 اور اپنے سامان عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو۔ یعنی ان سے بزبان حال یا کسی فرشتے یا کسی مومن کی زبانی کہا گیا کہ (اب کیوں بھاگتے ہو) مت بھاگو، **أُتْرِفُوا** جس عیش میں پڑے تھے اس کی طرف پلو۔ **إِتْرَافٌ** نعمت پر اتر جانا۔ **عَلِيلٌ** کمزور اس شخص کو کہتے ہیں جو خوش حال فارغ البال ہو کوئی پریشانی اور فکر اس کو نہ ہو۔  
**لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۱۳**  
 شاید تم سے کوئی پوچھے پانچھے۔

تاکہ کل کو تم سے پوچھا جائے کہ تم پر اور تمہارے مال و متاع پر کیا گزری اور تم اس کا جواب معاینہ کے بعد دے سکو۔ یا یہ مراد ہے کہ تم لوٹ کر جاؤ اپنے جلسوں میں بیٹھو۔ پھر تمہارے نوکر چاکر اور کارندے تم سے دریافت کریں کہ اب ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ شاید لوگ تمہاری مجلسوں میں آکر تم سے اپنی اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کے متعلق دریافت کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ شاید کل کو تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی یا تم کو عذاب دیا جائے گا، باز پرس بھی عذاب کی ابتدائی تمہید ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم سے قتل نبی کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول حضور ا کے باشندوں کے حق میں ہوا، حضور امین کی ایک بستی تھی جس کے باشندے عرب تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ایک نبی کو مبعوث فرمایا، پیغمبر نے ان کو توحید کی دعوت دی، اہل حضور نے نبی کی تکذیب کی اور اس کو قتل کر دیا، اللہ نے (بطور سزا) شاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا، بخت نصر نے ان کو قتل اور قید کیا جب عام طور پر لوگ قتل ہونے لگے تو پشیمان ہوئے اور (بستی چھوڑ کر) بھاگ کھڑے ہوئے، فرشتوں نے ان کو آواز دی بھاگو مت، اپنے گھروں اور مالوں کی طرف لوٹو شاید تم سے (کچھ) مانگا جائے، اور پھر جس کو چاہو تم دو اور جسکو چاہو نہ دو، تم بڑے مالدار اور اہل ثروت ہو، غرض بخت نصر نے ان کا تعاقب کیا اور بے دریغ قتل کیا اور کسی ہاتف نے اوپر سے آواز دی انبیاء کا انتقام۔ یہ حالت دیکھ کر ان کو اسنے کئے پریشانی ہوئی۔ لیکن اقرار قصور نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا بھاگو نہیں لوٹ کر گھروں کو چلو شاید تم سے بطور تادان مال طلب کیا جائے اور تم مال دے کر قتل ہونے سے بچ جاؤ اس وقت آسمان سے ندا آئی انبیاء کا انتقام۔

**قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝۱۴ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَوْفًا بَيْنَ ۝۱۵**

کننے لگے ہائے ہماری تباہی (آگئی) ہم بلاشبہ ظالم تھے۔ وہ برابر یونہی پکار مچاتے رہے آخر ہم نے ان کو کئی ہوئی کھیتی (کی طرح تباہ اور) مردہ کر دیا۔ یعنی وہ برابر یَا وَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظَالِمِیْنَ کی رٹ لگاتے رہے گویا وہ اپنی موت کو بلارہے تھے اور کہہ رہے تھے اے موت تو کہاں ہے آج اس وقت تیری ضرورت ہے حصید کئی ہوئی کھیتی۔ خامدین مردے، بچھے ہوئے، خود تار آگ کا بھندا۔ حَصِیْدًا خَامِدِیْنَ، دونوں کا مجموعہ ہے، ایک اسم کی طرح ہو کر جَعَلْنَا کا مفعول دوئم ہے۔ یعنی ان کو کئی ہوئی کھیتی کی طرح ہم نے کر دیا اور کبھی ہوئی آگ کی طرح بھی۔

اور ہم نے آسمان وزمین کو اور  
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعِبْرٰیْنَ ﴿۱۷﴾  
جو کچھ کہ انکے درمیان ہے اس کو اس طور پر نہیں پیدا کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ لَعِبِیْنَ بیکار کام کرنے والے۔ یعنی آسمان وزمین اور ان کی درمیانی کائنات کی تخلیق ہم نے بیکار نہیں کی۔ بلکہ ان کے اندر حکمت کے عجائب کا اظہار کیا ہے۔ عبرت اندوز نظر رکھنے والوں کے لئے ان کے اندر ذخیرہ عبرت پوشیدہ ہے اور معاش و معاد کو درست کرنے کا سامان موجود ہے، ضروری ہے کہ موجودات کی ظاہری نظر فریبوں کا شکار نہ ہو جائیں، اصل حکمت پر غور کریں اور اس ساری کائنات کو تحصیل کمال کا ذریعہ بنائیں۔

کُوْا سِدْرًا اَنْ تَتَّخِذَ لَهٗوَا لَا تَخْذَنْ لَهٗ مِنْ لَدُنَّا اِنَّ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا ہوتا تو ہم خالص اپنے ہی پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔ عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لہو سے مراد عورت ہے۔ حسن اور قنادہ کا بھی یہی قول ہے۔ جماع کو لغت میں لہو کہتے ہیں اور عورت محل جماع ہے۔ کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ لہو سے مراد اولاد ہے۔ سدی کا بھی یہی قول ہے، آدمی اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلا اور دل بہلاتا ہے۔

لَا تَتَّخِذْهُ مِنْ لَدُنَّا کایہ مطلب ہے کہ اگر ہم لہو کرنے والے ہی ہوتے تو اپنی شان کے مناسب ان چیزوں کو ذریعہ لہو بناتے جو ہماری ذات کے مناسب ہوتیں۔ مثلاً وہ مخلوق جو مادہ سے خالی ہے (مجردات، ملائکہ) ہر چیز کا جوڑا اور ہر شخص کی اولاد اس کی ہم جنس ہوتی ہے اور اللہ کا ہم جنس کوئی نہیں ہے اس لئے اس کا جوڑا لیا اولاد ہونا محال ہے اور ناممکن چیز سے اللہ کے ارادے کا تعلق ہو جائے یہ بھی محال ہے (موقوف علی الحال محال ہوتا ہے) اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدے کی تردید ہے جو مسیح کو اللہ کا بیٹا اور مسیح کی اماں کو اللہ کی بیوی قرار دیتے ہیں۔

اِنَّ كُنَّا فٰعِلِیْنَ میں اِنْ شرطیہ ہے کلام سابق جزا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے جزا کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ قنادہ اور ابن جریج اور مقاتل کے نزدیک اِنْ نافیہ ہے یعنی ہم ایسا کرنے والے نہیں۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کا نتیجہ ہے۔

بَلْ نَقْدِفُ بِالْحَقِّ عَلَ الْبٰطِلِ فَمِیْذَمَةٌ فَاِذَا هُوَ شٰهِقٌ ﴿۱۷﴾

بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں۔ سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ مغلوب ہو کر دھنسا جاتا رہتا ہے۔ اس کا عطف سابق کلام پر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم کھیل کرنے والے نہیں۔ بلکہ باطل کو حق پر دے مارتے ہیں۔ حق سے مراد ہیں وہ آیات جو اللہ کی تیزی اور پاکی کو ثابت کر رہی ہیں اور اللہ کا بیوی بچوں سے پاک ہونا جن سے ظاہر ہو رہا ہے۔ قَدْفُ کا معنی ہے پھینکنا، پھینک مارتا۔ الْبٰطِلُ سے مراد ہے کفر اور جھوٹ اور یہ قول کہ اللہ کے بیوی بچے ہیں۔ یَذْمُعُ یعنی اس کو فنا کر دیتا ہے۔ دَمِغٌ سر توڑ دینا، بھیجا کچل دینا جس سے ہلاکت واقع ہو جائے۔ مجازاً امراد ہے فنا کر دینا، حق کو قائم کرنا اور باطل کو تباہ کر دینا۔ قَدْفُ کا لفظ تباہ ہے کہ جس چیز کو پھینک کر مارا گیا وہ بھاری اور ٹھوس ہے۔ ابطال باطل کو دمغ کہنا بطور مبالغہ ہے، زُأْبِقٌ ہلاک ہونے والا جس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ قاموس میں ہے زَهَقَ الْبٰطِلُ باطل نابود ہو گیا زَهَقَ الشَّیْءُ وہ چیز تباہ اور ہلاک ہو گئی بعض نے کزُ هُوَقُ کا معنی ہے جان نکل جانا۔

اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گڑھتے ہو۔ خطاب

وَكُلُّكُمْ لَیْسَ بِمَعْرِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

کافروں کو ہے۔ وَبَلَاءٍ هَلَاكٍ۔ وَمَا تَصِفُونَ، یعنی جو نامناسب اوصاف تم بیان کرتے ہو اور جو اللہ کی شان کو زیبا نہیں ہیں ان کی وجہ سے تمہارے لئے ہلاکت ہوگی۔

وَلَا مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَہَا سب اسی کے ہیں (وہ بھی اور جو اسکے پاس (یعنی اس کے مقرب) ہیں یعنی جو کوئی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے نہ کوئی اس کی مثل بننے کے لائق ہے نہ بیوی اور اولاد بننے کا سزاوار۔

وَمَنْ عِنْدَہَا اور جو اس کے مقرب ہیں وہ بھی اسی کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں، یعنی ملائکہ، انبیاء اور دوسرے اہل قربت بھی اسی کے ہیں۔ اللہ کا قرب (جسمانی) نہیں بے کیف ہے (اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ مَنْ عِنْدَہَا کو مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے الگ مستقل طور پر بصورت عطف اس لئے بیان کیا کہ بعض ملائکہ مثلاً حاطین عرش اور انبیاء و ملائکہ کی حقائق اور دائرہ ظلال (یعنی حقائق امکانیہ اور اعیان ثابتہ) کا کوئی مکان نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ (اور ان میں سے) اللہ کے نزدیک جو (بڑے مقبول و مقرب) ہیں وہ اسکی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔

اِسْتَحْسِرُوْا تھکنا، ماندہ ہو جانا، اِسْتَحْسِرُوْا کے معنی میں حَسُوْر کے معنی سے زیادہ زور ہے۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی عبادت کو تقبل ہے، دوام عبادت دشوار ہے، مقرب ملائکہ کو تھک جانا چاہیے لیکن وہ سست نہیں پڑتے کیونکہ ان کو عبادت میں لذت حاصل ہوتی ہے اس لئے ہر وقت عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں، ترک عبادت کو اپنی ہلاکت جانتے ہیں۔

لَا يَفْتُرُوْنَ مَكْرُوْرًا وَلَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۱۶﴾ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے (اور تعظیم الہی کا اظہار کرتے) ہیں سست نہیں پڑتے۔ کعب احمد نے کہا ملائکہ کے لئے تسبیح خداوندی ایسی ہے جیسے آدمی کے لئے سانس (سانس لینا باعث حیات ہے اور سانس لینے سے آدمی کسی وقت نہیں تھکتا فرشتوں کے لئے تسبیح باعث حیات ہے وہ پاکی بیان کرنے سے نہیں تھکتے۔

لَا يَفْتُرُوْنَ مَكْرُوْرًا نہیں پڑتے، نہیں آکاتے۔ وہ عبادت جس میں اہل قربت ہر وقت غرق رہتے ہیں اس سے مراد ذکر خفی اور ہر وقت اللہ کی طرف توجہ ہے جس طرح بڑی حیوان کے لئے ہوا میں سانس لینا اور بحری جانور کے لئے پانی میں سانس لینا ہر وقت ضروری ہے اور یہی بقاء حیات کا سبب ہے اسی طرح اہل قربت کے لئے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان ہر دم اللہ کی طرف توجہ رکھنا لازم ہے (یہی ان کی زندگی ہے۔)

ذکر خداوندی کے استغراق کی حالت میں بندہ جو کچھ کرتا ہے حقیقت میں وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کی طاعت و عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لئے کھاتا پیتا اور سوتا ہے۔ نکاح کرتا ہے تو اس کا مقصد ہوتا ہے سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع۔ امت اسلامیہ کی تعداد میں اضافہ اور حضور ﷺ کے اس فرمان کی تعمیل کہ نکاح کرو، تمہاری کثرت کے سبب میں دوسری امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔ چونکہ ہر دم استغراق رکھنے والا شخص کسی وقت یاد سے غافل نہیں ہوتا اس لئے اکثر اس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اگر ہتھیر الہی کوئی گناہ ہو بھی جاتا ہے تو اس کو فوراً پشیمانی ہو جاتی ہے اور وہ توبہ کر لیتا ہے اس طرح اللہ اس کی خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ یہی بنیاد ہے اس قول کی کہ عالم کی نیند بھی عبادت ہے ایسے ہی لوگوں کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تھکتے نہیں رات دن اللہ کی یاد میں سرگرم رہتے ہیں سست نہیں پڑتے۔

اِمْرًا تَخَذُوْا مِنَ الْاَرْضِ (باد جودان دلائل توحید کے) ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے (بالخصوص) زمین کی چیزوں میں سے) (بلکہ) مع ہمزہ استفہام کے معنی میں ہوتا ہے اور بئ کلام سابق سے اعراض کے لئے آتا ہے

(مطلب یہ ہوتا ہے کہ کلام سابق کا مضمون نہیں ہے بلکہ یہ بات ہے جو آئندہ بیان کی گئی ہے) اور ہمزہ انکار توحیح کے لئے ہے۔ آیات سابقہ کی ترتیب اس طرح ہے **اسْرَوْا النُّجُومَ الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلَكُمُ** پھر فرمایا **بَلْ قَالُوا اضْغَاثٌ أَخْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ**۔ بول مشورہ کر کے کہنے لگے یہ تو بس تم جیسا آدمی ہے (اور اسی کہنے پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ کہنے لگے یہ پر آگندہ خواب ہیں بلکہ (اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے) اس نے از خود بنا کر اور اپنے دماغ سے تراش کر خدا کی طرف نسبت کر دی ہے (پھر کہنے لگے نہیں یہ بھی نہیں ہے) بلکہ یہ شاعر ہے۔ اس تمام کلام کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کے متعلق (تاویل میں کرنے میں) حد سے آگے بڑھ گئے اور فقط نبوت و قرآن کے معاملہ میں انہوں نے حق سے تجاوز نہیں کیا بلکہ (اللہ کے ساتھ) انہوں نے دوسروں کو معبود بھی بنا لیا ہے اور معبود بھی وہ جو زمین کی پیداوار ہیں، زمین کی چیزوں سے بنائے گئے ہیں۔ پتھر، سونا، چاندی (پتیل) وغیرہ، ان معبودوں کا مادہ صنعت ہے۔ **مِنَ الْأَرْضِ** کہنے سے تخصیص مقصود نہیں (کیونکہ ان کے معبود ستارے اور جن وغیرہ بھی تھے) بلکہ معبودوں کی تحقیر مقصود ہے (کہ ان کے معبود ایسے حقیر و ذلیل ہیں جو موجودات ارضی سے بنائے گئے ہیں۔

**هُمْ يُشْرُونَ** ⑪ وہ معبود مردوں کو زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ اس فقرے میں مشرکوں کی انتہائی جہالت کا اظہار، استہزائیہ طرز کے ساتھ ہے۔ مستحق عبادت صرف وہی ہو سکتا ہے جو زندہ کرنے، مارنے اور کامل نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور جب مشرک بتوں کو بھی معبود قرار دیتے ہیں تو گویا اس بات کے مدعی ہیں کہ بت بھی زندہ کرنے۔ مردہ کرنے اور نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ دعویٰ واقعیت کے خلاف ہے۔

لو كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا  
اگر ان دونوں (زمین یا آسمان) میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

جس طرح لفظ **غَيْرِ** استثنائیہ بھی آجاتا ہے اسی طرح **إِلَّا** کبھی بصورت صفت بمعنی **غَيْرِ** کے بھی مستعمل ہے۔ آیت مذکورہ میں استثنائی معنی درست نہیں، استثناء کے لئے ضروری ہے کہ **إِلَّا** کا مابعد (مستثنیٰ) **إِلَّا** کے ماقبل (مستثنیٰ منہ) میں استثناء سے قبل داخل ہو اور پھر کلمہ استثناء کے ذریعہ سے الگ کر لیا جائے اور یہاں **اللَّهُ** (مستثنیٰ) **الْإِلَهَةِ** (مستثنیٰ منہ) میں داخل ہی نہ تھا، پھر استثناء متصل و منفصل کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

لَفَسَدَتَا سے مراد یہ ہے کہ شروع سے ہی بگاڑ ہو جاتا اور دونوں پیدا ہی نہ ہوتے کیونکہ چند اہلہوں کا اگر مقصد میں اتفاق ہو تا تو سب کی یا ہی قدرت میں ٹکراؤ ہوتا یعنی ہو تا اور اگر اللہ کے مقصد و مراد میں اختلاف ہو تا تب تو وجود کائنات میں رکاوٹ پڑ جانا لازم ہی تھی۔

**فَسَبَّحْنِ اللَّهُ رَبَّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ** ⑫  
سو (اس تقریر سے ثابت ہوا کہ) مالک عرش خدا ان امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔

**سَبَّحْنِ** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی میں اللہ کی کامل پاکی بیان کرتا ہوں جو عرش کا رب (حاکم و مالک) ہے۔ عرش تمام اجسام کو محیط ہے۔ انتظامات عالم کا مرکز اور تمام مقادیر کا سرچشمہ ہے۔ اس عالم میں عرش کی حالت ایسی ہے جیسے انسانی جسم میں دماغ کی، **عَمَّا يَصِفُونَ** یعنی مشرک جو اللہ کی بیوی بچے اور شرکاء ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، میں ان کے اس بیان سے اللہ کے کامل طور پر پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔

**لَا يَسْتَعْلَمُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ** ⑬  
اس سے اس کے فعل کی باز پرس نہیں کی جائے گی اور ان سے (یعنی آسمانوں و زمین والوں سے ان کے اعمال کی) باز پرس کی جائے گی، یعنی اللہ کی عظمت، اقتدار کی قوت، الوہیت میں یکتائی اور ذاتی حکومت کی وجہ سے اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ باز پرس نہ کی جاسکے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا ہر فعل اپنی ملکیت میں تصرف ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جیسا چاہے تصرف کر سکتا ہے اس پر کوئی

اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور مخلوق کا تصرف اپنی ملک میں تصرف نہیں، مخلوق کسی چیز کی حقیقی مالک ہی نہیں ہے بلکہ اللہ کی ملک میں تصرف ہے اور اللہ کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، لہذا اللہ کی ملک میں تصرف کرنے والوں سے باز پرس کی جائے گی، لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ یہ پورا کلام سابق مضمون کی علت ہے کیونکہ جو مسئول ہو گا وہ اس ذات کا شریک کیسے ہو سکتا ہے جو غیر مسئول ہے۔

کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں۔ اس جملہ کو  
 آمرا تھنکوا من دونہ الہتہ  
 دوسری مرتبہ ذکر کرنے سے مقصود ہے کفر کی برائی کی عظمت کا بیان اور کافروں کی جہالت کا مزید اظہار۔ مگر اگر کسی کو یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کے پاس باطل معبودوں کو لالہ قرار دینے کی کوئی عقلی دلیل نہیں، کیا وہ مردوں کو زندہ کر دیں گے اور دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھادیں گے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان کی الوہیت کا عقلاً کوئی استحقاق نہیں۔ پھر دوبارہ اسی جملہ کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کو اللہ کا شریک قرار دینے کی اجازت نہیں، اس لئے شرک کی کوئی عقلی دلیل بھی ہے۔

آپ ان سے کہئے کہ (اس دعویٰ پر) تم اپنی دلیل پیش کرو۔ یعنی شرک کی کوئی عقلی یا  
 قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ  
 نقلی دلیل پیش کرو، بے دلیل بات صحیح نہیں، تمام عقلی و نقلی دلیلیں شرک کے خلاف موجود ہیں۔

یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود  
 هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعْبُودٍ ذِكْرُنَّ قَبْلِي  
 ہیں۔ یعنی یہ قرآن اور توریت و انجیل جو تمہارے سامنے موجود ہے یہ قیامت تک میری امت کے لئے بھی نصیحت نامہ ہے اور گزشتہ امتوں کے لئے بھی، یہی یادداشت اور درس نصیحت تھا (مراد یہ ہے کہ تینوں کتابیں درس توحید پر متفق ہیں کسی میں بھی شرک کی اجازت نہیں۔ پس یہی پیام توحید میری امت کے لئے بھی ہے اور سابق امتوں کے لئے بھی یہی درس نصیحت تھا) عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ذِكْرٌ مِّنْ تَبِيعِي سے قرآن مراد ہے اور ذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي سے توریت و انجیل، مطلب یہ ہے کہ قرآن ہو یا توریت یا انجیل یا کوئی اور آسمانی صحیفہ سب کو پڑھو اور بتاؤ کہ کسی کتاب میں بھی کسی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنا شریک یا بیٹا بنا لیا ہے یا اپنے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

### ﴿..... ایک شبہ .....﴾

مکہ کے مشرک تونہ قرآن کو مانتے تھے نہ توریت و انجیل کو اگر ان کتابوں میں شرک کی اجازت نہ تھی تو مشرکین مکہ پر اس فیصلہ کا ماننا ان کی نظر میں کب ضروری تھا پھر کتب سہویہ میں شرک کی اجازت نہ ہونے کو ابطال شرک کی دلیل کیسے قرار دیا جاسکتا تھا۔

### ﴿..... ازالہ .....﴾

مشرکین مکہ عناد ان کتابوں کو نہیں مانتے تھے در نہ ان کی صداقت و حقانیت تو واضح تھی خصوصاً قرآن کا اعجاز اور بلاغت اعلیٰ تو اس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی کھلی دلیل تھی ایسی حالت میں کافروں کا انکار قابل التفات ہی نہیں تھا گویا اہل انصاف کی نظر میں ان کتابوں کی سچائی مسلمہ تھی (اور مسلمات یقینیہ پر جس قیاس کی بناء ہوتی ہے وہ قیاس برہانی یعنی ہوتا ہے، پس کتب سہویہ میں شرک کی اجازت نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک باطل ہے اور توحید ہی حق ہے)

بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق  
 بَلْ اَنْتُمْ كَاْفِرُونَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾  
 کا یقین نہیں رکھتے سو (اس وجہ سے) اعراض کر رہے ہیں۔ یعنی صداقت کے واضح ہونے کے باوجود یہ لوگ حق کو نہیں جانتے اور حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے، اس لئے توحید خد لو ندی اور اتباع رسول سے گریز کرتے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔ اس کلام میں تخصیص کے بعد تمہم ہے یعنی توحید کا حکم صرف اس قرآن، توریت اور انجیل میں ہی نہیں ہے بلکہ جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجا اس کو یہی پیغام دیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم سب میری ہی خالص عبادت کرو۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝

اور یہ (مشرک) یوں کہتے

ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو اولاد بنا رکھا ہے اللہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ فرشتے اس کے بندے ہیں معزز۔

اس کلام کا عطف اِمَّ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِنْ الْأَرْضِ کے مضمون پر ہے یعنی کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ رحمن نے اپنے لئے اولاد اختیار کی ہے۔ بنوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے حق میں ہوا، جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ بلکہ بندے ہیں یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں، خدا ان کا باپ نہیں، خالق ہے۔

وَلَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝

اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی اجازت و اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور اللہ جو حکم ان کو دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ خلاف حکم کچھ نہیں کرتے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اللہ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے یہ گویا کلام سابق کی علت ہے، مطلب یہ کہ اللہ سے فرشتوں کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں، نہ گزشتہ عمل، نہ موجودہ عمل، نہ ہونے والا۔ اور چونکہ اللہ ان کے تمام احوال سے واقف ہے اس لئے وہ بھی اپنے احوال کی نگہداشت کرتے اور اعمال کا انضباط رکھتے ہیں۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝

اور بجز اس کے جس کے لئے شفاعت کرنے کی خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یعنی ہیبت الہیہ کی وجہ سے ان کا یہ حال ہے کہ فقط انہی لوگوں کی شفاعت کرتے ہیں جن کے حق میں شفاعت کو اللہ پسند فرماتا ہے اور (یہ شفاعت بھی) ڈرتے ڈرتے کرتے ہیں، عظمت الہیہ کا خوف ان پر چھلپا رہتا ہے۔ تعظیم آمیز خوف کو خشیت کہا جاتا ہے اس لئے خشیت کو علماء کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اِنْشَاقٍ کا معنی ہے ڈرنا، خوف کھانا، اگر اس کے بعد لفظ مِنْ آتا ہے تو کسی سے خوف کرنا اور ڈرنا مراد ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد عَلَيَّ آتا ہے تو کسی کو نقصان پہنچنے اور دکھ پانے سے ڈرنا اور اس پر رحم کھانا مراد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُقُلْ مِنْهُمْ لِي إِلَهٌ مِّن دُونِهِ فَذَلِك نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝

اور (بالفرض اگر) ان میں سے کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں، یعنی کوئی فرشتہ یا کوئی مخلوق اللہ ہونے کا مدعی بالفرض ہو جائے تو اس کی سزا جہنم ہے اس آیت کا مقصد غیر اللہ کی ربوبیت کی نفی اور اس بات کی تکذیب ہے کہ فرشتے مدعی الوہیت ہیں۔ اور مدعی الوہیت کی سزا کا اظہار کر کے مشرکوں کو عذاب کی تمہید ہے۔ اس آیت کا مضمون (تقریباً) ویسا ہی ہے جیسا آیت لَنْ يُسْتَكْفَرَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدَ اللَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يُسْتَكْفَرَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَبُسْتَكْبَرُ فَسَيَحْشُرُهُم إِلَيْهِ جَمِيعًا کا ہے، قتادہ نے کہا مَنْ يُقُلْ مِنْهُمْ سے مراد ابلیس ہے، جو حقیقتہً یا حکماً ملائکہ میں سے تھا فرشتوں کے ساتھ اس کو شامل کر دیا گیا، ابلیس نے غرور کیا اور اپنی عبادت کی لوگوں کو دعوت دی۔ دوسرا فرشتہ اس کا قاتل نہیں ہو سکتا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے (گویا قتادہ کے نزدیک آیت میں ایک واقعہ کا اور اس کی سزا کا اظہار کیا گیا ہے محض فرض پر کلام کی بناء نہیں ہے)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَنْ أَسْأَلُوكَ وَالْأَرْضُ كَانَتْ نَارًا مُّفْتَقَةً مَّاء



کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان وزمین (پہلے) بند تھے، پھر ہم نے دونوں کو اپنی قدرت سے کھول دیا۔  
 السَّمَوَاتُ یعنی آسمانوں کا مجموعہ، الْأَرْضُ زمینوں کا مجموعہ، رَتَقْنَا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء اور قنارہ نے کہا  
 آسمان وزمین سب باہم چسپاں اور ایک ہی تھے۔ فَفَتَقْنَاهُمَا پھر ہوا داخل کر کے ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ رَتَقْنَا كَالنَّوَى  
 معنی ہے بند کرنا، ملا دینا اور فَتَقْنَا كَالنَّوَى کا معنی ہے پھاڑ دینا، کھول دینا۔ کعب نے کہا اللہ نے آسمان وزمین کو اوپر نیچے (تہہ برتہ) بنایا تھا پھر  
 ہوا پیدا کر کے اس کو دونوں کے بیچ میں داخل کر کے دونوں کو کھول دیا۔ (یعنی الگ الگ کر دیا) مجاہد اور سدی نے کہا آسمان وزمین  
 چسپاں ایک طبقہ ہی تھے پھر اللہ نے ایک آسمان کے سات کر دیئے اور اسی طرح ایک زمین بھی اس کے سات (طبقے) بنا دیئے۔  
 عکرمہ اور عطیہ نے کہا آسمان بند (بلا سوراخ) تھا اس سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بھی بند (بلا سوراخ) تھی اس سے کوئی سبزہ  
 نہیں اگتا تھا، پھر اللہ نے بارش کے ذریعہ سے آسمان میں شکاف (یعنی سوراخ) اور سبزہ اگا کر زمین میں سوراخ بنا دیئے اس مطلب  
 پر السَّمَوَاتُ (بصیغۃ جمع) سے مراد ہو گا آسمان دنیا اور چونکہ اس کے اجزاء بہت ہیں اس لئے سَمَوَاتُ کے لفظ کا اس پر اطلاق کیا (گویا  
 سماء کے مختلف بلند اجزاء کو سَمَوَاتُ کہا گیا) یا سَمَوَاتُ سے متعدد آسمان ہی مراد ہیں اور سب آسمانوں کو بارش برسانے میں  
 دخل ہے (اس لئے تمام آسمانوں کو رَتَقْنَا فرمایا پھر ان سب کے اندر اللہ نے سوراخ کر دیئے) حضرت مفسر نے فرمایا یہی قول  
 زیادہ ظاہر ہے کیونکہ تمام اہل عقل مؤمن ہوں یا کافر جانتے ہیں کہ پہلے بارش نہیں تھی پھر ہو گئی اور پہلے سبزہ نہ تھا پھر زمین  
 سے اگنے لگا۔ بارش ہونا اور سبزہ پیدا ہونا ایک امر حادث ہے (جو پہلے نہ تھا پھر ہو گیا) اور ہر حادث کے لئے پیدا کرنے والے کی  
 ضرورت ہے، کوئی حادث بغیر واجب الوجود محدث کے نہیں ہو سکتا۔

رہا پہلا مطلب کہ آسمان وزمین باہم چسپاں تھے پھر اللہ نے ان کو ہوا کے ذریعہ سے الگ الگ کر دیا تو عام کافروں کے لئے  
 یہ (علمی مسئلہ) ظاہر نہیں لیکن وہ علماء سے دریافت کر سکتے ہیں، آسمانی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں، اس طرح ان کو بھی علم ہو سکتا  
 ہے۔ آئندہ آیت عکرمہ اور عطیہ کے قول کی تائید کر رہی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور ہم نے (بارش کے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔ اس کا  
 عطف فقہنا پر ہے یعنی ہم نے آسمان میں سوراخ کر دیئے اور اس سے بارش نازل کی اور زمین میں سوراخ کر دیئے اور اس سے سبزہ  
 اگا دیا اور ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ اس مطلب پر رابطہ محذوف ہے۔ مطلب اس طرح ہو گا ہم نے ہر زندہ چیز کو جو آسمان و  
 زمین کے درمیان ہے پانی سے پیدا کیا۔

جَعَلْنَا ہم نے پیدا کیا (جَعَلَ بسیط جو صرف ایک مفعول چاہتا ہے) اس وقت مِنَ الْمَاءِ کا تعلق جَعَلْنَا سے ہو گا اور  
 كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ مفعول ہو گا۔ جَعَلْنَا کا دوسرا ترجمہ ہم نے کر دیا پانی سے مخلوق ہر چیز کو (جعل مرکب جو دو مفعول  
 چاہتا ہے) اس صورت میں كُلُّ شَيْءٍ مفعول اول ہو گا اور مِنَ الْمَاءِ کا تعلق كَائِنًا يَخْلُقًا محذوف سے ہو گا یعنی ہم نے پانی  
 سے مخلوق کر دیا ہر چیز کو۔

### ..... ایک شبہ .....

گھاس کی پیدائش تو فی الجملہ پانی سے ہے۔ گھاس بھی کچھ نہ کچھ زندگی رکھتی ہے اس لئے گھاس کا پانی سے پیدا ہونا تو  
 ٹھیک ہے۔ بعض حشرات الارض کا مادہ تخلیق بھی رطوبت ہی ہے اس لئے ان کی تخلیق کو پانی سے قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن انسان  
 اور اکثر حیوانات کا مادہ تخلیق تو نطفہ ہے ان کو پانی کی پیداوار کنا کس طرح درست ہے۔

### ..... جواب .....

کلام مجازی ہے ہر حیوان کو اپنی بقاء کے لئے پانی کی ضرورت اتنی زیادہ ہے کہ گویا ہر حیوان پانی ہی سے پیدا کیا گیا ہے، جیسے  
 خَلِقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ آدَمِيٍّ طبعاً اتنا عجلت پسند واقع ہوا ہے اور ہر چیز کے نتیجے کو اتنی جلد طلب کرتا ہے کہ گویا اس کی

تخلیق ہی غلت کے مادے سے ہوئی ہے یا لفظ بقاً محذوف ہے۔ یعنی ہم نے ہر زندہ چیز کی بقا پانی سے کی ہے یا یوں کہا جائے کہ پانی سے رطوبت مراد ہے۔ نطفہ سے اکثر حیوانات کی تخلیق ہوتی ہے اور نطفہ مرطوب ہوتا ہے۔ انبیا کے اندر نطفہ داخل ہے۔ ابو العالیہ نے کہا اکثر مفسرین نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا کہ ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں پانی سے مراد نطفہ، جیسے دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے، وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ اور اللہ نے ہر چوپایہ کو پانی سے پیدا کیا ہے، اس مطلب پر حدیث میں جو لفظ سُئِنِي آیا ہے اس سے مراد حیوان ہے اور (چونکہ بعض حیوانات کی تخلیق پانی سے نہیں ہوئی جیسے آگ کے اندر پیدا ہونے والا کیراجس کو سمندر کہا جاتا ہے۔ مترجم) لفظ کُلِّ سے اکثر مراد ہے جیسے حدیث مبارک میں کُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ یعنی تم سے اکثر لوگ نگرانی کے ذمہ دار ہیں۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾ کیا (ان باتوں کو سن کر) پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ استفہام انکاری ہے اور ف تعقیب کے لئے یعنی صالح قدیم کی توحید ذاتی و صفاتی کی اتنی واضح اور عظیم الشان دلائل دیکھنے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رِجْسًا وَمَا فِيهَا يُهَيِّئُهَا لِلْعَائِلِمْ يَهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾ اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر پلٹنے نہ لگے اور ہم نے اس زمین میں کشادہ کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ لوگ (ان کے ذریعہ سے) منزل مقصود کو پہنچ جائیں۔

رِجْسًا - جِبَالًا محذوف کی صفت ہے، جسے ہوئے پہاڑ، گڑے ہوئے پہاڑ۔ یہ لفظ رِجْسًا سے ماخوذ ہے رِجْسًا کا معنی ہے ثبت۔

أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ لَفْظٌ كَرَاهَةٌ يَأْتِي (لا) اس سے پہلے محذوف ہے۔ تاکہ زمین اپنے باشندوں کو لے کر نہ لرزے۔ وَجَعَلْنَا فِيهَا، یعنی زمین میں یا پہاڑوں میں فِجَاجًا دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے (قاموس) سُبُلًا کھلے ہوئے راستے۔ یہ سُبُل کی جمع ہے (قاموس) فِجَاجٌ میں وسعت کا مفہوم ہے، سُبُلًا سے پہلے اسکو ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ آغاز تخلیق میں پہاڑی راستے کشادہ تھے، لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ تاکہ وہ اپنے مقاصد و مصالح کا راستہ پائیں، راہ چل کر اپنے مقصد کو حاصل کر لیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْعًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۲۲﴾ اور ہم نے آسمان کو مثل ایک چھت (کے) بنایا جو محفوظ ہے اور وہ لوگ اس کے اندر کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ (غور نہیں کرتے) یعنی ہم نے آسمان کو گرنے سے محفوظ بنایا محض اپنی قدرت سے بغیر ستونوں کے سہارے کے۔ یا قیامت تک ٹوٹنے، پھوٹنے، تباہ و برباد ہونے اور بگڑنے سے محفوظ کر دیا اس بات سے محفوظ کر دیا کہ کوئی شیطان اوپر چڑھ کر چوری چھپے کوئی خبر سن نہ پائے۔ عَنْ آيَاتِهَا یعنی چاند، سورج ستارے اور ان کے مختلف احوال جو صانع کے وجود، وحدت، کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کر رہے ہیں ان کی طرف سے وہ لوگ روگرداں ہیں غور نہیں کرتے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۲۳﴾ اور وہ ایسا ہے کہ اسی نے رات و دن اور سورج اور چاند بنائے ہر ایک، ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

یہ بعض آیات ربوبیت والوہیت کا بیان ہے، کُلٌّ یعنی ہر ایک فَلَکٍ، یعنی مدار نجوم۔ جو سب ستاروں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے (قاموس) فَلَکٌ کی جمع أَفَلَکٌ آتی ہے۔ عربی زبان میں ہر گول گھیرے کو فَلَکٌ کہتے ہیں۔ تکلے کے دمر کے کو بھی اسی مناسبت سے فَلَکٌ کہا جاتا ہے۔ حسن نے کہا فَلَکٌ تکلے کے دمر کے کی شکل کی ایک چکی ہے، مراد یہ ہے کہ چکی کے گول چکر کی طرح ستارے دائرہ میں چلتے ہیں یعنی ستاروں کی رفتار متدرج ہے۔ قوادہ نے کہا فَلَکٌ سے مراد آسمان ہے جس کے اندر ستارے موجود ہیں اور ہر ستارہ اسی آسمان میں چلتا ہے جو اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ کلی نے کہا فَلَکٌ آسمان کی گولائی

کو کہتے ہیں کچھ لوگوں نے کہا آسمان کے نیچے موج بستہ کا نام فلک ہے جس میں چاند، سورج اور ستارے چلتے ہیں۔ (حضرت مفسر نے کہا)، میں کہتا ہوں فلک آسمان ہی ہے آسمان دنیا ہی سب ستارے چلتے ہیں اور فلک کی تینوں بتا رہی ہے کہ ہر ستارہ ایک دائرہ میں چل رہا ہے تمام ستاروں کے مدار مختلف متعدد گھبروں پر ہیں باوجود مدار کے تعدد فلک کو بصیغہ واحد ذکر کرنا عربی محاورے کے مطابق ہے۔ عرب بولتے ہیں امیر نے ان سب کو خلعت پہنایا (یعنی ہر ایک کو ایک ایک خلعت پہنایا)

يَسْبَحُونَ تیرتے ہیں یعنی تیز چلتے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والے لگی (ہموار) رفتار ہوتی ہے يَسْبَحُونَ کی ضمیر جمع شمس و قمر کی طرف راجع ہے۔ شمس و قمر کے مطالع متعدد اور کثیر ہوتے ہیں اس لئے جمع کی ضمیر راجع کرنا درست ہے۔ ابن المنذر نے ابو جوع کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے آپ کی وفات کی اطلاع دی گئی تو حضور ﷺ نے عرض کیا اے میرے رب (میرے بعد) میری امت کا کون نگران ہو گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔  
وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ قَبْلِكَ الْخَالِدِينَ قَتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۱۰﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ  
اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تجویز نہیں کیا پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔

خلد دنیا میں ہمیشہ رہنا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب کافروں نے کہا تھا ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں جب محمد پر موت کا چکر پڑے (اور وہ مر جائیں) مطلب یہ ہے کہ آپ ہمیشہ رہنے والے نہیں یہ بات طے شدہ ہے پھر آپ کے بعد کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (ایسا ہرگز نہ ہوگا) ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، بدن سے روح کے جدا ہونے کی نئی سب کو چکھنی ہے۔

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً مَّا لَيْتَا تَرْجَعُونَ ﴿۱۱﴾  
اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں پھر اس زندگی کے بعد تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

نَبْلُوكُمْ یعنی ہم تمہارے ساتھ ویسا عمل کریں گے جیسا امتحان لینے والا کرتا ہے (اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اس لئے اصل کیفیت دریافت کرنے اور واقف ہونے کے لئے وہ ہماری جانچ نہیں کرتا، پس بلاء یعنی امتحان کی نسبت اس کی طرف حقیقی بلکہ محض مجازی اور ظاہری ہے، وہ بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسا امتحان ان لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ جن کا وہ امتحان لیتا ہے)

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ یعنی برائی، بھلائی، سختی، نرمی، صحت، بیماری، دولت، افلاس اور ہر ناگوار و گوارا چیز سے ہم تمہاری جانچ کرتے ہیں تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ تم مرغوب و محبوب مقصد کو حاصل کر کے شکر کرتے ہو یا ناشکری۔ اور دکھ پر صبر کرتے ہو یا شکوہ و شکایت اور بے صبری۔

وَالْيَتَا تَرْجَعُونَ اور ہماری ہی طرف تم کو لوٹا کر لایا جائے گا پس ہم ہی تم کو صبر و بے صبری اور شکر و ناشکری کی جزا سزا دیں گے۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ پیدا کرنے کی اصل غرض جانچ کرنا اور عذاب و ثواب دینا ہے۔ اس جملہ میں آیت نَبْلُوكُمْ کے مضمون کی تائید ہے۔ ابن حاتم نے بروایت سدی بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ، ابو جہل اور ابوسفیان کی طرف سے گزرے حضور کو دیکھ کر ابو جہل ہنسنے لگا اور ابوسفیان سے بولا یہ ہے بنی عبد مناف کا بنی۔ ابوسفیان کو اس بات سے غصہ آ گیا اور کہنے لگا بنی عبد مناف میں پیغمبر ہونا تم کو کیوں ناگوار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ گفتگو سن لی اور پلٹ کر ابو جہل کو ڈر لیا اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تو اس وقت تک باز نہیں آئے گا جب تجھ پر وہ مصیبت نہ آ پڑے جو تیرے چچا پر پڑی تھی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا كُفِرْتُمْ فَانصَبُوا وَإِنْ يَتَّخِذُوا لَكُمْ آلِهَةً فَمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ يَدُلُّ الْيُتِيمَ عَلَى الْبَيْتِ



کرنا ناممکن نہیں ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ نے تھوڑے وقت میں پیدا کیا تھا۔ آدم کی تخلیق میں عجلت سے کام لیا تھا، آپ کو جمعہ کے روز دن کے آخری حصے میں پیدا کیا گیا اور غروب آفتاب سے پہلے آپ کی تخلیق مکمل ہو گئی۔ دوسری مخلوق آپ سے پہلے دن کے آخری حصہ تک پیدا کی جا چکی تھی۔ حضرت آدم کے سر میں جب روح داخل ہو گئی تو آپ نے عرض کیا اہی غروب آفتاب سے پہلے میری تخلیق پوری کر دے، یہ قول مجاہد کا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا اللہ نے حضرت آدم کو جلد یعنی یکدم پیدا کر دیا، دوسرے آدمیوں کی تخلیق ترقیتی ہے پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر بستہ خون، پھر بوٹی وغیرہ، حضرت آدم کی تخلیق اس طرح نہیں کی گئی۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ عجل کا معنی ہے گیلی مٹی، کچھڑ۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ عجل بفتح عین و جیم کچھڑا لیسہ اردل دل۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

وَالنَّبْعُ فِي الصَّخْرَةِ الصَّمَاءِ مَنبَتُهُ  
وَالنَّخْلُ تَنَبَتُ مِنْ مَاءٍ وَمِنْ عَجَلٍ

درخت نبج کی پیدائش کا مقام ٹھوس پتھروں میں ہوتا ہے اور کھجور کا درخت پانی اور کچھڑ سے پیدا ہوتا ہے۔

سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿۱۰﴾

پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔

نشانیوں سے مراد ہے (عذاب دنیا و آخرت یعنی) بدر کا واقعہ اور عذاب دوزخ۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ کا مطلب یہ ہے کہ آیات کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے، وقت مقرر سے پہلے تم ان کی طلب نہ کرو۔ مقرر وقت پر ان کا وقوع ضرور ہو جائے گا۔ حقیقت میں یہ تردید کافروں کے اس خیال کی ہے کہ عذاب کا وقوع بعید از فہم ہے اور اگر واقعی عذاب آنے والا ہے تو فوراً آ جانا چاہیے وہ استہزاء کہتے تھے کہ اے اللہ محمد جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر یہ حق ہے، تیری طرف سے ہے (اور ہم اس کے منکر ہیں) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسنا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول نصر بن حارث کے حق میں ہوا لہذا کورہ بالا قول اسی کا تھا۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾

قیامت کی (و) عید کب آئے گی اگر تم (اس وعید میں) سچے ہو (تو بیان کرو کہ کب اس کا وقوع ہوگا) کُنْتُمْ کے مخاطب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہیں۔ اور کلام سابق چونکہ مفہوم جزا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے لَنْ كُنْتُمْ کی جزا کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

كُوَيْعَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا جِنَّينَ لَا يَكْفُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَا لَهُمْ بِنَصْرُونِ ﴿۱۲﴾

اگر کافر جان لیتے تو اس وقت (کے سماں) کو جب کہ وہ آگ کو نہ اپنے چہروں کی طرف سے روک سکیں گے نہ پشت کی جانب سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ شرط کا جواب محذوف ہے یعنی اگر کافر جان لیں اس وقت کو جب کہ ہر طرف سے ان کو آگ اپنے گھیرے میں لے لے گی اور اس کو وہ نہ خود دفع کر سکیں گے نہ کوئی اور ایسا مددگار ملے گا جو عذاب کو دفع کر سکے تو اپنے کفر پر قائم نہیں رہیں گے یا عذاب آنے کی جلدی نہیں مچائیں گے یا ایسی بات نہیں کہیں گے۔

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۱۳﴾

پر اچانک آئے گی اور ان کو حیران بنا دے گی پھر نہ وہ اس کو لوٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ تَأْتِيهِمْ کی فاعلی ضمیر نار کی طرف راجع ہے یا وَعْدُ کی طرف یا جِنَّينَ کی طرف۔ معنوی اعتبار سے وَعْدُہ بمعنی مدت مقررہ اور جِنَّينَ بمعنی ساعت ہے، اس لئے مؤنث کی ضمیر ان کی طرف لوٹ سکتی ہے۔

بَغْتَةً اچانک ناگہان، وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ یعنی جس طرح دنیا میں مہلت دی گئی ہے اس وقت مہلت نہیں دی جائے گی۔

لَا هُمْ يُنصَرُونَ اور لَا هُمْ يُنظَرُونَ میں ہُم کو فعل سے پہلے ذکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف کافروں کا

کوئی مددگار نہ ہو گا اور صرف انہیں کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ گناہ گار مومنوں کی یہ حالت نہیں ہوگی انبیاء، اولیاء، صلحاء اور ملائکہ کی سفارشی مدد ان کو حاصل ہو سکے گی اور ان کو مہلت بھی دی جائے گی اور مغفرت کر دی جائے گی۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزِیْ بِرَسُوْلِ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۱﴾

پہلے سے پہلے جو پیغمبر گزرے ان سے بھی استہزاء (سخراپن) کیا جا چکا ہے آخر وہی (عذاب) ان پر نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق بناتے تھے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین ہے اور استہزاء کرنے والوں کے لئے عذاب کی وعید۔

فحاق، یعنی جس چیز کا وہ استہزاء کرتے تھے اسی کی سزا اور عذاب ان پر نازل ہوا۔

قُلْ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (اے محمد ﷺ! آپ ان استہزاء کرنے والوں سے) کہیے کہ رات اور دن میں رحمن (کے عذاب) سے تمہاری کون حفاظت کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی اگر رحمن تم کو عذاب دینا چاہے گا تو تمہارا بچاؤ کون کرے گا، یہ مطلب ہے کہ اگر رحمن کا عذاب تم پر نازل ہو گا تو کون تم کو بچائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ عذاب سے دنیا میں بچانے والا سوائے اللہ کی رحمت عامہ کے اور کوئی نہیں۔ اور عذاب کا دفاع اسی وقت ہو گا جب اللہ ہی مہلت دے گا۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگرداں ہی ہیں۔ یہ حکم سوال سے اعراض ہے، مطلب یہ ہے کہ رحمن سے انکو خوف دلاؤ اور اس کے عذاب سے ڈراؤ۔ اس کے بعد فرمایا، بلکہ یہ ڈرانا بیکار ہے۔ قرآن اور اللہ کے مواعظ سے تو یہ روگرداں ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل میں تو رحمن کا خیال ہی نہیں آتا اس کے عذاب سے کیسے ڈریں گے۔

اَمْ لَهُمُ الْاِلٰهَةُ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

کیا ان کے پاس ہمارے سوائے معبود ہیں کہ (عذاب مذکور سے) ان کی حفاظت کر لیتے ہوں، وہ تو اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

تَمْنَعُهُمْ، یعنی ایسے معبود جو ہمارے عذاب سے ان کو بچا سکیں۔

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ یعنی ان کے معبود تو اپنی مدد بھی خود نہیں کر سکتے۔ اگر ان پر مکھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے۔

وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ اور نہ ان کے ساتھ ہماری مدد ہو سکتی ہے جس طرح ان لوگوں کے ساتھ ہوگی جو گناہ گار اہل ایمان کی شفاعت کریں گے یعنی انبیاء، اولیاء، ملائکہ، جو گناہ گار مومنوں کی شفاعت کریں گے ان کے ساتھ تو ہماری مدد ہوگی اور ان بتوں کے ساتھ (جن کو کافر اپنا شفیع سمجھتے ہیں) نہیں ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس جملہ کا ترجمہ اس طرح کیا کہ وہ (بت) بھی اپنے عذاب سے محفوظ نہ ہوں گے یعنی ان معبودوں پر بھی عذاب ہو گا۔ اسی طرح کا مضمون آیت اِنْ كُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حُصْبٌ جُھنم میں ادا کیا گیا ہے۔ تم اور جن بتوں کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو سب جہنم کا بندھن ہوں گے۔ مجاہد نے یُصْحَبُوْنَ کا ترجمہ یُنْصَرُوْنَ کیا یعنی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ قتادہ نے کہا ان کے ساتھ اللہ کی طرف سے اذن، شفاعت اور مدد نہ ہوگی۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٗؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو) دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر اسی حالت میں عرصہ دراز گزر گیا۔

مَتَّعْنَا یعنی ہم نے نعمت دی اور مہلت بھی دی، هُوَ لَآءِ ان کافروں کو حَتّٰی طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ یعنی ان کی مدت زندگی لمبی ہو گئی۔

کافروں کو وہم ہو سکتا تھا یا وہم تھا کہ یہ تمام امور ہمارے معبودوں کی وجہ سے ہوئے، اللہ نے اس خیال سے اعراض کیا اور فرمایا ایسا نہیں ہے کہ تم کو نعمت و مدت زندگی معبودوں کی وجہ سے ملی ہو بلکہ یہ سب کچھ ہم نے دیا۔ یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے جو ان کو نعمت سے نوازا اور طویل زندگی عطا کی تو یہ خیال ہوا کہ ہم کو یہ سب کچھ ہمارے ذاتی استحقاق کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور ہماری یہ حالت ہمیشہ رہے گی، اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ہماری طرف سے ڈھیل ہے آئندہ آیت اس تاویل کی تائید کر رہی ہے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ نَاتِي الْأَرْضِ نَفَقَتُهُمَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفْهَمُ الْغَالِبِيُونَ ﴿۳۱﴾

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم (کافروں کی) زمین کناروں کی طرف سے گھٹا ہے ہیں پس کیا یہ پھر بھی غالب آجائیں گے۔

الأرض سے مراد ہے کافروں کی سر زمین۔ کافروں کے مقبوضات گھٹانے سے مراد یہ ہے کہ کافروں کے قبضے سے نکال کر مسلمانوں کے تسلط میں ہم دے رہے ہیں تو ایسی حالت میں کیا کافر رسول اللہ ﷺ پر اور مسلمانوں پر غلبہ پاسکیں گے۔

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۗ  
آپ کہہ دیجئے میں تم کو وحی کے ذریعہ سے (عذاب سے) ڈرانا رہا ہوں۔  
یعنی عذاب کا ڈر اوائی طرف سے نہیں دے رہا ہوں بلکہ جو قرآن میرے اوپر اترا ہے اس میں اللہ نے عذاب کی اطلاع دی ہے اور اللہ کی اطلاع میں غلطی کا احتمال بھی نہیں ہے اس لئے اس خبر کو تم بعید از فہم نہ سمجھو اور نہ تعجب کرو۔

وَلَا يَسْمَعُ الصَّخْرَةُ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿۳۲﴾  
اور ہرے پکار کو نہیں سنتے، جب ان کو ڈر لیا جاتا ہے (کیونکہ وہ ہرے ہیں، پکارنے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا) مطلب یہ کہ کافر ہرے ہیں ان کو پکارنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

وَلَكِنْ قَسَتْهُمْ نَفْحَةُ مَن عَذَابِ رَبِّكَ كَلْبِقُولٍ لَّن يُوْبِكُنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۳﴾

اور اگر آپ کے رب کے (اس) عذاب کی (جس سے ان کو ڈر لیا جا رہا ہے اور جس کے جلد آجانے کے یہ خواستگار ہیں) ایک ذرا سی لپٹ بھی چھو جائے تو کہنے لگیں گے ہائے ہماری خرابی ہم ہی ظالم تھے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دے کر اور اللہ سے نہ ڈر کر ہم نے اپنے لوہے پر خود ظلم کیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے نَفْحَةُ کا ترجمہ کیا کنارہ، بعض نے کہا تھوڑا سا۔ ابن جریر نے کہا نَفْحٌ یعنی ایک حصہ نَفْحٌ فَلَانٌ لِفَلَانٍ فلاں نے فلاں کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیا۔ بعض نے نَفْحَةُ کا ترجمہ کیا مارنا۔ نَفْحَتِ الدَّابَّةِ ہر جملہا گھوڑے نے اپنی ٹانگ ماری۔ لغوی اعتبار سے نَفْحَةُ خوشبو کی لپٹ کو کہتے ہیں۔

مَسُّ چھو جانا نَفْحَةُ ایک ادنی جھونکا، ذرا سی لپٹ۔ اس میں تاوحدت کی ہے، ان دونوں لفظوں سے مبالغہ کا اظہار کیا ہے کہ بڑا عذاب آنا اور پورے عذاب میں مبتلا ہونا تو درکنار ایک ذرا سی لپٹ ان کو چھو بھی جائے تو موت کو پکارنے لگیں گے اور اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ  
اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) الْقِسْطُ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی انصاف والی ترازو میں یا بطور مبالغہ موازنہ کو بعینہ انصاف قرار دیا۔ قِسْطُ مصدر ہے۔

لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ میں لام بمعنی فی ہے، قیامت کے دن میں یا جَزَا كَالْقِيَامَةِ سے پہلے محذوف ہے قیامت کے دن کے بدلے کے لئے یا اہل قیامت کے لئے مراد ہے۔ یعنی یَوْمٌ سے پہلے لفظ اہل محذوف ہے۔ کچھ علماء نے کہا (میزان سے حقیقی ترازو مراد نہیں ہے بلکہ) ٹھیک ٹھیک حساب فہمی اور اعمال کے مطابق بدلے دینے کا موازنہ مراد ہے، یعنی بطور تمثیل و تشبیہ مجازاً صحیح طور پر ٹھیک ٹھیک حساب فہمی اور معاوضہ اعمال کو میزان عدل قرار دیا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ تاویل درست نہیں بلکہ

صحیح یہ ہے کہ میزان عدل بصورت ترازو حقیقتاً قائم ہوگی۔ ابن مبارکؒ نے الزہد میں اور آجریؒ نے اشریعتہ میں حضرت سلمان کی موقوف روایت بیان کی ہے۔ اور ابن حبان نے اپنی تفسیر میں بروایت کلبی از ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمادے تھے اللہ نے آسمان و زمین کی مثل میزان کے دو پلڑے پیدا کئے ہیں۔ اللہ ریٹ بیہتی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے حضرت عمرؓ کا بیان حدیث جبرئیل کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جبرئیل نے کہا محمد ﷺ ایمان کیا چیز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا (ایمان یہ ہے) تم اللہ کو، اس کے ملائکہ کو، اس کے پیغمبروں کو، جنت اور دوزخ کو اور میزان کو مانو اور مرنے کے بعد اٹھنے پر بھی یقین رکھو اور اچھی بری تقدیر کو بھی عقیدے کے ساتھ تسلیم کرو۔ جبرئیل نے کہا اگر میں ایسا کر لوں گا (یعنی ان تمام چیزوں کو مان لوں گا) تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں جبرئیل نے کہا آپ نے سچ کہا۔ حاکم نے مستدرک میں بر شرط مسلم بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ حضرت سلمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی۔ اگر اس میں آسمان کو اور زمین کو تو لا جائے گا تو ان کی بھی اس کے اندر سمائی ہو گی۔

ترمذی اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور قیامت کے دن میرے لئے شفاعت فرمائیں۔ ارشاد فرمایا، میں ایسا کروں گا، میں نے عرض کیا اگر میں وہاں آپ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا، میں نے عرض کیا اگر میں وہاں آپ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا، میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی حضور ﷺ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو حوض کے پاس تلاش کرنا، ایسا نہ ہو گا کہ ان تینوں مقامات میں سے کسی ایک جگہ نہ ملوں۔ حاکم بیہقی اور آجری کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا آپ لوگ (یعنی مرد) اپنی بیویوں کو قیامت کے دن یاد کریں گے، فرمایا تین مقامات ہیں کہ کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

(۱) اس جگہ جہاں میزان قائم کی جائے گی تا وقتیکہ اس کو اپنی میزان کا بھاری یا ہلکا ہونا معلوم نہ ہو جائے۔  
 (۲) اس جگہ جہاں صراط قائم کی جائے گی تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ صراط سے نجات پاتا ہے یا نہیں۔  
 (۳) اس جگہ جہاں اعمال نامے اڑتے ہوں گے تا وقتیکہ اس کو معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا اعمال نامہ کہاں آکر پڑتا ہے  
 دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے۔ ایسی احادیث بکثرت ہیں جن میں میزان کا ذکر آیا ہے سورۃ القاعدۃ کی آیت فَمَنْ نَقَلَتْ مَوَازِينَهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ کی تفسیر میں کچھ نقل کی ہیں۔

بنو نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد نے اپنے رب سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھا دی جائے، اللہ نے ان کو میزان اس حالت میں دکھا دی کہ اس کا ہر پلڑا اتنا تھا کہ مشرق سے مغرب اس کی وسعت تھی، حضرت داؤد بیہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو عرض کیا الہی ایسا کون ہے جو اپنے نیکیوں کے پلڑے کو بھرنے کے، اللہ نے فرمایا داؤد جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک چھوٹے کو خیرات کرنے سے اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھردوں گا۔ الْمَوَازِينُ جمع کا صیغہ ہے نسلی نے بحر الکلام میں اس کی چند وجوہ لکھی ہیں (۱) ہر شخص کی میزان الگ الگ ہوگی۔ (۲) یا یوں کہا جائے کہ جمع کا صیغہ بول کر واحد مراد لے لیا جاتا ہے جیسے آیت فَتَادَتُهُ الْمَلَائِكَةُ میں ملائکہ سے جبرئیل مراد ہیں اور يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كُلِّمَنِ الطَّيِّبَاتِ میں الرَّسُولُ سے مراد صرف رسول اللہ کی ذات ہے۔ (۳) یا یوں کہا جائے کہ میزان کے ہر جز کو میزان مان کر اس کی جمع موازین ذکر کی جیسے سر لویل (پاجامہ شلوار) جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد سُرَاوِلَةٌ اور پاجامہ کے ہر جز کو سُرَاوِلَةٌ قرار دے کر مجموعہ اجزاء کو سُرَاوِيلُ کہا جاتا ہے۔

پھر کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ادنیٰ حق تلفی کی جائے گی، نہ برائیوں

فَلَا تُظَلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا



میں کوئی اضافہ کیا جائے گا۔

وَلَنْ كَانٍ مِّثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خُرْدٍ لِيَتَنَايَهَا  
اور اگر اس کا عمل رائی کے دانے کے برابر ہو گا تو ہم اسکو بھی میزان میں لے آئیں گے۔ رائی کے دانے سے مراد ہے حقیر ترین (رائی کے دانہ کے برابر ہو یا اس سے کم و بیش)۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے قیامت کے دن لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا، جس کی نیکیوں کی تعداد برائیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ جنت میں جائے گا اور جس کے گناہوں کی تعداد نیکیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ بھی حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ایک دانہ کے وزن سے میزان ہلکی یا بھاری ہو جائے گی اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف میں سے ہو گا اور اس کو صراط پر روک لیا جائے گا۔

وَكَفَىٰ بِنَا حَسْبِئِنَّ ﴿۳۵﴾ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

سدی نے حَسْبِئِنَّ کا ترجمہ کیا مَحْصِبِينَ گنتی میں احاطہ کرنے والے، حَسْب کا معنی ہے اندازہ کرنا۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا جانے والے، یاد رکھنے والے جو شخص کسی چیز کی گنتی کرتا ہے یقیناً اس چیز کا اس کو علم ہو جاتا ہے اور وہ چیز اس کو حفظ ہو جاتی ہے۔ کَفَىٰ بِنَا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے علم و عدل سے کسی کا علم و عدل بڑھ کر نہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو بھی ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور ان متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز یعنی توریت عطا کی تھی۔ الْفُرْقَانَ یعنی توریت جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور دونوں میں امتیاز پیدا کر دینے والی تھی۔ ضِيَاءٌ عظیم الشان روشنی۔ جو لوگ حیرت و جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے ان کو روشنی عطا کرنے والی۔ ذِكْرًا متقیوں کے لئے ہدایت نامہ، یادداشت جس سے اہل تقویٰ نصیحت حاصل کرتے تھے یا ذکر سے مراد یہ ہے کہ اس میں ضوابط شریعہ بیان کئے گئے تھے۔ غرض یہ کہ توریت میں تینوں اوصاف تھے۔

ابن زید نے کہا فُرْقَانَ سے مراد ہے دشمنوں پر فتح۔ اللہ نے یَوْمَ الْفُرْقَانِ یوم بدر کو فرمایا ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ بعض نے کہا فُرْقَانَ (جدا کرنے) سے مراد ہے سمندر کو پھاڑنا (پایاب بنادینا) اس قول پر ضیاء اور ذکر سے مراد توریت ہوگی جو حضرت موسیٰ کے پاس آئی تھی۔ اور اس کی روشنی میں حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے تھے۔

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۳۷﴾ جو اپنے رب سے

بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ ہی قیامت سے بھی خوف کھاتے ہیں۔ یہ متقین کی صفت ہے۔ یا فعل مدح محذوف ہے اور الَّذِينَ اس کا مفعول۔ مُشْفِقُونَ، ڈرنے والے۔ ہُمْ کو شروع میں لانے سے یا تو مبالغہ مقصود ہے یا غیر متقین پر تعریض کہ جو متقی ہیں وہی ڈرتے ہیں اور جو متقی نہیں ہیں وہ نہیں ڈرتے۔

وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۳۸﴾ اور یہ قرآن بھی ایک کثیر

الفائدہ نصیحت کی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے تو کیا پھر بھی تم اس سے منکر ہو۔

هَذَا یعنی قرآن، ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ یعنی ایسا ذکر عظیم ہے جس کی افادیت اور خیر کثیر ہے۔

أَنْزَلْنَاهُ یعنی اس کو ہم نے محمد پر اتارا ہے۔ أَنْتُمْ سے خطاب اہل مکہ کو ہے اور استفہام انکاری ہے۔

یعنی جب یہ قرآن کثیر خیر والا ہے اور اللہ کی طرف سے نازل کر رہے تو پھر تم کو اس کا انکار نہ کرنا چاہئے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿۳۹﴾ اور ہم نے موسیٰ سے بہت

پہلے ابراہیم کو (ان کی شان کے مناسب) راستی فہم عطا کی تھی اور ان سے (ان کے احوال سے) خوب واقف تھے۔

رُشْدٌ یعنی توحید اور بہت پرستی سے پرہیز۔ رُشْدُهُ میں اضافت بتا رہی ہے کہ رُشْدٌ میں ابراہیم کا بہت بڑا اور چہ تھ۔ مِّنْ



أُحْسِنُ وَأُتَمِّتُ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے فرمایا، اللہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ایسا رب ہے کہ اسی نے ان کو پیدا کیا اور وہی عدمِ کھس سے وجود میں لایا ہے۔ بلکہ لفظ سے گریز ہے یعنی میں تفریح کے لئے ایسی بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ زمین و آسمان شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے، یہ سب ممکن اور محلِ حوادث ہیں یہ اپنی ہستی میں ایسے واجب الوجود کے محتاج ہیں جو وحدہ، لا شریک اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے پس وہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ میں بھی ان خاموش شہادت دینے والوں میں سے ہوں، اور زبان اور دل سے اس کی توحید ذاتی و صفاتی کی شہادت دے رہا ہوں۔

اور خدا کی قسم میں تمہارے ان

وَكَاذِبِينَ لَكَيْدًا أَصْنَأَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُولُوا مُدْبِرِينَ ﴿۵۵﴾

بتوں کی گت بناؤں گا جب تم ان کے پاس سے منہ پھیر کر چلے جاؤ گے۔

کَیْدٌ کا معنی ہے مکر۔ تدبیر یہاں مراد یہ ہے کہ کسی تدبیر سے میں ان کو توڑنے کی کوشش کروں گا۔ بیضادی نے لکھا ہے ت قسمیہ واؤ قسمیہ سے بدل کر آئی ہے اس میں تعجب کا معنی ہے (واؤ قسمیہ میں تعجب کا معنی نہیں ہوتا) چونکہ بتوں کو توڑنا ناقصان پہنچانا ایک مشکل کام تھا یہ پرستوں کو نمرود کی اور ساری قوم کی حمایت حاصل تھی نمرود کی حکومت تھی، ان سب کے مقابلہ میں بت شکنی عجیب بات تھی اس لئے بجائے واؤ کے ت قسمیہ اور لفظ کَیْدٌ کا استعمال کیا۔

مُدْبِرِينَ یعنی جب ان کو پیچھے چھوڑ کر میلہ میں چلے جاؤ گے تو میں ان کو ناقصان پہنچانے اور توڑنے کی کوئی تدبیر کروں

گا۔

بغوی نے مجاہد اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ بات چپکے سے کہی تھی۔ سوائے ایک شخص کے اور کوئی نہیں سن سکا تھا۔ اسی نے یہ بات پھیلا دی اور اسی نے کہا تھا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے بتوں کا ذکر کر رہا تھا ہم نے خود سنا تھا۔

سدی نے کہا قوم نمرود کا سالانہ تہوار پر ایک میلہ ہوتا تھا جب وہ میلہ سے واپس آتے تھے تو سیدھے بتوں کے پاس آتے تھے، ان کو سجدے کرتے تھے، پھر گھروں کو جاتے تھے حسب معمول جب میلہ کا وقت آیا تو حضرت ابراہیم سے ان کے باپ نے کہا تم بھی اگر ہمارے ساتھ میلے کو چلو تو بہتر ہے ہمارا دین (رواج، مذہب ہی دستور) تم کو پسند آئے گا۔ باپ کے کہنے سے حضرت ابراہیم ان کی ساتھ ہو لئے کچھ ہی راستہ طے کیا تھا کہ آپ نے خود اپنے کو زمین پر گرالیا اور کہنے لگے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرے پاؤں میں چوٹ آگئی ہے جب سب لوگ چلے گئے اور صرف کزور لوگ پیچھے رہ گئے تو حضرت نے پکار کر وہ الفاظ کہے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے لوگوں نے آپ کے الفاظ سن لئے پھر حضرت ابراہیم لوٹ آئے اور بت خانہ کی طرف پہنچے، تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار بند رکھے ہوئے تھے، بت خانہ کے دروازہ کے سامنے سب سے بڑا بت تھا اس کی برابر اس سے چھوٹا، پھر اس کی برابر اس سے بھی چھوٹا، اسی طرح سب کی قطار تھی اور سب کے سامنے تیار کھانا بھی رکھا ہوا تھا، کھانا اس لئے سب کے سامنے چنا گیا تھا کہ بتوں کی وجہ سے کھانے میں برکت آجائے اور میلہ سے واپس آ کر سب لوگ اس کو کھائیں۔ حضرت ابراہیم نے بطور استہزاء بتوں سے فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں جب کوئی جواب نہیں ملا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا تم بولتے کیوں نہیں اس کے بعد بتوں کی طرف مڑے اور دائیں ہاتھ سے اس قسم کی وجہ سے جو بتوں کو توڑنے کے سلسلے میں آپ نے کھائی تھی اور فرمایا تھانا لَلَّذِي لَا كَيْدَ لَكُمْ أَصْنَأَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُولُوا مُدْبِرِينَ ﴿۵۵﴾ (آیت میں آیا ہے فَوَاعِظُهُمْ صَرَخًا بِأَلْسِنَتِهِمْ اور یمین دائیں ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قسم کو بھی، مترجم)

پس ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا مگر بڑے بت کو بغیر

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ

توڑے ان کے لئے چھوڑ دیا۔ جُذَاذٌ بروزنِ فُعَالٍ بمعنی مفعول ہے جیسے حُطَامٌ۔ یہ جُذٌّ سے ماخوذ ہے جُذٌّ کا معنی ہے کاٹنا، بعض اہل لغت کہتے ہیں جُذَاذٌ جمع کا صیغہ ہے لیکن اس کا کوئی مفرد نہیں ہے، کَبِيرٌ سے مراد ہے بڑا بت جس کو حضرت ابراہیم نے نہیں توڑا اور اس کے کاندھے پر تہر رکھ دیا۔ فَجَعَلَهُمْ میں جمع مذکر کی ضمیر اس لئے ذکر کی کہ بت پرستوں کے خیال میں ان

کے بت ذی علم تھے۔

لَعَلَّكُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۳۸﴾ کہ شاید وہ لوگ ابراہیم کی طرف دریافت کرنے کے لئے لوٹیں۔ البتہ کی ضمیر ابراہیم کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابراہیم بتوں سے دشمنی رکھنے اور لور بت پرستی کی مخالفت کرنے میں مشہور تھے اس لئے حضرت نے بتوں کو توڑ دیا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا، یہ خیال کر کے کہ جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو میرے پاس آئیں گے اس وقت میں ان کو جتلا دوں گا کہ تمہارے معبود ایک آدمی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یَا إِلَهِیَ کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرست لوگ جب میلہ سے واپس بڑے بت کے پاس آئیں گے تو اس سے دریافت کریں گے کہ چھوٹے بتوں کی یہ حالت کس نے کی معبود کو علم ہونا اور جو لب دینا چاہیے۔ وہ معبود ہی کیا جو نہ کچھ جانے، نہ جواب دے، آخر جواب نہ پا کر خود ہی ذلیل ہوں گے۔

یَا إِلَهِیَ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، مطلب یہ کہ جب بتوں کی بے بسی ان پر ظاہر ہوگی تو شاید وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔

قَالُوا مَنْ مَنَعَكَ هَذَا يَا لَهْتَآ آئِنَةَ الْظَالِمِينَ ﴿۳۹﴾ انہوں نے کہا ہمارے ان معبودوں کے ساتھ کس نے یہ حرکت کی بلاشبہ وہ ظالموں میں سے ہے (کہ ان بے چاروں کو بے قصور اس نے توڑا اور ہمارے جذبہ مذہبی کا بھی لحاظ نہیں کیا اور ہم کو دکھ پہنچایا، مترجم)

مَنْ مَنَعَكَ میں مَنْ سوالیہ ہے اور موصولہ بھی ہو سکتی ہے یعنی جس نے بھی یہ حرکت کی وہ ظالم ہے، اس نے معبودوں سے یہ گستاخی کی یا ان کو ایسا توڑا کہ ریزہ ریزہ کر دیا یہ کہ اس نے اپنے اوپر خود ظلم کیا کہ اپنے کو ہلاکت کے لئے تیار کیا۔

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَدْعُنَا إِلَى كُرْهُمُ يُقَالُ لَهُ إِنَّهُ يَمُوتُ ﴿۴۰﴾ کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرتے سنا تھا اس نوجوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ یہ خبر نمرود اور اس کے اراکین سلطنت کو جب پہنچی تو۔

قَالُوا فَاَنْتَ يَا عَلِيُّ الْعَيْنِ النَّاسِ لَعَلَّكُمْ يَشْهَدُونَ ﴿۴۱﴾ انہوں نے کہا (اگر اس نے ایسا کیا ہے تو) اس کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ (اس کے قول و فعل کی) شہادت دیں اور بلا ثبوت ہم سزا دینے کے مرتکب نہ ہوں قنادہ، حسن اور سدی نے یہی مطلب بیان کیا ہے، بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اَعْيُنٍ سے مراد ہیں سردار یعنی سرداران قوم اور حکام کے سامنے اس کو لاؤ۔ محمد ابن اسحاق نے کہا يَشْهَدُونَ کا یہ مطلب ہے کہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ اس کو ہم کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ غرض جب لوگ ابراہیم کے پاس آئے تو۔

قَالُوا يَا لَهْتَآ آئِنَةَ الْظَالِمِينَ ﴿۴۲﴾ انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْتَأْذَنُوا مِنْكُمْ كَانُوا يَنْظُرُونَ ﴿۴۳﴾ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے تم ان بتوں سے پوچھ دیکھو اگر یہ بول سکیں گے (تو بتادیں گے)۔

حضرت ابراہیم کو بڑے بت پر بڑا غصہ تھا اور اس سے آپ کو نفرت زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اسی لئے بت شکنی کی نسبت آپ نے بڑے بت کی طرف مجازاً گردی۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ نے بت شکنی پر تعریض اقرار نما کی استہزاء کے طرز میں خود بت توڑنے کا اقرار کر لیا۔ جیسے اگر آپ کسی ایسے آدمی کی جو خوشخط نہ ہو کوئی خوشخطی کی تحریر دیکھ کر کہیں کیا یہ تم نے لکھا ہے اور وہ جواب دے میں نے نہیں بلکہ آپ نے لکھا ہے یہ تعریضی اقرار ہے۔ گویا حضرت ابراہیم نے یوں جواب دیا میں نے نہیں کی بلکہ اس بڑے بت نے کی۔ یا یوں کہا جائے کہ بت پرستوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے بت کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی پوجا سے بڑا بت ناراض ہوتا ہے آپ نے ان کے عقیدہ کی نقل کر دی۔ تمہیں نے کہا معنوی حیثیت سے کَبِيرُهُمْ هَذَا کا تعلق فَاسْتَأْذَنُوا مِنْكُمْ سے ہے مطلب یہ کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ایسا کر بھی سکتے ہیں اور

بول نہیں ملتے تو ایسا رہی نہیں ملتے گویا اس ضمن میں آپ نے بت کھنی کا اقرار کر لیا اور جنوں کا مجھ ظاہر کر دیا۔ کبھی کی یہ توجیہ غلط ہے لیونکہ کہانی نے کہا ہے اب ابراہیم نے امراض کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اگر ضمنی اقرار مانا جائے گا تو ایسا نہ کا جیسے وہی کہے میں نے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے کیا اور ظاہر ہے کہ یہ ضمنی مثبت کا اجتماع غلط ہے، پھر حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فعلہ پر وقف نہیں ہے (بلکہ فعلہ کا تعلق کسبیر ہنم سے ہے۔)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابراہیم نے تین بار کے علاوہ (سورۃ بھی) جھوٹ نہیں بولا۔ دو بار ذات خداوندی سے تعلق (الذی سقیبہ کما تھا (۲) اور کل فعلہ کسبیر ہنم کما تھا اور (تیسری بار کا واقعہ یہ ہوا کہ) کسی روز ابراہیم کو سارہ کا سارہ کا نام سے شادی کی طرف سے ہوا، بادشاہت کما گیا کہ یہاں ایک شخص نووارد ہے جس کے ساتھ بہت سی عین عورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوایا اور دریافت کیا کہ یہ کون عورت ہے، ابراہیم نے کہا میری بہن ہے، پھر وہیں آکر سارہ کے کہا کہ اس عام کو معلوم ہو جا تا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تم کو مجھ سے چھین لیتا اب اگر تم سے وہ دریافت کرے تو تم یہی منا۔ میں ابراہیم کی بہن ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ابراہیم نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ کو اس ظالم کے پاس پہنچایا تو اس نے سارہ پر دست و پا کرنا شروع کیا اور اپنی چالی تین فوراً پکڑ لیا گیا (یعنی جی پکڑ ہو گئی) یہاں تک کہ پاؤں زمین پر پکھنے لگا اور سارہ سے درخواست کی میرے سے اللہ سے دعا کرو، میں تجھے اچھا ہو کر کوئی دکھ نہیں دوں گا۔ سارہ نے اللہ سے دعا کی، اللہ نے اپنے اس شخص کی دوبارہ چھ اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیسنے کی طرف آیا اس سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ پکڑ گیا۔ اس نے پھر دعا کی درخواست کی اور حضرت نے پہنچانے کا وعدہ کیا، سارہ نے پھر دعا کی اور اللہ نے ربانی دے دی، ربا کے بعد بادشاہ نے کسی دربان کو بلوایا اور کہا تم میرے پاس نسان کو نہیں بد جن کو لے کر آیا ہے اس کے بعد اس نے باجرہ کو خلاصہ کے طور پر سارہ کو دے کر رخصت کر دیا۔ سارہ نے حکیم کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا خبر ہے۔ سارہ نے کہا اللہ نے ہمارے فریب کو اسی کے سینہ پر پلٹ دیا اور اس نے خدمت کے لئے باجرہ مجھے دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا اے ماہ السماء کی ولاد (آسمانی پانی سے مراد خالص نسب کا حامل ہونے کا) (باجرہ) ہی تمہاری ماں ہے۔ متعلق علیہ۔

اس حدیث سے اس حدیث میں تعریضات اور ایسام، کو کذب مجازاً فرمایا کیونکہ بظاہر تعریض کذب کے مشابہ تھی۔ اللہ نے مشابہت سے روایت کی وجہ سے حُرَّاءُ سَقِیْبَہ کو سَقِیْبَہ فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم نے خود صراحتاً فرمایا کہ تم میری بیوی بہن ہو اس سے ثابت ہوتا ہے۔ حدیث نے تعریضی الفاظ بولے تھے (جو بظاہر جھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور حقیقت میں سچ ہیں ہر غلطی سے وہ معنی میں یہ فریب انہم دوسرے گمراہے اور بعید از فہم۔ حضرت ابراہیم کی مراد گمراہے معنی تھا جو ان کا مخاطب نہ سمجھتا۔ یہ فریب انہم معنی سمجھ کر، صوحک میں پڑ گیا)

فَجَعَلُوا لِي اَنْفُسِيْهِمْ فَعَاوَا اِيْكُمْ اَنْتُمْ الظَّالِمُوْنَ ﴿۱۰﴾  
 اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچے پھر (آپس میں) سننے لگے، حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو۔ یعنی اس وقت انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور غور و فکر کیا اور سمجھے کہ ابراہیم کی بات حق ہے اور ہم غلطی پر ہیں۔ اس لئے اپنے دل میں یہاں ہم کہنے لگے کہ تم ہی بڑا ظالم کر رہے ہو کہ جو بات بول نہیں ملتے منع نہ ہوتے تو ہمیں پتا چلتا۔ اپنے دکھ کو دلچ نہیں کر سکتے ان کی پوجا کرتے ہو۔

لَمْ يَكْسِبُوْا اَعْلٰی رُءُوْسِيْهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا هُمْ لَكُمْ بِبٰطِلُوْنَ ﴿۱۱﴾  
 پھر (شرمندگی کے مدے) اپنے سر ہاں کو جھکا لیا اور (بولے) ابراہیم تم کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ (بت) کچھ بولتے نہیں ہیں۔ یعنی کچھ دیر کے لئے تو عقلوں کی طرف انہوں نے رجوع کر لیا تھا اور سمجھے تھے کہ ابراہیم کی بات درست ہے اور ہم غلطی پر ہیں لیکن پھر کھڑکی طرف

پلٹ گئے اور جھگڑا کرنے کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے تم یہ بات تو یقیناً جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں ہیں، بات نہیں کرتے۔ کفر کی طرف پلٹنے کو کسی چیز کو سرنگوں کرنے سے تشبیہ دی، سر نیچے ٹانگیں اوپر اعلیٰ کو اسفل اور نیچے کو الٹ کر اونچا کر دینا حق کو نچلا اور کفر کو سر بلند کر دینا ہے۔ مَا هُوَ لَاءِ يَنْطِقُونَ یعنی یہ بت بات نہیں کر سکتے بولتے نہیں تو ہم ان سے دریافت کیا کریں۔

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۗ أَلَيْسَ لَكُمْ لِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

اللَّهُ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۵﴾  
ابراہیم نے کہا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچاتی ہے نہ نقصان۔ تف ہے تم پر (کہ باوجود وضوح حق کے تم باطل پر جسے ہوئے ہو) اور ان پر جن کو خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

یعنی ابراہیم نے کہا کیا یہ بات جاننے کے بعد بھی کہ یہ بت نہ بولتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں تم ان کو پوجتے ہو۔ نہ بول سکتا اور اپنے پرستاروں کو فائدہ نہ پہنچا سکتا اور پرستش نہ کرنے والوں کو ضرر پہنچانے کی طاقت نہ رکھتا ایسی کمزوری ہے جو الوہیت کے منافی ہے، تمہاری حالت پر افسوس ہے کہ باطل پر جسے ہوئے ہو باوجود یہ کہ تمہاری نظر میں بھی اس کا باطل ہونا واضح ہو گیا اور ان معبودوں کی حالت بھی قابل نفرت و افسوس ہے کہ باوجود احقاق نہ ہونے کے ان کو معبود بنایا جا رہا ہے۔ کیا تم یہ باتیں دیکھتے ہو پھر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ بت قابل پرستش نہیں واجب العبادت اور مستحق معبودیت صرف اللہ ہے۔

اف اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے کراہیت کرنے والا اور آکتا جانے والا اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کسی چیز کی تحقیر کے لئے یا بدبو محسوس کر کے جو آواز نکلتی ہے اس کو اف کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ناک میں ایک مرتبہ کسی طرح کی بدبو آئی اور آپ نے بدبو محسوس کر لی تو فرمایا اف اور کپڑا ناک کو لگا لیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اف کا معنی ہے فح اور بدبو جو وہ لوگ عاجز ہو گئے (اور کوئی جواب نہ پڑا) تو آزار اور دکھ دینے کے درپے ہو گئے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿۱۶﴾  
اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم ایسا کرنے والے ہو (تو کرو)۔

ان كُنْتُمْ شرط ہے، کلام سابق جزا پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے آگے جزا کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ایک شخص نے کہی جس کا نام ہنون کہا گیا ہے اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ بعض نے کہا یہ بات نمرود نے کہی تھی، جب نمرود اور اس کی قوم کا بافتاق آراء فیصلہ ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں جھونک دیا جائے تو آپ کو گرفتار کر کے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور باڑہ کی طرح کا ایک احاطہ بنایا قریہ کوٹی میں ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا اور ٹھوس قسم کی لکڑیاں آپ کے جلانے کے لئے وہاں اکٹھی کیں اور عام جوش اس حد تک پہنچ گیا کہ بیمار منت ماننا تھا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں دوں گا۔ عورتیں اگر مراد مانگتی تھیں تو کہتی تھیں اگر ہماری مراد پوری ہو گئی تو ہم ابراہیم کو جلانے والی آگ میں لکڑیاں ڈالیں گے، لوگ وصیت کرتے تھے کہ ہمارے بعد لکڑیاں خرید کر ڈھیر میں شامل کر دینا عورتیں چرخہ کاٹ کر اس کی مزدوری سے لکڑیاں خرید کر بامید ثواب ڈھیر میں شامل کرتی تھیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے اس طرح ایک ماہ تک لوگ لکڑیاں جمع کرتے رہے جب حسب منشاء لکڑیاں جمع کر چکے تو ڈھیر میں ہر طرف سے آگ لگادی آگ بھڑک اٹھی، جب خوب تیز ہو گئی اور اس حد تک پہنچ گئی کہ پرندہ بھی جلنے کے ڈر سے اوپر سے نہ اڑ سکتا تھا تو انہوں نے مزید سات روز تک بھڑکنے دیا اور ابراہیم کو اس میں ڈالنا چاہا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آگ میں کیسے پھینکیں ابلیس نے آکر منینق گو پھین یا چرخہ قائم کرنے کی تدبیر بتائی لوگوں نے چرخہ بنائی اور سب سے اونچی عمارت کی چوٹی پر اس کو قائم کیا اور ابراہیم کو باندھ کر اس میں بٹھایا یہ دیکھ کر آسمان وزمین ملا نکلے اور سوائے جن وانس کے ساری مخلوق چیخ پڑی اور عرض کیا اے ہمارے رب ابراہیم تیرا خلیل ہے اور آگ میں اس کو ڈالا جا رہا ہے اس کے سواروئے زمین پر اور کوئی تیری عبادت کرنے والا

نہیں ہے ہم کو اجازت مل جائے تو ہم اس کی مدد کریں۔ اللہ نے فرمایا ابراہیم میرا حلیل ہے اس کے سوا اور کوئی میرا حلیل نہیں اور میں ہی اس کا معبود ہوں میرے سوا اس کا اور کوئی معبود نہیں۔ اگر وہ تم میں سے کسی کی مدد کا خواستگار ہو یا دعا کرے تو جس سے وہ مدد طلب کرے وہ اس کی مدد کر سکتا ہے میری طرف سے اس کو اجازت ہے اور اگر میرے سوا وہ کسی اور سے مدد کا طلب گزار نہ ہو تو میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں، میں ہی اس کا کارساز ہوں میرے اور اس کے درمیان تم حائل نہ ہو جو ہی لوگوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکنا چاہا تو وہ فرشتہ جو پانی کا خازن (کارندہ) تھا آیا اور اس نے حضرت ابراہیم سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہوا کا موکل بھی آیا، اس نے کہا اگر آپ کا منشاء ہو تو میں آگ کو ہوا میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا مجھے تمہارے مدد کی ضرورت نہیں میرے لئے اللہ کافی ہے وہی میرا کارساز ہے۔

حضرت ابی بن کعب کی روایت میں آیا ہے کہ جب لوگوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کے لئے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تو آپ نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ اس کے بعد منجنت میں رکھ کر آپ کو آگ کی طرف پھینک دیا گیا، اسی دوران میں جبرئیل نے سامنے سے آکر کہا ابراہیم اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں، جبرئیل نے کہا تو پھر اپنے رب سے درخواست کیجئے، حضرت ابراہیم نے کہا مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے۔ میری حالت کا اس کو علم ہے، میرے لئے ہی کافی ہے۔ کعب احبار کا بیان ہے ہر چیز نے ابراہیم کی آگ بجھانے میں حصہ لیا سوائے گرگٹ کے یہ آگ کو پھونکیں مار رہا تھا تاکہ مزید اشتعال پیدا ہو)

بغوی نے بوساطت سعید بن مسیب حضرت ام شریک کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا ابراہیم پر بھڑکتی آگ میں پھونکیں مار رہا تھا اور آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ شیخین نے صحیحین میں لور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث نقل کی ہے گرگٹ کو قتل کر دو خواہ کعب کے اندر ہی ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فَوَيْسِيقُ (قاسم بچہ) فرمایا۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے گرگٹ کو برچھے کی پہلے ضرب سے قتل کیا اس کے لئے سونکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دوسری ضرب سے قتل کیا اس کے لئے اس سے کم نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے تیسری ضرب سے قتل کیا اس کے لئے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی رواہ مسلم۔

ہم نے حکم دیا ہے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہو جا  
قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۵۱﴾  
ابراہیم کے لئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر اللہ سلامانہ فرماتا تو آگ کی انتہائی سردی کی وجہ سے ابراہیم مر جاتے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ سَلَامًا (کونہی کی خبر نہیں ہے) بلکہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی ہم نے ابراہیم کو کامل طور پر سالم رکھا۔

بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ اس روز تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی تھی دنیا بھر میں کوئی اس روز آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا اگر اللہ عَلِيَّ اِبْرَاهِيمَ نہ فرماتا تو ہمیشہ کے لئے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔  
میں کہتا ہوں بظاہر آگ کی خاصیت سلب نہیں ہوئی تھی جلانے کی خاصیت حسب معمول موجود تھی۔ لیکن حضرت ابراہیم کے لئے وہ ضرور ساں نہیں رہی تھی۔ عَلِيَّ اِبْرَاهِيمَ کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

سدی نے کہا ملائکہ نے حضرت ابراہیم کے بازو پکڑ کر زمین پر بٹھادیا، آپ نے وہاں اچانک شیریں پانی کا چشمہ اور خوب صورت سرخ گلاب کے پھول (اپنی نظر کے سامنے) دیکھے۔ کعب کا بیان ہے آگ سے حضرت کے جسم کا کوئی حصہ متاثر نہیں

ہوا صرف بندھن کی رسی جل گئی۔ اہل روایت نے کہا ہے ابراہیم وہاں سات روز رہے۔ منہال بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا جس آرام اور راحت کے ساتھ میں چند روز آگ میں رہا اتنے آرام سے کبھی نہیں رہا۔ ابن یسار نے کہا اللہ نے سایہ کے موکل کو ابراہیم کی صورت عطا فرما کر بھیجا جو آگ میں رہا اور ابراہیم کے پہلو میں آپ کی وحشت دور کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اور بحکم خدا حضرت جبریلؑ جنت کا ایک قیص لور مند لے کر آئے۔ قیص حضرت ابراہیم کو پہنایا اور کہا آپ کا رب فرماتا ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے دوستوں کو آگ ضرر نہیں پہنچایا کرتی ہے۔ کچھ مدت کے بعد نمرود نے ایک لوچی عمارت کے اوپر سے حضرت ابراہیم کو جھانک کر دیکھا اور آپ کو باغ میں بیٹھایا اور ایک فرشتہ کو (بصورت انسان) آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھا اور آپ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی جو لکڑیوں کو جلا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر پکار کر کہا ابراہیم تیرا معبود بہت بڑا ہے جس کی قدرت اس حد تک ہے کہ وہ تیرے لور اس آگ کے درمیان حائل ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابراہیم نے کہا تو اس سے نکل بھی سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، ہاں، نمرود نے کہا کیا تجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر وہاں رہے گا تو آگ تجھے دکھ پہنچائے گی۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا نہیں۔ نمرود نے کہا تو پھر اٹھ کر وہاں سے نکل آ۔ حضرت ابراہیم اٹھ کھڑے ہوئے اور آگ میں قدموں سے چل کر باہر آگئے۔ نمرود نے کہا ابراہیم! وہ کون آدمی تھا جو تمہارے پہلو میں بیٹھا دیکھا تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا وہ سایہ کا موکل تھا، میرے رب نے آگ کے اندر میری وحشت دور کرنے کے لئے اس کو میرے پاس بھیج دیا تھا، نمرود نے کہا میں تیرے معبود کے لئے کچھ قربانی پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کی قدرت اور طاقت کا ظہور تیرے معاملے میں دیکھ لیا ہے کہ جب تو نے اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے انکار کر دیا اور اس کی توحید پر قائم رہا تو اس نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا، میں اس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کروں گا، حضرت ابراہیم نے فرمایا جب تک تو اپنا مذہب چھوڑ کر میرے مذہب کو نہ اختیار کر لے گا میرا رب تیری قربانی قبول نہیں کرے گا۔ نمرود نے کہا میں اپنی سلطنت تو نہیں چھوڑ سکتا (مذہب تبدیل کروں گا تو سلطنت چھوڑنا پڑے گی) ہاں قربانی ضرور پیش کروں گا۔ چنانچہ نمرود نے چار ہزار گایوں کی قربانی کر دی اور پھر ابراہیم سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اللہ نے ابراہیم کو محفوظ کر دیا۔

شعب جباری کا بیان ہے کہ جس وقت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت آپ سولہ سال کے تھے۔

اور ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی

وَآسِرَادُوْاۤیْہٖ کَیۡدًا فِجَعَلْنٰہُمُ الْاٰخِسِرِیۡنَ ﴿ۛ﴾

چاہی تھی سو ہم نے انہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔

فَجَعَلْنٰہُمُ الْاٰخِسِرِیۡنَ کی تشریح میں بعض لوگوں نے کہا کہ قوم نمرود کی مراد حاصل نہیں ہوئی، چیزوں کے نرخ کراں ہو گئے اور منگانی بڑھ گئی، بعض نے کہا اللہ نے مجھروں کی فوج بھیج دی جس نے نمرود کا گوشت کھا لیا اور ایک چھرا اس کے دماغ میں گھس گیا جس کی وجہ سے نمرود ہلاک ہو گیا۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے اللہ نے جب ابراہیم کے لئے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بخش کر دیا تو یہ منظر دیکھ کر آپ کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن نمرود اور اس کے حکام کا خوف تھا (اس لئے انہوں نے ایمان کا اعلان نہیں کیا) بخملہ ان کے آپ کے بھتیجے لوط بن ہارن بن تارخ بھی ایمان لے آئے۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ تھا جو حضرت لوط کا دادا تھا تارخ بن ثالث تھا، ثالث کو ناخو رہی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی سارہ بنت ہارن بھی ایمان لے آئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم نے قریہ کوئی (علاقہ عراق) کو چھوڑ دیا اور لوط دسارہ کو ساتھ لے کر ترک وطن کر دیا، آپ کا یہ ترک وطن اللہ کے واسطے تھا، اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی غرض سے تھا اور اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کرنے کیلئے تھا، آپ نے فرمایا تارخیؑ مہاجر الیٰ ربی لوط کے مؤمن ہونے کا ذکر اللہ نے آیہ فَاَمْسِنۡ لَہٗ لُوۡطٌ میں فرمایا ہے۔ کوئی سے چل کر آپ حران پہنچے کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے چل کر مصر پہنچے پھر مصر سے شام کی طرف چل دیئے اور علاقہ فلسطین میں سب کے مقام پر اترے، یہاں سے موشیحات کی بستیاں (سدوم وغیرہ جو بحیرہ میت کے ساحل کی پانچ بستیاں تھیں۔ مترجم) جو میں گھسنے کی مسافت پر تھیں حضرت لوط وہاں چلے گئے اور اللہ نے ان کو پیغمبر بنا کر وہاں بھیج دیا۔





صورت میں نَافِلَةٌ دونوں سے حال ہوگا۔ حسن اور ضحاک نے کہا نافلہ کا معنی ہے فضل مہربانی یعنی ہم نے اپنی مہربانی سے ابراہیم کو بیٹا (اسحاق) اور پوتا (یعقوب) عطا کیا۔ اس صورت میں نَافِلَةٌ علت بہہ (مفعول لہ) ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابی بن کعب، ابن زید اور قتادہ کا قول مروی ہے، کہ نَافِلَةٌ صرف یعقوب تھے، نَافِلَةٌ کا معنی ہے زائد۔ حضرت ابراہیم نے اللہ سے بیٹا مانگا تھا اور دعا کی تھی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اسحاق بیٹا عطا فرمادیا اور مزید اپنی طرف سے (بلا طلب) پوتا (یعقوب) بھی عطا کر دیا۔ اس صورت میں نَافِلَةٌ یعقوب سے حال ہوگا۔ اس کا قرینہ موجود ہے اس لئے عبارت میں کوئی کمزوری نہیں۔

وَكَلَّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿۱۷﴾ اور (ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب میں سے) ہر ایک کو ہم نے صالحین میں سے کر دیا۔ یعنی غیر اللہ کے ساتھ لگاؤ سے ان کے دلوں کو پاک صاف کر دیا۔ برے اخلاق و اعمال سے ان کو شستہ رکھا، ہر رنگ کو ان کے نفسوں سے صاف کر دیا اور پھر اعلیٰ اوصاف و اخلاق کی ان کے دلوں پر جلا کر دی، گناہوں کی آلودگی سے ان کے بدنوں کو پاک رکھا۔ طاعت و صلاح میں ہر وقت مشغول رکھا، بگاڑ کہیں پیدا نہ ہونے دیا، نہ دل میں، نہ نفس میں، نہ جسمانی اعمال و اطوار میں۔ اور بنایا، ہم نے ان کو بھلائیوں اور صحیح افکار و اعمال میں لوگوں کا پیشوا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔ ہمارے دین کا راستہ بتاتے تھے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان کے پاس حکم بھیجائیکہ کام کرنے کا اور خصوصاً نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے۔

خیرات، یعنی وہ باتیں جو بذات خود بھی اچھی ہیں اور شریعت نے بھی ان کو اچھا قرار دیا ہے، اِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ کا عطف فِعْلَ الْخَيْرَاتِ پر ہے۔ زکوٰۃ اور صلوٰۃ خصوصیت کے ساتھ اچھے اور اہم امور ہیں ان کا عطف عام فعل الخیرات پر ایسا ہی ہے جیسے اہمیت کی وجہ سے عام پر خاص کا عطف کر دیا جاتا ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اچھے کام کریں اور کامل طور پر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔ یعنی وہ موحد اور عبادت کرنے میں مخلص تھے۔

وَلَوْطًا أَنبَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَجَعَلْنَاهُ مِنَ الْقَرِيْبِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَاتِ

اور ہم نے لوط کو دیا حکم و علم (حکمت یا نبوت یا مقدمات کو فیصل کرنے کی قوت) اور ہم نے اس کو اس بستی سے جو گندی حرکات کرتی تھی بچالیا۔ علم سے مراد ہے اللہ کی ذات و صفات کا اور پیغمبرانہ اوصاف کا علم۔ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ یعنی بستی والے گندے کام کرتے تھے، خیانت سے مراد ہے لواطت اور غلطے مارنا اور پرندوں سے کھیلنا وغیرہ۔ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سُوْءًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۹﴾ بلاشبہ وہ بڑے بدکار نافرمان لوگ تھے۔ یہ جملہ سابق کلام کی علت ہے۔

وَادْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا، کیونکہ وہ بلاشبہ نیکوں میں سے تھے۔

رحمت سے مراد ہے اہل رحمت یا جنت۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ عالم مثال میں بنظر کشف اللہ کی صفات بصورت دائرہ دکھائی دیتی ہوں اور یہ بھی نظر آتا ہو کہ صوتی اپنی حقیقت کے فناء اور صفات الہی کی ساتھ بقاء کے مرتبے میں داخل ہو رہا ہے۔ گویا نَجِيْنًا سے مراد یہ ہے کہ لوط کو کثافت ذاتی سے ہم نے نکال دیا اور اَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنی صفات کے دائرہ میں اس کو داخل کر دیا الصَّالِحِيْنَ یعنی وہ لوگ جن کے لئے پہلے سے ہی اللہ نے بھلائی مقدر کر دی ہے۔ اور نوح کو اس کا عطف لُوطًا پر ہے یعنی ہم نے نوح کو حکم اور علم عطا کیا تھا۔

اِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ  
 کرنے کے لئے بددعا کی تھی۔  
 فَاسْتَجَبْنَا لَهُ  
 پس ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔  
 فَانجَيْنَاهُ وَاَهْلَهُ  
 اور ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو یعنی ان لوگوں کو۔  
 مِنَ الْكُرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۵۱﴾  
 جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سخت غم سے نجات دی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، ڈوبنے سے اور قوم کی جانب سے تکذیب سے نجات دی۔ حضرت نوحؑ کی عمر تمام انبیاء سے زیادہ ہوئی۔ اور سختیاں بھی آپ نے سب سے زیادہ برداشت کیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قوم دالے حضرت نوحؑ کو مارتے تھے اور اتا مارتے تھے کہ اپنے خیال میں مردہ کر دیتے تھے پھر ایک نمہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال دیتے تھے۔ لیکن دوسرے روز آپ پھر گھر سے برآمد ہو کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ عبید بن عمیر لیشی نے کہا مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ لوگ حضرت نوحؑ کو پکڑ کر آپ کا گلا گھونٹتے کہ آپ بیہوش ہو جاتے پھر ہوش آتا تو کہتے میرے رب میری قوم کو بخش دے وہ ناواقف ہیں۔  
 وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا، ہم نے نوحؑ کا بدلہ ان لوگوں سے جنہوں نے ہمارے احکام کو جھوٹا قرار دیا لے بِأَلَيْتِنَا أَنْ لَوْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا فَأَعْرَفْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۲﴾ لیا، بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔  
 وَنَصَرْنَاهُ لَوْ رَمَى اس کی مدد کی، پس وہ غالب آ گیا اور نجات پائی۔ پانچویں یعنی ہماری ان آیات کی جو نوحؑ کی رسالت کو ثابت کر رہی تھیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے اللہ نے ساری قوم نوحؑ کو ہلاک کر دیا، کیوں کہ انہوں نے حق کی تکذیب بھی کی تھی اور عملی شر میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ جس قوم کے اندر بھی یہ دونوں خرابیاں یکجا ہو گئیں، شاید اللہ نے اس ساری قوم کو برباد ہی کر دیا۔

وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخْتَلِفُ فِي الْحَدِيثِ  
 اور داؤد و سلیمان کا تذکرہ کیجئے جب دونوں ایک کھیت کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔

حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ وہ کھیت انگور کی بیلوں کا تھا جس میں خوشے نکل آئے تھے، قنادہ نے کہا وہ غلے کا کھیت تھا۔  
 إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ عَنَمُ الْقَوْمِ  
 جب کہ اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں جا پڑی تھیں۔ تو کا تعلق بحکمان سے ہے یعنی وہ دونوں اس وقت فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریاں بغیر چرواہے کے کسی کے کھیت میں پھیل گئی تھیں اور انہوں نے رات کے وقت کھیت کو چرواہے کی غیر موجودگی میں چر لیا تھا۔ کذانی القاموس۔ نہایہ میں ہے نَفَسَتْ السَّائِمَةُ چرنے والے جانوروں نے رات کے وقت چرواہے کی غیر موجودگی میں چر لیا۔ اگر دن میں بغیر چرواہے کے کسی کھیت یا محفوظ چراگاہ میں جا پڑیں اور چرنے لگیں وَهَلَمَّتِ السَّائِمَةُ کہا جاتا ہے۔ نَفَسَتْ كَالنَّعْوَى معنی ہے پھیل جانا دھنی ہوئی لون کو بھی اسی مناسبت سے عَنِ نَفْسُوسٍ کہا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے كَالنَّعْوَى الْمَنْفُوسِ۔  
 اور ہم ان سب کے فیصلے سے واقف تھے۔

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۵۳﴾  
 سب سے مراد ہیں داؤد، سلیمان اور فریقین مقدمہ۔ فراء نے کہا صرف حضرت داؤد، حضرت سلیمان مراد ہے جمع کا صیغہ بول کر تثنیہ دو فرد مراد ہو سکتا ہے، اللہ نے فرمایا فَإِنْ كَانَ لَكُمْ إِخْوَةٌ فَلَاؤُمُ السُّدُسِ اگر میت کے چند بھائی ہوں تو اس کی ماں کا (کل مال کا) چھٹا حصہ ہو گا۔ باجماع علماء إِخْوَةٌ (جو جمع کا صیغہ ہے) سے مراد کم سے کم دو بھائی ہیں۔  
 فَفَقَّهْنَاهَا سُلَيْمَانَ، پس ہم نے (صحیح) فیصلہ یافتی سلیمان کو سمجھا دیا، ان کی سمجھ میں ڈال دیا۔ اس جگہ کچھ کلام محذوف ہے، پورا کلام اس طرح تھا۔ ہمارے سمجھانے کے مطابق سلیمان نے فیصلہ کر دیا اور داؤد نے اپنا فیصلہ منسوخ کر کے

سلیمان کا فیصلہ جاری کر دیا۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ نے داؤد کے لئے کتاب اللہ کی تلاوت بہت آسان کر دی تھی۔ گھوڑوں پر زمینیں کسے کا حکم دے کر وہ قرآن پڑھنا شروع کرتے تھے اور زمینیں کسے نہ پاتی تھیں کہ وہ پڑھ لیتے تھے اور داؤد صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس اور قتادہ کا یہی قول بتلایا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد اگر حاکم کی رائے بدل جائے تو حکم جاری کرنے سے پہلے وہ سابق فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس، قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤد کے پاس آئے، ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ کھیت والے نے کہا اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں پڑ گئیں اور سارا کھیت چر گئیں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ حضرت داؤد نے فیصلہ کیا کہ کھیت کے عوض وہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت داؤد کے پاس سے دونوں حضرت سلیمان کے پاس آئے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا تم دونوں کے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہو جو فیصلہ حضرت داؤد نے کیا تھا دونوں نے بیان کر دیا، حضرت سلیمان نے فرمایا اگر تمہارا مقدمہ میرے سپرد کر دیا جاتا تو میرا فیصلہ کچھ اور ہی ہوتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے یہ بھی کہا تھا کہ میرا فیصلہ دونوں کے لئے فائدہ بخش ہوتا۔ حضرت سلیمان کے اس قول کی اطلاع حضرت داؤد کو بھی ہو گئی۔ آپ نے سلیمان کو بلوا کر فرمایا، تم فیصلہ کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد نے اپنی نبوت اور حق پداری کا واسطہ دے کر فرمایا، مجھے بتاؤ وہ کیا فیصلہ ہے جو فریقین کے لئے سود مند ہے۔ حضرت سلیمان نے کہا بکریاں کھیت والے کو دے دیجئے اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیجئے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اون اور نسل سے اتنی مدت تک فائدہ اندوز ہو تا رہے جتنی مدت تک کھیت بکریوں والے کی سپردگی میں رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج بکھیر دے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت، کھیت والے کو دیدے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤد نے فرمایا صحیح فیصلہ یہی ہے جو تم نے کیا پھر آپ نے یہ فیصلہ جاری کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ فیصلہ کرنے کے وقت حضرت سلیمان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں لور ابن اللہزرو ابن مردویہ نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے بغوی کے اس بیان کی طرح قصہ نقل کیا ہے، بیضاوی نے لکھا ہے حضرت داؤد کا فتویٰ امام ابو حنیفہ کے فتویٰ کی طرح ہے جو مجرم غلام کے سلسلہ میں آپ نے دیا ہے اور حضرت سلیمان کا فیصلہ امام شافعی کے فتوے کی طرح ہے کہ مضموب غلام اگر بھاگ جائے اور کوئی جنایت کر لے تو تاوان میں غلام سے کمائی کرائی جائے اور کمائی سے جب اصل حق ادا ہو جائے تو پھر غلام اصل مالک کو واپس کیا جائے۔ میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ فقط اسی کے قائل نہیں کہ غلام کے آقا پر تاوان جنایت عائد کیا جائے گا اور عبد کو جنایت کے عوض میں صاحب حق کو دے دیا جائے گا بلکہ ان کے نزدیک تو غلام کا مالک اختیار رکھتا ہے خواہ جنایت عبد کا تاوان اپنے پاس سے ادا کرے یا غلام ہی کی ملکیت منتقل کر دے اور غلام کو ہی صاحب حق کی ملکیت میں دے دے۔ مطلب یہ کہ امام ابو حنیفہ کا فتویٰ حضرت داؤد کے فیصلے کی طرح نہیں ہے جس میں بکریوں کی ملکیت سے محروم کر دیا گیا تھا، بلکہ امام کا فیصلہ اپنے اندر دونوں رخ رکھتا ہے، غلام کو ہی تاوان میں دے دیا جائے، یا غلام کا مالک اپنے پاس سے تاوان ادا کرے اور غلام کو اپنے ملکیت میں باقی رکھے۔

جصاص نے کہا تاوان ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے بکریوں کو باندھ کر نہیں رکھا تھا۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ اسلام میں یہ حکم منسوخ ہے۔ بلکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ اگر مویشی چھوٹ جائیں اور رات کو کسی کا نقصان کر دیں تو بقدر نقصان جانوروں کے مالک پر تاوان عائد ہو گا اور اگر چھوٹے ہوئے دن میں کسی کے کھیت وغیرہ کا نقصان



ٹھہر گیا اور اس کے بعد کسی کو دکھ پہنچایا تو مالک کی طرف یہ فعل منسوب نہ ہوگا، راہ پر چھوڑنے کا حکم منقطع ہوگا۔

مسئلہ: اگر گھوڑے والا گھوڑے پر سوار ہو یا لگام پکڑے لئے جا رہا ہو یا پیچھے سے ہنکارا ہو اور گھوڑا کسی کو لات مار دے یا روند ڈالے یا سہ مار دے یا کاٹ لے یا اندھا دھند چل پڑے یا کسی سے ٹکرا جائے یا کھڑا کھڑا کسی کو ٹکرا دے اور وہ جگہ گھوڑے والے کی ملک ہو یا ٹھیکے وغیرہ کے ذریعہ سے اس کے قبضہ میں ہو تو سوائے اول الذکر صورت کے باقی کسی صورت میں گھوڑے والے پر تاوان عائد نہ ہوگا صرف پہلی صورت میں ضمان دینا پڑے گا کیونکہ سوار ہونے کی حالت میں اس کا بوجھ گھوڑے کی پشت پر پڑے گا ایسی حالت میں اگر گھوڑا کسی کو روند ڈالے گا تو گویا سوار بھی گھوڑے کے ساتھ روندنے میں شریک سمجھا جائے گا۔ پس اس حالت میں اس سوار کو مرتکب اطلاق قرار دیا جائے گا۔ باقی صورتوں میں ہم نقصان رسانی اور ایذا ہی کا سبب آخری کہہ سکتے ہیں اور مسبب پر تاوان اس وقت عائد ہوگا جب اس کی طرف سے بالارادہ اس فعل کا ظہور ہو (اور خود وہ چاہتا ہو کہ گھوڑے سے کسی کو ضرر پہنچے) اور مذکورہ بالا صورتوں میں بالارادہ ایذا رسانی کا سبب پیدا کرنا ثابت نہیں لیکن اگر وہ جگہ گھوڑے کے مالک کی نہ مملوک ہو نہ مقبوض بلکہ اس کو وہاں چلنے کی اجازت ہو کھڑا رہنے کی اجازت نہ ہو جیسے عام شاہراہ یا چلنے اور ٹھہرنے دونوں کی اجازت ہو جیسے کوئی جنگل یا مویشیوں کا نخاسہ جہاں سے گزرنے اور ٹھہرنے دونوں کی اجازت ہوتی ہے اس حالت میں مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تاوان عائد ہوگا، خواہ سوار ہو یا لگام پکڑے جا رہا ہو یا پیچھے سے ہنکارا ہو لیکن ان حالات میں بھی اگر گھوڑا کسی کو لات مار دے یا دم مار کر کچھ ضرر پہنچادے تو گھوڑے والے پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ عام راستہ میں سلامتی کے ساتھ دوسرے کو ضرر پہنچانے بغیر گزرنا ہر مسلمان کا حق ہے راستہ سب کا مشترک ہے راستہ سے فائدہ اٹھانا بھی ہر ایک کا حق ہے لیکن یہ اباحت اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ دوسرے کو ضرر نہ پہنچے مگر اسی حد تک سلامتی ضروری ہے اس حد تک گزرنے والے کے حدود اختیار میں ہو، سوار کے لئے یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو گھوڑے کے قدموں سے روند ڈالے کسی کو روندنا حق سیر کا تقاضا نہیں۔ ہاں چلنے میں دم اور لات سے لوگوں کو محفوظ رکھنا سوار کے اختیار سے باہر ہے پس اگر چلتے چلتے گھوڑا سہراہ کسی کے لات مار دے یا دم سے کچھ ضرر پہنچادے تو سوار کو شریک جرم نہیں قرار دیا جاسکتا صرف اس وقت سوار پر تاوان عائد ہوگا جب وہ مسلمانوں کے راستے میں گھوڑے کو کھڑا کر دے اور اس حالت میں گھوڑا کسی کے لات یا دم مار دے۔

امام مالک نے فرمایا اگر گھوڑے کے سوار یا لگام پکڑ کر چلانے والے یا ہنکانے والے کی طرف سے گھوڑے کو کچھ ترغیب نہ ہو یا گھوڑے کو وہ مارے نہیں تو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت میں گھوڑے والے پر کوئی تاوان نہیں ہوگا اس گھوڑے کو بھڑکی دیں یا ماریں اور کسی کو گھوڑے سے کچھ ضرر پہنچ جائے تو گھوڑے پر تاوان عائد ہوگا، العجماء جبار حدیث مبارک ہے جس میں عجماء کی ضرب کو بلا معاوضہ قرار دیا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا جانور اپنے منہ یا ٹانگ یا دم سے اگر کسی کو کچھ دکھ پہنچادے تو گھوڑے والے پر تاوان عائد ہوگا خواہ اس کی طرف سے کوئی سبب ضرر پیدا ہو یا نہ پیدا ہو اور خواہ گھوڑے پر اس وقت سوار ہو یا ہنکا کر لے جا رہا ہو یا کچھ بھی نہ کرے صرف ساتھ ہو۔

امام احمد نے فرمایا اگر گھوڑے کا مالک گھوڑے پر سوار ہو اور گھوڑا اپنے منہ یا اگلی ٹانگوں سے کسی کو ضرر پہنچادے تو مالک پر ضمان عائد ہوگا اور اگر لات مارنے سے کسی کو نقصان پہنچ جائے تو مالک پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے الرجل جبار لات کا کوئی معاوضہ نہیں۔ رواہ الدار قطنی عن سعید بن المسیب مرسلًا۔ واللہ اعلم۔

فائدہ

مجاہد نے کہا حضرت سلیمان کا فیصلہ صلح کے طور پر تھا اور حضرت داؤد کا فیصلہ حکم تھا اور صلح حکم سے بہتر ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کا فیصلہ وحی پر مبنی تھا، لیکن حضرت سلیمان کا فیصلہ ناخ تھا جس سے حضرت داؤد کا فیصلہ منسوخ ہو گیا یہ قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کے لئے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم دینا جائز

نہیں۔ کیونکہ ان کے پاس وحی آتی ہے۔ ان کو اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ اجتہاد میں تو غلطی ممکن ہے، اور انبیاء سے غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کا فیصلہ اجتہادی تھا۔ حضرت داؤد کا اجتہاد غلط تھا اور حضرت سلیمان کا صحیح۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان کے فیصلے کی تعریف فرمائی۔ انبیاء کے اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے۔ مگر انبیاء اس پر قائم نہیں رہتے جب حق واضح ہو جاتا ہے تو وہ اپنے فیصلے سے رجوع کر لیتے ہیں۔

وَكَلَّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا  
اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔  
حسن نے کہا اگر آیت وَكَلَّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا نہ ہوتی تو حکام تباہ ہو جاتے لیکن اللہ نے اس آیت میں ہر اجتہادی فیصلہ کی تعریف فرمائی ہے۔

آیت وَكَلَّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد مبنی بر صواب ہوتا ہے (کسی کو غلطی نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اللہ نے اس آیت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کی تعریف فرمائی ہے)۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ استدلال غلط ہے آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بزرگوں کو اللہ نے قوت فیصلہ و علم عطا کی تھی دونوں فیصلوں کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ آیت فَفَهَّمْنَا هَا سُلَيْمَانَ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمان کا فیصلہ صحیح تھا اور حضرت داؤد کا فیصلہ اس کے خلاف تھا یعنی غلط۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا فرما رہے تھے جب حاکم اجتہاد کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے اور فیصلے میں حق پر پہنچ جائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہو گا اور اگر اجتہادی فیصلہ میں اس سے غلطی ہو جائے تب اس کے لئے اکہرا اجر ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد واصحاب السنن الاربعہ والترغیب والترہیب عن ابی ہریرہ۔

یہ حدیث صراحتاً بتا رہی ہے کہ مجتہد سے فیصلہ میں غلطی بھی ہو جاتی ہے اور بھی اس کا فیصلہ حق بھی ہوتا ہے صواب و خطا کی جمع نہیں ہو سکتے یا فیصلہ صحیح ہو گا یا غلط، لیکن فیصلہ میں غلطی ہو جائے تب بھی اس کو ایک اجر ضرور ملے گا، غلطی ہو جانے کی بناء پر نہیں بلکہ فکری کوشش اور اجتہاد پر اس کو اکہرا اجر ملے گا۔ اجتہاد بجائے خود عبادت ہے طلب حق کی کوشش موجب اجر ہے اجتہاد کے بعد غلطی قابل تسامح ہے اور صحت نتیجہ کی صورت میں دو اجر ہوں گے ایک طلب حق کی کوشش کا اور دوسرا حق پر پہنچ جانے کا۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے دو عورتوں میں سے ایک کا ایک بچہ اس کے ساتھ تھا بھڑیا آیا ایک بچہ کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری سے کہا بھڑیا تیرے بچہ کو لے گیا میرا بچہ محفوظ ہے، دوسری نے اس کی تردید کی اور کہا تیرے بچہ کو لے گیا میرا بچہ یہ ہے جو موجود ہے دونوں جھگڑالے کر حضرت داؤد کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے بڑی کو ڈگری دے دی اور چھوٹی ہلا گئی اس کے بعد دونوں کا گزر حضرت سلیمان کی طرف سے ہوا اور آپ سے تفصیل بیان کی۔ حضرت سلیمان نے فرمایا، میرے پاس چھری لے آؤ میں بچہ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو بانٹ دوں گا یہ سنتے ہی چھوٹی بولی آپ پر اللہ کی رحمت ہو یہ بچہ بڑی کا ہی ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان نے بچہ چھوٹی کو دو لیا۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ  
اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو جو داؤد کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔

کہا گیا ہے کہ داؤد جب ذکر کرتے کرتے سست پڑ جاتے تھے اور بدن میں کچھ کسل آجاتا تھا تو آپ کے ساتھ پہاڑ تسبیح بڑھنے لگتے تھے تاکہ پہاڑوں کی تسبیح سن کر داؤد میں ذکر الہی کرنے کی تازہ چستی پیدا ہو جائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ الطَّيْرُ كَالْجِبَالِ پرے پرندوں کی تو پھر بھی ظاہری زبان ہوتی ہے وہ کچھ نہ کچھ بولتے ہی ہیں لیکن پہاڑوں کی کوئی زبان ظاہر نہیں ہوتی، پہاڑوں کا تسبیح خداوندی میں مشغول ہونا بہت ہی تعجب آفریں ہے اسی لئے

الْحِبَالِ كَذِكْرِ الظُّمْرِ سے پہلے کیا۔

وہب نے کہا حضرت داؤد کی تسبیح کے جواب میں پہاڑ اللہ کی پاکی بیان کرتے تھے اور پرندوں کا بھی یہی حال تھا۔ قتادہ نے کہا یعنی جب داؤد نماز پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت داؤد درختوں اور پتھروں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ يُسَبِّحُنَّ سَبَّاحَاتٍ سے ماخوذ ہے اور سباحت کا معنی ہے تیرنا چلنا، حضرت داؤد چلتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ چلتے تھے۔

وَكُنَّا فُجُولِينَ ⑨ اور ایسا کرنے والے ہم ہی تھے۔ یعنی داؤد کو علم و حکمت کی فمائش اور پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر ہمارا فعل تھا۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُخْصِنَكُمْ مِنْ آبَائِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ⑩

اور ہم نے اس کو زرہ بنانے کی صنعت تم لوگوں کے فائدے کے لئے سکھائی تاکہ وہ تم کو لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے محفوظ رکھے۔ تو کیا تم اب بھی شکر ادا نہ کرو گے۔

لَبُوسٌ ہر پہننے والی چیز کو کہتے ہیں عرفاً اس کا استعمال اسلحہ کے لئے ہوتا ہے اس جگہ لوہے کی زرہ مراد ہے۔ قتادہ نے کہا حضرت داؤد سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی، سب سے اول آپ نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔ حدیث صحیح پہلی گزر چکی ہے کہ حضرت داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

لَكُمْ سے خطاب قریش کو ہے، لِتُخْصِنَكُمْ تاکہ وہ صنعت یا حلقہ دار زرہ تم کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھے۔ سدی نے کہا اسلحہ کی مار پڑنے سے تم کو محفوظ رکھے۔ فَهَلْ أَنْتُمْ پس اے اہل مکہ ہم نے جو دشمن سے محفوظ رہنے کا ذریعہ تمہارے لئے آسان کر دیا۔ کیا اس کا تم شکر یہ ادا کرو گے۔ هَلْ أَنْتُمْ میں امر بصورت استفہام ہے۔

وَلَسَلِيمَانَ الرِّيحَ اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، سلیمان کا عطف داؤد پر ہے اور الرِّيحِ کا عطف الْحِبَالِ پر۔ حرف عطف ایک ہی ہے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی عامل کے مفعول ہے۔ بعض اہل تحقیق نے بیان کیا ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کا داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھنا بامر داؤد نہ تھا بلکہ براہ راست اللہ کے حکم تسخیری کے ماتحت تھا اس لئے داؤد کے ساتھ لفظ بِعِ (ساتھ) نہ لیا اور ہوا کی رفتار بامر سلیمان ہوتی تھی اس لئے لَسَلِيمَانَ سلیمان کے لئے لام کے ساتھ فرمایا۔

عَاصِفَةً تیز، کہ تھوڑے وقت میں سلیمان کو لشکر سمیت دور لے جاتی تھی اللہ نے فرمایا ہے عُدُوْهُ هَا شَهْرًا وَرَوَّاحُهَا شَهْرًا شروع آدھے دن کی رفتار ہو ایک مہینے کی مسافت کے برابر اور آخری آدھے دن کی رفتار ایک ماہ کی مسافت کے بقدر تھی۔ اتنی تیز رفتار کے باوجود ہوا کی چال نرم تھی جھگڑنے سے خوشگوار تھی (زیروز بر کرنے والی نہ تھی) بعض لوگوں نے کہا ہوا کی رفتار حضرت سلیمان کی مرضی کے تابع تھی کبھی تند کبھی نرم۔

تَجْوِي بِأَمْرِي إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا عِصَاءَ سلیمان کے حکم سے ہوا اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت عطا کی ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ إِلَى الْأَرْضِ میں إِلَى بمعنی رَفِيْعٌ (میں) ہے یعنی ملک شام میں مراد یہ ہے کہ بحکم سلیمان ہوا آپ کو فرود گاہ شام سے اصل وطن کی طرف لے جاتی تھی۔ حضرت سلیمان وطن سے صبح کو چل کر ملک شام میں جا کر فرود کش ہوتے تھے اور پچھلے دن میں ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر شام سے اصل وطن کی طرف لوٹ آتے تھے۔ بعض نے کہا لَئِي اس جگہ اپنے اصلی معنی پر ہے۔

وَكُنَّا يَكْفُلُ شَيْءٍ عِلْمِيْنَ ⑪ اور (ازل میں ہی) ہم ہر چیز سے واقف تھے۔ یعنی ہماری ازلی مصلحت کا جو تقاضا ہے اور ہماری حکمت جو چاہتی ہے ہم اسی کے مطابق جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں چنانچہ ہوا وغیرہ کو سلیمان کے حکم کا تابع بنا دینے کی غرض یہ تھی کہ سلیمان اپنے رب کے سامنے اور جھک جائیں، وہب نے کہا حضرت سلیمان کی مجلس پر پرندے چھائے ہوئے ہوتے تھے، جن صف بستہ کوزے ہوتے تھے اور اس شان کے ساتھ آپ جلوہ افروز ہوتے۔ حضرت سلیمان بڑے مرد مجاہد تھے



دنیا کے جس حصہ میں کسی بادشاہ کے ہونے کی آپ کو اطلاع ملتی آپ فوراً وہاں پہنچ کر اس فرماں روا کو اطاعت پر مجبور کر دیتے تھے۔ اہل روایت کا قول ہے کہ آپ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ کے لئے پہلے تختے بصورت تخت بچھائے جاتے پھر اس پر خیمہ ڈیرہ قائم کیا جاتا پھر آپ اس پر آدمیوں کو جانوروں کو اور جنگی سامان کو چڑھواتے پھر حسب الحکم تند ہواختوں کے نیچے آجاتی اور سب کو اوپر اٹھاتی اور اوپر پہنچ کر نرم بن جاتی تھی۔ اتنی نرم رفتار ہوتی کہ کسی کھیتی کی طرف سے گزرتی تو اس کی پتی بھی نہ ہلتی۔ اس کی رفتار سے گرد و غبار بالکل نہ اڑتا اور نہ کسی پرندے کو تکلیف ہوتی، سبک سیر اتنی کہ ایک ماہ کی مسافت دن کے نصف اول میں اور ایک ماہ کی مسافت پچھلے دن میں طے کر لیتی تھی۔

وہب نے یہ بھی بیان کیا۔ وجہ کے کسی ساحلی مقام پر ایک کتبہ تھا جس پر حضرت سلیمان کے کسی ساتھی نے لکھ دیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ساتھی جن تھے۔ آدمی۔ ”ہم یہاں اترے ہم رات کو یہاں نہیں رہے صبح اصرخ سے چلے تھے دوپہر کو یہاں قیلولہ کیا پچھلے دن میں انشاء اللہ یہاں سے چل دیں گے اور رات کو شام میں رہیں گے۔“

مقاتل نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان کے لئے جنات نے سونے اور ریشم کے تاروں سے ایک فرش بنا تھا، جس کی لمبائی چوڑائی ایک ایک فرسخ تھی، اس فرش کے وسط میں حضرت کے لئے سنہری ممبر رکھا جاتا تھا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے اور ممبر کے ارد گرد سونے چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ سونے کی کرسیوں پر اور علماء چاندی کی کرسیوں پر فروکش ہوتے تھے اوپر سے پرندے اپنے پر پھیلائے سایہ فگن ہوتے تاکہ دھوپ کسی پرندہ پڑے کرسیوں کے گرد اگر دوسرے آدمی ہوتے تھے اور آدمیوں کے پیچھے جنات، ہوا، اس فرش کو (اور فرش والوں کو) اوپر اٹھاتی تھی اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ایک ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی۔

سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان کے دربار میں چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں اگلی قطاروں میں آدمی اور آدمیوں کے پیچھے جنات بیٹھتے تھے پرندے اوپر سے سایہ کئے ہوتے تھے اور ہوا ان سب کو اٹھاتی تھی۔ حسن کا بیان ہے کہ جب پیغمبر خدا سلیمان کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معاینہ کی وجہ سے فوت ہو گئی تو آپ کو لوجہ اللہ غصہ آ گیا اور آپ نے سب گھوڑوں کو قتل کر دیا۔ پھر اللہ نے مقتول گھوڑوں کے عوض دوسرے بہتر گھوڑے عطا فرمادئے، ہوا آپ کے حکم سے آپ کی مرضی کے مطابق تیزی کے ساتھ آپ کو اٹھا کر لے جاتی تھی صبح کو ایلیا سے چلتے تو قیلولہ (دوپہر کا قیام) اصرخ میں کرتے پھر پچھلے دن میں اصرخ سے چلتے تو شام بابل میں کرتے۔

ابن زید نے بیان کیا تختوں سے بنی ہوئی آپ کی ایک سواری تھی جس کے ایک ہزار پائے تھے ہر پایہ کھوکھلا تھا جس کے اندر ہزار خانے تھے آپ کے ساتھ انس و جن سوار ہوتے تھے ہر پایہ کے نیچے (ٹھانے والے) ایک ہزار جنات ہوتے تھے جو اس تخت کو اٹھائے ہوتے تھے، تخت اونچا ہو جاتا تو نرم ہوا آ کر اس تخت کو اٹھا لیتی صبح کو چل کر آپ دوپہر کو ان لوگوں کے پاس قیام کرتے جو ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ہوتے تھے پھر شام ایسے لوگوں میں کرتے جن کی دوری ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہوتی۔ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اچانک آپ لشکر سمیت آتی تھے۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان عراق سے صبح کو چلے مرد میں دوپہر کو پہنچے وہاں قیام کیا پھر بلخ میں عصر کی نماز پڑھی پھر بلخ سے روانہ ہو کر ترکستان میں داخل ہو گئے پھر ترکستان سے سرزمین چین تک پہنچ گئے ہوا کے کندھوں پر یہ راستہ طے کیا اور پرندے سر پر سایہ فگن رہے۔ آپ صبح کے دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے تھے اور شام کے دن میں بھی اتنی ہی دور پہنچ جاتے تھے، یہاں سے آپ نے مشرق کی طرف رخ کیا یہاں تک کہ قندھار پہنچ گئے پھر قندھار سے مکران اور کرمان پہنچے تو پھر یہاں سے گزر کر بلا و فارس میں پہنچے اور وہاں چند روز فروکش رہے پھر صبح کو یہاں سے روانہ ہو کر دوپہر کو کسک پہنچے پھر شام تک ملک شام میں آ گئے آپ کی اصل فرار گاہ شہر مدینہ میں تھی شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ نے جنات کو حکم دیا تھا کہ ایک عمارت بنا لیں چنانچہ جنات نے پتھر کی چٹانوں اور ستونوں اور سفید و زرد مرمر سے ایک عمارت تیار کی

وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يُعْوِضُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿۸۷﴾

اور کچھ شیاطین ایسے تھے جو سلیمان کے لئے (جوہر نکالنے کی غرض سے) سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم ہی ان کو سنبھالنے والے ہیں۔

اور کچھ جنات سمندروں میں غوطے مار کر آپ کے لئے جوہر نکال کر لاتے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ جیسے اونچی اونچی عمارتیں اور مجسمے اور بڑے بڑے حوض اور ایک جگہ قائم رہنے والی دیگیں اور شہروں کی تعمیر اور عجیب عجیب نادر مصنوعات کی تخلیق وغیرہ۔

كُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ کا یہ مطلب ہے کہ ہم جنات کی نگرانی رکھے ہوئے تھے کہ کہیں سلیمان کی اطاعت سے سرکشی نہ کرنے لگیں۔ زجاج نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں بنائی ہوئی چیز کو تباہ نہ کر دیں۔

بنوی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کسی کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرمادیتے جب اس کام سے یہ فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا ایسا نہ ہو کہ یہ کہے ہوئے کام کو برباد کر دے، جنات کی یہ عادت ہی تھی کہ جب کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بے ہوش ہوئے کام کو ہی تباہ کر دیتے۔

اور ایوب کا تذکرہ کیجئے جب اس نے مصائب میں اپنے رب کو پکارا۔ اے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔ نادی یعنی دعا کی۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت ایوب رومی تھے، آپ کا جدی نسب اس طرح تھا۔ ایوب بن احرص بن رازح بن روم بن عبص بن اسحاق بن ابراہیم آپ کی والدہ حضرت لوط بن فاران کی اولاد میں سے تھیں۔

آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے اللہ نے آپ کے لئے دنیا وسیع کر دی تھی، سر زمین شام میں ایک گھائی جس کے اندر میدانی زمین بھی تھی اور پہاڑی بھی آپ کی ملک تھی۔ لونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھینر، بکری، گھوڑے گدھے ہر قسم کے بکثرت جانور آپ کے پاس تھے پانچ چوز بیلوں کے کھیتی کرنے کے لئے بھی آپ کے پاس تھے۔ ہر چوز کا خادم ایک غلام تھا اور ہر غلام کے بیوی بچے بھی تھے۔ بیلوں کی ہرجٹ کا یعنی کھیتی کرنے اور ہل جوتے وغیرہ کا سامان اٹھانے کے لئے ایک گدھی تھی اور ہر گدھی کے دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ اور اس سے زیادہ بچے تھے اللہ نے آپ کو اہل و عیال لڑکے اور لڑکیاں بھی عطا کی تھیں۔ آپ بڑے نیک، پرہیزگار، غریبوں پر رحم کرنے والے، مسکینوں کو کھانا کھلانے والے، بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے، یتیموں کی سرپرستی کرنے والے اور بڑے مہمان نواز تھے، مسافروں کو خرچ دے کر وطن تک پہنچا دیتے تھے، اللہ کی نعمتوں کا شکر اور اللہ کا حق ادا کرتے رہتے تھے اللہ نے شیطان مردود سے آپ کو محفوظ کر دیا تھا۔ اہلیس دوسرے مال داروں اور عزت سیاب لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل بنا دیتا ہے لیکن آپ اس کی دسترس سے باہر تھے۔ آپ کے پاس تین (خاص) آدمی تھے جو آپ پر ایمان لائے مگر ایک یعنی تھاجس کا نام الیقن تھا اور دو آپ ہی کی بستی کے رہنے والے تھے ایک کا نام یلد اور دوسرے کا نام صافر تھا، یہ تینوں میاں عمر کی آدمی تھے۔

اس زمانہ میں اہلیس کی رسائی آسمانوں پر تھی، آسمانوں میں جہاں چاہتا ٹھہر سکتا تھا۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد چار آسمانوں پر جانے کے اسے ممانعت کر دی گئی پھر رسول اللہ ﷺ کی پیدائش پر باقی آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا۔

حضرت ایوب اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کرتے رہتے تھے ایک بار جب آپ نے اللہ کا ذکر کیا اور حمد کی توفرشعوتوں نے اس وقت مل کر آپ کے لئے دعائے رحمت کی، اہلیس نے فرشتوں کی دعا سن پائی۔ سن کر جل گیا اور فوراً آسمان پر چڑھ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچا اور اللہ سے التجا کی اور کہا اسی میں نے تیرے بندے ایوب کے معاملہ پر غور کیا، میں نے دیکھا کہ تو نے اپنے بندے کو نعمتوں سے نوازا ہے اور اس لئے اس نے تیرا شکر کیا، تو نے اس کو عافیت عطا کی اس لئے اس نے تیری حمد کی، تو نے جو کچھ اس

کو مرحت کیا ہے اگر تو اس سے لے لے اور اس کو مصیبت میں مبتلا کر دے تو یہ مصیبت اس کو عبادت و حمد سے روک دے گی اور وہ تیری طاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے اس کے مال پر تجھے دسترس عطا کر دی، دشمن خدا ابلیس یہ اختیار لے کر آسمان سے زمین کی طرف آیا پھر خبیث جنات اور سرکش شیطانوں کو جمع کر کے کہنے لگا مجھے ایوب کے مال پر تسلط عطا کر دیا گیا ہے اور یہ ایسی سخت مصیبت ہے جس پر بڑے بڑے لوگ صبر نہیں کر سکتے بتاؤ تمہارے اندر کیا طاقت ہے تم اپنی اپنی طاقتوں کی تفصیل بتاؤ۔ ایک خبیث شیطان بولا مجھے ایسی قوت دی گئی ہے کہ اگر میں چاہوں تو آتشیں بگولہ بن جاؤں پھر جس چیز پر گزروں اس کو جلا ڈالوں۔ ابلیس نے کہا اچھا تو جس وقت ایوب کے لونٹ اپنی چراگا ہوں میں جیسے بیٹھے ہوں تم اونٹوں کی طرف جاؤ اور سب کو جلا ڈالو، یہ کہتے ہی لوگوں کو پتہ بھی نہ چلا اور ایک دم زمین کے نیچے سے ایک آتشیں بگولہ اٹھا اور جب اونٹوں کے پاس سے گزرا تو ان کو اور چرواہوں کو جلا کر سوختہ کر دیا یہاں تک کہ سب اونٹوں کو جلا کر ختم کر دیا اس کے بعد ابلیس اونٹوں کے ٹکڑوں کی صورت بنا کر ایک اونٹ پر سوار ہو کر حضرت ایوب کے پاس پہنچا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہنے لگا ایوب ایک آگ آئی سب اونٹوں کو ہر طرف سے اس نے گھیرے میں لے لیا سب اونٹ اور ان کے چرواہے سوختے ہو گئے۔ حضرت ایوب نے فرمایا الحمد للہ جس نے دیئے تھے اسی نے لے لئے، میں تو ہمیشہ سے اپنی جان و مال کو فنا ہونے والا سمجھے ہوا ہوں، ابلیس بولا آپ کے رب نے ان پر آسمان سے آگ بھیج دی جس سے سب جل گئے لوگ حیرت میں پڑ گئے اور ان کو بڑا تعجب ہوا کوئی کہنے لگا ایوب کسی کی پوجا ہی نہیں کرتے تھے محض دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے، بعض لوگ کہنے لگے ایوب خدا کی عبادت کرتے تھے خدا ہی نے یہ آگ بھیجی تاکہ ایوب کے دشمن خوش ہوں اور دوستوں کو دکھ پہنچے کسی نے کہا اگر ایوب کے معبود میں طاقت ہوتی اور وہ حفاظت کر سکتا تو ضرور اس کی کار سازی کرتا۔ حضرت ایوب نے یہ باتیں سن کر فرمایا الحمد للہ! اسی نے مجھے دیا تھا اسی نے مجھ سے لے لیا ہر حال میں وہ قابل حمد ہے۔ میں ماں کے پیٹ سے نکلا پیدا ہوا تھا اور نگاہی لوٹ کر مٹی میں جاؤں گا اور نگاہی اٹھ کر اللہ کی پاس جاؤں گا۔ جب اللہ تجھے کوئی چیز عاریتہ دے دے تو تجھے اترانے کا حق نہیں ہے اور جب اپنی عاریتہ پر قبضہ کر لے تو تجھے جزع و فزع نہ کرنا چاہیے اس چیز کا اللہ ہی زیادہ مستحق ہے اور وہی تیرا بھی مالک ہے اور اے شخص اگر اللہ کو تیرے اندر کوئی بھلائی معلوم ہوتی تو تو بھی شہید ہو جاتا اور ان روحوں کے ساتھ تیری روح بھی منتقل ہو جاتی، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو تیری طرف سے شرعی معلوم ہوئی۔ اسی لئے آگ کے اندر سے اور شہیدوں کے گرد سے تجھے نکال دیا۔ حضرت کی اس گفتگو سے ابلیس ذلیل و خوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا اب تمہارے پاس کوئی طاقت ہے میں تو ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا ایک دیو بولا میرے اندر ایسی قوت ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں ایسی چیخ ماروں کہ جو جان دار اس کو سنے اس کی جان نکل جائے، ابلیس نے کہا تو تم بھیڑ بکریوں اور ان کے چرواہوں کو جا کر ختم کر دو حکم ہا کر دیو فوراً چل دیا اور بھیڑ بکریوں کے درمیان پہنچ کر ایک چیخ ماری جس سے تمام بکریاں اور ان کے چرواہے مہم گئے اس کے بعد ابلیس چرواہوں کے درازغہ کے بھیس میں حضرت ایوب کے پاس پہنچا آپ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے پہنچ کر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور حضرت ایوب نے بھی پہلے کی طرح جواب دیا ابلیس اپنے رفقاء کے پاس واپس چلا گیا اور بولا اب بتاؤ تمہارے پاس کیا طاقت ہے میں تو اب بھی ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا۔ ایک خبیث جن کہنے لگا۔ اگر میں چاہوں تو آندھی بن سکتا ہوں جو ہر چیز کو اڑا کر لے جائے گی۔ ابلیس نے کہا تو بیلوں اور کھیتوں کے پاس جا، بیٹ جن چلا گیا، اور اچانک ایک طوفانی ہوا چلی اور ہر چیز کو اڑا کر لے گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد ابلیس کھیتی باڑی کے میجر کی شکل بنا کر حضرت ایوب کے پاس آیا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے وہی پہلے والی بات لی اور آپ نے بھی وہی سابق کا جواب دے دیا اور مصیبت پر صبر کرنے پر اپنے دل کو جمایا آخر جب آپ کے پاس کسی طرح کا مال نہ رہا اور ابلیس نے آپ کا سارا مال تباہ کر دیا تو آسمان پر پھر گیا اور بارگاہِ الہی میں عرض کیا الہی ایوب جانتا ہے کہ جب آل و اولاد سے تو نے اس کو بہرہ اندوز کیا ہے تو مال بھی عنایت کر دے گا اس لئے مطمئن ہے کیا تو مجھے اس کی اولاد پر تسلط عطا فرما دے گا یہ مصیبت ایسی ہے جس پر بڑے بڑے آدمیوں کے دل برقرار نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے

تھے ایوب کی لولاد پر دسترس عطا کی۔ دشمن خدا چلا آیا حضرت ایوب کی لولاد ایک قصر کے اندر تھی ابلیس نے اس قصر کے درو دیوار کو چھوڑ ڈالا.... دیواروں کو باہم ٹکرا دیا لکڑیاں اور پتھر لوہے سے پھینکے، یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو خوب زخمی کر دیا تو محل کو اٹھا کر الٹ دیا، سب لوگ سرخوں ہو کر گر پڑے اور ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد بچوں کے اتالیق کی شکل بنا کر حضرت ایوب کی خدمت میں پہنچا خود بھی اس وقت زخمی تھا چہرے پر خراشیں تھیں خون بہ رہا تھا جا کر واقعہ کی اطلاع دی اور کہا اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب کہ آپ کے بچے سخت لڑائیوں میں مبتلا ہوئے تھے خون بہ رہا تھا اور دماغ بھی باہر نکلنے لگے تھے، بیٹ پھٹ گئے تھے، انتڑیاں بکھری پڑی تھیں اسی حالت میں قصر الٹ گیا اور سب اٹے ہو کر جاں بحق ہو گئے تو آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ابلیس برابر اسی طرح کے دردناک الفاظ کہتا رہا اور حضرت ایوب سنتے رہے آخر آپ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور ایک مٹھی خاک اپنے سر پر ڈال لی اور کہا کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، ابلیس نے اس بات کو غنیمت سمجھا اور ایوب کے بے صبری کو دیکھ کر فوراً آسمان پر چڑھ گیا اور حضرت ایوب نے اپنے الفاظ سے رجوع کر لیا اور توبہ و استغفار کی اور آپ کی توبہ و استغفار کو ملائکہ لے کر ابلیس کے پیچھے سے پہلے ہی چاہنچے اور بارگاہ الہی میں پیش کر دی اللہ تو پہلے ہی بخوبی واقف تھا ملائکہ کی پیشی بھی حسب الحکم ہو گئی ابلیس ذلیل ہو گیا اور کہنے لگا۔ اہی تو نے ایوب کو تندرستی دی ہے جسمانی اذیت سے محفوظ رکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی تندرستی ہے تو اللہ مال و لولاد اور عنایت کر دے گا اس لئے مال و لولاد کی ہلاکت کا اس پر اثر نہیں پڑا تو مجھے اس کے جسم پر تسلط عطا کر دے گا تو اس کا قدم ڈگمگائے گا۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے ایوب کے جسم پر تجھے تسلط عطا کیا لیکن زبان اور دل پر تیرا تسلط نہیں ہے زبان و دل کی علاوہ باقی جسم کو تیرے زیر تسلط کر دیا گیا۔ اللہ نے ابلیس کو یہ تسلط صرف اس لئے عطا فرمایا تھا کہ ایوب کے ثواب میں اضافہ ہو صبر کرنے والوں کے لئے مثال ہو۔ ہر دکھ اور مصیبت پر صبر کرنے کی دوسروں کو تلقین ہو اور بامید ثواب ہر لذت پر ان کو صبر ہو۔ اللہ کا دشمن اجازت پا کر فوراً آیا، ایوب اس وقت سجدے میں تھے سر اٹھانے نہ پائے تھے کہ ابلیس آگیا اور چہرے کی طرف سے آکر ناک کے سوراخ میں ایک پھونک ماری جس سے حضرت ایوب کا جسم آگ کی طرح بھڑکنے لگا اور سر کی چوٹی سے پاؤں کی نوک تک ایسے دمبل نکل آئے جیسے بکری کی کلیجی اور ان میں کھجلی پیدا ہو گئی حضرت ایوب نے ناخنوں سے اس کو کھانا شروع کیا یہاں تک کہ سب ناخن گر گئے پھر کھر درے ٹاٹ سے کھجلیاٹاٹ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا پھر نوک دار کھر درے ٹھیکروں اور پتھروں سے کھجلیا اور اتنا کھجلیا کہ گوشت کٹنے لگا، بودینے لگا، سڑ گیا۔ بستی والوں نے آپ کو بستی سے باہر نکال کر ایک گھورے پر جھونپڑی بنا کر اس میں ڈال دیا اور سب نے چھوڑ دیا صرف آپ کی بی بی رحمت بنت افراسیم بن یوسف بن یعقوب نے ساتھ دیا بعض نے رحمت کو حضرت یوسف ہی کی صاحبزادی کہا ہے، رحمت آپ کے پاس آتی رہیں اور آپ کی ضروریات فراہم کر کے لاتی رہیں جب حضرت کے تینوں رفقاء الیقین، یلد اور صافر نے حضرت ایوب کی یہ ابتلائی حالت دیکھی تو وہ بھی کنارہ کش ہو گئے اور (شرعی جرم کرنے کی) آپ پر تہمت لگائی مگر آپ کے دین کو نہیں چھوڑا جب مصیبت بڑھ گئی تو ایک روز تینوں حضرت کے پاس آئے اور خوب سخت ست کہا اور کہنے لگے آپ کو اللہ کی طرف سے یہ کنوٹی سزوی گئی اللہ سے توبہ کیجئے۔

رہلوی کا بیان ہے ایک نوجوان مومن بھی ان تینوں کے ساتھ تھا اس نے کہا۔ عمر رسیدہ لوگو کو آپ لوگ اپنی عمروں کی بیشی کی وجہ سے کلام کرنے کے زیادہ مستحق ہو لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ کہا خیال کیا اور جو بات کی اس سے زیادہ اچھا کام بہترین رائے اور مناسب ترین بات بھی پیش کر سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب کا تم پر حق ہے، ذمہ داری ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ تم نے کس کی توجہ اور بے عزتی کی وہ کیسی شخصیت ہے جس پر تم نے عیب توپے درناتہ چھین لی کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے اس وقت تمام اہل ارض سے برگزیدہ اور اللہ کا منتخب بندہ ہے پھر تم کو یہ جہی نہیں معلوم اور اللہ نے تم کو بتایا ہے کہ جب سے ایوب کو پیغمبری ملی بھی بھی اللہ نے اس کی کسی حرکت کو ناپسند کیا، جو عزت اس کو عطا فرمائی ہے اس کا کوئی حصہ چھین لیا، نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت سے جب سے تم اس کے ساتھ ہوئے، کبھی بھی آج تک اس نے اللہ

کے سلسلہ میں کوئی ناحق بات کمی ہو۔ جس دکھ اور تکلیف کو تم ایوب کے لئے اپنے خیال میں باعث تذلیل و تحقیر سمجھتے ہو وہ ایسا نہیں ہے اللہ اپنے پیغمبروں، صدیقیوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کو دکھ میں مبتلا کرتا چلا آیا ہے اس کی طرف سے یہ دکھ اور امتحان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس طبقہ سے ناراض ہے نہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی نظر میں یہ لوگ ذلیل ہو گئے بلکہ یہ امر تو ان کے لئے مزید عزت افزائی اور فضیلت ہے۔

اور بالفرض اگر ایوب اللہ کے نزدیک اس مرتبہ پر نہیں بھی ہوں تب بھی وہ تمہارے بھائی تو ہیں، تم نے ان کے ساتھ رہ کر ان سے برادری کی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو پیغمبر نہیں مانتے تو دوست ہی سمجھو مدت تک تم ان کی ساتھ رہے ہو اور کسی دانش مند کے لئے جائز نہیں کہ اپنے دوست سے اس کی مصیبت کے وقت کنارہ کش ہو جائے یا اس کو لعنت و ملامت کرے وہ تو خود غم رسیدہ اور دکھی ہے اس پر نکتہ چینی کرنا اور نکتہ چینی بھی وہ جس کا علم عار دلانے والے کو نہیں کسی طرح درست نہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس سے ہمدردی کی جائے اس کے رونے میں شرکت کی جائے اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور جو تدبیریں اس کے معاملے کو درست کرنے والی ہیں وہ بتائی جائیں۔ دانش مند اور ہدایت یافتہ وہ شخص نہیں جو ان باتوں سے ناواقف ہو۔

سن رسیدہ بزرگو! اللہ کی عظمت و جلال کا مطالعہ اور موت کی یاد تمہاری زبانوں کو کاٹ دیتی ہے اور دلوں کو پیارہ پیارہ کر دیتی ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو بڑے فصیح اللسان، بلخ البیان، دانش مند اور عالم ہیں نہ گونگے ہیں نہ بیان سے عاجز اس کے باوجود اللہ کے خوف نے ان کو خاموش کر دیا ہے جب وہ اللہ کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی زبانیں ماسوا کے تذکرے سے کٹ جاتی ہیں، رو نکلنے کھڑے ہو جاتے ہیں دل پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور ہوش و حواس پر اں ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی عظمت کو دیکھنے اور جلال الہی کا مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے لیکن جب ان کو ہوش آتا ہے اور استقامت حاصل نصیب ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے پاکیزہ اعمال کے ساتھ اللہ کی طرف دوڑتے ہیں مگر اپنا شمار خطا و اردوں اور ظالموں کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ابرار اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لیکن قصور واروں اور گناہ گاروں کے ساتھ ہوتے ہیں یہی لوگ بڑے دانش مند اور اصحاب قوت ہیں۔ حضرت ایوب نے اس نوجوان کی یہ تقریر سن کر فرمایا اللہ چھوٹے بڑے کے دل میں اپنی رحمت سے حکمت کی تخم پاشی کرتا ہے پھر دل میں پودا پیدا ہوتا ہے تو زبان پر اللہ اس کو ظاہر فرمادیتا ہے حکمت کا مدار نہ طول عمر اور بڑھاپے پر ہے نہ تجربے کی فراوانی پر اگر اللہ کسی کو بچپن میں ہی باحکمت بنا دیتا ہے تو اس کا مرتبہ دوسرے حکماء کے نزدیک کم نہیں ہوتا۔ اہل حکمت جانتے ہیں کہ نور عزت خدا داد ہے اس کے بعد حضرت ایوب نے ساتھیوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے رب کی طرف رخ کر کے فریاد و زاری میں مشغول ہوئے۔ عرض کیا اے میرے رب تو نے مجھے کس لئے پیدا کیا کاش تو نے مجھے پیدا نہ کیا ہوتا۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ مجھ سے کوئی خطا ہو گئی اور میں نے کونسا ایسا کام کیا جس کی وجہ سے تو نے اپنا مبارک رخ میری طرف سے پھیر لیا، اگر میں نے کوئی گناہ کیا تو مجھے مار ڈالتا اور میرے آباؤ اجداد کے ساتھ مجھے ملا دیتا، موت ہی میرے لئے زیادہ مناسب تھی، کیا میں مسافروں کے لئے قیام گاہ اور مسکنوں کے لئے قرار گاہ نہیں بنا ہوا تھا، کیا میں یتیموں کا والی اور یتیموں کا سرپرست نہیں تھا۔ الہی میں تیرا بندہ ہوں اگر تو مجھ سے بھلائی کرے گا تو تیرا احسان ہے اور اگر میرے ساتھ برائی کرے گا تو مجھے سزا دینے کا تجھے اختیار ہے، تو نے مجھے مصیبتوں کی آماج گاہ اور دکھوں کا نشانہ بنا دیا، مجھ پر ایسی مصیبت پڑی ہے کہ اگر تو پہاڑ پر ڈال دیتا تو وہ بھی نہ اٹھا سکتا، پھر میری کمزوری اس کو کیسے برداشت کر سکتی ہے تیرے قطعی حکم نے مجھے ذلیل کر دیا اور تیری ہی حکومت نے مجھے بد حال بنا دیا اور میرے جسم کو دبلا کر دیا۔ اگر میرا رب اپنی ہیبت کو نکال دے جو میرے دل میں ہے اور میری زبان کو رواں کر دے کہ میں منہ بھر کر بول سکوں، پھر یہ مناسب بھی ہو کہ بندہ اپنی طرف سے حجت پیش کر سکے تو امید ہے کہ جو مصیبت مجھ پر ہے اس سے مجھے بجا عطا کر دے گا لیکن وہ تو مجھ سے بہت بالا و اعلیٰ ہے وہ مجھے دیکھتا ہے میں اسے نہیں دیکھتا وہ میری بات سنتا ہے میں اس کی آواز نہیں سنتا اس کی نظر عنایت میری طرف نہیں۔ نہ وہ مجھ پر

رحم کرتا ہے نہ مجھ سے قریب ہے نہ مجھے اپنے قریب کرتا ہے کہ میں اپنا عذر پیش کر سکوں اور اپنی براءت کی بات کر سکوں اور اپنا دفاع کر سکوں۔ حضرت ایوب اتنی ہی بات کرنے پائے تھے اور آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ یک دم ایک بادل چھا گیا ساتھیوں نے خیال کیا کہ اس کے اندر کوئی عذاب آیا، لیکن اس کے اندر سے آواز آئی اے ایوب! اللہ فرماتا ہے میں تیرے قریب ہوں اور ہمیشہ سے تیرے قریب ہی رہا، اٹھ اپنا عذر پیش کر اور اپنی براءت کی بات کر اور اپنی طرف سے دفاع کر اور کمر کس کر اٹھ کھڑا ہو اور اس مقام پر کھڑا ہو جس مقام پر کوئی طاقت ور کھڑا ہو کر دوسرے طاقتوں کا دفاع کرتا ہے اگر تجھ سے ہو سکے۔ مجھ سے وہی جھگڑا کر سکتا ہے جو مجھ جیسا ہو، اے ایوب تیرے نفس نے تجھے آرزو مند بنا دیا ہے کہ تو اپنی قوت سے اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا تو کہاں تھا جس روز میں نے زمین کو پیدا کیا، اور اس کی بنیاد پر اس کو قائم کیا، کیا تو میرے ساتھ زمین کے کناروں کو پھیلا رہا تھا کیا تو واقف ہے کہ میں نے کس انداز سے اس کو بنایا، کس چیز پر اس کے اطراف کو قائم کیا کیا تیری اطاعت کر کے پانی نے زمین کو اٹھایا ہے کیا تیری حکمت سے زمین پانی کا سرپوش بنی ہوئی ہے تو اس روز کہاں تھا جب میں نے آسمان کو چھت کی شکل میں ہوا میں بلند کیا تھا نہ لو پر سے کوئی رسی ہے کہ آسمان اس سے بندھا لگا رہا ہو، نہ نیچے سے ستون اس کو اٹھائے ہوئے ہیں کیا تو اپنی حکمت سے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ آسمان کے نور کو بہا دے یا ستاروں کو چلا دے کیا تیرے حکم سے رات و دن کا اول بدل ہو رہا ہے۔ جس روز دریاؤں کے فوارے میں نے زمین سے نکالے تھے اور سمندروں کو ان کی حدود میں بند کیا تھا تو کہاں تھا کیا تیری قوت سے سمندروں کی لہریں ان کی حدود کے اندر روکی گئی ہیں یا مدت حمل ختم ہونے پر رحم کا منہ تو کھولتا ہے جب میں نے پانی کو خاک پر رکھا اور لوہے پہاڑ پر پائے تھے، تو کہاں تھا کیا مجھے علم ہے کہ کس چیز پر میں نے پہاڑوں کو برپا کیا ہے یا کس توازن سے ان کو قائم کیا ہے کیا تیرے پاس ایسی کلانیاں ہیں جو ان کا بوجھ اٹھا سکیں۔ کیا تو جانتا ہے کہ جو پانی میں آسمان سے اتارتا ہوں وہ کہاں سے آتا ہے کس چیز سے بادل پیدا ہوتا ہے۔ برف کا خزانہ کہاں ہے، اولوں کے پہاڑ کہاں ہیں، دن کے اندر رات کا خزانہ کہاں ہے اور رات میں دن کا خزانہ کہاں رہتا ہے اور ہواؤں کا خزانہ کہاں ہیں، درخت کس زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ کس نے انسان کے جوف سینہ یا پیٹ یا سر میں عقل پیدا کی اور کس نے کانوں اور آنکھوں کے یہ شکاف بنائے، فرشتے کس کے اقتدار کے مطیع ہیں اور کس نے اپنی تمہاری طاقت سے سب طاقتوروں کو مغلوب کر رکھا ہے اور کس نے اپنی حکمت سے رزق کی تقسیم کی ہے۔ اللہ نے اسی طرح کے کلام میں اپنی آثار قدرت کا بکثرت اظہار فرمایا۔

ایوب نے عرض کیا، اے اللہ جو تفصیل تو نے بیان فرمائی اس کو سمجھنے اور جواب دینے سے میری حالت اور میرا مرتبہ حقیر ہے میری زبان گنگ ہو گئی میری عقل و دانش کند ہو گئی اور میری قوت کمزور پڑ گئی۔ اے میرے معبود! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو نے بیان فرمایا وہ تیرے ہی دست قدرت کی کاریگری اور تیری ہی حکمت کی تدبیر کا نتیجہ ہے بلکہ تیری تدبیر، حکمت و صنعت اور قدرت اس سے بھی بڑی ہے کوئی چیز تجھے بے بس نہیں کر سکتی کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ میرے معبود! مجھ پر دکھ ایسے پڑے کہ میں بے قابو ہو کر بول پڑا مصیبت نے ہی میری زبان چلا دی۔ کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں جا جاتا اور ایسی بات اپنے رب کی شان میں نہ کہتا جو میرے رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی، کاش اس سے پہلے ہی سخت ترین دکھ سے پیدا ہونے والے غم کی وجہ سے میں مر چکا ہوتا میں نے جو کچھ زبان سے نکالا وہ اس لئے نکالا کہ تو میری معذرت قبول فرمائے اور خاموش رہا تو اس لئے کہ تجھے مجھ پر رحم آجائے۔ میری زبان سے غلطی سے ایک بات نکل گئی دوبارہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا ہے اور دانتوں کے نیچے زبان دہالی ہے اور چہرے پر خاک مل لی ہے۔ آج میں تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، سخت دکھ سے تیرے ہی جو ارحم الراحمین کا خواستگار ہوں مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ میں تیری سزا سے محفوظ رہنے کے لئے تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں میری فریاد رسی فرما، میں تیری ہی مدد کا طلبگار ہوں میری مدد کر میں جیسی پر بھروسہ رکھتا ہوں میرا کام پورا فرمادے میں تیرے ہی ذریعہ سے بجاؤ کا خواہاں ہوں مجھے اپنی حفاظت میں لے لے، میں تجھ سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرمادے میں آئندہ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو تیری مرضی کے خلاف ہو۔ اللہ نے ایوب

سے فرمایا تیرے بارے میں میرا علم (پہلے ہی) نافذ ہو چکا تھا اور میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے میں نے تیرا قصور معاف کیا تیرے اہل و عیال اور مال کی واپسی کا حکم دے دیا بلکہ جتنا تیرے پاس تھا اتنا ہی مزید تجھے دے دیا تاکہ پیچھے آنے والوں کے لئے قدرت کی نشانی مصیبت زدہ لوگوں کے لئے عبرت اور صبر کرنے والوں کے لئے باعث عزت ہو جائے اپنی ایڑی زمین پر مار دیکھ یہ ٹھنڈا پینے کا اور نہانے کا پانی ہے، اسی میں تیری شفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لئے دعاء مغفرت کر انہوں نے تیرے متعلق میری نافرمانی کی ہے یعنی تیرے متعلق برا خیال قائم کیا اور تجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ حسب الحکم ایوب نے زمین پر اپنی ایڑی ماری فوراً ایک چشمہ پھوٹ نکلا، ایوب نے اس میں گھس کر غسل کیا اور فوراً ہی اللہ نے سارے دکھ دور کر دیئے آپ چشمہ سے نکل کر آکر بیٹھ گئے اتنے میں سامنے سے آپ کی بی بی آگئی اور ایوب جہاں پہلے پڑے تھے وہاں آپ کو تلاش کرنے لگی اور جگہ خالی پا کر متحیر دیوانی ہو کر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی آخر ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ کر حضرت ایوب سے ہی پوچھنے لگی اللہ کے بندے تم کو اس بیمار کا کچھ پتہ ہے جو یہاں پڑا ہوا تھا ایوب نے جواب دیا جی ہاں (میں اس کو پہچانتا ہوں) نہ پہچاننے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہہ کر آپ مسکرائیے اور فرمایا وہ میں ہی تو ہوں ہنسنے سے بی بی نے پہچان لیا اور دوڑ کر گلے لگ گئی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عبد اللہ بن عباس کی جان ہے بی بی ایوب کے گلے سے اس وقت تک لپٹی رہی کہ سارے موسیٰ اور اولاد جو فنا ہو چکی تھی دوبارہ زندہ ہو کر ان کے سامنے سے گزر گئی۔ اسی کا تذکرہ ہے آیت ذیل میں۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَرْبِيَّ مَسْكِينٍ الضُّرُّ اور یاد کرو ایوب کا واقعہ جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب

مجھے دکھ لگ گیا ہے۔

ضُرُّ حالت کا خراب ہونا، جسمانی ہو یا مالی یا عزت کی بربادی۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے ضُرُّ (بالفتح) اور ضُرُّ (بالضم) مصدر ہے اور ضُرُّ (بالضم) اسم بھی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے۔ ضُرُّ (بالفتح) کا استعمال ہر دکھ کیلئے عام ہے بدنی ہو یا مالی اور ضُرُّ (بالضم) کا استعمال صرف بدنی دکھ کیلئے ہوتا ہے جیسے کوئی

بیماری یا بدن کی لاغری کمزوری۔ مسکتی مدت دکھ میں مبتلا رہے، کب دعا کی اور کیوں کی۔

سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ زہری نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ایوب اٹھارہ برس دکھ میں مبتلا رہے۔ وہب بن منبہ نے کہا پورے تین سال مبتلا رہے ایک دن بھی زائد نہیں ہوا، کعب احبار کے قول میں سات سال کی مدت مذکور ہے۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ مدت مرض سات سال سات ماہ اور سات دن ہوئی۔ حسن بصری نے کہا ایوب سات سال اور چند ماہ بنی اسرائیل کے گھورے پڑے رہے آپ کے بدن میں کیڑے سے ریگتے تھے، سوائے بی بی رحمت کے کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا صرف رحمت آپ کے ساتھ جمی رہیں آپ کے لئے کھانا لاتی تھیں اور جب ایوب اللہ کی حمد کرتے تھے تو بی بی بھی حمد میں شریک ہوتی تھیں۔ اس حالت میں بھی ایوب ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے، ایلیس یہ بات دیکھ کر چیخ پڑا اور اطراف زمین سے اپنے تمام لاؤ لشکر کو بلا کر اپنے پاس جمع کر کے کہنے لگا مجھے تو اس بندے نے عاجز کر دیا ہے میں نے نہ اس کا مال چھوڑا، نہ اولاد اس حالت میں بھی یہ صبر کرتا رہا بلکہ پہلے سے زیادہ اس نے صبر کا اظہار کیا پھر مجھے اس کے بدن میں بھی اختیار مل گیا تو میں نے اس کے سارے بدن کو چھوڑا بنا کر چھوڑ دیا کہ یہ گھورے پر پڑا رہتا ہے اور سوائے اس کی بیوی کے اور کوئی اس کے پاس بھی نہیں پھلکتا ہے مگر اس حالت میں بھی اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اب میں تم سے فریاد کرتا ہوں تم ہی میری مدد کرو اب میں کیا کروں ایلیس کے ساتھیوں نے کہا وہ تدبیر کیا ہوئی جس کی وجہ سے آپ نے گزشتہ لوگوں کو برباد کر کے چھوڑا۔ ایلیس نے کہا وہ ساری تدبیریں بے کار گئیں مجھے کچھ اور مشورہ دو، ساتھیوں نے کہا آدم تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی کہ آپ نے اس کو جنت سے نکلوایا۔ ایلیس نے کہا میں نے اس کی عورت کا زریہ اختیار کیا تھا، ساتھیوں نے

کہا تو اب بھی ایوب کے سلسلہ میں اس کی عورت کے ذریعہ سے کچھ تدبیر کیجئے ایوب بیوی کے خلاف نہیں کر سکے گا اور بیوی کے علاوہ کوئی اور اس کے پاس جاتا نہیں ہے، ابلیس نے کہا تمہارا مشورہ ٹھیک ہے اس کے بعد ابلیس حضرت ایوب کی بیوی کے پاس پہنچا اور مرد کی شکل میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دریافت کیا اللہ کی بندی تیرا شوہر کہاں ہے بیوی نے کہا وہ یہی تو ہیں جو اپنے پھوڑوں کو کھج رہے ہیں اور ان کے بدن کے اندر کیڑے ریگ رہے ہیں، شیطان نے بی بی کے منہ سے یہ بات سنی تو اس کو امید ہو چلی اور اس نے خیال کیا کہ شاید یہ الفاظ بے صبری کے ہوں اور میں اس عورت کو مزید درد مند بنا کر بے صبر بنا سکوں چنانچہ اغوا کے طور پر بی بی کو راتوں کا وہ دور یاد دلایا جس سے وہ گزر چکی تھیں مویٹیوں کا اور مال کا تذکرہ ایوب کے گزشتہ شباب کا ذکر کیا اور موجودہ دکھ اور تکلیف کا بھی بیان کیا اومیہ بھی کہا کہ اب یہ دکھ بھی ختم ہونے والا نہیں۔

حسن کی روایت میں ہے ان تذکروں کو سن کر بی بی چیخ پڑی، اس کی چیخ سن کر ابلیس سمجھ گیا کہ اب اس عورت کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور تدبیر کا کامیاب ہو جانا ممکن ہے چنانچہ اس نے ایک بکری کا بچہ بی بی کو لاکر دیا اور کہا ایوب کو چاہئے کہ اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دے اس طرح وہ تندرست ہو جائے گا۔ بی بی حضرت ایوب کی طرف لوٹی اور دور سے ہی چیختی ہوئی آئی ایوب کب تک آپ کا رب آپ کو دکھ دیتا رہے گا۔ مال کہاں گیا، اولاد کہاں گئی، دوست کہاں گئے، آپ کا خوبصورت رنگ کیا ہوا آپ کا حسین جسم کس طرف چلا گیا۔ بکری کے اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیجئے یہ دکھ جاتا رہے گا آپ آرام سے ہو جائیں گے، حضرت ایوب نے فرمایا، دشمن خدا تیرے پاس جا پہنچا اور تیرے اندر اس نے پھونک مادی، تیرا براہویہ تو بتا کہ جس مال مویشی اولاد اور صحت پر تو رو رہی ہے وہ دی کس نے تھی۔ بی بی نے کہا اللہ نے۔ ایوب نے کہا اور کتنے زمانے تک ہم مزے اڑاتے رہے۔ بی بی نے کہا اسی برس تک۔ ایوب نے کہا اب کتنے زمانے سے ہم پر یہ مصیبت پڑی ہے، بی بی نے کہا سات برس اور چند مہینوں سے۔ ایوب نے کہا تو کیا یہ تیری انصاف کی بات ہوگی اگر تو اتنی برس تک مصیبت نہ جھیلے جس طرح اسی برس تک ہم راحت سے بہرہ اندوز رہے اگر اللہ نے مجھے شفا دے دی تو خدا کی قسم میں تیرے سوا تازیا نے ماروں گا تو مجھے مشورہ دے رہی ہے کہ میں اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کروں تو جو کھانا پینا لے کر آئی ہے مجھ پر حرام ہے اور آئندہ بھی جو کچھ تولے کر آئے گی اس کو چکھنا بھی میرے لئے حرام ہے میرے پاس سے تو الگ ہو جا مجھے صورت نہ دکھا۔ غرض ایوب نے بی بی کو نکال دیا اور وہ چلی گئی، اس کے بعد جب ایوب نے دیکھا کہ اب تو میرے پاس نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پینے کو نہ میرا کوئی دوست ہے تو سجدہ میں گر پڑے اور دعا کی اے میرے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔

وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۰۱﴾

پہلے اپنی قابل رحم حالت کا اظہار کیا اور پھر اللہ کے ارحم الراحمین ہونے کا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ

فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرِّهِ

یوب نے حکم کی تعمیل کی فوراً پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا، حسب الحکم، آپ نے اس میں غسل کیا غسل کرتے ہی ہر ظاہری بیماری جاتی رہی اور حسن و شباب لوٹ آیا اور چالیس قدم چلے پھر دوبارہ ایڑی مارنے کا حکم ہوا آپ نے حکم کی تعمیل کی تو ایک اور چشمہ پھوٹ نکلا جس کا پانی ٹھنڈا تھا، حکم ہوا اس میں سے پانی لے کر پیو، جو نہی آپ نے وہ پانی پیا تمام اندرونی بیماریاں بھی دفع ہو گئیں اور مکمل ترین تندرست، حسین، جوان مردوں کی طرح ہو گئے اس کے بعد آپ نے لباس پہنا اور دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھا تو وہ تمام مال و اولاد جو پہلے ان کے پاس تھی سب موجود پائی بلکہ اللہ نے اس کو دو گنا کر دیا۔ دولت کی کثرت اتنی ہو گئی کہ جس پانی سے آپ غسل کر رہے تھے اس کی پھینٹیں جب سینہ پر پڑیں تو وہ سونے کی ٹڈیاں بن گئیں اور حضرت ایوب ان کو پکڑنے کے لئے ہاتھ مارنے لگے، اللہ نے وحی بھیجی ایوب کیا میں نے تجھے غنی نہیں بنا دیا ہے، آپ نے عرض کیا بے شک تو نے مجھے غنی بنا دیا، لیکن یہ تو تیری مزید عنایت ہے اور مزید رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے۔



بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایوب برہنہ غسل کر رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں آپ کے اوپر گرنے لگیں آپ ان کو کپڑے میں بھرنے لگے، ندا آئی ایوب کیا میں نے تجھ کو اس سے بے نیاز نہیں کر دیا ہے تیرے پاس تو بہت مال ہے تجھے سونے کی ٹڈیاں پکڑنے کی کیا ضرورت ہے ایوب نے کہا تیری عظمت کی قسم تو نے مجھے غنی ضرور بنا دیا ہے لیکن تیری طرف سے نازل ہونے والی برکت سے تو میں بے نیاز نہیں ہوں۔

حسن کا بیان ہے تندرست ہونے کے بعد حضرت ایوبؑ ایک اونچی جگہ پر جا بیٹھے لوہر بیوی نے اپنے دل میں کہا اگر ایوب نے مجھے نکال بھی دیا ہے پھر بھی میں کس کے بھروسہ پر اس کو چھوڑ سکتی ہوں یوں وہ بھوکا مر جائے گا اور اس کو درندے کھا جائیں گے، یہ سوچ کر بیوی لوٹ آئی تو وہاں نہ وہ گھور املا، نہ گزشتہ حالت کا نشان۔ سب چیزیں بدل گئی تھیں جہاں پہلے گھورا تھا۔ بے چاری چکر کاٹنے اور رونے لگی، یہ سب واقعہ ایوب کی نظر کے سامنے ہو رہا تھا اور چونکہ آپ ایک اچھا لباس پہنے تھے اس لئے وہ بی بی آپ کے پاس آ کر پوچھنے سے ڈر رہی تھی حضرت ایوب نے خود ہی اس کو بلایا اور دریافت کیا اللہ کی بندی تیرا کیا مقصد ہے، بی بی رونے لگی اور کہا یہاں گھورے پر ایک بیمار پڑا تھا مجھے اس کی تلاش سے معلوم نہیں وہ مر گیا یا کیا واقعہ اس کو پیش آیا حضرت نے پوچھا وہ تیرا کون تھا بی بی نے رو کر کہا وہ میرا شوہر تھا۔ حضرت نے کہا اگر تو اس کو دیکھ لے تو پہچان لے گی، بیوی نے کہا کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اس کو دیکھا ہو اور پہچان نہ سکے، پھر ڈرتے ڈرتے وہ آپ کو تکنے لگی اور کہا جب وہ تندرست تھا تو نقشہ میں آپ کے ساتھ بہت مشابہ تھا۔ حضرت نے فرمایا میں ہی ایوب ہوں جس کو تو نے ابلیس کے نام پر قربانی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن میں نے اللہ کا حکم مانا اور شیطان کا کمانہ مانا۔ میں نے اللہ سے دعا کی اس نے مجھے وہ سب چیزیں لوٹا کر دے دیں جو تیری نظر کے سامنے ہیں۔

دوب کا بیان ہے ایوب برسون دکھ میں رہے اور ابلیس پر غالب آئے اور شیطان ان پر بالکل قابو نہ پاسکا تو ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت ایوب کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا ظاہری شکل آدمی کی بنائی تھی لیکن عجیب ہیبت تھی دوسرے آدمیوں سے جسم، قد اور حسن کے لحاظ سے بالکل ممتاز تھا اور گھوڑے کی جسامت نظر فریبی اور اعضاء کی مکمل ساخت بھی دوسرے گھوڑوں سے اعلیٰ تھی، جب حضرت ایوب کی بیوی اوہر سے گزری تو شیطان نے اس سے کہا کیا تم اس دکھی ایوب کی بیوی ہو۔ بیوی نے کہا ہاں، شیطان نے کہا کیا تم مجھے پہچانتی ہو بیوی نے کہا نہیں، شیطان نے کہا میں زمین کا دیوتا ہوں میں نے ہی ایوب کا یہ حال کر رکھا ہے کیونکہ اس نے مجھے چھوڑ کر آسمان کے خدا کی پوجا کی تھی اور مجھے ناراض کر دیا تھا اب بھی اگر وہ مجھے ایک سجدہ بھی کر لے تو میں نے ایوب کا جو مال والاد لے لیا ہے وہ تم دونوں کو لوٹا دوں گا وہ سب چیزیں میرے پاس موجود ہیں، یہ کہہ کر شیطان نے وادی کے اندر عورت کو تمام وہ جانور دکھائیے جو مر چکے تھے۔ وہب کا بیان ہے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابلیس نے زوجہ ایوب سے یہ بھی کہا کہ اگر تیرا آدمی بغیر بسم اللہ کے کھانا کھالے گا تو اس کو تندرست کر دیا جائے گا اور جس مرض میں وہ مبتلا ہے وہ دکھ دور کر دیا جائے گا۔

بعض کتابوں میں آیا ہے کہ ابلیس نے عورت سے کہا تھا مجھے ایک سجدہ کر لے میں تیرا مال اولاد واپس کر دوں گا اور تیرے شوہر کو بھلا چنگا بنا دوں گا۔ عورت نے واپس آ کر حضرت ایوب کو اس بات کی اطلاع دی، حضرت ایوب نے فرمایا وہ دشمن خدا تیرے پاس دین سے بہکانے کے لئے آپہنچا، پھر آپ نے قسم کھائی کہ اگر اللہ مجھے تندرست کر دے گا تو میں سوتا زیا نے تیرے ماروں گا۔ جب آپ نے دیکھا کہ ابلیس کو اب یہ خیال ہو چلا ہے۔ کہ آپ کی بیوی اس کو سجدہ کر لے گی اور اس نے بیوی کو اور جھگھ کو کفر کی دعوت دینے کی جرات کی ہے اس وقت آپ نے دعا کی رَبِّ اِنِّیْ سَسْتَنِیْ الضَّرَّۃَ چُونکہ آپ کی بی بی رحمت نے مصیبت میں آپ کا ساتھ دیا اور صبر کیا اس لئے اللہ نے اس پر رحمت فرمائی اور اس کے لئے حکم میں تخفیف کر دی اور حضرت ایوب کو قسم پوری کرنے کی یہ تدبیر بنا دی کہ سوشاخوں کا ایک گنھالے کر ایک دم رحمت کے مار دو اس طرح تمہاری قسم پوری ہو جائے گی حضرت ایوب نے حکم کی تعمیل کی چھوٹی چھوٹی سوشاخوں کا ایک گنھالے کر بیوی کے ایک مرتبہ مار دیا۔

بعض روایت میں آیا ہے کہ ابلیس ایک صندوقچے میں دو امیں بھر کر طبیب کی ہیبت بنا کر حضرت ایوب کی بیوی کے راستے میں آکھڑا ہوا۔ بی بی اوھر سے گزری اور طبیب کو دیکھا تو اس سے کہا میرا ایک بیمار ہے کیا تم اس کا علاج کر دو گے۔ ابلیس نے کہا ہاں علاج کر دوں گا اور اس کے سوا اور کسی معاوضہ کا طلب گار بھی نہیں ہوں گا کہ جب میں اس کو تندرست کر دوں تو وہ اتنا کہہ دے کہ تم نے مجھے صحت مند کر دیا، بیوی نے جا کر حضرت ایوب سے اس بات کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا وہ ابلیس ہے جس نے تجھے فریب دیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے شفاء عطا فرمادی تو میں تیری سوچیاں ماروں گا۔

وہ بے غیرہ کا بیان ہے کہ ایوب کی بیوی کچھ محنت مزدوری کر کے ایوب کے لئے کھانا لے آتی تھی جب ایوب کا دکھ اور بڑھ گیا تو لوگوں نے آپ کی بیوی کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور ایک روز تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کسی نے اس کو کام پر لگایا ہی نہیں دن بھر اس نے کام کی تلاش کی مگر کوئی کام نہیں ملا مجبور اس نے اپنے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک روٹی کے عوض اس کو بیچ ڈالا۔ روٹی لے کر ایوب کے پاس آئی تو آپ نے پوچھا سر کی لٹ کیا ہوئی۔ بی بی نے واقعہ بیان کر دیا اس وقت آپ نے کہا: **مَسْتَسْنِي الضَّرُّ**۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے جب زخموں کے کیڑے آپ کے دل اور زبان کی طرف جانے لگے تھے، پ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اللہ کے ذکر و فکر سے بھی رہ جاؤں۔

حسب بن ثابت نے کہا جب تین باتیں حضرت ایوب کے سامنے آگئیں اس وقت مجبور آپ نے **مَسْتَسْنِي الضَّرُّ** کہا۔ (۱) حضرت ایوب کی بیماری کی اطلاع آیا کہ آپ کے دو دست آئے اور دیکھا کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اور عام حال بھی برا ہے، کہنے لگے اگر اللہ کے ہاں تمہارا کچھ بھی مرتبہ ہوتا تو یہ دکھ تم کو نہ پہنچتا۔ (۲) بیوی نے آپ کے لئے کھانا تلاش کیا لیکن قیمت موجود نہ ہونے کی وجہ سے میسر نہ آیا مجبور اپنا ایک گیسو کاٹ کر (فروخت کر کے اس کی قیمت سے) کھانا لے کر آئی اور آپ کو کھلایا۔ (۳) ابلیس نے کہا تھا کہ میں ایوب کا علاج کر دوں گا، شرط یہ ہے کہ شفاء پانے کے بعد وہ یہ اقرار کر لے کہ تو نے مجھے تندرست کر دیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ایوب کے دل میں دوسوہ ڈالا کہ شاید بیوی نے حرام زنا کیا اور گیسو کاٹ دیا، اس دوسوہ کے پیدا ہونے پر آپ کے لئے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور بیوی کو بلا کر بقتسم کہا کہ میں تیرے سوا تازیا نے ماروں گا اور پھر دعا کی۔

**مَسْتَسْنِي الضَّرُّ** کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ دشمنوں کی شہادت کا مجھے دکھ لگ گیا ہے بعض روایت میں آیا ہے کہ تندرست ہو جانے کے بعد جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ مصیبت کے زمانے میں سب سے بڑھ کر تکلیف دہ چیز آپ کے لئے کیا تھی فرمایا میرے دکھ پر دشمنوں کا خوش ہونا۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ ایک کیڑا ران سے نیچے گر گیا آپ نے اس کو اٹھا کر پھر اس کی جگہ ران میں رکھ دیا اور فرمایا کیا مجھے اللہ نے تیری غذا بنایا ہے۔ اس وقت کیڑے نے ایسا کاٹا کہ جتنے کیڑوں نے اس سے پہلے کاٹا تھا سب کی تکلیف سے اس کیڑے کے کاٹنے کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ نے بے ساختہ **مَسْتَسْنِي الضَّرُّ** کہا۔

ایک شبہ

اللہ نے تو ایوب کو صابر کے خطاب سے سرفراز فرمایا، حالانکہ اپنے دکھ کا شکوہ کیا اور بے صبری کا مظاہرہ کیا اِنِّی **مَسْتَسْنِي الضَّرُّ** بھی کہا اور **مَسْتَسْنِي الشَّيْطَانُ بِنَصْبٍ وَّعَذَابٍ** بھی فرمایا۔

ازالہ

یہ شکایت نہ تھی دعا تھی کیونکہ اللہ نے اس دعا کے سلسلہ میں فرمایا **فَاَسْتَجِبْنَا لَهُ** ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جزع اور بے صبری تو مخلوق سے بیماری کی شکایت کرنے کی صورت میں ہو سکتی ہے، اللہ سے بیماری کے

انظار کا نام جزع اور بے صبری نہیں۔ حضرت یعقوب نے فرمایا تھا۔ إِنَّمَا أَشْكُو بَيْنِي وَبَيْنِي إِلَى اللَّهِ مِنْ أَمْرِ بِنْتِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَرَبِّهَا تَمِيمٌ۔

سقیان بن عیینہ کا قول ہے جو شخص فیصلہ خد لوندی پر راضی ہو اور لوگوں سے اپنے دکھ کا اظہار کرے تو یہ بے صبری اور جزع نہیں ہے بلکہ اپنی حالت کا اظہار ہے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے زمانہ میں جبرئیل آئے اور پوچھا آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں یعنی آپ کو اپنی حالت کیسی محسوس ہوتی ہے، مزاج کیسا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنے کو مغموم اور بے چین پاتا ہوں۔ میں کہتا ہوں ابن جوزی نے بھی حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیل نے آکر کہا اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور دریافت فرماتا ہے آپ کا کیا حال ہے۔ الحدیث۔

جب حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مزاج پر سی کے جواب میں کہا ہائے میرا سر تو حضور ﷺ نے بھی اپنے درد سر کی شکایت کی اور فرمایا تم کو ہی درد سر کی شکایت نہیں میں بھی کہتا ہوں ہائے میرا سر یعنی میرے سر میں بھی درد ہے۔ ابن اسحاق اور امام احمد نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا کہ بقیع سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے سر میں درد ہو رہا تھا اور مجھے بھی سر کا دکھ تھا یعنی درد سر تھا میں نے کہا ہائے سر فرمایا تم ہی نہیں میں بھی کہتا ہوں آہ میرا سر۔ الحدیث۔

اور ہم نے اس کو عطا کئے اس کے بیوی بچے اور اتنے ہی اور بھی۔

کَیَا مَرَّعَ هُوَ نَحْنُ زَنْدَه كَر دِیَئِے كَیَا دُوسَرِی اُولَادِ عَطَا كِی كَی

یہ مسئلہ اختلافی ہے حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، قتادہ، حسن اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ نے بعینہ وہی مرے ہوئے اہل و عیال زندہ کر دیئے تھے اور اتنے ہی اور بھی عطا فرمادیئے تھے۔ ظاہر آیت اسی تفسیر پر دلالت کر رہی ہے، حسن کا قول ہے کہ اتنے ہی مویشی اور اولاد ایسی مویشی اور اولاد کی نسل سے پیدا کر دیئے جن کو مرنے کے بعد اللہ نے زندہ کیا تھا، اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس کے اس قول سے ہوتی ہے جو روایت ضحاک آیا ہے کہ اللہ نے اس بیوی کو دوبارہ جو ان کر دیا اور اس کے بطن سے اس کے بعد چھبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ وہب نے کہا سات لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے، ابن یسار نے کہا حضرت ایوب کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں ہوئیں۔

حضرت انس کی مرفوع روایت ہے کہ حضرت ایوب کے دو خرمن تھے ایک گیسوں کا دوسرا جو کا۔ اللہ نے دو بدلیاں بھیجیں ایک بدلی نے ایک خرمن پر سونے کی بارش کی اور دوسری بدلی نے دوسرے خرمن پر چاندی بہادی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ایوب کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا اللہ نے آپ کو آپ کے صبر کی وجہ سے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے خرمن کو باہر نکل کر دیکھو حسب الحکم آپ باہر نکلے اللہ نے آپ کے خرمن پر سونے کی ٹڈیاں بھیج دیں، ایک ٹڈی جو اڑی تو ایوب نے اس کا پیچھا کیا اور پکڑ کر واپس لے آئے، فرشتے نے کہا جو کچھ ٹڈیاں خرمن کے اندر ہیں کیا وہ آپ کے لئے کافی نہیں تھیں، حضرت ایوب نے کہا یہ تو میرے رب کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے اور میں اپنے رب کی نوازشوں سے سیر نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جو مویشی اور اہل و عیال مر چکے تھے اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا بلکہ ان جیسے دوسرے عطا فرمادیئے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت ایوب سے کہا گیا کہ تیری اولاد آخرت میں تجھے ملے گی اب اگر تو چاہتا ہے تو ہم اس دنیا میں تیرے پاس بھیج دیں اور اگر تیری خواہش ہو تو وہ اولاد آخرت میں تیرے لئے رکھ دیں اور ان کی مثل ویسی ہی اولاد تجھے دنیا میں دے دیں۔ حضرت ایوب نے آخری شق کو پسند کیا کہ مرنے والی اولاد تو آخرت میں عطا کر دی جائے اور ان کی مثل دوسری اولاد دنیا میں مل جائے۔ اس روایت کے بموجب آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ ہم نے ایوب کو اس کی مر جانے والی اولاد تو آخرت میں عطا کرنے کے لئے رکھ لی اور انہی کی طرح دوسری اولاد دنیا میں مرحمت فرما دی۔ آیت میں اہل سے مراد ہے اولاد۔



خلیفہ بیدار ہو گیا اور خادم کو آواز دے کر کہا اے شخص کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص دروازے پر نہ آئے، خادم نے کہا میری طرف سے کوئی آیا نہیں ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ یہ شخص کس طرف سے آیا ہے خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کو دیکھا تو اس کو مقفل پایا لیکن وہ شخص سرے کے اندر موجود تھا وہ کہنے لگا کیا آپ یہاں سوتے رہیں گے ایسی حالت میں کہ اہل معاملہ دروازہ پر موجود ہوں۔ اب خلیفہ نے اس کو پہچانا اور کہا اے خدا کے دشمن تو ہے ابلیس نے کہا ہاں آپ نے مجھے عاجز کر دیا اور میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ محض غصہ دلانے کے لئے تھا لیکن اللہ نے آپ کو مجھ سے محفوظ رکھا اسی خلیفہ کو ذوالکفل کہا گیا کیونکہ انہوں نے ایک کام کا ذمہ لیا تھا اور اس ذمہ کو پورا بھی کر دیا۔

بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ ابلیس ذوالکفل کے پاس آیا ہے اور کہنے لگا میرا ایک قرض دار ہے جو لوایتگی میں نال مثل کر رہا ہے آپ میرے ساتھ ذرا اٹھ کر چلیے اور میرا حق وصول کرادیں آج آپ اس کے ساتھ اٹھ کر چل دیئے لیکن ابلیس بازار میں پہنچ کر ذوالکفل سے علیحدہ ہو گیا اور آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ذوالکفل سے معذرت کی اور کہا میرا مدعا علیہ مجھ سے بھاگ گیا۔

بعض اہل روایت نے کہا کہ ذوالکفل وہ شخص تھا جس نے مرتے دم تک ہر رات کو سو رکعت پڑھنے کا عہد کیا تھا اور اس عہد کو پورا کیا، بعض علماء نے کہا کہ ذوالکفل نبی تھے۔ عبادت قرآنی کی رفتار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن کون سے نبی تھے اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ بعض نے ذوالکفل زکریا کو ہی قرار دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا ذوالکفل نبی نہیں تھے ایک نیک آدمی تھے۔

ان میں سے ہر ایک مصائب پر اور مشقت اطاعت پر صبر کرنے والوں میں سے تھا۔  
 خواہشات نفس اور گناہوں سے نفس کی باگ روکنے والوں میں سے تھا۔  
 اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ رحمت سے مراد ہے نبوت، جنت اور مراتب قرب۔

بلاشبہ وہ اہل صلاح میں سے تھے یعنی ان لوگوں میں سے تھے جن کو بگاڑ اور خرابی کی ہر کدورت سے بچایا گیا تھا۔  
 اور ذوالنون مچھلی والے کو یاد کرو۔ ذوالنون سے مراد حضرت یونس بن متی ہیں، جن کو صاحب الحوت بھی کہا گیا ہے۔

جس وقت وہ انتہائی غصے میں چل دیا تھا۔

حسب روایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ضحاک نے بھی یہی کہا ہے کہ حضرت یونس اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے، کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ساڑھے نو قبیلوں کو قید کر کے لے گیا صرف ڈھائی قبیلے باقی رہ گئے۔ اللہ نے شعیانہ کے پاس وحی بھیجی کہ تم حرقیادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی طاقتور نبی کو دشمنوں کے پاس بھیج کر بنی اسرائیل کو قید سے رہا کرانے۔ میں دشمنوں کے دلوں میں بنی اسرائیل کو رہا کرنے کا خیال پیدا کر دوں گا۔ شعیانہ شاہ حرقیاد کے پاس گئے اور پیام پہنچایا۔ حرقیاد کی سلطنت میں پانچ چیمبر تھے۔ حضرت شعیانہ سے اس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے کس کو بھیجوں۔ حضرت شعیانہ نے کہا یونس کو وہ طاقتور بھی ہے اور لماندار بھی۔ بادشاہ نے کہا تم یونس نے کہا کیا مجھے اللہ نے نامزد کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا نہیں یونس نے کہا تو میرے سوا یہاں دوسرے طاقتور چیمبر ہیں کسی اور کو بھیج دو لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی اور جانے پر اصرار کیا، یونس چیمبر بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر غصہ کی حالت میں (کسی طرف کو) چل دیئے اور بحر روم پر پہنچ کر کشتی میں سوار ہو گئے۔

عردہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یونس اپنی قوم کو چھوڑ کر اللہ سے ناراض ہو کر چل

دیئے تھے اور خدا سے ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ یونس نے حسب حکم خدا قوم کو عذاب سے ڈر لیا تھا اور عذاب کا وقت مقرر کر دیا تھا لیکن جب قوم یونس نے علامات عذاب دیکھ کر توبہ و استغفار کیا تو اللہ نے عذاب ٹال دیا، یونس کو اس پر ناگواری ہوئی ان کو خیال ہوا کہ اب لوگ مجھے جھوٹا قرار دیں گے۔ شرم کے مارے قوم کو چھوڑ کر چل دیئے ان کو کیا معلوم تھا کہ عذاب ٹل جانے کی وجہ کیا ہوئی، آپ کی ناراضگی صرف اس سبب سے ہوئی کہ آپ کا جھوٹا ہونا قوم کی نظر میں محقق ہو گیا آپ کو اندیشہ ہوا کہ آئندہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت یونس کی قوم کا دستور تھا کہ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے حضرت یونس کو بھی عذاب ٹل جانے کی وجہ سے یہی اندیشہ ہوا کہ عذاب موعود نہیں آیا اب لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔  
مُعَاذِبَت (باب مفاعلت) اس جگہ اشتراک طرفین کے لئے نہیں ہے بلکہ مُسَافِرَت اور مُعَاقِبَت کی طرح ثلاثی مجرد کے معنی میں ہے یعنی مُعَاذِبَت کا معنی ہے غَضَبَان۔

حسن نے کہا اللہ سے حضرت یونس کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے یونس کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور ان کو ہمارے عذاب سے ڈراؤ اور دعوت ایمان دو، یونس نے درخواست کی کہ مجھے روانگی کی تیاری کرنے کی مہلت دی جائے، جو اب ملا، معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے، فوراً چلے جاؤ۔

یونس نے درخواست کی مجھے جو تہ پن لینے کی تو اجازت دے دی جائے، لیکن اللہ کی طرف سے اتنی بھی مہلت نہیں ملی اور فطری طور پر آپ کے اندر قوتِ حلم کی کمی تھی اس لئے روانہ تو ہو گئے مگر غصہ کی حالت میں۔ وہب نے کہا یونس نیک آدمی تھے۔ پھر جب آپ پر نبوت کا بار ڈالا گیا تو آپ دب گئے اور بھاگ نکلے اسی لئے اللہ نے آپ کو اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا آپ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کیجئے پھلے والے کی طرح نہ ہو جائے۔

فَقُلْ اِنَّ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ  
پس یونس کا یہ خیال ہوا کہ ہم اس پر بندش کی تنگی نہیں کریں گے۔ قدرت کے معنی اس جگہ تنگی کرنے کے ہیں۔ یہی معنی دوسری آیت میں بھی آئے ہیں۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ اللّٰهُ  
جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا تنگ کرنا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ عطاء اور کثیر علماء کا تفسیری قول یہی ہے۔  
لیکن مجاہد، ضحاک، کلبی اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ قدر کا معنی ہے فیصلہ الہی یعنی یونس کا خیال ہوا کہ ہم اس کو سزا دینے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ تَقْدِيْرٌ اور قَدْرٌ ہم معنی ہیں اللہ نے فرمایا ہے نَحْنُ قَدْرٌ نَابِيْنَكُمْ الْمَوْتِ۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یونس نے خیال کیا کہ ہم اس کے معاملے میں اپنی قدرت سے کام نہیں لیں گے بعض نے کہا آیت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یونس کے حال کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جو اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی قوم کو ذلت کی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا ہو اور اس نے خیال کر لیا ہو کہ ہم اس پر قابو نہیں رکھتے۔  
ابن زید نے کہا جملہ سوالیہ ہے حرف استفہام محذوف ہے اور استفہام انکاری و توجہی ہے یعنی کیا یونس نے یہ خیال کر لیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پائیں گے۔

بعض نے کہا یہ ظن (غالب خیال) نہ تھا بلکہ ایک شیطانی وسوسہ تھا یونس کے وہم میں یہ بات گزری تھی چونکہ پیغمبروں کے لئے ایسا وہم بھی ظن کا حکم رکھتا ہے، مترجم) اس لئے بطور مبالغہ اس کو ظن قرار دیا۔

حسن نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ یونس سے جب گناہ سرزد ہو گیا اور وہ اللہ سے ناراض ہو کر چل دیئے تو شیطان نے ان کو راہ حق سے پھسلا دینا چاہا، یہاں تک کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ میں خدا کے قبضے سے نکل جاؤں۔ لیکن ان کی گزشتہ نیکیاں اور عبادت گزاریاں تھیں اس لئے اللہ نے نہ چاہا کہ ان کو شیطان کے لئے چھوڑ دیا جائے، بلکہ پھلے والے کے پیٹ میں ان کو ڈال دیا وہاں وہ

چالیس شبانہ روزے، عطاء کا قول ہے کہ سات روز ہے، بعض کا خیال ہے تین روز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مچھلی اپنی پیٹ میں ان کوچہ ہزار سال کی مسافت پر لے گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ساتویں زمین کی حدود تک لے گئی پھر اپنے رب کو پہنچی۔

فَتَأْتِي فِي الظُّلُمَاتِ  
پھر وہ پکارا تاریکیوں میں یعنی سخت ترین تاریکی میں، شدید ترین تاریکی کو متعدد تاریکیاں قرار دیا۔ یا متعدد تاریکیوں سے مراد ہیں رات کی تاریکی سمندر کی تاریکی، اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ سابق کلام بتا رہا ہے کہ کچھ عبارت یہاں محذوف ہے۔ یعنی ناراض ہو کر غصے کی حالت میں یونس چل دینے اور سمندر پر پہنچ کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ پھر کشتی کے اندر قرعہ اندازی کی گئی (کہ کس کی نحوست کی وجہ سے کشتی اڑ کر کھڑی ہو گئی ہے اور چکر کاٹ رہی ہے) تو یونس کا نام نکلا پھر ان کو سمندر میں پھینک دیا گیا انہوں نے خود اپنے کو سمندر میں ڈال دیا اور فوراً مچھلی نے ان کو منہ میں لے کر نگل لیا پھر انہوں نے پکارا۔

أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۱﴾  
کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی میں تیری اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر چل دیا اور انتظام نہیں کیا حقیقت میں یہ میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

بعوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا یونس کو پکڑ لے لیکن اس کے خراش نہ آئے نہ کوئی ہڈی ٹوٹے، حسب الحکم مچھلی نے آپ کو لے لیا اور اپنے مقام پر نیچے لے گئی جب سمندر کی تہ میں لے کر پہنچی تو یونس نے تسبیح (سبحان اللہ کہنے) کی آواز سنی، دل میں خیال کیا یہ کیسی آواز ہے اللہ نے وحی بھیجی یہ آواز سمندری جانوروں کی تسبیح کرنے کی ہے، یہ جان کر آپ نے بھی مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی تسبیح کرنی شروع کر دی۔ ملائکہ نے تسبیح یونس کی آواز سنی تو عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے ایک عجیب زمین میں ایک ضعیف آواز سنی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے کہا آواز تو جانی پہچانی ہے اور زمین انجان ہے، اللہ نے فرمایا یہ ہمارے بندے یونس کی آواز ہے جس نے میری نافرمانی کی تھی۔ میں نے اس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا فرشتوں نے کہا کیا یہ وہی نیک بندہ ہے جس کی طرف سے روزانہ کوئی نیک عمل تیری طرف چڑھایا جاتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہاں اس وقت ملائکہ نے یونس کے لئے شفاعت کی اور اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو اگل دے۔ مچھلی نے کنارے پر آکر یونس کو اگل دیا، اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے، فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ۔

پھر ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اس کو غم سے نجات دے دی۔ یعنی  
فَأَسْتَجِبْنَا لَهُ لَعَلَّ وَنَجِّنَاهُ مِنَ الْعَجْدِ  
گناہ کے غم سے اور مچھلی کا لقمہ بن جانے کے غم سے۔

وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۲﴾ اور اسی کی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ وہ ہم کو پکاریں اور ہم سے فشر یا دکریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مچھلی کے پیٹ کے اندر ذوالنون نے اپنے رب کو پکارا تھا ان کی دعا تھی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اس دعا کے ساتھ جو مسلمان کسی معاملہ میں اپنے رب کو پکارے گا اللہ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ رواہ احمد والترمذی والحاکم وصحیح من حدیث سعد بن وقاص۔ حاکم کی ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اگر تم میں سے کسی پر کوئی دکھ یا مصیبت آ پڑے اور وہ اس چیز کے ذریعہ سے اللہ سے دعا کرے تو اللہ ضرور اس کی مصیبت دور کر دے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا وہ ذوالنون کی دعا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

ابن جریر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے اللہ کا وہ نام کہ جس کے ذریعہ سے اگر اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالتا ہے اور اگر اس سے کچھ مانگا جاتا ہے تو عطا فرمادیتا ہے (ذوالنون کی دعا یعنی) لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ہے۔

سورہ آل عمران کے آغاز میں ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ اللہ کا اسم اعظم تہلیل یعنی نفی و اثبات ہے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اور لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کا درجہ بہت اونچا ہے (یعنی ضمیر غائب و حاضر کا ذکر صراحتاً لفظ اللہ کو ذکر کرنے سے افضل ہے) کیونکہ لفظ اللہ اگرچہ ذات پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے اندر صفات کمالیہ کا لحاظ ضرور ہوتا ہے اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ کو جامع ہے اور ضمیر اس خالص ذات پر دلالت کرتی ہیں، پھر ضمیروں میں بھی خطاب کی ضمیر کا درجہ غائب کی ضمیر سے اعلیٰ ہے کیونکہ خطاب کے اندر کامل ظہور ہوتا ہے (جس میں شرک کی احتمالی بو بھی باقی نہیں رہتی اور غائب کے ضمیر میں ابہام ہوتا ہے۔ مترجم)۔

### حضرت یونسؑ کو کب پیغمبر بنایا گیا

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیرؓ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے رہائی کے بعد حضرت یونسؑ کو پیغمبر بنایا گیا کیونکہ سورہ الصافات میں پہلے فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ کے بعد وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ بَابِ أَلْفِ أَوْ يَزِيدُونَ آیا ہے (اور ترتیب ذکر ترتیب واقعہ پر دلالت کرتی ہے معلوم ہوا کہ پہلے مچھلی نے حضرت یونسؑ کو خشک زمین پر اگلا، پھر اللہ نے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی ہدایت کے لئے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا مترجم)۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ دو واقعوں کے درمیان و او عطف کو لانا ترتیب و اوقات پر دلالت نہیں کرتا صرف اتنی بات بتاتا ہے کہ دونوں واقعے ہوئے، کون پہلے ہوا و او عطف سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ آپ کی رسالت مچھلی کے نکلنے اور اگلنے سے پہلے ہی تھی کیونکہ اللہ نے فرمایا وَإِن يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ اور یونسؑ پیغمبروں میں تھے جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے تھے۔

اور یاد کرو کہ اللہ نے اپنے رب کو پکارا ہے

وَرَكِبْنَا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا

میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ یعنی بغیر لولاد کے نہ رکھ لولاد کو میرا جانشین بنا دے۔

اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔

وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۱۰﴾

یعنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اللہ ہی باقی رہنے والا ہے اور سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔

فَأَسْتَجِبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ سَرُوحَهُ  
جس کا نام یحییٰ تھا اور اس کی بی بی کو ٹھیک کر دیا، یعنی پہلے وہ بانجھ تھی اللہ نے اس کا بانجھ پن دور کر دیا۔

بے شک وہ تمام پیغمبر نیکوں کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور امید و خوف کے ساتھ ہم کو پکارتے تھے۔ رغبت سے مراد ہے ملاقات خداوندی کی رغبت، قرب الہی کی رغبت یا ثواب کی رغبت اور امید قبولیت یا طاعت کی رغبت۔ امام احمد نسائی حاکم اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کے اندر میری آنکھ کی ٹھنڈک بنا دی گئی ہے۔ خوف سے مراد ہے اللہ سے جدا ہونے کا خوف یا گناہ کا خوف یا عذاب کا خوف۔

وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ﴿۱۱﴾

یعنی وہ ہمارے ڈر سے دعا کرنے والے تھے۔

مجاہد نے کہا دل میں بیٹھے ہوئے ڈر کو خشوع کہا جاتا ہے چونکہ اللہ کی عظمت کو وہ پورے طور پر جانتے تھے اس لئے عظمت الہی کا خوف ان کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا۔ قتادہ نے آیت کا ترجمہ کیا وہ ہمارے حکم کے انتہائی تابع اور تھے (یعنی ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے اور ہمارے حکم کی اطاعت عاجزی کے ساتھ کرنے والے تھے۔ مترجم)

وَإِنِّي أَحْصَنْتُ فَوْجَهَا  
اور اس عورت کو یاد کرو جس نے اپنی شرم گاہ کو (حلال اور حرام دونوں سے محفوظ رکھا

(اس سے مراد مریم بنت عمران ہیں جو دو شیرہ اور پاک دامن تھیں۔ مترجم)

فَنَفَخْنَا  
پھر ہم نے پھونکا یعنی ہمارے حکم سے جبرئیل نے پھونک ماری۔



فِيهَا اس کے اندر یعنی مریم کے گریبان کے اندر جبرئیل نے پھونک ماری اور یہ پھونک مریم کے جسم کے اندر پہنچ گئی اور اس پھونک سے اللہ نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو پیدا کر دیا۔

مِنْ رُوحِنَا اپنی روح سے یعنی اس روح سے جو ہمارے حکم سے ہے۔ اضافت کی وجہ سے مضاف کی عظمت کا اظہار مقصود ہے یا روح سے مراد ہیں عیسیٰ اور مِنْ رُوحِنَا میں مِنْ زائد ہے (اور رُوحِنَا مفعول کے قائم مقام ہے۔ مترجم)۔ یا رُوحِنَا سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ جِهَةِ رُوحِنَا اور اس سے مراد ہیں حضرت جبرئیل۔

وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾ اور ہم نے اس عورت کو اس کے بیٹے کو (یعنی ان کے قصے اور واقعہ کو) جہان والوں کے لئے (یعنی انسانوں کے لئے۔ مترجم) نشانی بنا دیا۔ جو ہماری قدرت کی ہمہ گیری پر دلالت کر رہی ہے کہ ہم بغیر باپ کے اولاد پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً بے شک یہ (یعنی توحید کو ماننے اور تمام انبیاء پر ان کے زمانے میں ایمان لانے والوں کی ملت) تمہاری ملت ہے (یعنی تم سب کی ملت ایک ہی ہے۔ مترجم) اے انسانو! تم سب پر لازم ہے کہ اسی ملت کو اختیار کرو اور اس پر قائم رہو۔ یہ ایک ہی ملت ہے انبیاء کی ملتوں میں کوئی اختلاف نہیں اور دوسرے لوگوں کی ملتوں کا اس کے ساتھ اشتراک نہیں صرف اسی کا اتباع معتبر ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَمَنْ يُبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

لَقَدْ أُنزِلَتْ أُمُّ سَعْدٍ سے ماخوذ ہے باب نصر، اُمُّ کا معنی ہے قصد کرنا جو جماعت ایک مقصد پر متفق ہو یا دین و سنت پر متفق ہو، اس کو امت کہا جاتا ہے۔ کذافی القاموس۔ دین اور سنت ہی ساری جماعت کا مقصود ہے اس لئے اس پوری جماعت کو امت کہا جاتا ہے۔

وَأَن سَأَلْتُمْ سَوَاءٌ مَعَكُمْ سَوَاءٌ مَعَكُمْ اور میں ہی تم سب کا رب ہوں۔ یعنی میرے سوا تمہارا کوئی رب نہیں ہے۔ سو میری عبادت کرو، کسی اور کی نہ کرو۔

وَلَقَدْ طَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ طَعُوا لِقَائِنَا رَجِعُونَ ﴿۱۲﴾ اور انہوں نے آپس میں اپنے کام یعنی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر فرقہ ہماری طرف لوٹ کر آنے والا ہے۔

امر سے مراد ہے دین۔ تَقَطَّعُوا اگرچہ باب تفعیل ہے لیکن باب تفعیل مراد ہے یعنی انہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے۔ ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے باوجود یہ کہ ان کے لئے اس کا جواز نہ تھا۔ ہمارے پاس لوٹ کر آنے سے یہ مراد ہے کہ ہم ان کو سزا جزا دیں گے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيَةٍ مومن ہونے کی حالت میں کرے گا اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی۔

مومن ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اعمال کا ثواب پانے کی شرط ایمان ہے (بغیر ایمان کے کوئی نیکی ثواب آخرت کے قابل نہیں۔ مترجم) ایمان سے مراد ہے اللہ پر اس کے پیغمبروں پر اور پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعتوں پر ایمان رکھنا اور سب کو سچا ماننا۔

کفران سے مراد ہے ثواب نہ ملنا اور نیکی کا برباد چلا جانا جس طرح اللہ کی طرف سے بندے کی طاعت کی شکر گزاری کا معنی ہے ثواب عطا کرنا اسی طرح ناشکری کا معنی ہے ثواب نہ دینا۔

وَأَن تَالَهُ كَاتِبُونَ ﴿۱۳﴾ اور ہم بلاشبہ اس کے عمل اور کوشش کو لکھ رکھنے والے ہیں یعنی فرشتے اعمال ناموں میں ان کے اعمال درج کر لیتے ہیں اور اللہ ان کو اعمال ناموں میں قائم رکھتا ہے۔

وَحَرَامٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۴﴾ اور ہم جن بستیوں کو عذاب سے یا موت

سے فٹا کر چکے ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں۔  
 حرام ہے یعنی ناممکن ہے تصور میں بھی نہیں لایا جاسکتا۔ اَهْلَكُنْهَا یعنی جس کو ہلاک کرنے کا ہم نے حکم دے دیا، جس کو جاہ کر دیا، ہلاکت سے مراد ہے کفر یعنی جس بستی کو ہم نے کافر پایا اس کی نیکیوں کا اکارت نہ جانا ناممکن ہے، ہم اس کے نیک اعمال کو ضرور ضائع کر دیں گے یا حرام کا یہ مطلب ہے کہ اس بستی کا توبہ کرنا ناممکن ہے یا دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے یا سزا کے لئے ان کا قیامت کی دن زندہ کر کے نہ اٹھایا جانا ناممکن ہے۔ اس مطلب پر اَنْهَمُ لَا يَرْجِعُونَ کلام سابق کی علت ہوگی یعنی یہ غیر ممکن ہونا اس لئے ہے کہ ان کا توبہ کرنا اور ہماری طرف رجوع کرنا اور گزشتہ کفر کی ایمان لاکر تلافی کرنا ہو نہیں سکتا۔ یا حرام خبر مقدم ہے اور اَنْهَمُ لَا يَرْجِعُونَ متقدم مؤخر مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس بستی کا لوٹ کر مقام حساب اور مکان سزا تک نہ پہنچنا ناممکن ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے تشریحی مطلب اس طرح بیان فرمایا کہ جس بستی کو ہم نے تباہ کر دیا اس کا دنیا میں واپس لوٹنا ممکن نہیں اس مطلب پر لَا يَرْجِعُونَ میں لازماً ہوگا۔

ہر صورت مطلب کچھ بھی ہو آیت میں کافروں کے لئے وعید عذاب اور اہل ایمان کے لئے وعدہ ثواب ہے۔  
 حَتَّىٰ اِذَا فُتِحَتْ يَابُجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۹۱﴾  
 یا جوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ انتہائی کثرت کی وجہ سے ہر بلندی یعنی پہاڑ اور ٹیلہ سے نکلنے معلوم ہوں گے۔

یہاں تک کہ جب  
 ہر ٹیلہ کی آڑ سے پھیل پڑنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ یا جوج ماجوج کے مسکن پہاڑوں سے پرے ہوں گے اور وہ پہاڑوں سے نیچے اتریں گے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک وَهُمْ کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہوگی اور حَدَبٍ سے مراد ہوگی یعنی لوگ قبروں سے جلد جلد تیزی کے ساتھ نکل آئیں گے۔ مجاہد کی قرائت میں تو حَدَبٍ کی جگہ جَدَّت آیا ہے اور جدت کا معنی ہے قبر۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے فرمایا ہے فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔

حضرت حذیفہ بن اسد غفدی کا بیان ہے ہم لوگ کچھ باہم بات چیت کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ برآمد ہو گئے اور فرمایا کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا جب تک قیامت سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھو گے، قیامت پتہ نہ ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے دخان دھوئیں کا خروج و جال کا، دلہۃ الارض کا مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کا، نزول عیسیٰ بن مریم کا، خروج یا جوج ماجوج کا تین مقامات پر زمین کے دھسنے کا۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۃ العرب میں اور آخر میں یمن سے ایک آگ کے برآمد ہونے کا، جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی، ذکر فرمایا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک آگ قعر عدن سے نکل کر لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ ایک اور روایت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے دسویں چیز اس ہو کہ قرار دیا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔ رواہ مسلم۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ  
 اور سچا وعدہ قریب ہو جائے گا۔ یعنی روز قیامت واو عطف ہے اور اس کا عطف  
 فُتِحَتْ پر ہے۔ لیکن فرما اور علماء کی ایک جماعت نے واو کو زائد کہا ہے اور اقْتَرَبَ کو شرط کی جزا قرار دیا ہے۔ یعنی جب یا جوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے اور پھیل جائیں گے تو اس وقت قیامت قریب آجائے گی۔ ایک اور

آیت میں واؤ زائد آیا ہے اور ابعدا واؤ جزاء شرط ہے فرمایا ہے فَلَمَّا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا لَجَّيْنَا وَنَا دِينَاهُ پھر جب دونوں نے مان لیا اور ابراہیم نے اسمعیل کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے اس کو پکارا۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے حضرت حذیفہ کی حدیث کو پیش کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کسی آدمی نے پچھیر لپالا ہوگا۔ خردج یا جون و ماجوج کے بعد تو پچھیر اسواری کے قابل نہ ہوگا کہ قیامت بپا ہو جائے گی۔ علاء نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ واؤ زائد ہو اور ابعدا واؤ جزا ہوا ایسا نہیں ہوتا۔

فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
تو اس وقت اچانک کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ شخص بصرہ اس کی آنکھ کھل گئی یا اس نے اپنی آنکھ کھول دی۔ أَبْصَارَ سے مراد ہیں پونے پلکیں اور إِذَا مَافَا جاتے بمعنی اچانک، ناگہاں، یکدم سے یعنی ہولناکی کی وجہ سے کافر نظر گھمانہ سکیں گے۔ حیران ہو کر رہ جائیں گے۔

يَوْمَئِذٍ نَأْتِكُمْ نَارًا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۱۷﴾  
کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔ یعنی اس دن کو حق نہیں جانتے تھے۔ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ یعنی ہم اپنے نفسوں پر خود ظلم کرنے والے تھے ہم نے خود اپنے غور و فکر کو بگاڑ رکھا تھا یا ناقابل معبودیت کو معبود بنا رکھا تھا، ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے محل رکھنا اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا، عبادت کا بے محل استعمال ہے اسی لئے اس کو ظلم قرار دیا۔ مترجم۔

رَأَيْتُمْ مَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ  
عبادت کرتے ہو سب جنم کا ایندھن ہے یا سب جنم میں پھینکے جاؤ گے۔

مَّا تَعْبُدُونَ سے مراد بے عقل بت ہیں۔ اور سامری کا بنایا ہوا پتھر اور ان جیسی دوسری بے جان چیزیں۔ جو چیزیں جاندار اور ذی عقل ہیں اگر لوگوں نے ان کو معبود بنا لیا ہو اور وہ اپنی پوجا کرنے پر راضی ہوں جیسے شیاطین اور انسانوں میں سے فرعون نمرود وغیرہ تو وہ بھی مَّا تَعْبُدُونَ کے حکم میں داخل ہیں، ان کو بھی جنم کا ایندھن بنایا جائے گا (کیونکہ باوجود ذی عقل ہونے کے انہوں نے عقل کا صحیح استعمال نہیں کیا اور باوجود مخلوق عاجز ہونے کے خالق اور قادر مطلق کے مقام پر پہنچنے کے مدعی بن بیٹھے، اس لئے وہ بھی بے عقل چیزوں کی طرح ہو گئے ان کو ذی عقل مخلوق میں شمار کرنا ہی غلط ہے۔ مترجم۔) اپنی وہ مقدس عقلمند ہستیاں جو کسی سے اپنی عبادت کرانی نہیں چاہتے اور نہ وہ اپنے کو معبود کہنے پر راضی تھے نہ اس حرکت کو پسند کرتے تھے وہ مَّا تَعْبُدُونَ کے حکم سے خارج ہیں۔ (جیسے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیز یا ملائکہ وغیرہ) کوئی کسی دوسرے کا گناہ اپنے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔ اس تفصیل و توضیح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اکثر محققین لغت کے نزدیک مَّا کا لفظ عام ہے۔ ذی عقل اور غیر ذی عقل دونوں کو شامل ہے اس لئے مراد کی تعیین ضروری ہے، بیضاوی نے اس جگہ ایک حدیث نقل کی ہے کہ ابن زبیری نے یہ آیت سن کر دریافت کیا کیا یہ حکم ہمارے ہی معبودوں کے لئے مخصوص ہے اَوْ لِكُلِّ مَن عُبِدَ مِن دُونِ اللَّهِ يَا اِنَّ تَمَامَ لُغُوں کا بھی یہی حکم جن کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا بَلْ لِكُلِّ مَن عُبِدَ مِن دُونِ اللَّهِ مَخْصُوصٌ نَحْنُ نَحْمُومُ ہر اس شخص کا یہی حکم ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی گئی ہے (اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آیت میں لفظ مَّا ذی عقل کو بھی شامل ہے اسی لئے ابن زبیری کو دریافت کرنے کی ضرورت پڑی اور حضور ﷺ کے جواب سے بھی اس کی تائید ہو گئی کہ آپ نے ذی عقل باطل معبودوں کو آیت کے حکم میں داخل قرار دے دیا۔ مترجم۔)

ابوداؤد ابن منذر، ابن مردودہ اور طبرانی نے دوسری سند سے یہ حدیث بروایت ابن عباس بیان کی ہے۔ اگر لفظ مَّا کو بے جان، بے عقل مخلوق کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ پھر وہ مقدس ہستیاں جو اپنے کو معبود قرار دے گئے۔ نے کو پسند نہیں کرتی تھیں آیت کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی۔  
حَصَبٌ جَهَنَّمَ وہ چیز جو جنم میں پھینکی جائے اور اس سے جنم کی آگ کو بھڑکایا جائے۔ حَصَبٌ اس پر پتھر برسائے۔ حَصَبَاءُ پتھریاں، سنگ۔ ریزے۔ کذا قال الضحاك۔

عجاہد اور قتادہ نے کہ یعنی زبان میں حَصَبٌ جلائی جانے والی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے۔ عکرمہ نے کہا یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے جلائی جانے والی لکڑیاں ایندھن۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی قرأت میں حَصَب کی جگہ لفظ حَطَبٌ ایندھن آیا ہے۔

آنتم لہا و ردون ﴿۱۷﴾ تم اس پر (خصوصیت کے ساتھ) اترنے والے ہو (اترو گے) لہا میں لام بجائے علی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ خطاب مشرکوں کو ہے اور ان کے ذیل میں ان کے معبود بھی داخل ہیں یعنی تم اپنے معبودوں سمیت جنم میں اترو گے۔

لو کان ہولاء الیہة ما و ردوہا یعنی جنم میں سب کو داخل کرنے کے بعد کفار سے بطور توبیح کہا جائے گا کہ اگر یہ معبود حقیقت میں ہوتے تو جنم میں نہ اترتے۔ لو کان ہولاء الیہة ما و ردوہا

وکل فیہا خلداون ﴿۱۸﴾ اور (عابدو معبود) سب جنم کے اندر ہمیشہ رہیں گے۔

وہم فیہا لا یسمعون ﴿۱۹﴾ ان کے لئے جنم کے اندر کراہٹ ہوگی۔ زفر کراہٹ تنفس کی شدت۔

اور وہاں وہ اپنے غل شور میں کسی کی کوئی بات نہیں سنیں گے ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کی روایت نقل کی ہے کہ جب دوزخ کے اندر جس دوام کے جنمی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور لوہے کی میخیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو جنم کے نچلے حصہ میں پھینک دیا جائے گا اور ہر ایک کی خیال کرے گا کہ میرے سوا کسی کو عذاب نہیں دیا جا رہا ہے یعنی کوئی کسی کی آواز نہیں سنے گا یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

بغوی نے لوہے کے صندوقوں اور لوہے کی کیلوں کی جگہ آگ کے صندوقوں اور آگ کے کیلوں کا لفظ نقل کیا ہے باقی حدیث حسب سابق ہے۔

حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا پوچھا تو اللہ کے سوا کسی اور عزیز اور ملائکہ کی بھی کی جاتی ہے پھر یہ بھی جنمی قرار پائیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

ان الذین سبقک لکم مننا الحسنیٰ اولیک عنہا مبعدون ﴿۲۰﴾ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

الحسنیٰ یعنی اچھا مرتبہ، درجہ قرب یا اچھی خصلت یعنی سعادت یا اللہ کی طرف سے طاعت کی توفیق یا جنت کی بشارت۔ حضرت جنید نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا جن کو ابتداء میں ہماری عنایت حاصل ہو گئی انتہا میں ان کو ولایت نصیب ہو گئی۔

ابن مردویہ نے نور الحداد میں ضیاع نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ عبد اللہ ابن الزبیری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد ﷺ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ نے تم پر انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا و اردون نازل کیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں ابن الزبیری نے کہا پھر پوچھا تو چاند، سورج، ملائکہ اور عزیز کی بھی کی جاتی ہے۔ یہ سب بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جنم میں جائیں گے۔ اس پر آیت ان الذین سبقک لکم مننا الحسنیٰ اور آیت اولکم عنہا مبعدون تک نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سرداران قریش حطیم میں موجود تھے اور کعبہ کے گرد اگر دوسرے بیت نصب تھے نصر بن حارث گفتگو کرنے کو آگے بڑھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے کلام کیا، یہاں تک کہ اس کو خاموش کر دیا پھر آپ نے

اس کو اِنكُمْ مِمَّا تَعْبُدُونَ سے آیات پڑھ کر سنائیں، پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، اتنے میں سامنے ابن الزہری آگیا، ولید بن مغیرہ نے اس سے رسول اللہ ﷺ کی بابت نقل کر دی۔ ابن الزہری نے رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے کہا کیا آپ کہتے ہیں اِنكُمْ مِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ حضور ﷺ نے فرمایا ہیں۔ ابن الزہری نے کہا کیا یہودی عزیز کی اور عیسائی مسیح اور بنی ایلح ملائکہ کی پوجا نہیں کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں وہ عزیز مسیح وغیرہ کو نہیں پوجتے بلکہ شیطانوں کی پوجا کرتے ہیں اس پر آیت اِنَ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى نازل ہوئی اور ابن الزہری کے حق میں اللہ نے نازل فرمایا مَا ضَرَّبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدًّا لَّيْلٍ هُمْ قَوْمٌ خَصِيْمُوْنَ۔ واحدی نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے بغوی کے بیان کی طرح واقعہ نقل کیا ہے۔

اصول فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن الزہری سے فرمایا تم اپنی قوم کی زبان سے بھی کتنے تاواقف ہو، تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے، کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اِنَ بِمَعْنٰی اسْتِثْنَاءٍ یعنی اِلَّا الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى۔ تاویل دو وجوہ سے غلط ہے۔ (۱) اِنَ بِمَعْنٰی اسْتِثْنَاءٍ عربی میں نہیں آتا۔ (۲) اگرچہ بعض لوگ اسْتِثْنَاءٍ منقصل کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن عام طور پر اسْتِثْنَاءٍ کا استعمال اتصال کی صورت میں ہوتا ہے اور نزول آیت کا جو سبب ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ اتصال پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہ آیت سابق آیت کے عموم کی مخصص ہے یعنی اس آیت میں سابق آیت سے اسْتِثْنَاءٍ نہیں ہے بلکہ اس کے عموم کی تخصیص ہے۔ مترجم۔ اور مستقل کلام خواہ مترانہ ہو اور دیر کے بعد کہا گیا ہو لیکن اس سے پچھلے کلام کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس کا یہی مسلک ہے عام صحابہ کا قول اس کے خلاف ہے وہ تخصیص کے لئے اتصال زمانی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ مترجم۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مستقل کلام جو پہلے سے مترانہ ہو یعنی دونوں کا وقت ایک نہ ہو پہلے کلام کا ناخ ہو سکتا ہے مخصص نہیں ہو سکتا اور تنخ کا قول اس جگہ ممکن نہیں کلام خبری میں تنخ جاری نہیں ہوتا (کسی حکم یا ممانعت کو منسوخ کیا جاسکتا ہے خبر کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا خبر کو منسوخ کیا جائے تو پہلے کلام کی تکذیب ہو جائے گی مترجم) اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہ جدید کلام ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے کلام سے مجازی معنی مراد ہے۔

ابوداؤد اور ابن ابی حاتم اور ثعلبی اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک بار خطبہ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا میں ان میں سے ہوں اور ابو بکر اور عمر اور عثمان اور طلحہ اور زبیر اور سعید اور عبد الرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراح بھی ان میں سے ہیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ کھڑے ہو گئے اور چاور کھینچتے ہوئے (چلتے ہوئے) فرمانے لگے۔

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيَّتَهَا  
وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے یعنی جنم سے اتنی دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ بھی ان کو سنائی نہیں دے گی۔

وَهُمْ فِي مَا اسْتَهْتَّ اَنْفُسُهُمْ خَلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾  
اور وہ اپنی جی چاہی مرغوب طمع چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

فِيهَا کو خَلِدُوْنَ سے مقدم ذکر کرنا اختصاص اور اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ صوفیہ صافیہ کی ذات خد لوندی کے سوا کوئی اور خواہش ہی نہیں ہوتی اس لئے ہر وقت وہ وصل کی حالت میں دیدار خد لوندی کے استغراق میں رہیں گے لیکن یہ وصل اور استغراق ناقابل بیان کیفیت کا حامل ہو گا زمان و مکان اور ہیئت و شکل کی قیود سے خالی اور جت و امتداد و مسافت سے پاک اسی لئے اس کو بلا کیف کہا جاتا ہے۔ مترجم۔

ان کو بڑی گہراہٹ غمگین نہ بنائے گی۔

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَرَقُ الْاَكْبَرُ

بعوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فزع اکبر سے مراد صور کا اخیر نغمہ دوبارہ صور پھونکنا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَفُتِحَ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی نغمہ اخیرہ سے مراد وہ نغمہ ہے جو دنیا کے اختتام پر ہوگا یعنی نغمہ اولی جس سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مترجم بعض نے کہا نغمہ سے بیہوشی مراد ہے مگر میرے قول میں اور اس قول میں تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے صور ہی کی آواز سے سب گھبرا جائیں گے، بیہوش ہو جائیں گے۔ مترجم۔ مر جائیں گے۔ قرطبی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں صرف دو مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر ہے ایک نغمہ یعنی نغمہ موت، دوسرا نغمہ بعثت جس کی وجہ سے سب زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے ابن عربی نے کہا نغمات تین ہوں گے۔ (۱) نغمہ فزع (۲) نغمہ صعق یعنی نغمہ موت، دوسرا نغمہ بعثت۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔

ابن جریر نے تفسیر میں، طبرانی نے مطولات میں، ابو یعلیٰ نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معین نے کتاب الطاعة والعصيان میں ابو الشیخ نے کتاب العظمتہ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ایک طویل مرفوع حدیث نقل کی ہے اس حدیث میں ہے کہ صور میں تین بار پھونکا جائے گا (۱) نغمہ فزع (۲) نغمہ صعق (۳) نغمہ قیام۔ حدیث میں فزع کی جو تشریح آئی ہے ہم سورۃ النمل میں اس کو بیان کریں گے۔

حسن نے کہا فزع اکبر اس وقت ہو گا جب لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریر نے کہا فزع اکبر اس وقت ہو گا جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور ندائے گی اے دوزخ والو دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے اور موت بھی نہیں آئے گی۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ وہ وقت ہو گا جب دوزخ کو اوپر سے سر بند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سر پوش اس وقت بند کیا جائے گا جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جا چکا ہو گا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔

وَتَتَلَفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ۗ  
اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یعنی وہ جب قبروں سے نکل کر جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے۔

هَذَا يَوْمَ مَكَّمُ الَّذِينَ كُتِبَ لَهُمْ تَوَعُدُونَ ۝  
یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یعنی یہ اسی ثواب کا دن ہے جس کا آسمانی کتابوں میں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِ لِلْكِتَابِ  
وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز نغمہ اولی کے وقت ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ طے نشتر کی ضد ہے یعنی لپیٹنا۔ کتاب کاغذ۔ سَسَاجِلَةٌ (باب مفاعلت) مَكَاثِبَتْ باہم مل کر لکھنا۔ یعنی ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے، جس طرح کاغذ کو لکھنے کے لئے تہ کیا جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح لکھے جانے والے مضمون کے لئے کاغذ کو تہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور اکثر اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا۔ جس طرح لکھے ہوئے کثیر مضامین کی وجہ سے کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔

سدی نے کہا سَجَلِ اس فرشتہ کا نام ہے جو بندوں کے اعمال لکھا کرتا ہے اور لِنَكْتُبُ میں لام زائد ہے۔ جیسے رَدِفَ لَكُمْ میں لام زائد آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح سَجَلِ فرشتہ اعمال ناموں کو لپیٹ دیتا ہے اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سَجَلِ رسول اللہ ﷺ کا ایک کتاب تھا۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے میثاق نامہ یا تحریری معاہدہ کو کتب السجل کہتے ہیں اس کی جمع سجلات آتی ہے اور حبشی زبان میں کتاب کو بھی کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ایک کتاب کا نام بھی سَجَلِ تھا اور ایک فرشتہ کا نام بھی سِجِلِ بمعنی کتاب آتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سِجِلِ اس پتھر کو کہتے تھے جس پر کچھ تحریر کیا جاتا تھا پھر ہر اس چیز کو سَجَلِ کہنے لگے جس پر کچھ لکھا جائے خواہ کاغذ ہو چھلی ہو ہڈی ہو یا کچھ اور ہو۔ مترجم۔

کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَّبَعِيدًا ۙ  
 جس طرح ہم نے شروع میں ابتداء تخلیق کی تھی اسی طرح  
 آسانی سے ہم اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تخلیق ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے کی  
 ہے اسی طرح اس کو دوبارہ بھی ہم لوٹا کر لے آئیں گے، قدرت قدیمہ کے اندر انسان کی دونوں تخلیقات داخل ہیں اور دونوں ممکن  
 ہیں اور ہر ممکن احاطہ، قدرت میں داخل ہے یعنی تخلیق میں تعدد ہوگا۔ انسان وہی ہوگا بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ جس  
 طرح ابتدائی تخلیق ہماری قدرت سے خارج نہیں ہم نے پیدا کر دیا اسی طرح دوبارہ تخلیق بھی ہماری قدرت میں داخل ہے ہم  
 دوبارہ بھی پیدا کر دیں گے، یعنی دوسری تخلیق بھی اسی طرح ممکن ہے جس طرح پہلی تخلیق ممکن تھی۔ اس صورت میں دوسری  
 تخلیق اول تخلیق کی طرح ممکن ہوگی لیکن مخلوق الگ الگ ہوگی۔ دوسری بار پیدا کیا ہو انسان پہلی مرتبہ پیدا کئے ہوئے انسان کی  
 طرح ہوگا بعینہ وہی نہ ہوگا اس کے مثل ہوگا۔ صحیح بات یہ ہے کہ دوبارہ پیدا کیا ہو انسان بعینہ وہی انسان ہوگا جس کو پہلی مرتبہ  
 پیدا کیا گیا تھا، مشابہت صرف تخلیق یا احوال و لوصاف میں ہوگی شخصیت اور ذات ایک ہی ہوگی۔

شیخین نے صحیحین میں ترمذی نے جامع میں، حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ  
 دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم لوگ برہنہ بدن غیر محتون برہنہ پاؤں قبروں سے اٹھ کر اللہ کی طرف پیدل لے جائے جاؤ  
 گے پھر آپ نے آیت کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَّبَعِيدًا ۙ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا، سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا  
 جائے گا۔

وَعَدًّا  
 عَلَيْنَا  
 ہم نے پختہ وعدہ کر لیا۔ وعدہ مفعول مطلق ہے جو فعل محذوف کو پختہ کر رہا ہے۔  
 اس کو پورا کرنا ہم پر مثل لازم کے ہے اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں لیکن اس نے وعدہ پختہ کر لیا ہے اور اللہ  
 کا وعدہ پورا ہونا لازم ہے، اللہ کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے اس لئے اس کے وعدے کی وفا اس پر گویا لازم ہے۔ مترجم۔  
 اِنَّا كُنَّا فَعِلِينَ ﴿۱۳﴾ ہم ضرور (دوبارہ تخلیق) کرنے والے ہیں۔ یہ جملہ تاکید یہ ہے وعدے کی مزید تاکید

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنۢ بَعْدِ الذِّكْرِ  
 اور ہم نے لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد سب آسمانی  
 کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا زبور سے مراد تمام کتب الہیہ ہیں اور ذکر سے مراد ہے لوح محفوظ۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھنے  
 کے بعد ہم نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

شعبی نے کہا زبور سے مراد زبور داؤد ہے جو حضرت داؤد پر اتاری گئی تھی اور ذکر سے مراد ہے تورات حضرت ابن  
 عباس اور ضحاک کا قول ہے کہ زبور سے مراد تورات ہے اور ذکر سے مراد ہیں وہ تمام آسمانی کتابیں جو تورات کے بعد اتاری گئیں۔  
 یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبور سے مراد زبور داؤد ہے اور ذکر سے مراد ہے قرآن۔ موخر الذکر دونوں قولوں پر بعد الذکر میں  
 لفظ بعد بمعنی قبل ہوگا، یعنی ذکر سے پہلے۔

اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۵﴾  
 کہ زمین کے یعنی جنت کی زمین کے مالک میرے  
 نیک بندے ہوں گے۔

الْاَرْضُ سے مراد ہے جنت کی زمین۔ اسی مضمون کو آیت وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک سوال کیا  
 گناہگار مومن جو فاسق ہوتے ہیں صالح نہیں ہوتے جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

جواب: سزا پانے یا اللہ کی طرف سے گناہ معاف ہو جانے کے بعد وہ پاک ہو جائیں گے اور صالحین کے حکم میں داخل  
 ہو جائیں گے اور صالحین کے ساتھ ان کو ملا دیا جائے گا۔

مجاہد نے کہا صالحین سے مراد امت محمدیہ ہے کیونکہ ان ہی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي

صَدَقْنَا وَعَدُّهُ وَ أَوْزَنَّا الْأَرْضَ نَتَّبِعُ مِمَّنْ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ۔

بعض لوگوں کے نزدیک الْأَرْضُ سے مراد ہے ارض مقدسہ اور عِبَادِي الصَّالِحُونَ سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو زمین کے پوربی اور کچھی حصوں میں کمزور اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا الْأَرْضُ سے مراد ہے کافروں کی سر زمین مراد یہ ہے کہ کافروں کی زمین کو مسلمان فتح کریں گے گویا یہ اللہ کی طرف سے پیشین گوئی اور فیصلہ قطعی ہے کہ دین اسلام غالب آئے گا اور مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس وقت الارض سے مراد تمام روئے زمین ہوگا۔ امام احمد رولوی ہیں کہ حضرت مقدادؓ نے بیان کیا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ روئے زمین پر تمام مکان خواہ مٹی کے بنے ہوئے ہوں یا دینی کسبوں کی جگیاں ہوں کوئی مکان بھی ایسا نہ رہے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے یعنی ہر گھر میں اسلام داخل ہو جائے گا عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔ یعنی اللہ ان کو یا مشرف باسلام کر دے گا اور وہ عزت یاب ہو جائیں گے یا کافر ہی رہیں گے اور ان کو مجبوری اسلام کا غلبہ تسلیم کرنا اور ذلیل ہونا پڑے گا۔ حضرت مقداد نے فرمایا، میں کہتا ہوں اس وقت سارا دین اللہ ہی کا ہوگا یعنی سب پر اسلام ہی غالب ہو جائے گا۔ مترجم۔

إِنَّ فِي هَذَا الْبَلَاغِ بے شک اس میں جنت تک پہنچانے کا پورا سامان ہے۔

رَفِي هَذَا یعنی قرآن میں خبریں نصیحتیں اور وعدہ و وعید مذکور ہیں سب میں۔ كِبَالًا غَا یعنی جنت میں داخل ہونے کا پورا سامان ہے پورا قرآن جنت کا توشہ ہے جیسے مسافر کے لئے زاد راہ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یا بَلَاغًا سے مراد ہے ذریعہ کامیابی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس سے نصیحت اندوز ہو گا وہ اپنی آرزو کو پہنچ جائے گا۔

لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿۱۷﴾ عبادت کرنے والے لوگوں کے لئے یعنی ان مومنوں کے لئے جو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، عابدین سے مراد ہیں علماء یا کل اہل عالم۔ کعب احبار نے کہا امت اسلام مراد ہے جو پنجوقتہ نماز پڑھتی اور رمضان کے روزے رکھتی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۸﴾ اے محمد ﷺ ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر رحمت کی وجہ سے جہاں والوں پر یا رحمت بنا کر جہاں والوں کے لئے یعنی انس و جن کے لئے۔ پہلے ترجمہ پر رحمت مفعول لہ ہوگا یعنی تم کو رسول بنا کر ہم نے اس وجہ سے بھیجا کہ ہم انس و جن پر رحم کرنا چاہتے تھے پس تم کو ہم نے ہادی بنا کر بھیجا تاکہ لوگ تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلیں دوسرے ترجمہ پر رحمت۔ ک سے حال ہوگا یعنی ہم نے تم کو ہمیں بھیجا مگر اس حالت میں کہ تم سب کے لئے سبب رحمت ہو۔ حاکم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور ابن سعد و حکیم نے ابوصالح کی روایت سے مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کی طرف سے فرستادہ رحمت ہوں۔ بخاری نے تاریخ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

اس جملہ کا عطف إِنَّ فِی هَذَا الْبَلَاغِ پر ہے کیونکہ قرآن جب جنت کا زاد راہ ہے تو جس رسول پر قرآن کا نزول ہو اس کا مبعوث ہونا رحمت ہو گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت اور پیام نبوت لوگوں کو سعادت مند بنا دینے کا سبب ہے اور معاش و معاد کی درستی کا قلیل ہے اب جو شخص اس کو قبول نہیں کرتا اور رحمت کے زیر سایہ آنے سے انکار کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے میری نبوت کی رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کافروں کے لئے دنیا میں رحمت تھے کہ آپ کی وجہ سے دنیا میں ان پر عذاب نہیں آیا، صورت مسخ ہونے، زمین میں دھنسائے جانے اور بنخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب سے مامون ہو گئے۔ (خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ بر قول ابن عباس کافروں کے لئے بھی دنیا میں رحمت تھے اور بر تفسیر اول کافروں کا جلاء عذاب ہونا خود ساختہ اور خود آور وہ ہے انہوں نے رحمت کے زیر سایہ آنے سے خود انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں تھی۔

اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس یہی

قُلْ إِنَّمَا يُوحِي إِلَيَّ الْمَلَكُ وَالْمَلَأُ وَاحِدًا





فَإِنْ أَدْرِيْ لَعْنَةُ فِتْنَةٍ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۰﴾  
 اور میں نہیں جانتا کہ کیا مصلحت ہے، شاید وہ  
 تاخیر عذاب تمہارے لئے صورتہ امتحان ہو اور ایک وقت یعنی موت تک فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ یعنی باوجود یہ کہ اللہ تمہارے ظاہر  
 و باطن سے واقف ہے پھر بھی تم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس تاخیر کی وجہ مجھے معلوم نہیں شاید یہ تاخیر عذاب تمہارے لئے  
 ڈھیل ہو جو تمہارے لئے مزید فتنہ میں پھنس جانے کی موجب ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ شاید یہ تاخیر عذاب تمہاری آزمائش ہو  
 کہ تم نسیحت اندوز ہوتے ہو یا نہیں۔

وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ کا یہ مطلب ہے کہ تاخیر عذاب اللہ کی طرف سے تمہارے وقت اور قلیل مدت کے لئے ایک حقیر  
 بہرہ اندوزی اور فائدہ ہے۔ قضاء الہی میں پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم کو اتنی مدت تک باقی رکھا جائے گا اس لئے فیصلہ شدہ مدت  
 تک تمہاری بقاء ضروری ہے۔

جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ لَعْنَةُ الْكُفْرَانِ امید کے لئے آتا ہے اور فتنہ سے امید کی وابستگی غیر مناسب ہے اس لئے  
 فتنہ کے مقابل مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ کو ذکر کیا۔

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَعْنَةُ الْكُفْرَانِ نے کہا ہے رب میرے اور کفار کے درمیان تو انصاف کا فیصلہ کر دے ظاہر ہے  
 کہ انصاف کا فیصلہ یہی ہو گا کہ کفار کو عذاب میں مبتلا کیا جائے اور مومنوں کو عذاب سے محفوظ رکھا جائے۔  
 وَرَبَّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعٰنُ عَلٰی مَا نَصِفُوْنَ ﴿۱۱﴾ اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلے میں مدد کی  
 درخواست کی جاتی ہے جو تم بتلایا کرتے ہو۔

الرَّحْمٰنُ مَخْلُوْقٌ بِرَبِّهِ رَحْمٌ كَرِيْمٌ وَاللّٰهُ مُبَالِغٌ فِيْهِ۔

الرَّحْمٰنُ وہ ذات جس سے یا جس کی مدد طلب کی جائے۔

عَلٰی مَا نَصِفُوْنَ یعنی تمہارے جھوٹے غلط بیان کے خلاف کہ کافروں کی ہوگی اور اسلام کا جھنڈا چند ہی روز سر بلند رہے گا پھر  
 گر ادیا جائے گا اور اگر کافروں پر عذاب نازل ہونے کی دھمکیاں سچی ہوتیں تو اب تک عذاب آگیا ہوتا۔ اللہ نے اپنے رسول کریم  
 کی یہ دعا قبول کر لی، جنگ بدر کے دن کافروں کی کمر توڑ دی اور مسلمانوں کو فتح عنایت فرمادی۔

يَا عَلٰی مَا نَصِفُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ تم جو بیان کرتے ہو کہ اللہ صاحب لولاد اور محمد ﷺ ساحر ہیں اور قرآن مجید  
 ایک طرح کی شاعری ہے وغیرہ ان تمام خرافات کے خلاف ہمارا رب رحمن ہمارا مددگار ہے ہم اس سے ہی مدد کے خواستگار  
 ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 الحمد للہ سورہ انبیاء کی تفسیر ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ کو بروز روز شنبہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد انشاء اللہ سورہ الحج کی تفسیر  
 آئے گی۔ الحمد للہ و شکر اللہ تبارک و تعالیٰ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کو بروز جمعہ شنبہ ختم ہوا۔

فَالْحَمْدُ لَهُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا

